حالاتِ مصلح الامت رحمۃ اللہ علیہ

سوم

بقلم

ترجمانِ مصلح الامت

حضرت مولانا عبد الرحمٰن صاحب جامی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

دائرۃ الاشاعۃ خانقاہ مصلح الامۃ

۲۴۵ بخشی بازار الہ آباد ۳

قال امام الصوفیہ جنید رحمۃ اللہ علیہ

(عِندَ ذِکرِ الصَّالِحِینَ تَتَنَزَّلُ الرَّحمَۃُ)

سرخیل جماعت صوفیہ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ:

(صالحین کے حالات کے بیان کیوقت رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے)

(بناءً علیہ)

حالاتِ مصلح الامۃ

حصہ (یعنی) سوم

مصلح الامۃ عارف باللہ حضرت مرشدنا مقتدانا مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری (اعظمی) حنفی چشتی صابری اشرفی نور اللہ مرقدہٗ کے حالات زندگی

(بحکم)

مخدوم و محترم جناب مولانا حافظ قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی

خلیفہ و جانشین حضرت مصلح الامۃ قدس اللہ سرہٗ العزیز

(بقلم)

عاجز و ہیچمدان عبدالرحمٰن جامی عفی عنہٗ

مقیم خانقاہ و یکے از خدام حضرت والا

نام کتاب .... حالات مصلح الامتؒ سوم

مرتب .... حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب جامی
علیہ الرحمۃ

ناشر .... دائرۃ الاشاعت خانقاہ مصلح الامتؒ
۲۳/۲۵ بخشی بازار الٰہ آباد۔

صفحات ۶۸۷

سن طباعت ۱۹۹۷ء

زیر نگرانی .... سعادت علی (گورینی)

قیمت حصہ اوّل .... ۱۵۰ روپئے
قیمت حصہ دوم .... ۱۵۰ روپئے
قیمت حصہ سوم .... ۲۶۰ روپئے

فہرست مضامین حالات مصلح الامتؒ

حصّہ سوم

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	مولینا محمد فاروق صاحب الہ آبادی	۵	۱۵	حضرت مصلح الامت علماء وقت کی نگاہ میں	۹۵
۲	مولینا محمد میاں صاحب فاروقی الہ آبادی	۱۳	۱۶	حضرت کی شہرت کا ایک ظاہری سبب	۹۸
۳	مولوی حکیم شفیع اللہ صاحب الہ آبادی	۲۵	۱۷	مولانا عبدالماجد دریابادی اور	۱۰۱
۴	چودھری حبیب الرحمٰن صاحب	۲۹		حضرت مصلح الامتؒ	
۵	شاکر حسین خانصاحب مرحوم	۳۷	۱۸	مولینا مناظر حسن صاحب گیلانی اور	۱۲۱
۶	پروفیسر سید محمد احمد صاحب	۴۶		مصلح الامتؒ	
۷	ڈاکٹر حافظ صلاح الدین احمد صاحب صدیقی	۵۹	۱۹	حضرت مولینا عبدالباری صاحب ندوی	۱۳۷
۸	مولوی عبدالمجید صاحب	۶۰		اور مصلح الامتؒ	
۹	جناب کمشنر سید حسین صاحب الہ آبادی	۶۱	۲۰	مولینا ابوالحسن صاحب ندوی	۱۶۷
۱۰	حضرت مصلح الامت کے کچھ حالات	۶۷		اور حضرت مصلح الامتؒ	
۱۱	چار ہفتہ ایک کہف میں	۶۹	۲۱	التذکیر بالقرآن	۱۸۵
۱۲	مکاتیب ثلاثہ	۸۲	۲۲	حضرت مصلح الامت کا سفر لکھنؤ	۲۲۸
۱۳	نقل خط مولانا عبدالباری ندوی	″		(بسلسلۂ علاج)	
۱۴	مضمون تقویم اخلاق	۸۹	۲۳	علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ	۲۵۰
				اور حضرت مصلح الامتؒ	

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۴	ھدایت نامہ (بسلسلہ اجازت)	۳۰۰
۲۵	مدح کے متعلق ایک خاص مضمون	۳۰۷
۲۶	حضرت والاؒ سے ملاقات پر مولینا انظر شاہ صاحب کے تأثرات	۳۲۴
۲۷	حکیم الاسلام حضرت مولینا قاری محمد طیب صاحبؒ اور حضرت مصلح الامتؒ	۳۶۲
۲۸	دار العلوم دیوبند کیجانب سے دعوت نامہ	۳۸۱
۲۹	دیوبند کو علیگڈھ سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے	۳۸۸
۳۰	حضرتؒ کا ایک خاص خط بمبئی جانے کے وجوہ	۴۱۴
۳۱	حضرت والاؒ کا اپنے ایک خادم کو انتباہ	۴۲۴
۳۲	مدرسہ دیوبند کے متعلق حضرت مصلح الامتؒ کا ایک اعلان	۴۲۹
۳۳	مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی اور حضرت مصلح الامتؒ	۴۸۷
۳۴	آہ۔ حضرت مولینا وصی اللہ صاحبؒ	۴۹۰
۳۵	حضرت مولینا ظفر احمد صاحب تھانوی علیہ الرحمہ اور حضرت مصلح الامتؒ	۵۰۴
۳۶	جناب مولینا اطہر علی صاحب اور مصلح الامتؒ	۵۲۱
۳۷	حضرت مولینا جمیل احمد صاحب تھانوی اور حضرت مصلح الامتؒ	۵۳۶
۳۸	جناب ڈاکٹر محمد عبد الحئی صاحب اور حضرت مصلح الامتؒ	۵۳۸
۳۹	حضرت مولینا مسیح اللہ خان صاحبؒ اور حضرت مصلح الامتؒ	۵۴۶
۴۰	حضرت مولینا محمد زکریا صاحبؒ شیخ الحدیث اور حضرت مصلح الامتؒ	۵۷۱
۴۱	حضرت مولینا اسد اللہ صاحبؒ اور مصلح الامتؒ	۵۸۹
۴۲	حضرت مولینا شاہ عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ اور حضرت مصلح الامتؒ	۵۹۹
۴۳	حضرت مولینا حسین احمد صاحبؒ مدنی اور مصلح الامتؒ	۶۱۶
۴۴	صوفی عبد الرب صاحب کے چند خطوط	۶۶۰
۴۵	حضرت مصلح الامت کے چند ارشادات	۶۶۴
۴۶	اختتام حصہ ھذا	۶۸۷

مولانا محمد فاروق صاحب الہ آبادی مدظلہ ۔ آپ کا قدرے تعارف "سفر اُتراؤں" کے ضمن میں ہو چکا ہے الہ آباد سے جانب مشرق بنارس جانے والی چھوٹی لائن پر چوتھا اسٹیشن "سید آباد" واقع ہے وہاں سے دو ڈھائی میل جانب شمال ایک خاصا موضع "اُتراؤں" نامی آباد ہے یہی مولانا موصوف کا مسکن ہے ۔ ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ سے آپ کا تعلق مولوی رومی سلمہ کے تعلق کے فوراً بعد ہی سے ہے ۔ الہ آباد جب حضرت اقدس کی تشریف آوری ہوئی تو تعلقات اور آمد و رفت میں اضافہ ہوتا گیا ۔ یہاں تک کہ حضرت والا متعدد بار اُتراؤں بھی تشریف لے گئے اور ایک موقع پر تو یہ بھی فرمادیا کہ اگر میں کہیں دیہات میں مکان بنواتا تو اتراؤں ہی میں بنواتا ۔ یہ تو خیر الہ آباد آنے اور اتراؤں جانے اور وہاں کے حالات سے متاثر ہو کر فرمایا ۔ یوں بھی حضرت اپنے زمانۂ قیام فتحپور ہی سے مولانا موصوف پر بڑا اعتماد فرماتے تھے ۔

چنانچہ تھانہ بھون کی خانقاہ سے جب حضرت مولانا حامد حسن صاحبؒ سبکدوش ہو گئے اسوقت مولانا شبیر علی صاحب (ابن الاخ حضرت تھانویؒ نے) کراچی سے منتظم خانقاہ کو لکھا کہ خانقاہ میں اب کسی اچھے اور اپنے مسلک سے پختہ تعلق رکھنے والے کو رکھا جائے ۔ تلاش جاری ہوئی اسی اثناء میں شاید کسی نے ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کو بھی لکھدیا کہ خانقاہ خالی ہے اگر حضرت اقدس کچھ دنوں کے لئے یہاں تشریف لے آویں تو یہ از سر نو آباد ہو جائے ۔ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کو اس قسم کی جگھوں کا خوب تجربہ تھا انھیں تو لکھا کہ مجھے یہاں کے کام ہی سے فرصت نہیں ہے وہاں کیسے آؤں ؟ اور اپنے لوگوں سے فرمایا کہ مجھے لوگ تھانہ بھون بلا رہے ہیں اور کل کو مجھ سے لڑ پڑیں گے میں ایسا کام نہیں کرتا لیکن ہاں وہ ہمارے حضرتؒ کی جگہ ہے اسکی آبادی کا مجھے بھی خیال ہے لہٰذا مولوی فاروق صاحب موصوف سے فرمایا کہ تم تیار رہنا اگر ان لوگوں نے پھر مجھے کچھ لکھا تو تم ہی کو بھیجوں گا ۔ چنانچہ پھر کسی کا خط آیا کہ اگر آپ کسی وجہ سے نہ تشریف لا سکیں تو اپنے کسی معتمد علیہ ہی کو بھیجدیجئے ۔ چنانچہ حضرت نے انھیں مولوی فاروق صاحب

کو بھیجا اور چلتے وقت یہ فرمایا کہ تمکو دو نصیحتیں کرتا ہوں انکا برابر خیال رکھنا ایک تو یہ کہ وہ ہمارے شیخ کی جگہ ہے وہاں ادب کے ساتھ رہنا وہ جگہ پلکوں سے جھاڑ دینے کی ہے دوسرے یہ کہ وہاں کسی سے لڑنا مت اور اختلاف نکرنا۔ لوگ موافق رہیں تو اخلاق کے ساتھ رہنا اور کسی رویہ سے مخالفت کا اندازہ ہو تو خاموشی سے چلے آنا مولوی فاروق صاحب کہتے تھے کہ میں گیا اور حضرت والا کی دونوں نصیحتوں کو پلّے باندھ لیا حضرت مولانا تھانویؒ کی کتابوں پر نظر تھی علاوہ درسِ تفسیر و حدیث اور اوقات میں بھی حضرتؒ ہی کے ملفوظات کا مذاکرہ رہتا تھا۔ اسوقت خانقاہ کے ناظم جناب عبدالولی صاحبؒ تھے جو وہیں مقیم تھے اور حاجی شمشاد صاحب، حاجی نیاز صاحب (خادم حکیم الامۃؒ)۔ حافظ اعجاز صاحب، میاں جیون صاحب وغیرہ جیسے قدیم حضرات کا بھی قیام تھا۔ یہ سب لوگ مجھ سے قریب ہوتے گئے اور آہستہ آہستہ قصبہ سے دوسرے لوگ بھی شریک وعظ ہوتے رہے۔ لوگوں نے باہر چرچا کیا تو آس پاس کے دیہات سے بھی وعظ کے لئے بلایا جانے لگا۔ اس طرح الحمد للہ نہایت سکون سے کام ہو رہا تھا کہ خاندان میں کوئی تقریب پڑی اور میرے خسر جناب حکیم حبیب اللہ صاحب خود جاکر مجھے لوالائے۔ میں کچھ دنوں وطن میں زیادہ رہ گیا اسلئے لوگوں کو وہاں یہ شبہ ہوا کہ شاید اب میں نہ آؤں اسلئے حضرت والاؒ کے پاس فتحپور خط پر خط بھیجنے لگے کہ مولوی فاروق صاحب کو تھانہ بھون جلد بھیجد یجئے۔

بہرحال میں دوسری بار حاضر ہوا اور حضرت والا سے سیکھے اور سنے ہوئے اخلاق پر قائم رہتے ہوئے اپنا کام کرتا رہا۔ چنانچہ کبھی کبھی مولانا حامد حسن صاحب مدظلہ بھی میرا وعظ سننے کے لئے آجاتے پھر کبھی دو چار دفعہ ان کے آنے کے بعد میں بھی اُدھر کبھی نکلا تو ان سے مل لیتا میں اسکو اپنے تئیں اخلاق سمجھے ہوئے تھا لیکن وہاں کے بعض حضرات کے نزدیک میرا یہ فعل ناپسند ہوا۔ ظاہر ہے کہ عرصہ تک ایک مخالفت باہم رہ چکی تھی وہ لوگ اس سے متاثر تھے اور میرے ساتھ چونکہ کوئی معاملہ نہ ہوا تھا میں نے چاہا کہ سابق خلیج پٹ جائے تو اچھا ہے۔ مگر جب بعض حضرات نے

اسپر نکیر کی جو انکی مصلحت کے شاید موافق رہی ہو لیکن میری طبیعت کے خلاف تھی تو
تو میں ڈرا اور حضرت اقدس کی نصیحت یاد آئی، ڈرا یوں کہ اگر کسی نے حضرت اقدس کو
میرے خلاف کچھ لکھدیا اور حضرت اقدس کہیں مکدر ہو گئے تو یہ میرے لئے صریح نقصان
اور دین و دنیا کے خسران کا سبب ہوگا اسلئے میں خود ہی وہاں سے چلا آیا اور حضرت والا
سے سارا حال تفصیل سے آکر عرض کر دیا۔ فرمایا کہ خیر اچھا کیا جو چلے آئے۔

مکرمی مولوی فاروق صاحب بیان کرتے تھے کہ دوسری بار جب میں تھانہ بھون
سے واپس آیا اور پھر حضرت کے یہاں فتیحپور حاضر ہوا تو حسن اتفاق سے انھیں دنوں
مولانا سید ظہور الحسن صاحب کسولوی بھی حضرت کے پاس تشریف لائے ہوئے
تھے انھوں نے میرے متعلق حضرت سے کچھ کہا ہوگا اور شاید یہ بھی خواہش ظاہر
فرمائی کہ فاروق کی وہاں ضرورت ہے، ان سے وہاں کے لوگ خوش اور مطمئن ہیں
لوگوں کو نفع ہو رہا تھا۔ یہ تو معلوم نہیں کہ حضرت والا نے انکو کیا جواب دیا بہر حال میرا
عندیہ چونکہ حضرت کو معلوم ہو چکا تھا اسلئے حضرت نے اپنی خداداد بصیرت سے یہ
سوچا کہ ایسی کوئی صورت پیدا ہو جائے کہ مجھے انکار نہ کرنا پڑے بلکہ مولوی ظہور الحسن
صاحب خود ہی مولوی فاروق کو وہاں بیجانا مناسب نہ سمجھیں تو بہتر ہے۔ چنانچہ
مولوی فاروق صاحب کو تنہا بلا کر ان سے یہ فرمایا کہ تم مکان واپس جا رہے ہو مولوی
ظہور صاحب کو بھی اپنے وطن الہ آباد دے جاؤ پھر وہ ادہر ہی سے تھانہ بھون چلے
جائیں گے۔ میں نے اسوقت حضرت والا کے منشار کو قطعی نہیں سمجھا لیکن حکم تھا منظور کر لیا
اور مولوی صاحب موصوف سے اپنی جانب سے عرض کیا کہ واپسی پر غریب خانہ پر الہ آباد
تشریف لیچلیں تو آپکی عنایت ہوگی اسی طرف سے تھانہ بھون چلے جائیے گا۔ انھوں نے
سنتے ہی کان پر ہاتھ دھرا اور فرمایا اسے توبہ توبہ حضرت کے یہاں سے پٹہ
کٹواؤ گے کیا؟ حضرت کیا خیال فرمائیں گے کہ اسطرف لوگ سیر کرنے کیلئے آتے ہیں
اگر فرصت تھی تو وہ ایام یہیں کیوں نہیں گذارے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے
مولوی ظہور صاحب سے عرض کیا کہ حضرت والا سے اجازت لینا ہمارے ذمہ ہے

بس آپ چلنے کے لئے تیار ہو جائیے۔ چنانچہ میں نے مجلس کے بعد حضرت سے عرض کیا کہ جی چاہتا ہے کہ مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہٗ بھی ہمارے ساتھ الہ آباد تشریف لے چلیں اور ایک دن غریب خانہ پر قیام کر کے اسی طرف سے وطن تشریف لیجائیں حضرت نے فرمایا ہاں ہاں بہت اچھا ہے ضرور لے جاؤ۔ چنانچہ مولانا ظہور صاحب کو اپنے ہمراہ اترآؤں لے گیا قریب وجوار میں اطلاع کرادی بہت سے لوگ ملنے کے لئے آئے۔ میں نے وعظ کی فرمائش کی فرمایا ارے میں وعظ کہاں کہتا ہوں میں نے کہا کہ دو منٹ چار منٹ کچھ فرما دیجئے باقی وقت میں کچھ کہدوں گا چنانچہ مولانا نے وعظ فرمایا اور اچھا وعظ کہا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ ماشاء اللہ یہاں تو آپ نے بڑا ہی اچھا ماحول پیدا کر رکھا ہے پہلے میرا بھی خیال تھا کہ آپ کو باصرار تھانہ بھون بلاؤں لیکن یہاں کا کام دیکھکر اب آپ کو وہاں کے لئے تکلیف دینا ظلم ہے اور ایک (بنی بنائی) جگہ کو اجاڑ کر دوسری جگہ کو آباد کرنے کے مرادف ہے۔ بالکل نہیں، آپ کو یہیں کام کرنا چاہیئے اور اتنا کام جو یہاں دیکھ رہا ہوں شاید وہاں برسوں کے بعد بھی نہ ہو سکے۔ اسوقت میری سمجھ میں آیا کہ اوہو حضرت اقدسؒ نے کیوں مولوی صاحب موصوف کو الہ آباد لوا جانے کے لئے فرمایا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی مولوی صاحب سے عرض کیا کہ مولوی یوسف صاحب کو بلایا گیا ہے۔ بہت اچھا ہے ضرورت ہوگی تو کبھی کبھار میں بھی حاضر ہو جایا کروں گا۔ مولوی صاحب موصوف نے بھی اسکی تائید فرمائی کہ یہی مناسب ہے۔

اس واقعہ سے ناظرین کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ حضرت کو مولوی فاروق صاحب پر کس درجہ اعتماد تھا اور حضرت ان سے کس قدر مطمئن تھے۔

اسی طرح مولوی فاروق صاحب ہی سے معلوم ہوا کہ جس وقت الہ آباد کا مکان لیا جانا زیر غور تھا تو حضرتؒ کو فکر تھی کہ یہ کثیر رقم کیسے فراہم کیجائے الہ آباد کے مکان کے لئے دوسری جگہوں کے لوگوں کا تعاون حضرت کو کچھ پسند نہ تھا اور نہ اسکے لئے کسی سے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ مولوی فاروق صاحب نے کہا کہ ایک دن انھیں ایام میں

میں حاضر ہوا تو حضرت کو متفکر پایا فرمایا کہ مولوی فاروق مکان خریدنے کی بات چیت چل رہی ہے فکر ہے کہ یہ رقم کہاں سے فراہم کروں میرے پاس توفی الحال اتنے ہی روپئے ہیں اور ضرورت فوری طور پر پچیس ہزار کی ہے۔ مولوی فاروق صاحب نے کہا کہ میں نے حضرت کی تسلی کے لئے عرض کیا کہ حضرت کچھ فکر نہ فرمائیں سب انتظام ہو جائے گا۔ پھر فرمایا کہ مولوی فاروق میں سب ادا کردونگا مگر یہ کہ سردست میرے پاس اتنا روپیہ موجود نہیں ہے۔ کہتے تھے کہ میں اٹھا اور سیدھے مکان آیا اور ایک خاصی مقدار کا انتظام کر کے لیجا کر پیش کر دیا حضرتؒ بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ مولوی فاروق تم نے میرے اوپر سے ایک بوجھ ہٹا دیا۔ بعد میں حضرت اقدس نے سب روپئے واپس فرما دیئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مولوی فاروق صاحب سے حضرتؒ اپنے راز اور گھریلو معاملات میں بھی مشورہ فرمایا کرتے تھے۔ بہر حال راقم نے بھی دیکھا کہ بہت سے مواقع پر اللہ تعالے نے مولوی صاحب موصوف کو خدمت کا موقع عطا فرمایا جو ان کے لئے بڑی سعادت کی بات تھی ؎

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی　　　منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

(بادشاہ پر احسان نہ رکھ کہ تو اسکی خدمت کرتا ہے بلکہ اسکا احسان مند ہو کہ اسنے تجھے اپنی خدمت میں لگالیا)

بہر حال حضرت اقدس نے جو احسان ہم سب پر فرمائے اسکا عشر عشیر بھی ہملوگ ادا کر سکے تاہم جس کو یہ موقع نصیب ہوا وہ واقعی صاحب نصیب تھا۔ وذالک فضل اللہ یوتیہ من یشآء واللہ ذوالفضل العظیم۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ حضرت والا کو اترا ؤں بیحد پسند آیا تھا چنانچہ متعدد بار حضرت وہاں تشریف بھی لے گئے۔ ایک مرتبہ اثنا رقیام میں اپنی صبح یا شام کی تفریح میں حضرت والا مولوی فاروق صاحب کے ہمراہ رکشہ سے گاؤں سے باہر کچھ فاصلہ پر تشریف لے جا رہے تھے کہ دور سے ایک دوسرے گاؤں کے کنارہ پر ایک نہایت ہی شاندار مسجد اور ایک وسیع عمارت اور ایک پختہ مقبرہ نظر آیا، مولوی فاروق صاحب نے

اسکے متعلق حضرت سے عرض کیا کہ حضرت اسکی ایک تاریخ ہے وہ یہ کہ یہ مزار ایک بزرگ کا ہے جو کہیں باہر سے یہاں تشریف لائے تھے یہاں کے لوگوں نے ان کی بہت قدر کی اور بہت خدمت کی تو وہ یہیں رہ پڑے اور کسی موقع پر فرمایا اتبو یہیں دم ہی گرطے گا چنانچہ اس موضع کا نام ہی دم گڑا ہوگیا۔ یہاں کوئی پٹواری تھا اس نے بھی حاضر ہوکر اپنے لئے شاہی ملازمت ملنے کی درخواست کی آپ نے خوشی میں اسکے آگے اپنا قلمدان بڑھا دیا اور اسکے لئے دعا بھی فرمادی چنانچہ وہ ترقی کرتے کرتے وزیر ہوگیا (حضرت کا اشارہ بھی شاید اس سے یہی تھا کہ تمھیں قلمدان وزارت ہی سپرد کرتا ہوں) چنانچہ ان بزرگ کے لئے اسی پٹواری نے یہ خانقاہ اور مسجد بنوادی اور بعد وصال انکا یہ مقبرہ بنوادیا۔

اور اس میں شک نہیں کہ حضرت والاؒ سے محبت اور حضرتؒ کی خدمت بابرکت میں مسلسل حاضری کی وجہ سے مولوی فاروق صاحب حضرت اقدسؒ کے مزاج شناس بھی ہوگئے تھے چنانچہ جب اتراؤں سے مولوی صاحب الہ آباد آجاتے تو ہم لوگوں کو اطمینان ہوجاتا تھا کہ اب تنہائی کے اوقات میں یا بوقت قیلولہ یا بعد عشاء حضرت والاؒ جو کسی نہ کسی کو بلا لیتے تھے تاکہ وہ کچھ ایسی باتیں کرے جو حضرت کے کے لئے باعث سکون ہو اور حضرت کو نیند آجائے اسکے لئے مولوی صاحب کافی ہیں۔ یہ اسلئے کہ حضرت والا کے سامنے کچھ بولنا کوئی آسان کام نہ تھا اکثر بولنے والے ذرا ہی دیر میں کسی نہ کسی بات میں پکڑ جاتے تھے اور ان سے مواخذہ ہوجاتا تھا کیونکہ ایسے وقت میں شیخ کے قرب کو غنیمت سمجھکر نفس پھول جاتا ہے اور آدمی کلام کے حدود سے نکل جاتا ہے کبھی کسی کی غیبت زبان سے نکل گئی کبھی اور کوئی ایسی بات کہدی کہ جس سے غلو یا مبالغہ مترشح ہوتا تو یہ سب چیزیں قابل مواخذہ بن جاتیں۔ حضرت اقدسؒ اپنے اس آرام و راحت کے وقت میں بھی اصلاح سے غافل نہ رہتے اور ہم لوگ قرب کے خیالی جال میں پھنس جاتے لیکن مولوی صاحب اپنی کثیر معلومات اور خداداد فہم کی وجہ سے اندازہ کرلیتے کہ اسوقت کس قسم کی

بات حضرت سننا پسند فرمائیں گے چنانچہ کبھی کبھی حضرت والا انکی باتوں سے محظوظ ہوکر خوب ہی ہنستے اور اکثر تھوڑی ہی دیر میں نیند آجاتی اور دوسرے لوگ اس منزل میں نیل ہوجاتے تھے۔

اب آخر میں مولوی فاروق صاحب مدظلہ کے چند خطوط ملاحظہ فرمائیے جس سے انکی محبت تعلق اور حضرت والا سے اخذ طریق کا اندازہ ہوتا ہے اپنے ایک عریضہ میں حضرت والا کو لکھتے ہیں کہ :۔

عرض حال : بہ برکت دعا و توجہ حضرت والا قلب کی نگہداشت برابر رہتی ہے ۔ آجکل عجز و شکستگی زیادہ معلوم ہوتی ہے تعلق مع اللہ کی ایک تڑپ اور طلب میں یوماً فیوماً ترقی معلوم ہو رہی ہے ۔ بعض بعض روز ایک کیفیت ایسی رہتی ہے کہ دنیا و ما فیہا نظروں میں بالکل ہیچ معلوم ہوتی ہے ۔

ارشاد مرشد : الحمدللہ

حال : قلب کا تاثر بعض وقت اتنا بڑھ جاتا ہے کہ حق تعالےٰ کا ذکر، انکی ایک ایک نعمت کا تصور، انکے کلام پاک کا ایک ایک لفظ اور مضمون تیر و نشتر کا کام کرتا ہے ۔ جی بھر بھر آتا ہے، پھوٹ پھوٹ کر رونے کو جی چاہتا ہے ۔

ارشاد : خوب ۔

حال : بعض وقت گریہ بھی طاری ہوجاتا ہے، کاش میری ہمت کی پستی میرے شوق کی بلندی کا ساتھ دیتی ۔

ارشاد : اللہ تعالیٰ دونوں کو ایک ساتھ کردے ۔

حال : حضرت والا کا تصور ایسا جمارہتا ہے کہ گویا حضرت والا کو اپنے سامنے موجود پاتا ہوں، سوتے جاگتے کسی وقت حضرت والا ذہن سے نہیں اترتے ۔ بعض وقت بے اختیاری اور بیقراری ایسی بڑھی رہتی ہے کہ اپنے آپے سے باہر ہونا چاہتا ہوں ۔

ارشاد : خوب ۔

حال : بعض وقت ایسی تڑپ ہوتی ہے کہ کاش پر ہو اور اڑ کر حضرت والا کی خدمت میں

پہونچا۔ حضرت کے مبارک قدموں پر سر رکھکر نہایت لجاجت سے عرض کروں کہ ؎

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا درداکہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

(اے دل والو! خدا کیلئے (کوئی تدبیر؟) میرا دل میرے ہاتھ سے جاتا رہا ہائے افسوس کہ میرا چھپا راز ظاہر ہو جائے گا)

ارشاد: یہ محبت کی کیفیت کا غلبہ ہے۔

حال: ذاکرین و عابدین بلکہ اپنے شاگردوں اور عام مسلمان نمازیوں کی نماز و دیگر مشغولی بذکر اللہ کو دیکھکر نہایت درجہ محبت کا جوش ہوتا ہے۔ قدم چومنے کا جی چاہتا ہے

ارشاد: ماشاء اللہ تعالےٰ۔

اپنے ایک دوسرے عریضہ میں تحریر کرتے ہیں کہ:۔

حال: بہ برکت دعا و توجہ حضرت اقدس سلمہ اللہ تعالیٰ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین ہو گئی ہے کہ حصول رضاء حق کا ذریعہ اور مدار محض اخلاص ہے۔ ارشاد: ہاں اخلاص ہی ہے۔

حال: چنانچہ بہ برکت حضرت والا جملہ شعب نفاق پر غور و خوض کرنیکی عادت ہوتی جا رہی ہے اور جلب اخلاص کا ذریعہ اور نفاق کا تریاق، تعلق بالمصلح دیکھکر اور سمجھکر حضرت والا کی محبت کیطرف حاضراً و غائباً اپنی توجہ مرکوز کر کے اسکے اسباب کے اختیار کرنیکی توفیق ہو رہی ہے۔ ارشاد: الحمد للہ علی ذلک۔

حال: حضور ہم بالکل تباہی کے کنارے پر کھڑے تھے ورطہ ہلاکت میں پڑے جان دیدینا چاہتے تھے نفس و شیطان کے چنگل میں پھنس کر ہم صم بکم عمی ہو رہے تھے ہم حضور کا کس زبان سے شکر ادا کریں کہ حضور والا نے احسان عظیم سے ہمکو نوازا اور اس خطرناک گڑھے سے ہمکو نکالا اور صراط مستقیم پر لا کھڑا کر دیا۔ ارشاد: اور اللہ تعالیٰ کا ہم دونوں پر احسان ہے۔

حال: حضرت والا بعض خانگی حالات و معاملات کا ایسا اثر پڑا کہ سخت قلبی و دماغی پریشانی میں مبتلا ہو گیا ایک زبردست انقباض طاری ہو کر حوصلہ شکن اور ہمت شکن اوہام و وساوس اور حسرت و یاس میں گرفتار ہو گیا کسی کسی وقت گریہ طاری ہو جاتا ہے چیخ نکل جاتی ہے وعظ و نصیحت یا کسیکو کہنے سننے پر طبیعت قادر نہیں ہے نہ کسی کی فرمائش ایسی معلوم ہوتی ہے کہ کاٹنے کھاتا ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا حالت ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک احساس کہتری میں مبتلا ہوں۔ ایک ذلیل نکما اور بیکار انسان ہوں کسی سے ملنے جلنے کی بھی طبیعت نہیں چاہتی۔ حضرت والا جیسے ماں باپ سے زیادہ شفیق و مہربان اور مربی کے ظل عاطفت میں محض اسی کی برکت ہے کہ سنبھلے رہنے کی قوت باقی ہے۔ ارشاد: یہ تو نہایت اچھی عالت ہے۔ ترک تعلق کو شرط ٹھہرایا ہے مشائخ نے۔ یہ نہایت لذیذ پریشانی ہے سب اہل اللہ کو ہوتی ہے۔

(دسمبر ۶۹ء)

مولانا محمد میاں صاحب فاروقی الہ آبادی : ناظرین رسالہ مولانا موصوف سے فی الجملہ تو متعارف ہوں گے ہی اسلئے کہ حالات الہ آباد میں متعدد جگہ مولانا کا ذکر آچکا ہے۔ بہرحال آپ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادیؒ خلیفہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس سرہٗ کے پوتے اور مولانا ولایت حسین صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں آپ نے عربی تعلیم جامعہ ازہر میں حاصل کی اور یہاں آکر طب بھی پڑھی کچھ زمانہ آپ کا تھانہ بھون میں بھی حضرت حکیم الامۃؒ کی خدمت میں گذرا۔ ہمارے حضرتؒ سے آپ کا تعارف وہیں سے تھا مگر قیام تھانہ بھون کے بعد پھر حضرت والاؒ سے ملاقات کا کوئی موقع نہ مل سکا۔ حضرت مولاناؒ اپنے وطن اعظم گڈھ میں تھے اور مولانا فاروقی کا تعلق کچھ اہل سیاست سے ہوا۔ چنانچہ عمر کا بیشتر حصہ اسی کی نذر ہوگیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا کرنا کچھ ایسا ہوا کہ ادھر کچھ سیاسی ہماہمی کم ہوگئی اور حسن اتفاق کہ حضرت والاؒ کا الہ آباد تشریف لانا ہوگیا۔ مولانا محمد میاں صاحب مدظلہ کا گھرانہ ہی دیندار تھا اس لئے دین کا خیال تو بچپن ہی سے تھا۔ پھر تھانہ بھون پہونچکر دین کی حقیقت اور دینداری کی فضا میں کچھ عرصہ رہنا جو ہوگیا تو اسکی وجہ سے رسوم کی قباحت اور حقیقت شناسی بھی کچھ آئی لیکن دوسرے مشاغل نے ادھر پوری طرح متوجہ نہ ہونے دیا۔ چنانچہ حضرت والا کی الہ آباد تشریف آوری پر مولانا مدظلہ میں حقیقی دین کی لذت اور راہ مولیٰ کی طلب پھر موجزن ہوئی، چنانچہ حضرت مصلح الامۃؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور برابر حاضر ہونے لگے اور اسی سلسلہ میں حضرت والا کو یہ خط لکھا :۔

"مرشدی وسیدی ومولائی مدظلہ العالی ۔ السلام علیکم

حضرت مولانا (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کا وہ منبع فیض تھا کہ ناکارہ ترین آدمی بھی بلا کچھ لئے واپس نہ ہوتا تھا مگر میرے ناکارگی کی کوئی انتہا نہیں کہ ویسا ہی کورا اور ناکارہ رہا۔

مگر حضرت مولاناؒ کے تصرف کی ایک کارفرمائی ضرور ہوئی کہ حضرت والا

کے قدموں میں ڈال دیا۔ ممکن ہے حضرتؒ اور حضرت والا کا تصرف
کچھ کام بنا دے مگر اپنی نااہلی سے ہر وقت مایوسی سی رہتی ہے
کام کچھ نہیں ہوتا ناغے بہت ہوتے ہیں آخر کب تک یہ حالت رہیگی
حضرت کرم فرمائیں۔

اور معمولات کے ساتھ (جو اتنے مختصر ہیں کہ انکو معمولات نہیں کہا جاسکتا) شجرہ بھی پڑھتا ہوں۔ اکثر جی چاہتا ہے حضرت والا کے نام مبارک سے اسکو شروع کروں اور حضرت مولاناؒ کا اسم مبارک بدستور پڑھوں، کیونکہ ابتو حضرت والا ہی کا پہلا وسیلہ ہے۔ اگر اجازت ہو تو یہ تمنا پوری کروں۔ میرے حضرت دعا فرمائیں۔

خادم - محمد (میاں فاروقی)

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ مولانا محمد میاں نے طب بھی باقاعدہ پڑھی تھی اور مطب بھی فرماتے تھے لیکن ایک وقت میں دو کام چونکہ نہیں ہوا کرتے اسلئے طب میں آپکا خاص شہرہ نہ تھا۔ تاہم حضرت والاؒ سے تعلقات بڑھتے ہی رہے۔ حضرت والا کو بھی ایسا کچھ اندازہ ہوا کہ شاید اب یہ دنیوی مشاغل سے فارغ ہوکر دین ہی سیکھنا چاہتے ہیں اسلئے مولانا کی جانب (انکو ہر طرح اہل سمجھتے ہوئے) متوجہ ہوئے۔ حضرت یہ چاہتے تھے کہ مولانا ہمارا کام سیکھ لیں تو کم ازکم اہل الہ آباد کو اُنکی جانب متوجہ کردوں تاکہ ایک کام ہوجائے لیکن کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت والاؒ مولانا کی جانب سے کسی بات کے منتظر تھے جیسا کہ خود حضرت والا ہی فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا تھانویؒ حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ کے متعلق بہت پہلے یہ سمجھتے تھے کہ یہ اجازت دیئے جانے کے اہل ہوگئے ہیں لیکن اپنے طور پر دل میں یہ طے کئے ہوئے تھے کہ جب تک یہ ڈپٹی کلکٹری سے استعفیٰ نہ دینگے میں اجازت نہ دونگا، مگر حضرت مولانا اسکو ان سے کہتے نہ تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ کی خواہش کے مطابق خواجہ صاحبؒ کے قلب میں

بھی اس نوکری کیطرف سے الجھن پیدا فرمادی اور انھوں نے اس سے استعفا دیدیا اور اسکے بجائے اسکول کی انسپکٹری قبول فرمالی حالانکہ منصب وجاہ کے لحاظ سے اسکا مرتبہ اس سے کم تھا۔

الغرض حضرت والاؒ کو مولانا کیطرف سے یکسوئی کا انتظار برابر رہا تاہم حضرت اپنا کام برابر کرتے رہے یعنی اصلاح وتربیت۔

بالعموم دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ حضرت مولانا تھانویؒ کی طرف سے مجاز صحبت یا حضرت تھانوی سے بیعت یا ازکم حضرت کی خدمت میں حاضر بھی ہو چکے ہوتے تھے ان کیلئے کامل اعتقاد کے ساتھ ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کے ساتھ تعلق مشکل ہی ہو جایا کرتا تھا اس لئے کہ بوجہ پیر بھائی ہونے کے اس سے ایک گونہ مساوات کا خیال ہوتا ہے اور آدمی جھکتا ہے اس کے آگے جس کو اپنے سے بڑا سمجھتا ہے اسی لئے حضرت والا ایسے لوگوں کا امتحانِ عقیدت ضرور لیتے کیونکہ آدمی جبتک کسی کو اپنے سے بڑا نہیں تسلیم کرلیتا اسکے ساتھ عقیدت مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے ماہ فروری ۶۳ء کے رسالہ میں تعلیمات مصلح الامۃؒ کے بیان میں پہلا ہی ملفوظ یہ پڑھا ہوگا کہ فرمایا کہ۔ ایک مولوی صاحب سے دریافت فرمایا کہ آپ نے بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہوگا آپ سے پوچھتا ہوں کہ الخ تو اس میں مولوی صاحب سے مراد (والد ماجد جناب مولوی سراج الحق صاحبؒ ہیں) اور یہ جو فرمایا کہ۔ آپ نے بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہوگا اس سے مراد (حضرت مولانا تھانویؒ بھی ہیں)۔

اسی طرح سے ماہ نومبر ۶۴ء کے رسالہ میں خود انھیں مولانا محمد میاں صاحب فاروقی مدظلہ سے دریافت فرمایا کہ۔ آپ تو تھانہ بھون بھی گئے ہیں، آپ سے پوچھتا ہوں کہ مجھ سے طریق کا بھی کچھ نفع لوگوں کو پہونچے گا یا نہیں؟ اسکا جو جواب مولانا فاروقی صاحب مدظلہ نے دیا وہ نومبر و دسمبر ۶۴ء کے حالات مصلح الامۃؒ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تو مقصود ان استفسارات سے حضرت

مصلح الامۃؒ کا یہی ہوتا تھا کہ میری اور میرے کام کی انکی نظروں میں کچھ وقعت بھی ہے یا نہیں تاکہ جواب سے انکی عقیدت کا اندازہ لگایا جاسکے۔ کیونکہ طالب کی اگر عقیدت ہی درست نہ ہوئی تو اسکو شیخ سے کچھ بھی نفع نہ ہوگا۔ جیسا کہ خود حضرت کسی کا واقعہ بیان فرماتے تھے کہ میرے ہی ہمراہ تھانہ بھون گئے لیکن مجھ سے پہلے ہی وطن لوٹ آئے۔ اور یہاں آکر لوگوں سے کہا کہ ارے ان میں (یعنی حضرت مصلح الامۃ میں) اور حضرت مولانا تھانوی میں بہت فرق ہے۔ میں نے جب یہ سنا تو کہا کہ ۔ میں ٹھہرا مرید اور حضرت مولانا میرے پیر ہیں، پیر میں اور مرید میں نسبت ہی کیا ہوتی ہے۔ ان صاحب نے ناحق نسبت بیان کرنے کی زحمت کی ۔ بس کچھ نہیں تھا اتنا تو وہ بھی سمجھتے ہی تھے کہ مرید اور پیر کا مقابلہ ہی غلط ہے۔ مگر چونکہ مجھکو ماننا نہیں چاہتے تھے اسلئے نفس نے ایک عنوان ان کے سامنے مزین کر دیا جس سے خود بھی خوش ہوئے ہوں گے اور دوسروں کو بھی مجھ سے بدظن کرنا چاہا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

پس چونکہ تھانہ بھون جانے کے بعد یا حضرت تھانویؒ سے بیعت کے بعد لوگوں میں ہمسری کا خیال پیدا ہوجاتا تھا اور مساوات کا خیال کارفرما ہوجاتا تھا اسلئے حضرت والا ان لوگوں کا بہت بہت امتحان لیتے تھے جو حضرت مولانا تھانویؒ کے یہاں جاچکے ہوں یا کسی اور بزرگ سے ان کا تعلق رہ چکا ہو۔

جب مولانا محمد میاں صاحب فاروقی الہ آبادی کی طرف سے اطمینان ، ہوگیا تو پھر حضرت والا انکی تعلیم و تربیت کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں اپنے مواعظ اور ملفوظات مجلسیہ کے ذریعہ اخلاق کی درستی کی جانب توجہ کرنے کی ضرورت سمجھائی چنانچہ آج مسلمانوں کی خرابی اور بربادی کا سبب کیا ہے؟ اس عنوان پر سیر حاصل گفتگو مختلف عنوان سے فرمائی اور ان سے دریافت بھی فرمایا کہ آج ہماری تباہی کی وجہ کیا ہے اور اسکا کیا علاج ہے لکھکر دیجئے۔ چنانچہ مولانا محمد میاں صاحب فاروقی مدظلہ نے یہ تحریر پیش فرمائی :۔

(نقل تحریر حضرت مولانا محمد میاں صاحب فاروقی مدظلہ العالی)

"حضرت والا کے بار بار ارشادات سے اتنی بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمانوں کی بربادی کا اصل سبب انکی اخلاقی خرابیاں اور انکی ایمان کی کمزوری ہے حضرت والا اسی کے علاج کی جانب بار بار توجہ دلاتے ہیں اور جب ہم میں توجہ کی کمی اور عمل کا نقدان دیکھتے ہیں تو حضرت کو رنج ہوتا ہے۔ بعض اوقات رنج میں شدت بھی ہوجاتی ہے جس سے حضرت کے قلب ودماغ پر کافی مشقت پڑتی ہے۔ یہ حضرت کا کرم اور شفقت ہے کہ بار بار ہمارا جائزہ بھی لیتے ہیں اور تنبیہ بھی فرماتے ہیں اگر خدانخواستہ یہ صورت نہ ہوتی اور اپنے ارشادات اور نصائح کے بعد حضرت چپ ہوجاتے تو ہمارے لئے ہلاکت ہی ہلاکت تھی۔

بڑے بدقسمت ہیں وہ لوگ جنکا کوئی مربی اور مزکی نہ ہو اور ہو تو صرف وعظ و نصیحت ظاہری کر کے انھیں چھوڑ دے اور بازپرس نہ کرے۔ یہ لوگ ایسے مریض کی حیثیت رکھتے ہیں جنکے طبیب کا مقصد مریض کا استرضا ہے نہ کہ اسکا علاج ایسی صورت میں مریض کا صحت یاب ہونا معلوم۔

حضرت کی ذات مبارک مسلمانوں کے لئے ایک نعمت عظمیٰ ہے۔ شفقت کی ایسی مثال اس دور میں نہ ملیگی کہ ہماری خرابیوں اور بے عملیوں سے جو تاثر ہو اسکی کلفت اپنی ذات پر برداشت کیجائے اور بار بار شدید تنبیہ کے بعد پھر تعلق کی تجدید کی اجازت دے دی جائے اور ناسمجھیاں معاف کر کے پھر وہی شگفتگی پیدا کیجائے اور شفقت کے کرشمے واپس آجائیں۔

بہرحال حضرت والا کا مقصد یہ ہے کہ اصلاح کا کام عام ہو اور حاضرین خدمت اپنے متعلقین احباب اور پڑوسیوں میں اصلاحی باتوں کے پہونچانے کی کوشش کریں لیکن جب ہماری کاہلی ملاحظہ فرماتے ہیں تو رنج ہوتا ہے اور یقیناً کاہلی و بے عملی اور کم فہمی موجود ہے ہمیں اسکا اعتراف کرنا چاہیئے اگرچہ نہیں ہے۔

ہم میں سے جو لوگ اصلاح مسلمین کے نام سے کمیٹیوں اور جمعیتوں کو بنا بنا کر عمریں گذار چکے ہیں وہ اب یہ یقین واثق رکھتے ہیں کہ یہ سب راستے غیر مفید تھے صرف ایک ہی راہ ہے جس پر حضرت والا بار بار زور دیتے ہیں اس راہ کا اہم جز اپنے کو کسی مربی کے بالکلیہ سپرد کر کے بطریق سنت اسکے احکام پر عمل کرنا اور اطاعت کاملہ اختیار کرنا ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

(میری نظروں میں تو اب مصلحت یہی معلوم ہوتی ہو کہ لوگ سب کاموں کو ترک کر کے محبوب کے طریقے اور اسکے دامن کو پکڑ لیں)

ہماری خوش قسمتی اور بڑی خوش قسمتی ہے کہ اللہ نے ہمیں مربی سے محروم نہیں کیا۔ فالحمد للہ علی ذالک"۔ انتہی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والاؒ نے مسلمانوں کی عام خرابی "اختلاط اخلاق" فرما کر اہل علم کو اس طرف متوجہ فرمانا چاہا اسلئے خود ان سے دریافت فرما کر گویا ان سے اقرار فرما لیا کہ ہاں آج مسلمانوں کا اصل مرض یہی ہے اور اسکے لئے بزرگوں کے طور پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور جو لوگ کام کر سکتے بھی ہیں وہ بھی سست اور غافل ہیں۔ پھر اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ حسب ارشاد ؎

آنچہ خوش باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

(یہ کیا عمدہ طرز ہے کہ محبوبوں کی باتیں دوسروں کی باتوں کے ضمن میں بیان کیجائیں)

حضرت اقدسؒ نے مولانا موصوف کو اس طرح بھی متوجہ فرمایا چنانچہ مولانا کا ایک خط اور اسکا جواب ملاحظہ ہو:۔

(نقل عریضہ حضرت مولانا محمد میاں صاحب فاروقی مدظلہ بنام حضرت مصلح الامۃؒ)

عرض حال: حضرت والا سے دوری کی صورت میں ہم ایسے ناقصین کے قلب کی حالت میں فرق جو آجاتا ہے اس پر ہر وقت تاسف رہتا ہے روزانہ (خانقاہ میں) حاضر ہوتا ہوں وہ وقت تسلی کا ہوتا ہے مگر ہر طرف سناٹا اور اداسی

چھائی رہتی ہے۔

حضرت کے تشریف لیجانے کے صرف دو گھنٹہ بعد الہ آباد پہونچا اسیوقت سے کاموں سے چھٹکارا اور یکسوئی حاصل کر کے جلد از جلد (بمبئی) حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں دعا فرمائیں کہ جلد قدمبوسی ہو۔ یہاں کے معاملات جو کچھ الجھ گئے تھے یکسو ہو جائیں۔ قلبی حالت بہت خراب ہے حضرت توجہ فرمائیں۔ معمولات کے ناغہ کی کثرت کی شکایت زمانۂ قیام میں زبانی عرض کی اسی دن سے ابھی درستی محسوس ہونے لگی اور ابھی تک غنیمت حال ہے حضرت کے تصرف سے۔

ارشاد مرشد: آپ کے حالات ...... صاحب سے معلوم ہوتے رہے وہاں (الہ آباد میں) گرمی زیادہ پڑنے لگی تھی اسلئے ڈرا کہ کہیں اسکی شدت سے رعاف کا مرض پھر نہ عود کر آئے اس لئے فوراً یہاں چلا آیا آپ سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو الجھنوں سے جلد چھٹکارا نصیب فرمائے اور موانع سفر زائل فرمائے۔

یہاں الحمدللہ اچھا ہوں اور الہ آباد سے زیادہ قوت اپنے اندر محسوس کرتا ہوں ..... یہ جگہ شہر بمبئی سے زیادہ فاصلہ پر ہے اسلئے سکون رہتا تاہم آنے جانے والوں کا سلسلہ لگا رہتا ہے۔ قوت کا انتظار کر رہا ہوں کچھ اور آجائے تو کچھ کام کروں۔

کل صوفی عبدالرحمن صاحب نے بتایا کہ مدینہ شریف میں مولانا شیر محمد صاحب (خلیفہ حضرت اقدس مولانا تھانویؒ) کا انتقال ہوگیا سنا تو قلب پر بہت اثر ہوا۔ پھر انھیں سے معلوم ہوا کہ مولانا ابرارالحق صاحب علی گڈھ اسپتال میں داخل ہیں آنتوں کے آپریشن کے لئے اس خبر کا بھی اثر ہوا کہ ایک انھیں کو تو سمجھتا تھا کہ جوان آدمی ہیں مگر وہ بھی ایسے مریض نکلے۔ اللہ تعالیٰ انکو صحت کاملہ عطا کرے۔ رنج تو ہوا ہی کہ مولانا شیر محمد صاحب مجھ سے بہت فرماتے تھے سب سے کہلا بھیجتے تھے کہ اُن سے (یعنی مجھ سے) ملنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ اُنسے کہدو کہ ایکمرتبہ آجاتے تو ملاقات ہوجاتی۔

یہ تمنا کرتے کرتے چلدیئے۔ (اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے)

لیکن مزید رنج کا سبب یہ خیال ہوا کہ اسی طرح سے نیک لوگ ایک ایک کرکے اٹھتے چلے جائیں اور انکے بعد کوئی انکی جگہ کام کرنے والا نظر نہیں آتا۔ یہی یہاں بمبئی میں دیکھ رہا ہوں کہ مولانا بہاری صاحب تھے بہت سے لوگ ان سے ناراض رہتے تھے مگر معلوم ہوا کہ اس صوبہ کے بڑے مفتی وہی تھے۔ اب کوئی اس کام کا کرنے والا (یہاں) نہیں ہے۔

اسی خیال میں مغموم و ملول پڑا تھا کہ مولوی بلال صاحب ابن میاں سید اصغر حسین صاحب دیوبندی تشریف لائے ان سے ملکر بہت کچھ غم غلط ہوا۔ پھر اسکے بعد قاری (محمد مبین) صاحب اور جامی صاحب کو بلاکر دیر تک سمجھاتا رہا کہ تم لوگوں کو میرے پاس رہتے ہوئے تھوڑا زمانہ نہیں گذرا کچھ حاصل کرو۔ کچھ نفس کو پہچانو۔ کچھ قلب میں نور پیدا کرو۔ اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل کرو۔ ہم لوگوں نے حضرت مولانا تھانوی کی موجودگی میں ہی حضرت سے کچھ سیکھ لیا تھا اور حضرتؒ نے اپنے سامنے ہی ہملوگوں کو کام پر لگا دیا تھا اسی لئے تم لوگوں سے کہتا ہوں کہ مجھ سے کچھ حاصل کرلو۔ جو چیز مجھے حضرتؒ سے ملی ہے اسکو میں اپنے ساتھ ہی لئے چلا جاؤں یہ اچھا ہے یا کہ یہ اچھا ہے کہ مجھ سے کچھ لوگ اسکو حاصل کرلیں؟ —— میں اب بڈھا ہوا۔ اس دفعہ رمضان میں کیسا بیمار ہوگیا تھا۔ اسلئے تم لوگوں کو چاہیئے کہ مجھکو اسکی طرف سے بے فکر اور مطمئن کردو۔ میں دیکھ لوں کہ لوگ سمجھ گئے ہیں اور کام پر لگ گئے ہیں تاکہ مجھے مسرت ہو اور میں اپنے آپ کو فارغ سمجھ سکوں۔ (یہ سب باتیں میں نے دونوں آدمیوں سے کہیں) آپ لوگ تو یہاں سامنے تھے نہیں کہ آپ سے زبانی کہتا اسلئے جو باتیں ہوئی تھیں اسکی اطلاع آپکو بھی کرتا ہوں تاکہ آپ بھی کسی نتیجہ پر پہونچیں اور کوئی طریقہ اپنے لئے تجویز کریں۔ آپ کا جی چاہے تو اور لوگوں کو بھی یہ مضمون سنا دیجئے یعنی جو اہل ہوں۔

والسلام خیر ختام

(باقی آئندہ)

راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت اقدسؒ کا مکتوب گرامی اپنے اندر جو تمنائیں اور آرزوئیں اور جو جو توقعات اور تفکرات رکھتا ہے وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ جن لوگوں سے بالمشافہ فرمانا تھا ان سے فرما کر مولانا فاروقی الٰہ آبادی صاحب کو بھی اس سے مطلع فرمایا تاکہ وہ بھی کسی نتیجہ پر پہونچیں اور پھر انکی صوابدید پر جو لوگ اور بھی اہل ہوں انکو شریک کرنے کو فرمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدس مصلح الامۃؒ مولانا محمد میاں صاحب فاروقی الٰہ آبادی کو تو کم از کم اسکا اہل سمجھتے ہی تھے کہ ان سے اس قسم کی گفتگو فرمائیں اور کچھ توقع رکھیں۔ البتہ ہم لوگوں کی سعادت ہے کہ اپنے آپ کو علم و عمل اور اخلاص کی تحصیل کے لئے پیش کریں اور اپنے اعتقاد اور اتباع کے ذریعہ حضرت اقدس کا اطمینان اور اعتماد حاصل کریں۔

خیر یہ تو حضرت والاؒ نے خط کے ذریعہ اس طرف متوجہ فرمایا علاوہ ازیں دیکھا جاتا تھا کہ سفر و حضر کی مجالس میں جیسا کہ حضرتؒ کا معمول تھا کسی اہم بات کو سمجھانے کیلئے پہلے خود اسکو فرماتے تھے پھر کسی سمجھدار شخص سے فرماتے کہ آپ نے سمجھ لیا ہو تو ان لوگوں سے کہئے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں چنانچہ وہ صاحب کھڑے ہو کر حضرت کی بیان کردہ بات کا اعادہ مع التشریح کرتے اب اگر پسند ہوتا تو حضرت تحسین فرماتے کہ ہاں جزاکم اللہ آپ نے میری صحیح ترجمانی فرمائی اور اگر ان کے کہنے میں کچھ خامی ہوتی تو حضرت اسکی اصلاح فرما دیتے اس طرح سے حضرت والا اپنے مخصوص لوگوں کو تلقین فرما کر کے تعلیم کا طریقہ سکھلاتے تھے ان ہی لوگوں میں سے ایک مولانا محمد میاں صاحب فاروقی بھی تھے کہ متعدد موقعوں پر حضرتؒ نے مولانا مدظلہٗ سے فرمایا کہ آپ کہئے میں کیا کہنا چاہتا ہوں تو اس پر مولانا نے حضرت اقدسؒ کے منشا کو عمدہ عنوان سے بیان فرمایا۔ چنانچہ جونپور کے سفر میں حضرت والا کا خیال تھا کہ جمعہ کی نماز جامع مسجد میں ادا فرمائینگے حکیم منظور احمد صاحب مرحوم اور بعض دوسرے حضرات کی خواہش ہوئی کہ حضرت والا وہاں ایک وعظ بھی فرما دیں۔ حضرت نے منظور بھی فرما لیا لیکن عین موقع پر بعض وجوہ سے حضرت نے الٰہ آباد واپسی کا ارادہ فرما لیا اور مولانا محمد میاں فاروقی اور راقم سے فرمایا

کہ چونکہ وعظ کا اعلان ہو چکا ہے اسلئے جو باتیں میں نے بیان کی ہیں انھیں کو آپ لوگ جامع مسجد میں بیان کر دیجئے گا۔ چنانچہ راقم کا اور مولانا فاروقی مدظلہ کا پورا بیان جو کہ "مجالس جون پور" میں مذکور ہے رسالہ معرفت حق بابتہ مارچ ۱۹۷۲ء میں شائع بھی ہو چکا ہے۔ اسی کا اقتباس ملاحظہ ہو:—

"مولانا فاروقی صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ —— یہیں دیکھ لیجئے کہ صرف تین دن گذرے ہیں جہاں جہاں بھی اڑتی ہوئی خبر پہونچی ہے اللہ کے تعلق کے پیاسے اور مولانا کے دیدار کے مشتاق سب دنیا کے کاروبار چھوڑ چھوڑ کر چلے آرہے ہیں کوئی انھیں گھسیٹ گھسیٹ کر لا رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں انھیں کا حکم ہے۔ انھوں نے انکے قلوب کی کایا پلٹ دی ہے اور انھیں اپنے ایک بندے کی جانب دوڑا دیا ہے

ہر طرف سے آرہے ہیں طالبانِ درد دل   خانقاہِ اشرفی ہے یا دوکانِ درد دل

لوگو! سیکڑوں واعظین اور مقررین تمھارے یہاں آتے ہیں تین بجے رات تک تم شاندار تقریریں سنتے ہو خوب واہ واہ بھی کرتے ہو مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ کسی کا دل پسیجتا ہو اور رات اس محنت کے بعد واپس جاتے ہو پھر آنکھ کھلتی ہے تو دل کا جائزہ لو تو اسکی حالت کچھ گری ہوئی پاؤ گے نہ خشیت کا پتہ ہوگا نہ رجاء اور محبت الٰہی کا کچھ اضافہ ہوگا۔ پھر آؤ ذرا کسی بزرگ کی مجلس میں شریک ہو ایک لمحہ یہاں کا اگر تم میں خلوص ہے اور اللہ کی محبت کی پیاس ہے تمھارا کام بنا دیگا ہم نے تو حضرت مولانا مدظلہ کے یہاں دیکھا ہے کہ بعض وقت اکثر حصہ مجلس کا خاموشی ہی میں گذر جاتا ہے مگر پوچھو ان خدام سے کہ اس سکوت میں بھی انھیں جو کچھ ملتا ہے وہ گھنٹوں کے وعظ میں بھی کبھی نہیں حاصل ہوا۔۔۔ کیا ملتا ہے؟ روح کی غذا ملتی ہے قلب کا سکون ملتا ہے۔ اللہ کی محبت ملتی ہے اور کیا کیا ملتا ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اسے کیسے سمجھایا جائے بڑا مشکل ہے (اسلئے کہ ذوقی شئے ہے اور ع بخدا لذت آں مے نہ شناسی تا نہ چشی۔ کا مصداق ہے) اگر میں آپ کے سامنے مٹھاس کی تعریف کروں تو عمر بھر آپ کو نہیں سمجھا سکتا ہاں اگر ایک قطرہ شہد چکھا دوں (کہ دیکھو مٹھاس اسکو کہتے ہیں) تو عمر بھر

کے لئے آپ سمجھ جائیں گے۔ وہی صورت ان بزرگوں کے سمجھانے کی ہوتی ہے
کہ ان کی صحبت میں تھوڑی دیر بیٹھئے بشرطیکہ آپ میں خلوص اور طلب حقیقی ہو تو آپ
یہ کہتے ہوئے اٹھئے گا ؎

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی مرا باجان جاں ہمراز کردی

ہمارے مولانا یہ فرماتے ہیں کہ یہ راستہ مشکل نہیں ہے۔ بس تمھاری توجہ کی ضرورت
ہے باقی مرحلے وہ خود ہی طے کرادیں گے جنکی محبت میں تم سرگرداں ہو بشرطیکہ
پیاس ہو۔ جب وہ پیدا ہوگی وہ خود بجھائیں گے ؎

آب کم جو تشنگی آور بدست تا بجوشد آبت از بالا و پست

(پانی مت تلاش کرو بلکہ اپنے اندر پیاس پیدا کرو پانی خود تمھارے اوپر اور نیچے سے جوش مارےگا)
اس تمہید سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرت مولانا ہم سے کیا چاہتے ہیں۔ اللہ
اور اسکے رسولؐ کی محبت کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ ہماری بگڑی ہوئی حالت
درست ہو۔

سنیئے! قومیں جب اپنے مرکز ہدایت سے دور ہو جاتی ہیں تو رسمیات اور تقلیدات دینی
و دنیاوی انکے راستہ میں بڑے بڑے غار پیدا کردیتی ہیں جس سے نکالنے کے لئے
اور صحیح راستہ پر لگانے کے لئے بڑی قوت، طاقت اور بڑی بڑی ہستیوں کی ضرورت
ہوتی ہے یہ وہ وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ کو یہ کام سپرد فرماتے
ہیں۔ آج ہماری صرف دنیا ہی خراب نہیں بلکہ دینی حالت بھی بگڑ چکی ہے علماء اور
صوفیاء کی جو حالت ہوگئی ہے وہ ہمارے سامنے ہے ایسے سخت وقت میں مولانا یہ چاہتے ہیں
کہ ایک طرف ہماری معاشرت دنیوی بن جائے تو دوسری طرف ہمارے قلوب اللہ تعالیٰ
کی محبت سے سرشار ہو جائیں اور اسکا طریقہ بھی ایسا آسان ہو جسے ہم کمزور لوگ بھی برداشت کرلیں
چنانچہ جیسا کہ مولوی جامیؔ صاحب نے ابھی فرمایا کہ حضرت والا مال حاصل کرنے کے بارے
میں کئی ہفتہ سے تقریر فرما رہے ہیں (الہ آباد میں فرماتے رہے اور یہاں بھی وہی فرمایا) جسکا
خلاصہ یہ ہے کہ مال کی دو قسمیں ہیں ایک مذموم اور دوسری محمود جو مال تمھیں اللہ کے راستے سے

رد کر، معاد کا تصور ذہن سے نکالے اور دنیا میں منہمک کردے وہ مذموم ہے اور جس مال میں یہ تصور ہو کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے انھیں کا دیا ہوا ہے انھیں کے احکام کے مطابق حاصل کرنا اور خرچ کرنا چاہیئے وہ مال صالح ہے اور اسکا حاصل کرنا عبادت ہے کتنا سہل نسخہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب آئیے طریق کی اصلاحات کو دیکھئے ۔ حضرت مولانا مدظلہٗ طریق میں جو خرابیاں آگئی ہیں انکی جڑ بنیاد پکڑ کر یا یوں کہئے کہ چور پکڑ کر ہماری آنکھیں کھولدیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ شیخ مقصود بالذات نہیں بلکہ وہ تابع اور پیرو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ۔ اسے تابع ہونے ہی کیوجہ سے سب کچھ حاصل ہوتا ہے اسی سلسلہ میں حضرت فرماتے تھے کہ (پیر کا) صرف پیر پکڑ لینا ایسا ہے جیسے کسی کھمبے کو پکڑنا اور یہ بھی فرماتے تھے کہ پیر کو بھی ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے اسلئے کہ ان حضرات کو جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ رسولؐ کی اطاعت ہی سے ملتا ہے ۔ ان میں محبت الٰہی کا شباب ہوتا ہے کوئی عاشق اسکو کیسے پسند کریگا کہ اسکے محبوب کو چھوڑ کر لوگ خود اسکے جسم سے وابستہ ہو جائیں وہ تو ہر وقت محبوب کی تعریف اسکی نعمتوں کا بیان اور اسکے جلوہ ہائے حسین کی وضاحتیں کرنے میں صرف فرما رہا ہو اور لوگ خود اسکی ذات کی جانب متوجہ ہوں اور محبوب کو چھوڑ دیں تو یہ بھلا اسکو کب گوارا ہو سکتا ہے یہ حضرات تو یہ فرماتے ہیں کہ ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

(میری سمجھ میں تو اب یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ سب احباب تمام کاموں کو چھوڑ کر محبوب کے در کو مضبوط پکڑ لیں)

ملاحظہ فرمایا آپ نے مولانا فاروقی صاحب مدظلہٗ نے جو جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں اس میں حضرت والا کی کیسی صحیح ترجمانی فرمائی ہے آخر آخر میں مولانا کی توجہ بڑھ رہی تھی اور حضرت اقدسؒ بھی انکی جانب متوجہ تھے کہ اسی اثناء میں حضرتؒ کا سفر حج پیش آگیا اور وہ سفر آخرت کا پیش خیمہ ہو گیا ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

(یعنی افسوس کہ چشم زدن ہی بھر میں اپنی صحبت محبوب سے ختم ہو گئی ابھی پھولوں کو جی بھر کے نہ دیکھا کہ موسم بہار ہی جاتا رہا)۔

۶۔ مولوی حکیم شفیع اللہ صاحب الہ آبادی: مولوی صاحب موصوف مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے فارغ ہو کر طبیہ کالج الہ آباد میں داخل ہوئے اور بوجہ حسن استعداد اور عربی دانی کے طب میں بھی اچھے نمبروں سے کامیاب ہوئے چنانچہ اسی کالج میں پروفیسر مقرر ہو گئے اور اب ریٹائرڈ ہو کر اپنے مکان پر جو شہر کے قریب ہی ایک دیہات میں ہے مطب فرما رہے ہیں۔ قاری حبیب احمد صاحب مدظلہ سے خاص تعلق زمانہ طالبعلمی ہی سے تھا غالباً انھیں کے توسط سے حضرت مصلح الامتؒ سے تعلق ہوا۔ ابتداءً ملازمت کی وجہ سے حاضری کا موقع کم ملتا تاہم وقتاً فوقتاً خدمت والا میں حاضر ہوتے رہے بالخصوص حضرت والا کی علالت کے زمانے میں آمد و رفت زیادہ رہی اور اسی زمانہ میں حضرتؒ کو طب کی جانب خاص توجہ ہو گئی۔ چنانچہ حضرت والا نے علم طب کی ضرورت اور اسکی اہمیت پر ایک بسیط مضمون بھی تحریر فرمایا (جو معرفت حق ماہ مارچ ۱۹۷۲ء میں طبع ہو چکا ہے) اور اسکے علاوہ بہت دنوں تک مجلس میں بھی یہی فن موضوع گفتگو رہا۔ مضمون کے بعض اجزاء یہ تھے مثلاً:۔

۱۔ فرمایا کہ شامی میں ہے کہ صاحب تبیین المحارم نے فرمایا کہ علوم میں فرض کفایہ وہ سب علوم ہیں جنکی جانب لوگ اپنے امور دنیا کی درستی کے لئے محتاج ہوں جیسے علم طب اور علم حساب وغیرہ اور مقدمہ ابن خلدون میں ہے۔

۲۔ یہ فن (طب) ہر بستی اور ہر شہر کے لئے ضروری ہے اسلئے کہ اسکا فائدہ اور نفع سب کو معلوم ہی ہے کہ اسکا ثمرہ صحت مندوں کے لئے صحت کی حفاظت اور مریضوں کے لئے بذریعہ علاج و معالجہ انکی بیماریوں کا دور کرنا ہے تاکہ انکو اس سے صحت اور شفا حاصل ہو جائے

۳۔ نیز فرماتے ہیں کہ " فترکھا و اہمالھا بالکلیۃ حرام لایجوز " یعنی اس فن کا بالکلیہ ترک اور اہمال حرام ہے جائز نہیں ہے۔

۴۔ اسی طرح سے شاہ اہل اللہ صاحبؒ برادر خورد حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ اپنی کتاب چہار باب میں لکھتے ہیں کہ:۔

۵۔ جو کام کرنا چاہیں کریں اور جس صنعت و حرفت کو سیکھنا چاہیں شوق سے سیکھیں بس اتنا خیال رہے کہ امور ضروریہ کی تحصیل کو مقدم جانیں اب اگر ان کے حاصل کرنے کے بعد موقع ملے تب زوائد کو کسب کریں تاکہ ایسا نہ ہو کہ کل کی طلب میں کل ہی فوت ہو جائے مثلاً جن علوم کو حاصل کرنا ہے ان میں سب سے پہلے فقہ، حدیث تفسیر اور طب حاصل کریں پھر اسکے بعد بقدر استعداد اور گنجائش وقت کو دیکھتے ہوئے حکمت و فلسفہ وغیرہ میں لگیں اسی طرح اور علوم (تاریخ جغرافیہ ۔ حساب وغیرہ) کو سمجھ لو۔

۶۔ ایک بزرگ چاندشاہ صاحب رح گذرے ہیں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نامی ایک صاحب انکے مرید تھے وہ درسیات سے فارغ ہو کر آئے تو شاہ صاحب نے ان سے فرمایا کہ میاں تم جو یہ پڑھ کر آئے ہو یہ تو اپنے لئے تم نے پڑھا ہے یہ بتاؤ ہم لوگوں کے لئے کیا پڑھا ہے؟ پھر فوراً ہی فرمایا کہ جاؤ حکیمی (طب) پڑھو اور دیکھو بس چھ مہینے کے بعد چلے آنا۔ چنانچہ شیخ کا حکم پاکر مولوی صاحب کانپور گئے اور وہاں کسی طبیب کے پاس رہے۔ جب چھ مہینے گذر گئے تو مولوی صاحب نے طبیب صاحب سے گھر آنے کی اجازت چاہی انھوں نے کچھ دن روکنا چاہا تو فرمایا کہ ہمارے شیخ نے بس اتنی ہی مدت تک پڑھنے کی اجازت دی ہے چنانچہ مولوی صاحب نے مکان آکر مطب شروع کر دیا اور طبیب حاذق ہوئے۔

۷۔ سیدنا احمد رفاعی رح فرماتے ہیں کہ نعمت عافیت کی بڑی قدر کرو اور عافیت کی حقیقت یہ ہے کہ سانس بدون تکلیف کے آتی رہے رزق بدون مشقت کے ملتا رہے اور عمل صالح بدون ریار کے ہوتا رہے

۸۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ من اصبح منکم آمناً فی سربہ معافی فی جسدہ وعندہ قوت یومہ فکانما حیزت لہ الدنیا بحذافیرھا (یعنی تم میں سے جس شخص نے صبح کی اس حال میں کہ اپنے قلب و باطن سے مطمئن ہے اسکے بدن میں عافیت حاصل ہے اور اسکے پاس اسدن کی روزی موجود ہے تو بس پھر وہ ایسا ہے

گویا دنیا اپنے جملہ سازوسامان کے ساتھ اس کے لیئے جمع کر دی گئی ہے
مذکورہ بالا تصریحات میں حدیث کی روسے نیز علماء ومشائخ سب کے معاملات
سے طب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۹۔ فرمایا کہ — آپ سے کہتا ہوں کہ علم طب کی اہمیت اور اسکی ضرورت سے اب ایسے وقت میں واقف ہوا جبکہ زمانہ کچھ پڑھنے پڑھانے کا نہیں رہ گیا اور جس وقت کچھ سیکھنے سکھانے کا موقع تھا تو آپ سے صاف کہتا ہوں کہ طب کی مشغولی کو معصیت اور گناہ سمجھتا تھا اور اسکی جانب سے عام اہل علم اور دینداروں کو ایک نفرت سی دیکھتا تھا چنانچہ ایک مولوی صاحب جو میرے پاس رہتے تھے وہ کہتے تھے کہ زمانہ طالب علمی میں مَیں نے طب پڑھنے کا ارادہ کیا تو ہمارے ایک استاد نے منع کر دیا اور یہ فرمایا کہ ہمارے اکابر اسکو پسند نہیں کرتے۔ میں نے ان سے کہا کہ بھائی آخر اکابر سے کیا مراد ہے؟ کیا حضرت شاہ اہل اللہ صاحبؒ اکابر میں سے نہیں تھے یا علامہ شامیؒ اکابر میں سے نہیں ہیں اور حضرت گنگوہیؒ بھی اکابر میں تھے یا نہیں حضرتؒ نے تو خود طب حاصل کی تھی۔

۱۰۔ مزید یہ کہ مجھے اپنی اس بیماری میں بڑے بڑے تجربات ہوئے جن سے میں اس نتیجہ پر پہونچا کہ مجھ جیسے آدمی کو مرض اور اسکے علاج سے فی الجملہ واقفیت ضروری ہے۔

۱۱۔ ایک تجربہ یہ ہوا کہ اب اس فن میں بھی اہل بصیرت اور محقق کم ہی ہیں زیادہ تر لوگ تخمین اور جزاف سے کام لیتے ہیں اپنے مدارس ومراکز کا حال تو مجھے معلوم ہی تھا کہ تحقیق اور تبحر وہاں سے تریب قریب ختم ہی ہو چکا ہے طلبہ کو کمال حاصل کرنے کا حوصلہ نہیں رہا مگر طب وغیرہ کے متعلق یہ سمجھتا تھا کہ لوگ اسکو شوق سے پڑھتے ہوں گے لیکن آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ اکثر کو ان میں سے ناتجربہ کار اور بے بصیرت ہی پایا حتیٰ کہ نبض شناسی جو اس فن کی خاص چیز ہے اس سے مَس تک نہیں اور کبر کا یہ حال ہے کہ اپنے جہل کا اظہار و اقرار ان کے لئے موت ہے۔

۱۲۔ میں نے انکا یہی مرض پکڑا اور ان کو چلنے نہیں دیا۔ ان سے کہا کہ اٹکل اور تخمین سے بات کہنا اور رائے دینا چھوڑ دو اور جو کہو تحقیق کے ساتھ کہو چنانچہ اس سے مجھکو بھی نفع ہوا اور ان لوگوں کو بھی نفع ہوا۔ مجھے تو یہ نفع ہوا کہ ان کے ضرر سے محفوظ ہو گیا اور ان کو یہ نفع ہوا کہ

بہت سے لوگوں نے توبہ کی کہ اب سے یہ طریقہ چھوڑ یں گے یعنی فن کو فن کی حیثیت سے سیکھیں گے اور اسمیں محنت کرینگے چنانچہ بعض لوگ جو ڈاکٹری کرتے تھے انھوں نے بھی طب کی کتابیں دیکھنی شروع کردیں۔ چنانچہ میں نے اپنے طالبعلموں سے کہدیا ہے کہ بھائی میں نے طب حاصل نہیں کی مگر تمکو نصیحت کرتا ہوں کہ اس فن میں بھی کچھ کمال حاصل کرنا مہمل نہ رہنا" من نکردم شما حذر بکنید"۔

۱۳ ۔ اور میں نے صرف تقریر ہی تک اسکو محدود نہیں رکھا بلکہ عملی طور پر اپنے یہاں اس کام کو شروع کر کے تب دوسروں کو ترغیب دی ہے۔ چنانچہ ایک عالم صاحب جو درس نظامیہ سے فراغت کے بعد طب میں بھی فارغ ہوئے اور یہاں طبیہ کالج میں درس دیتے ہیں انکو مقرر کیا کہ وہ یہیں میرے گھر پر آکر طلبہ کو عربی میں طب کی کتابیں پڑھائیں۔ چنانچہ الحمدللہ یہ کام شروع ہوگیا ہے۔

یہ درس نظامیہ کے فارغ شدہ مولوی صاحب یہی مولوی حکیم شفیع اللہ صاحب الہ آبادی تھے

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت مصلح الامتہؒ کا مقصد واللہ تعالیٰ اعلم یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ کم ازکم ہرعالم کے لئے طب میں تھوڑا بہت درک حاصل کرنا بھی ضروری ہے طب کوئی ایسی مذموم شے نہیں ہے جیسا کہ ہمارا معاملہ ابتک اسکے ساتھ رہا ہے یہ مطلب نہیں کہ سلوگ علم دین کے بجائے اب طب ہی میں لگ جائیں علوم دینیہ میں بھی تبحر حاصل کرنا فرض علی الکفایہ ہے اور علم طب میں مہارت پیدا کرنا بھی فرض کفایہ ہے دونوں سلسلے ہونے چاہئیں۔ یوں خدمت خلق کا تعلق جس طرح علوم دینی کے جاننے کے ساتھ وابستہ ہے اسی طرح علم طب سے بھی وابستہ ہے لہٰذا طبیب کو اس علم کی تحصیل میں خدمت خلق کی نیت بلکہ اس پر عمل بھی ضروری ہے۔ باقی یہ درجہ کہ ایک انسان علوم دینیہ میں بھی ماہر ہو اور طب میں بھی اسکو کمال حاصل ہو اور دونوں کے ذریعہ مخلوق کی خدمت یکساں طور پر کر رہا ہو اس زمانہ میں بہت مشکل ہے اور اسکا مصداق ہے کہ ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

(ایک ہاتھ میں عشق کا سندان ہو اور ایک ہاتھ میں شریعت کا جام لئے ہو اور باہم دونوں سے اسطرح کھیلے کہ کسی کا نقصان نہ ہو یہ ہر ہوسناک کا کام نہیں ہے (ضرور ٹکر ہو جائیگی اور بالآخر شریعت کے جام ہی کو صدمہ پہونچے گا)

چودھری حبیب الرحمٰن صاحب (بمرولی) آپ کا ذکر پہلے بھی ضمناً آچکا ہے الہ آباد کے قیام میں ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ سے جن حضرات نے نمایاں فائدہ اٹھایا ان میں سے ایک چودھری صاحب مرحوم کی بھی ذات تھی اسی خصوصی تعلق کا یہ اثر ہوا کہ حضرت والا جب کبھی شہری زندگی سے اکتاتے تو تنہائی اور سکون کے خیال سے بمرولی بھی اکثر تشریف لیجاتے اور چودھری صاحب موصوف کے مکان پر قیام فرماتے یوں تو دو دو چار چار دن کا قیام متعدد بار فرمایا مگر ایک بار جبکہ حضرت والا کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوگیا اور گھر کے تقریباً سب ہی بچے وبائی چیچک کا شکار ہوئے تو اسوقت ان بچوں کی مصلحت سے نیز بقیہ دو صاحبزادیوں کی دلبستگی کے لئے بھی تبدیل مکان کی ضرورت ناگزیر تھی چنانچہ شہر کا قرب مرجح بنا کہ حضرت والا بمرولی قیام فرمائیں اس زمانہ میں ہوتا یہ تھا کہ جو لوگ حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوتے وہ کسی کے ہمراہ بمرولی پہونچا دیئے جاتے۔ ڈاک وغیرہ کے سلسلے میں تقریباً خانقاہ سے روزانہ یا دوسرے دن کوئی نہ کوئی ضرور جاتا تھا۔

آہستہ آہستہ جب قیام زیادہ ہوگیا تو حضرت اقدس سے پڑھنے والے سب طلبہ بھی وہیں پہونچ گئے اور اس میں شک نہیں کہ وہاں کے قیام سے جو مقصد تھا وہ علیٰ وجہ الاتم پورا ہوا۔ اندر صاحبزادیوں سے ملنے گاؤں کی عورتیں آتی جاتی رہیں خود چودھری صاحب کے گھر میں اور انکی لڑکیوں نے اپنے معزز مہمان کی خوب خدمت اور خاطر کی اور باہر کے منظر کا کیا کہنا اطراف وجوانب سے لوگ زیارت وملاقات کے لئے حاضر ہونے لگے۔ قریب کے لوگ تو مجالس کے وقت آتے اور مجلس ختم ہوجانے پر واپس ہوجاتے اور دور دور کے لوگ ایک آدھ شب قیام بھی کرتے علاوہ ازیں چودھری صاحب کی مسجد کا جائے وقوع ایسا پربہار تھا کہ وہاں دل کے بہلنے کے لئے کسی مجمع کی ضرورت ہی نہ تھی، دریائے گنگا کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر بنی ہوئی تھی، مسجد تو کچھ بڑی نہ تھی لیکن اسکے شمال میں دریا کی جانب ایک کھلا ہوا وسیع پختہ چبوترہ بنا ہوا تھا جہاں صبح وشام بیٹھکر ذکر اللہ کرنیمیں ذاکرین ایک عجیب لطف وسرور محسوس فرماتے تھے اور صحن مسجد کے بعد شرق میں حضرت

زکریا ملتانیؒ کے کسی قریبی عزیز کی جنھوں نے یہاں کے راجہ سے کسی زمانہ میں جہاد کیا تھا قبر ہے ان کے ساتھ اور بھی بہت سے حضرات اسی مقبرہ میں آرام فرما ہیں علاوہ ازیں احاطہ مسجد سے باہر بھی بہت سی قبریں ہیں ان خاموشش اور بے ضرر ہمنشینوں کی وجہ سے وہاں کے قیام کا لطف دوبالا ہوگیا تھا۔ اسی چبوترہ پر بعد العصر حضرت والا کی نشست رہتی مقامی وغیر مقامی حضرات اس سے مستفیض ہوتے صبح کی نشست چودھری صاحب کے مکان ہی پر ہوتی۔ گرمی کا زمانہ تھا ہر کمرے میں فرشی پنکھا لگا ہوا تھا جسکی وجہ سے سب کو بہت آرام ملا۔

انھیں چودھری حبیب الرحمن صاحب نے اپنے حضرت رحمۃ اللہ کے متعلق ایک خواب بھی جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ سے عرض کیا تھا جو کتاب ترجمہ توضیح الجواہر الملکیہ کے مقدمہ میں طبع ہوچکا ہے دراصل یہ خواب اسی کتاب سے متعلق تھا خواب یہ تھا کہتے ہیں کہ :۔

"احقر نے دیکھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک سامنے موجود ہے اور میں اور کئی اصحاب سامنے بیٹھے درود شریف پڑھ رہے ہیں اور فرط محبت وعقیدت سے کبھی کبھی جسم مبارک چھو بھی لیتے ہیں ۔ تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھکر بیٹھ گئے بستر وغیرہ بہت عمدہ قسم کا ہے۔ ذرا دیر بیٹھنے کے بعد حضور اقدس قریب ہی دوسرے بستر پر تشریف فرما ہو گئے اور یہ بستر مشابہ ہے اس بستر کے جس پر ہمارے حضرت (مصلح الامۃ) رحمۃ اللہ علیہ بیٹھا کرتے تھے۔

میرے دل میں مصافحہ کا بیحد اشتیاق ہوا مگر ادب کی وجہ سے ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اتنے میں ایک صاحب نے مصافحہ کی ابتدا کی تب احقر نے بھی مصافحہ کیا دست مبارک مثل ریشم کے نرم ہے۔ ایسا کبھی اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے غریب خانہ پر تشریف فرما ہیں اور دروازہ کے کمرہ میں جو تخت ہے

اسپر رونق افروز ہیں اس تخت پر ایک چھوٹی سی میز ہے جس پر میری کتابیں رکھی ہوئی ہیں ان کتابوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے ہیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ تمھارے پاس "ترصیع" ہے میں نے پوچھا "ترصیع الجواہر المکیہ"؟ فرمایا ہاں۔ اب میں یہ خیال کر کے کہ وہ میرے پاس ہے تمام اسکو ڈھونڈھنے لگا لیکن وہ کتاب مل ہی نہیں رہی ہے گھر میں بھی میں نے کہلایا کہ شاید وہاں ہو چنانچہ گھر سے میرا ایک بچہ چند کتابیں لایا کہ اسمیں دیکھ لیں اس میں تو نہیں ہے لیکن اسمیں بھی وہ کتاب نہیں ملی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کتاب کو صرف اسلئے دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب پر "مولانا وصی اللہ" کا نام ہے یا نہیں؟ (مقدمہ ترجمہ ترصیع)

راقم عرض کرتا ہے کہ — الحمد للہ اس خواب سے معلوم ہوا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب بھی مقبول ہے اور اسکی وضاحت کے سلسلے میں حضرت مصلح الامۃؒ کے سب ارشادات بھی مقبول ہیں اور حضرتؒ کا یہ حق ہے کہ حضرت کا نام اس کتاب کے سرورق پر لکھا جائے۔ اسی ارشاد نبویؐ کے پیش نظر اس کتاب کا نام — الافادات الوصیہ علی ترصیع الجواھر المکیہ تجویز ہوا — اور مقبولیت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم کہ اس کے ترجمے میں جا بجا حضرت مرشدی مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ نے افادہ کے عنوان سے کسی شیخ و مصلح کا کوئی طریقہ جو خلاف سنت معلوم ہوا تو حضرات مشائخ کا پورا احترام باقی رکھتے ہوئے انکے قول اور عمل کی مناسب توضیح فرما دی ہے اور غایت ادب سے انھیں کی برکت کی جانب منسوب کر کے اس موقع کے لئے مسنون طریقہ تعلیم فرما دیا اور کھلے لفظوں میں اسکا اعلان فرما دیا کہ ایمان تو بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ اور معصوم صرف انبیاء علیہم السلام ہیں باقی کوئی ولی یا بزرگ نہ تو معصوم ہے اور نہ کسی خاص ذات پر ایمان ہے اسلئے مشائخ بھی مکلف ہیں کہ خود اتباع سنت کریں

اور اپنے مریدین و متبعین کو بھی اسی راستہ پر لگائیں۔ چنانچہ یہی حضرتؒ کا وہ خصوصی کارنامہ ہے جس نے کتاب کی افادیت کو بھی بڑھا دیا اور عجب نہیں کہ اسی چیز نے دربار نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اسکی قدر بڑھا دی ہو اور اسکو مقبول بنا دیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

چودھری حبیب الرحمن صاحب نے حضرتؒ کی کرامت کے سلسلے کا ایک اور واقعہ بیان کیا کہ ایک دن مجلس کے بعد حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ چودھری صاحب رکشہ لیلو چلو ذرا باہر چلیں۔ لوگ حضرت اقدسؒ کے مزاج سے واقف تھے کہ جب کبھی مجمع سے علٰحدہ ہونا چاہتے تھے تو سکون کی خاطر کبھی جمنا کے پل کیجانب اور کبھی کمپنی باغ کیطرف تشریف لیجاتے، چنانچہ یہ سفر شہر میں صبح و شام تو کبھی مولوی عبدالمجید صاحب کی معیت میں ہوتا تھا اور کبھی ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کے کے ہمراہ لیکن مجلس کے بعد کا وقت چونکہ ان دونوں حضرات کے لئے مشغولی کا وقت ہوتا تھا کہ اول الذکر اپنے پریس کے کاموں میں لگ جاتے تھے اور ثانی الذکر کے اپنے مطب کا وقت ہوتا تھا اسلئے کبھی کبھی یہ شرف چودھری صاحب کے نصیب میں آجاتا تھا۔ چنانچہ چودھری صاحب رکشا لے آئے اور حضرت کو کمپنی باغ کیطرف لے گئے اس سے قبل بھی حضرت متعدد بار وہاں جا چکے تھے۔ یہ باغ ہے تو شہر ہی کے اندر لیکن ایک بڑے رقبہ میں ہونے کی وجہ سے اسکے اندر داخل ہوکر انسان گویا شہر کی ہماہمی سے یکسو ہو جاتا ہے اسکا ایک حصہ تو انواع واقسام کے پھولوں کی وجہ سے اور سرسبز و شاداب لان اور ہر چہار طرف ہریالی کی وجہ سے واقعی سیر و سکون کے لائق ہے لیکن انسانوں سے یکسوئی یہاں بھی میسر نہ تھی اور حضرت والا باغ میں ایک بوسیدہ سی مسجد تھی جس کے آس پاس بڑے بڑے درخت اور گھنا سایہ تھا اسی میں قیام فرماتے تھے جگہ پرسکون اور ہوا دار تھی گو پھولوں کی شادابی یہاں نہ تھی تاہم سبز درختوں کی ہریالی سے یہ جگہ خالی نہ تھی اسی لئے حضرت والا کو یہی جگہ پسند تھی، آج بھی یہیں تشریف لائے چودھری صاحب

کا بیان ہے کہ جب مصلیٰ بچھا کر حضرت والا کو مسجد میں بٹھادیا تو حضرت نے فرمایا اجی چودھری صاحب! بھوک بہت زوروں کی لگی ہوئی ہے قریب کوئی چیز ملے تولاؤ۔ چودھری صاحب نے عرض کیا بہت اچھا اور باغ سے باہر آئے اور سیو دال موٹ اور چنے اور پھلکیاں وغیرہ پتے میں رکھکر اپنے دونوں ہاتھوں پر لئے ہوئے باغ میں داخل ہوئے۔ ابھی مسجد کچھ فاصلہ پر تھی کہ درختوں سے اتر اتر کر چاروں طرف سے شور مچاتے ہوئے بندر انکی جانب لپکے۔ چودھری صاحب کہتے تھے کہ اگر ایک ہاتھ خالی ہوتا تو کچھ مدافعت کرتا ہاتھ تو میرے بالکل مقید تھے میں کھڑا ہوگیا بندر بھی رک گئے لیکن دور سے گھبکیاں دیتے رہے اور جب ذرا چلنے کا ارادہ کیا تو وہ سب کے سب پھر آگے بڑھنے لگے یہانتک کہ میں تو ابھی مسجد سے دور ہی تھا مگر وہ میرے بالکل قریب پہونچ گئے، موٹے موٹے بندر تھے اب تو میں ذرا گھبرایا کہ یا اللہ کیا کروں سوچا کہ سیو کا پتہ انکے آگے پھینک کر اپنی جان بچاؤں مگر پھر خیال کیا کہ حضرت کو چلکر کیا جواب دوں گا اور اگر دوسرا لے آؤں تو انکے سامنے اپنی کامیابی کی نظیر موجود ہی تھی ابھی ادھیڑ بن میں تھا اور پھینکنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک دیکھا کہ سب بندر جہاں سے آئے تھے واپس جانے لگے۔ اب میرے اوسان درست ہوئے تو دیکھا کہ مسجد پر سے حضرت والا ہاتھ میں اپنا پاپوش لیکر بندروں کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ خبردار اگر آگے بڑھے تو خیر نہ ہوگی۔ حضرت کے اس فعل کو بندروں نے دیکھ لیا بس وہیں سے میرے لئے لائن کلیر کردی۔ خیر جب میں حضرت والا کے پاس پہونچا تو فرمایا کہ بہت دیر کردی چودھری کہاں رک گئے تھے۔ میں نے بندروں کے گھیر لینے کا واقعہ بیان کیا۔ سن کر حضرت بہت ہنسے۔ اور سب چیزوں کو بہت شوق سے نوش فرمایا۔ تھوڑی دیر وہاں ٹھیرے پھر خانقاہ واپس تشریف لے آئے۔

حضرت اقدسؒ کی چودھری صاحب بلکہ انکے پورے گھرانے نے بہت خدمت

کی جب حضرتؒ وہاں پہونچ جاتے تھے تو ان لوگوں کی گویا عید ہوجاتی تھی۔ علاوہ گھر والوں کے دیکھا جاتا تھا کہ ملازمین، حلوا ہے اور تین بھرے سب ایک نشاط کے ساتھ کام کرتے تھے اس میں بڑا دخل چودھری صاحب کی خوشخوئی اور نرم مزاجی کو بھی تھا اور حضرت سے تعلق کے بعد تو اور بھی زیادہ خلیق ہو گئے تھے۔ لیکن حضرت کی وفات کے بعد زیادہ دن وہ بھی نہ رہے۔ اچانک ایک دن اطلاع آئی کہ چودھری حبّن صاحب کا انتقال ہوگیا۔ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ اور خانقاہ سے اور دوسرے لوگ جن میں یہ راقم بھی تھا بمرولی حاضر ہوئے اور تدفین میں شرکت کی حبیب الرحمٰن واقعی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ع۔

خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

چودھری صاحب موصوف دیہات ہی میں رہتے تھے تقریباً ہر ہفتہ یا درمیان میں بھی کبھی کسی ضرورت سے شہر آنا ہوتا تو حضرتؒ سے دعا وغیرہ کرانے کے سلسلے میں خانقاہ ضرور حاضر ہوتے ۶۔ ۷ میل کے فاصلے پر بمرولی نام کا ایک موضع دریائے گنگا کے کنارے پر آباد ہے یہی آپ کا آبائی وطن تھا والد صاحب موضع کے بڑے زمیندار تھے انکے بعد گھر کی کھیتی وغیرہ خود چودھری صاحب سنبھالے ہوئے تھے۔ حضرت اقدس کو خطوط کم لکھتے تھے لیکن جو تحریر دستیاب ہوئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت والا سے بیعت ہونے کے بعد اصلاح کا کافی خیال پیدا ہوگیا تھا چنانچہ اپنے ایک عریضہ میں حضرت اقدس کو تحریر کرتے ہیں:۔

حال: معمولات سب بفضلہ تعالیٰ ادا ہو رہے ہیں تہجد کی رکعات دن میں پوری کر لیتا ہوں۔ آج سے کئی سال قبل میری حالت یہ تھی کہ جب کبھی دنیاوی مصائب پیش آتے تھے تو میرے دل میں یہ خطرہ گذرتا تھا کہ باوجود اسکے کہ میں احکام کی پابندی کرتا ہوں مگر سکون نصیب نہیں ہوتا اور ایک نہ ایک پریشانی کا سامنا رہتا ہے حضرت کی غلامی نصیب ہونے کے بعد چند باتیں سمجھ میں آئیں وہ یہ کہ ہر عبادت کے دو رخ ہوتے ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی اور ظاہری سے باطنی زیادہ

ضروری اور اہم ہے حتی کہ ظاہری جسم اور باطنی اسکی روح۔ جس طرح سے کہ بغیر روح کے جسم چاہے کتنا ہی خوبصورت اور آراستہ ہو بیکار محض اور مردہ ہے۔ اسیطرح سے عبادات اگر صرف ظاہری صورت میں آراستہ ہیں اور ان میں روح نہیں ہے تو وہ بالکل غیر مفید بلکہ بعض حالات میں تو مضر ہوتی ہیں اور عبادات کا باطنی رخ قلب سے متعلق ہے لہٰذا اگر احکام کی ظاہری پابندی کے ساتھ دل کی بھی حالت ٹھیک ہے تو ایسی حالت میں اگر تھوڑی سی عبادت بھی کیجائے تو وہ اپنا اثر ضرور دکھاتی ہے اور یقیناً سکون قلبی حاصل ہوتا ہے۔ اسوقت اگر مصائب کا بھی مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو سکون قلب اور تعلق مع اللہ میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا لہٰذا میری حالت پہلے کی اسکے برعکس تھی کہ ظاہر میں احکام کی پابندی حتی الوسع کرتا تھا مگر دل اللہ تعالیٰ کا مطیع نہ تھا۔ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ اور سب سے بڑا ظلم یہ کہ اسکی خبر ہی نہیں کہ یہ حالت کسقدر خطرناک اور مضر ہے لہٰذا جب اپنے نقصان ہی کا علم نہیں تو اسکی اصلاح کی کیا فکر؟ حالت دن بدن بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی لیکن جب سے حضرت کی غلامی کا شرف حاصل ہوا تو ہوش ہوا اور اب حالت یہ ہے کہ ذہن میں یہ امر راسخ ہو چکا ہے کہ چاہے ظاہر اچھا نہ ہو مگر دل کی حالت ٹھیک ہونی چاہیئے اور جو کام کرنا چاہیئے اسکو دل سے کرنا چاہیئے۔ اب بفضلہ تعالیٰ فائدہ محسوس ہو رہا ہے جب کبھی نفس اپنی مرضی کے مطابق کام لینا چاہتا ہے تو فوراً یہ خیال ہوتا ہے کہ ظاہر میں میری حالت کیا ہے لہٰذا جیسا ظاہر ہے ایسا ہی باطن بھی ہو اگر ایسا نہ کروں گا اللہ تعالیٰ کو کیا منہ دکھاؤں گا اور مزید براں اپنی بداعمالی کے سبب اپنے پیر کو بھی بدنام کرونگا۔ چنانچہ اس سے بڑا فائدہ معلوم ہوتا ہے اور ایک روحانی لذت محسوس ہوتی ہے آجکل حالت یہ ہے کہ اکثر اللہ تعالیٰ کے فضل و انعامات اور اپنی بداعمالیوں پر غور کرتا ہوں تو اللہ تبارک تعالےٰ سے محبت معلوم ہوتی ہے اور آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور پھر اپنی اس حالت کا سبب حضرت والا کی کرامت سمجھتا ہوں۔

ایک روز عصر کے بعد والی مجلس میں حضرت والا نے احقر کی موجودگی میں یہ فرمایا

تھا کہ کب تک نفس کی پرورش کرتے رہوگے؟ ایک دن اسکا بھی ساتھ چھوٹ جائیگا
اس جملہ سے طبیعت پر بڑی رقت ہوئی اور آجتک اسکا اثر ہے اب جس وقت
نفس کسی امر کا متقاضی ہوتا ہے تو فوراً اس جملہ کیجانب خیال کو متوجہ کرلیتا ہوں۔ اور
اللہ تعالےٰ کی مدد شامل ہوجاتی ہے۔

تحقیق: غنیمت ہے کہ ان باتوں کیطرف التفات ہوا خدا کرے سمجھو اور باطن کو درست کرو۔

حال: مجھے تو حضرت سے دین و دنیا دونوں کا بڑا فائدہ محسوس ہورہا ہے۔ اور حضرت
کی کھلی ہوئی کرامتوں کا مشاہدہ ہورہا ہے۔

جب حضرت کے پاس حاضر ہوتا ہوں بسا اوقات واپسی میں دیر ہوجاتی
ہے اور سواری بالخصوص اپنے گاؤں کا یکہ ملنے کی امید بالکل نہیں رہتی اور
طبیعت پریشان ہوجاتی ہے کہ یا اللہ! آج گھر کیسے پہونچوں گا مگر حضرت! میں
قسم کھاکر کہتا ہوں کہ کوئی موقع ایسا نہیں ہوا کہ مجھے گاؤں کا یکہ نہ ملا ہو۔ کتنی ہی
دیر ہوگئی ہو مگر جب اڈہ پر آیا تو گاؤں ہی کا یکہ مل گیا۔

تحقیق: الحمدللہ۔

راقم عرض کرتا ہے کہ آپ نے خط ملاحظہ فرمایا۔ چودھری صاحب ایک
نوجوان انگریزی داں شخص تھے صرف حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانویؒ کی کتب
مطالعہ میں رہیں اور آخر میں حضرت اقدس کی صحبت ملی جس کا اثر مضمون خط
میں نمایاں ہے۔ سچ ہے ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد
فی الحال بصورت طلا شد

(جو لوہا کہ پارس پتھر سے مس ہوا فوراً سونے کی شکل میں تبدیل ہوگیا)

ع۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی ایک آن کی صحبت بھی خالی از نفع نہیں کبھی اسی وقت
میں ہدایت کی نسیم چلتی ہے اور انسان کا کام بنجاتا ہے۔ ۱۲۔ جامی۔

جنابؒ شاکر حسین خانصاحب مرحوم ــــ الہ آباد کے محلہ محتشم گنج میں آپ کا مکان تھا حسن اتفاق کہ اسی محلہ میں حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ خلیفۂ ارشد حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی قدس سرہٗ کا بھی قیام تھا اسلئے خانصاحب موصوف حضرت الہ آبادی کی مجلس میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے اور حضرت اقدس مولانا تھانوی سے بھی خط وکتابت تھی اور شاید حضرت تھانویؒ سے بیعت بھی تھے (اسکا صحیح علم راقم کو نہیں ہے) لیکن اصلاحی تعلق بہرحال حضرت مولانا عیسیٰ صاحب الہ آبادی ہی سے تھا۔

خاں صاحب الہ آباد میں ایک قدیمی صحیح العقیدہ دیوبندی مسلک سے تعلق رکھنے والے تھانوی رنگ کے شخص تھے۔ گورنمنٹ پریس الہ آباد میں ملازم تھے۔ ذوق علمی پایا تھا اسلئے نہ صرف یہ کہ اپنے مسلک کے تمام ہی علماء کے وعظوں اور صحبتوں میں شریک ہوتے بلکہ ذوق سخن نے حضرت اصغر گونڈوی اور جگر مرادآبادی سے بھی خاصی رسم وملاقات پیدا کر دی تھی۔ یہانتک کہ علماء کو مدعو کرنے میں اور شہر میں جلسہ وغیرہ ہوتا تو اس میں پیش پیش رہتے۔ اصلاح المسلمین الہ آباد کا جلسہ ایک قدیمی سالانہ جلسہ ہوتا تھا جسمیں حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی۔ مولانا عبد الرحیم صاحب لکھنوی مولانا مرتضیٰ حسین صاحب چاندپوری اور پھر مولانا ابوالوفا صاحب شاہجہاں پوری اور مولانا معظم علی صاحب مبلغ دار العلوم دیوبند اور مولانا عبد السلام صاحب لکھنوی چوٹی کے علماء تشریف لاتے تھے اور منتظمین جلسہ میں ہمارے شاکر حسین خاں صاحب کو نمایاں مقام حاصل تھا

اصلاحی امور کے پیش نظر لوگوں سے اسقدر اختلاط رکھنا اور ملنا جلنا ظاہر ہے کہ سالک کی یکسوئی کے لئے قطعی مخل اور اسکے کارخانہ باطن کو یکسر مکدر کر دینے والی شئے تھی اسلئے حضرت مصلح الامۃؒ کیجانب سے اس پر نکیر اور مواخذہ بھی ہوتا رہا مگر خانصاحب مرحوم کی طبعی مناسبت انکو اس سے باز بھی نہ رکھ سکی۔ حتیٰ کہ اہل الہ آباد کا مقدر چمکا اور ہمارے حضرت مصلح الامۃ گورکھپور سے الہ آباد تشریف لائے خاں صاحب مرحوم

حضرت والا سے ملاقات تھی شناسا اور واقف تھے ہی حضرت کی بھی مجلس میں آنے لگے اور علماء کی صحبت نیز حضرت تھانویؒ کی کتب کے مطالعہ کی برکت سے اور عامی انسانوں کی طرح نہ تھے بلکہ سخن فہم اور سخن سنج تھے موقع بموقع حضرت کے ارشادات پر بھی داد وتحسین فرماتے رہتے۔ حضرت اقدسؒ چونکہ ان کے مزاج سے واقف تھے اسلئے بہت ہی تلطف اور محبت کا برتاؤ ان سے رکھتے۔ چنانچہ حضرت والا کا ایک انداز یہ بھی تھا کہ جسکو ذرا تیز وطرار دیکھتے اور سمجھتے کہ یہ آسانی سے طریق پر لگنے والا نہیں ہے اکثر اسکو دوسرے لوگوں کے معاملات میں واسطہ بنا دیتے اور اسی کے ذریعہ اس کو اصلاحی ہدایات دیتے اسکا ایک نفع یہ ہوتا کہ ان عیوب کی برائی خود صاحب واسطہ میں اگر موجود ہوتی تو اسکو غیرت آتی کہ میں دوسروں کو تو نصیحت کر رہا ہوں اور خود اپنا بھی یہی حال ہے۔ بس اسکے لئے یہی طریقۂ اصلاح تجویز ہوتا وہ چاہے یہی کیوں نہ سمجھے کہ میں حضرت کا بہت معتمد علیہ ہوں حضرت مجھے دوسرے لوگوں کے لئے واسطہ بناتے ہیں لیکن حضرت کا مقصود اس سے خود ان صاحب کو بھی ٹھکانے کرنا ہوتا تھا اور دیکھا جاتا تھا کہ بعض نفوس اس سے متاثر بھی ہوتے تھے اور انکو اپنی اصلاح پر نظر ہو جاتی تھی

بہرحال خانصاحب مرحوم چونکہ سمجھدار شخص تھے اور ترجمانی کا سلیقہ بھی تھا اسلئے اکثر اہل الہ آباد کے معاملات میں حضرت والاؒ انھیں ہی واسطہ بناتے تھے اور جری ہونے کے سبب حضرت کا پیغام من وعن پہونچا دیتے تھے۔ اگر کبھی کچھ کسر رہ جاتی تو حضرت اقدسؒ اسکی اصلاح فرما دیتے تھے۔ چنانچہ خانصاحب مرحوم کا حسب ذیل خط اور حضرت کا جواب اس امر کا مظہر ہے۔ حضرت اقدس کو لکھا کہ:۔

حال: جمعرات کی مجلس میں جو خاص بات ارشاد فرمائی گئی تھی اسکو اپنے فہم ناقص میں جو کچھ آیا اپنے الفاظ میں عرض کرکے اصلاح کا خواستگار ہوں (دو فریق جو کہ حضرت والا ہی سے بیعت تھے انمیں آپسمیں میں کچھ نزاع اور عداوت ہو گئی تھی اس سلسلہ میں حضرت والا نے فرمایا کہ ——— بارہا میں نے سمجھایا مگر یہ لوگ کسی طرح اس نزاع اور عداوت کے چھوڑنے پر تیار نہ ہوئے۔ اس پر فرمایا کہ ——— کل ایک صاحب کو میں نے

کہدیا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ تمہارا ایمان ناقص ہے اس میں کمی ہے۔ اسلئے کہ میں تو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاف صاف پیش کر رہا ہوں اور آپ اسکا کچھ خیال نہیں کرتے اپنی عداوت پر قائم ہیں اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہے اور یہ صریح ایمان کے خلاف ہے۔ اسکے بعد فرمایا — جب ایسا کہا تو اب بات کچھ سمجھ میں آئی۔

تحقیق: میں نے یہ کہا تھا کہ آپس کی عداوت اور پرخاش کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ اسکے متعلق شرعی حکم جو بیان کیا جاتا ہے نفس اس سے گریز کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ہم دوسرے کی خرابی کیوجہ سے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اپنا حکم نہیں بیان کرتا ہوں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتا ہوں یہ نہ سمجھو کہ میں انکی (یعنی میری) بات نہیں مانتا' بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مان رہے ہو۔ یہ میرے ماننے میں نقصان نہیں ہے بلکہ عین ایمان بالرسول میں نقصان ہے اور اسکو بقسم کہہ سکتا ہوں بلکہ قسم کے ساتھ کہتا ہوں۔ اندازہ ہوتا تھا کہ شاید سمجھ گیے۔

حال: ہم لوگوں کا حال یہ ہے کہ بجائے اسکے کہ حضرت والا سے تربیت حاصل کریں اور نفس کے کید سے خلاصی حاصل کریں۔ باہمی عداوت اور شقاق کو ترک کریں چاہے اپنا کچھ مالی نقصان ہی ہوجائے یا کچھ ہیٹی ہی ہوجائے کیونکہ ایسا کرنے میں ہماری دنیا بھی خوشگوار ہوتی ہے اور دین بھی بنتا ہے مگر ہم اپنی نفس پروری سے چاہتے یہ ہیں کہ حضرت والا کو اپنے موافق کرلیں۔

تحقیق: اور کیا!

حال: جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنی جگہ پر جہاں ہم ہیں حضرت والا کو لانا چاہتے ہیں۔

تحقیق: ہاں بھائی یہی چاہتے ہیں۔

حال: یہ کتنے غضب کی بات ہے کہ دیانت والا جو دنیا کو اتباع سنت کی اور ترک ہویٰ کی تعلیم دے اسکو ہم اپنی جہالت سے یا جان بوجھکر اتباع ہویٰ اور

بددینی میں شریک کرنے کی جرأت کریں۔

تحقیق: دیکھئے کہاں تک فساد پہونچا ہوا ہے۔

حال: یہ عقیدت کی کتنی بڑی خرابی ہے کہ شیخ سے ایسی توقع رکھی جائے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اعاذنا اللہ عنہ۔ اور اس فساد کی جڑ دراصل ایمان کا نقص ہے۔ **تحقیق:** ضرور۔

حال: کیونکہ بار بار صریح حدیث سننے کے باوجود مخالفت کیجائے اور عمل سے روگردانی ہی رہے اور نفس، حدیث رسول کی طرف نہ آنے دے تو اسکا منشا عظمت رسول کی کمی ہے۔ چنانچہ حضرت والا کا قسم کھاکر اس مرض پہ آگاہ فرمانا اسی بنا پر ہے اور عین شفقت ہے۔ واقعی جو حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اپنا گھر فاسد کرکے اب ہمارا گھر فاسد کرنا چاہتے ہیں بالکل صحیح ہے۔

تحقیق: ہاں بالکل صحیح ہے۔

حال: اور اب یہ ارشاد گرامی خوب سمجھ میں آرہا ہے۔ جب ہم نفس کے اتنے پابند ہیں تو ایسی صورت میں واقعی مجلس سے بھی صبر کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ وہ مجلس ہے اخلاص اور صدق اور اتباع سنت اور تنویر قلوب کی۔ وہاں ایسی ظلمت کو داخل کرنا بہت بڑی بددینی اور سوءادبی ہے۔

تحقیق: یہ تو ہے ہی علاوہ اسکے ان کے لئے یہ مجلس مضر ہے کہ انکا نفاق بڑھتا ہی جائے گا۔

حال: جب تک ہم اپنے کو آمادہ عمل ظاہر و باطن صدق دل سے نہ کرلیں اس مجلس میں شرکت مناسب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ایسے مواقع پہ نفس کی پیروی سے محفوظ رہیں۔ **تحقیق:** آمین۔ ثم آمین۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت اقدس نے خاں صاحب مرحوم کے واسطے سے ایک بات کہلائی اس سے استنباط کرکے خاں صاحب نے اسپر کیسی کیسی تفریع فرمائی اور باندازِ نصیحت بیان کرکے حضرت سے اسپر کیسے تحسینی کلمات

جواب میں حاصل گئے۔ آدمی جب فہیم ہوتا ہے تو اسی طرح سے اشارہ سے
نشار کو سمجھکر خوب خوب باتیں دوسروں سے کہہ لیتا ہے اور بات اسکو سمجھا دیتا
ہے اب ظاہر بات ہے کہ جب کوئی شخص اسطرح سے دوسروں کے امراض
سے اسکو نفرت دلائے گا اور نصیحت کرے گا تو اپنے کو کسطرح وہ بھول سکتا ہے
اسکا ضمیر خود اس پر نکیر کرے گا کہ دوسروں کو تو کہتے ہو اپنے کو بھی تو دیکھو! اسطرح
سے واسطہ بننا خود اسکے لئے بھی مفید ہو جاتا تھا

حضرت اقدس سے تعلق کے بعد اس میں شک نہیں کہ خود خانصاحب مرحوم
کے حالات بھی بہت بدلے چنانچہ کچھ باطنی ذکر و شغل کیا تب بھی توجہ ہو گئی اپنے
ایک خط میں حضرت کو لکھتے ہیں کہ :۔

حال : اللہ تعالے کے فضل و کرم سے اور آنجناب کی توجہ عالیہ کی برکت سے
اخیر شب میں تہجد اور ذکر بارہ تسبیح حسب معمول برابر ادا ہو رہے ہیں۔ ذکر و نماز
میں توجہ رہتی ہے کہ دل بھی شریک رہے صرف ذکر زبانی نہ ہو اور حالت ذکر
میں بھی غفلت نہ رہے۔ خدا کا شکر ہے کہ کسی حد تک اسمیں کامیابی ہوئی ہے۔

تحقیق : الحمد للہ۔

حال : چلتے پھرتے اور خالی اوقات میں ذکر اسم ذات (یعنی اللہ اللہ) جاری
رکھتا ہوں۔ تحقیق : خوب۔

حال : پرسوں کرکے بارے میں جو آنجناب نے ارشاد فرمایا ہے اسکی وجہ سے اور
توجہ رکھتا ہوں کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ رہے۔ جناب والا کی شفقت اور
توجہ خصوصی کا بدل ممنون ہوں۔ تحقیق : الحمد للہ۔

حال : ارشادات عالیہ سے جیسا کچھ نفع ہو رہا ہے وہ دل ہی جانتا ہے۔ اپنی طلب
کو دیکھتا ہوں تو تمامتر ناقص اور جناب کی توجہات اس احقر پر کامل۔ انشاء اللہ
جناب والا کے کرم اور توجہات سے کچھ احقر کو بھی مل جائے گا ؎

شعاع مہر خود بیتاب ہے جذب محبت سے
حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پرواز شبنم کی

تحقیق: بیشک

حال: دعاء اور توجہ کا خواستگار ہوں۔ **تحقیق:** دعاء بھی کرتا ہوں اور توجہ بھی۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے انسان جب یکسوئی کے ساتھ کام پر لگے اور شرائط طریق پوری کرے تو نفع کیوں نہ ہو۔ ماشاء اللہ خانصاحب کی مذکورہ بالا تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ کام پر لگے ہوئے تھے۔

حضرت اقدس کے الہ آباد مستقل طور پر تشریف آوری سے پہلے ہی خانصاحب مرحوم حضرتؒ سے متعلق ہو چکے تھے اس درمیان میں جب حضرت اقدس عارضی طور پر الہ آباد تشریف لائے تو حضرت مولانا محمد احمد صاحب پرتابگڈھی مدظلہ بھی جناب نجم احسن صاحب وکیل پرتابگڈھ مجازِ صحبت حضرت حکیم الامۃؒ کی معیت میں حضرت سے ملنے تشریف لائے اور چند مجلسوں میں شرکت فرمائی جس سے باہم دونوں بزرگوں کو ایک دوسرے کو دیکھنے کا موقع ملا۔ چنانچہ حضرت مصلح الامۃؒ کی باوقار مجلس اور شانِ اصلاح سے مولانا پرتابگڈھی مدظلہ بھی بہت مسرور ہوئے اور اسی موقع پر حضرت والا کے پیر بھائی اور مولانا پرتابگڈھی کے رفیق عتیق حضرت نجم احسن صاحب احسنؒ نے یہ قطعہ بھی حضرتؒ کی شان میں فرمایا تھا ؎

دیکھ دیوانے، دیکھ اے احسنؔ — یہ بھی گلشن ہے اشرفی گلشن
مجلس حضرت وصی اللہ — ہے نمود بہار تھانہ بھون

اور حضرت مصلح الامۃ کو بھی مولانا پرتابگڈھی کا عارفانہ سکوت و خاموشی اور تواضع بہت پسند ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس اطراف میں اہل حق میں سے خانقاہی انداز پر مولانا ہی کچھ کام کر رہے ہیں۔ حضرت مولانا سید محمد عیسیٰ صاحبؒ کے بعد اب کبھی کبھی مولانا ہی تشریف لاتے ہیں اور چند روز قیام کر کے پھر پرتابگڈھ تشریف لے جاتے ہیں۔

جانبین کے اس تعارف کا اثر یہ ہوا کہ مولانا پرتابگڈھی چونکہ خانصاحب مرحوم کے بڑے بھائی صابر حسین صاحب مرحوم کے مکان صابری منزل ہی میں آکر ٹھیرتے وہیں مولانا کی نشست ہوتی تھی خانصاحب مرحوم بھی اکثر اس میں شریک ہوتے

اور حضرت مصلح الامۃ کا تذکرہ ہوتا رہتا۔ کبھی مولانا پرتاب گڈھی خانصاحب کے توسط سے حضرت مولانا کو سلام وغیرہ کہلاتے۔ حضرت مصلح الامۃؒ بھی اپنی غایت تواضع کی بنا پر اور قلب میں مشائخ کا حد درجہ تادب ہونے کی وجہ سے اسی انداز میں اسکا جواب عنایت فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ خانصاحب مرحوم نے حضرت اقدس کو لکھا کہ:۔

حال: (مولانا پرتاب گڈھی مدظلہ) جناب والا کا ذکر بہت محبت اور عقیدت کے ساتھ فرماتے ہیں اور اعلیٰ حضرت حضرت تھانوی کا تو اس کثرت کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سے والہانہ تعلق ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا (رشید احمد صاحب) گنگوہیؒ اور حضرت مولانا (محمد قاسم صاحب) نانوتویؒ کا ذکر بہت فرماتے رہتے ہیں۔ اس مرتبہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الہندؒ) قدس سرہٗ کے اس قصیدہ کا ذکر آ گیا جو آپنے ان دونوں حضرات کی (یعنی حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی شان میں کہا ہے۔ ایک دن ایک صاحب وہ قصیدہ لے آئے اسکے اشعار پڑھے گئے۔ مولانا مدظلہٗ (پرتاب گڈھی) پر زیادہ اثر ہوا (مولانا چونکہ خود بھی ذوق شاعری کے ساتھ متصف ہیں اسی بحر میں خود) مولانا نے بھی چند اشعار کہے وہ خوشنودیٔ خاطر عالی کی غرض سے ارسال خدمت اقدس کر رہا ہوں امید کہ جناب والا محظوظ و مسرور ہوں گے (اشعار خط سے علیحدہ کاغذ پر تھے)۔

تحقیق: اولیاء اللہ کی مدح سے کون مسرور نہ ہوگا۔ وہ اشعار رکھ لئے۔

حال: مولانا (پرتاب گڈھی) صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ بعد برسات انشاء اللہ تعالیٰ احقر کو ہمراہ لیکر جناب والا کی ملاقات کو خدمت عالی میں تشریف لائیں گے۔

تحقیق: بھائی میں اس قابل کہاں ہوں میں تو اگر سفر بند کئے نہ ہوتا تو ضرور مولانا محمد احمد صاحب کی خدمت میں خود حاضر ہوا کرتا اور ان سے فائدہ حاصل کرتا مگر اب تو بہ مصلحت سفر ترک کر دیا ہے مگر مولانا کو یہاں بلانے کی جرأت میرے حوصلہ اور ہمت سے بالاتر ہے اسکی تاب نہیں انکا ادب و احترام دل میں ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہے کہ حضرت اقدس کے قلب مبارک میں مشائخ کا ادب اور بزرگوں کی عظمت راسخ تھی اسلئے جن حضرات کے بارے میں حضرت کو

یہ علم ہوجاتا تھا کہ کسی سلسلہ سے تعلق ہے اور کسی کی جانب سے صاحب اجازت بھی ہیں تو ایسے حضرات سے خود ہی اپنے لئے دعاء وغیرہ کے لئے فرما دیتے تھے چنانچہ حضرت مولانا پرتابگڈھی مدظلہ کا یہ معاملہ بھی اسی نوع کا تھا کہ وہ خود مستقل شیخ تھے صاحب سلسلہ بزرگ سے تعلق تھا اور دین کا کام بھی ان سے ہو رہا تھا اسلئے حضرت مصلح الامۃؒ چاہتے تھے کہ لوگ کام کریں اس زمانہ میں اسکی زیادہ ضرورت ہے۔ اور جس طرح سے یکسوئی کے ساتھ سفر وغیرہ ترک کرکے خود اپنے لئے کام کو پسند فرمالیا تھا یہی دوسروں کے لئے بھی پسند فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک صاحب نے اسی طرح سے (حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ سے) حضرت والا اقدس کی شان اصلاح کا تذکرہ کرکے انکو آمادہ کیا کہ وہ حضرت سے ملاقات کریں انکو بھی حضرت نے اسی نوع کا جواب تحریر فرمایا۔ ان صاحب نے حضرت کو لکھا تھا کہ:-

"فلاں مولانا صاحب (یعنی قاری محمد طیب صاحبؒ) تشریف لائے تھے عاصی کے یہاں قیام کیا انکی خاطر مدارات میں کمی نہ ہوئی۔ حضرت والا کے مسلک پر برابر میں روشنی ڈالتا رہا میں نے یہ بھی سنایا کہ ع مجلس حضرت وصی اللہ ہے نمود بہار تھانہ بھون ــ چونکہ مولانا صاحب۔۔۔ کی معیت میں حضرت مولانا تھانویؒ کی مجلس میں بھی کافی شرکت کرچکا تھا اسلئے بہت آسانی ہوئی وہ حضرت سے اپنی ملاقات کی مدت (اب سے) چالیس سال (قبل کی) بتلاتے تھے۔ حالات والا سنکر فرمایا اللہ تعالیٰ جس بندے سے اپنا کام لےلیں۔ اب وہ حضرت والا کے خود مشتاق ہیں۔ اور استفادہ کے لئے تیار ہیں۔

تحقیق:۔ (حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ) تو یہ تو یہ انکی بزرگی (اور تواضع) ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے حضرت اقدس کے اس ارشاد میں کہ "تو یہ تو یہ انکی بزرگی ہے" ــ اور اس میں کہ بھائی میں اس قابل کہاں ہوں؟ کیا فرق ہے۔ بات وہی ہے کہ حضرت کے مزاج میں تواضع کا غلبہ تھا، بزرگوں کا اور مشائخ کا احترام و ادب بالخصوص انکے سلسلہ کی وجہ سے بہت فرماتے تھے۔

(باقی آئندہ)

باقی خانصاحب مرحوم چونکہ حضرتؒ کے پیر بھائی تھے اسلئے ان سے تو مولانا پرتا بگڈھی کی تشریف آوری ہی کے متعلق گفتگو پر کفایت کی ـــــ اور دوسرے صاحب سے چونکہ حضرت کا قدیمی تعلق تھا ان کو حضرت قاری صاحب کے اشتیاق ملاقات اور استفادہ کے جواب کے بعد یہ بھی تحریر فرمایا کہ :۔

"آپ نے لکھا ہے کہ فلاں صاحب استفادہ کے لئے تیار ہیں اسکے متعلق کہتا ہوں کہ فلاں صاحب تو خیر بڑے لوگ ہیں وہ مجھ سے کیا استفادہ کر سکتے ہیں مجھ ہی کو استفادہ کرنا چاہیئے۔ البتہ اگر آپ خود (اپنے) استفادہ کی فکر کریں گے تو وہ آپ کے لئے بھی نافع ہے اور میرے لئے بھی مفید ہے باقی کسی دوسرے کے استفادہ سے آپکو تو نفع ہوگا نہیں اسلئے آپ پہلے خود ہی توجہ فرمایئے اپنی تکمیل کیطرف۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت اقدسؒ کسی کے خود اظہار مدعا کا دوسرا اثر لیتے تھے اور واسطے کے ساتھ کسی درخواست کا حضرت کے یہاں وہ درجہ نہیں ہوتا تھا۔

خان صاحب مرحوم کے طفیل اللہ تعالےٰ نے ایک علم سے ہمیں بھی نوازا کسی صاحب کا مقولہ خانصاحب نے ہمارے اقدس سے نقل کر دیا کہ ایک صاحب کہتے تھے کہ حضرت مولانا تھانویؒ کی جو اسقدر شہرت تھی تو وہ کچھ اسوجہ سے نہ تھی کہ مولانا کسی بڑی باطنی نسبت کے حامل تھے، یہ نہیں بلکہ حضرت مولانا تھانویؒ عالم زبردست تھے کہ اپنے وقت میں انکا کوئی ثانی نہیں تھا یہی سبب انکی زیادہ شہرت کا بنا۔

حضرت مصلح الامتؒ نے راقم ہی کے واسطے سے خانصاحب کے پاس کہلایا کہ جس طرح سے انکی بات آپ نے مجھ سے نقل کیا ہے اگر کوئی موقع ملجائے تو آپ ان صاحب تک میری یہ بات بھی پہونچا دیجئے گا کہ :۔

"آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حضرت مولانا بڑے زبردست عالم اور بڑے زبردست صاحب نسبت تھے اور اپنے سینہ میں اتنا اتنا نور (دونوں ہاتھوں سے اشارہ کر کے فرمایا) رکھتے تھے۔ یہ حضرت کا انتہائی خلوص تھا کہ اپنی اس باطنی نسبت کو علم کے پردہ میں مخلوق سے چھپالے گئے اور ساری عمر خود کو ایک طالب علم ہی فرماتے رہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کیلئے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اسکو رفعت اور شہرت بخشتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۹

پروفیسر سید محمد احمد صاحب: آپ رہنے والے تو الہ آباد ہی کے ہیں لیکن ملازمت کا زیادہ حصہ باہر گذرا آخر آخر میں لکھنؤ کے کسی کالج میں پڑھاتے تھے اور وہیں سے پنشن ہوگئی۔ آپ سے راقم کی ملاقات یعنی دید و شنید تو عرصہ سے تھی دیکھتا تھا کہ حضرت اقدسؒ کے یہاں تشریف لاتے تو حضرت بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ ان سے گفتگو فرماتے حالانکہ ظاہری حال ان محترم کا اسوقت کچھ ایسا نہ تھا جس سے ان کے جذبات دروں کا اندازہ کیا جا سکتا تاہم حضرت اقدس کی قدر افزائی سے ہم لوگ بھی متاثر ہوتے، آہستہ آہستہ ان کے خطوط بھی حضرت والا کبھی کبھی سناتے اور نقل کرنے کے لئے ہملوگوں کو مرحمت فرماتے تو ان کے محبت اور عقیدت بھرے الفاظ نے ہم لوگوں کو بھی متاثر کیا اور قلب نے اعتراف کیا کہ کالج کے ماحول میں ظاہر گو درست نہیں ہوسکا تاہم باطن اس بندۂ خدا کا بڑا ہی پاک و صاف اور شفاف ہے اسکے بعد سے پروفیسر صاحب کا احترام اور انکی عظمت قلب میں قائم ہوگئی اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ انسان کا کلام اسکے قلب کی ترجمانی کرتا ہے آپ بھی ان کے خطوط ملاحظہ فرمائیں۔ ان کے قلبی حالات کو حضرت مصلح الامۃؒ نے پہلی ہی بار میں محسوس فرمالیا جو دوسروں کے سامنے عرصۂ دراز کے بعد ظاہر ہوا یعنی پنشن کے بعد پھر جو پروفیسر صاحب سے ملاقات ہوئی تو اول

وہلہ میں پہچاننا دشوار تھا، ماشاء اللہ چہرے پر مشرع داڑھی نظر آئی اور تواضع اور مسکنت افعال میں نمایاں تھے۔ حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ کی خدمت میں دیر تک بیٹھے رہے بخشی بازار کی مسجد کے لیئے زمین وغیرہ خریدی جا رہی تھی پروفیسر صاحب موصوف نے بھی اس میں بڑے ہی خلوص کے ساتھ حصہ لیا۔

آپ کا حضرت اقدسؒ سے ابتدائی تعلق کہاں اور کس طرح ہوا یہ تو نہ معلوم ہو سکا تاہم آپ کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت اقدس جب گورکھپور میں تھے اسوقت اپنے کسی دوست کے ہمراہ حضرت سے ملے اور پھر تو حضرت ہی کے ہو گئے۔ زمانہ ۵۶ء یا ۵۷ء کا رہا ہوگا اسوقت آپ کا ایک عریضہ حضرت والا کے پاس آیا۔ وہ ہو ہذا۔

حال: میں اپنی کوتاہ قلمی کا معترف اور معذرت خواہ ہوں مجھے ندامت ہے کہ میں اپنی اس بیجا تاخیر کے لیئے عذر تو کیا عذر لنگ بھی نہیں کر سکتا آپ کو یاد کرنے کا خیال مہینوں سے ہے لیکن ایک لمحۂ اطمینان کے انتظار میں معاملہ ٹلتا گیا حالانکہ اس سے بڑی حماقت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ شئے جو اس دنیائے دنی میں عنقا ہے اسکی امید موہوم میں حصول فیض کو مہینوں کے لیئے ملتوی کر دیا جائے۔

تحقیق: آپ کی یادآوری کا ممنون ہوا۔ محبت اصل دل سے ہوا کرتی ہے جب دل میں یاد ہے محبت سے ہے اسی نے آپ کو عریضہ لکھنے پر مجبور کیا۔

حال: میں نے لفافہ پر پتہ لکھکر رکھ دیا تھا کہ پرسوں میرے کرم فرما اور آپ کے خادم مکرمی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب گورکھپور میں میرے رفیق کار تھے الہ آباد تشریف لائے ان سے میں نے آپکی خیریت دریافت کی انھوں نے سارے واقعات تفصیل سے بتائے افسوس بھی ہوا اور تکلیف بھی کہ مسلمانوں کی آنکھیں اب بھی بند ہیں اور وہ ہوا و ہوس کا اس درجہ بندہ ہوگیا ہے کہ اس نے اپنے مالک حقیقی کی بندگی کو پس پشت ڈال دیا ہے

تحقیق: انکی بند ہیں الحمدللہ آپ کی کھلی ہیں۔ اور بھی آپ جیسے لوگ ہوں گے

جنکی آنکھیں کھلی ہیں میرے لئے کافی ہے غم نہ فرمائیے۔
حال: میں اسے اپنی قوم بالخصوص ساکنان گورکھپور کی حرماں نصیبی پر محمول کرتا ہوں کہ وہ جو فیض و برکت حاصل کر رہے تھے اس سے خود کو محروم کر لیا، یہی تو اپنے پیروں پر کلھاڑی مارنا ہے۔ انسان کو اللہ پاک نے آنکھیں دیکھنے کو دی ہیں اور عقل سلیم حق و باطل کے امتیاز کے لئے ودلیعت فرمائی ہے لیکن ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم   چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(اگر دن میں چمگادر کو کچھ نظر نہ آئے تو اس میں آفتاب کا کیا قصور ہے)
ان لوگوں نے آپ کے خلاف جو یہ رویہ اختیار کیا ہے اس سے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے اس وجہ سے کہ میں بھی اسی قوم سے متعلق ہوں جس سے یہ تعلق رکھتے ہیں۔ قرآن پاک کی کھلی ہوئی آیۃ ہے کہ ہم نے کچھ لوگوں کی آنکھوں پر حجاب ڈال رکھے ہیں اور دل پر مہر لگا رکھی ہے سورج کی روشنی سے اگر کوئی منکر ہو جائے تو اسکا کیا علاج؟ یہ زوال آمادہ قوم نائب رسول کا مرتبہ نہیں جانتی۔ آنکھوں سے دیکھنا اور عقل سلیم سے پرکھنا یہ اصول ہونا چاہیئے۔ تحقیق: بیشک۔
حال: تہی دستاں قسمت را چہ سود از رہبر کامل   کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را
(جو لوگ قسمت کے ازلی محروم ہیں ان کو کسی رہبر کامل سے کیا فائدہ؟ دیکھو خضر جیسے رہبر بھی چشمۂ آب حیواں سے سکندر کو پیاسا ہی واپس لائے)
ادھر عرصہ سے آپ کو یاد نہ کرنے کا انجام یہ ہوا کہ دل نہ جانے کیوں پراگندہ سا رہا اور ایک بے اطمینانی کی لہر کار فرما رہی۔ میں سمجھ رہا تھا کہ چونکہ فیض و برکت کا یہ سلسلہ میں نے اپنی تساہلی اور ناسمجھی سے خود منقطع کر رکھا ہے اسلئے پریشانی اور انتشار سے نجات نہیں ملتی۔ دل آپ کی یاد سے برابر لبریز ہے اور جدائی ناقابل برداشت ہو رہی ہے فی الحال مصمم ارادہ ہے کہ دسہرہ کی تعطیل میں حاضر خدمت ہوں اور شرف ملاقات حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائیں۔ اور آپ بھی دعا فرمائیے کہ میری تمنا پوری ہو۔ تحقیق: آمین

جناب پروفیسر سید محمد احمد صاحب کا دوسرا عریضہ ملاحظہ فرمائیے خط ذرا طویل ہے لیکن حضرت اقدس رحؒ نے اسکا جواب بھی اسیقدر مفصل مرحمت فرمایا ہے انھوں نے لکھا کہ :۔

حال : آج ہی نوازش نامہ نے شرف بخشا اور سکون کی متاعِ گم شدہ واپس ملی الحمد للہ علی احسانہ آپکی خیر و عافیت معلوم کر کے بیحد مسرت ہوئی اور اطمینان ہوا میں آپکی نوازش و کرم اور بے پایاں محبت کے لئے ہمہ تن سپاس ہوں یہ آپکی انسانیت شرافت اور اللہ پاک کا کرم ہے کہ آپ مجھ پر اس درجہ مہربان ہیں اپنی سیاہ کاریوں کا جائزہ لیتا ہوں اور پھر آپکی توجہ پر غور کرتا ہوں تو عقل کام نہیں کرتی۔ یہ بھی خداوندکریم کا فضل ہے۔ میں اکثر تنہائی اور فرصت کے لمحات میں توبہ و استغفار کرتا ہوں اپنی بداعمالیوں کا مالک حقیقی کے سامنے اعتراف کرتا ہوں اور احساس ندامت و پشیمانی سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔ اسی سے توفیق عمل خیر چاہتا ہوں لیکن دل کا شیطان ہے کہ دوسرے لمحہ ورغلا کر دعوت گناہ دیتا ہے کشمکش کی جو حالت ہوتی ہے اسے کیا عرض کروں خیر و شر میں تصادم ہوتا ہے اور میں اللہ پاک سے پناہ چاہنے لگتا ہوں۔ خیالات پریشاں کا سلسلہ گھنٹوں قائم رہتا ہے اور اکثر خیالی پلاؤ پکایا کرتا ہوں بظاہر مایوسی کے بادل چھا جاتے ہیں لیکن فوراً خیال آتا ہے کہ مومن کی شان مایوس ہونا نہیں اور پھر امید کرمِ الٰہی سے باغ باغ ہو جاتا ہوں اور دعا مانگنے لگتا ہوں کہ یا اللہ! میرا خاتمہ بخیر ہو اور میری عاقبت نیک ہو یہ دعا اکثر لبوں پر رہتی ہے ؎

یارب از جنس ما چہ خیر آید   تو کرم کن کہ رب اربابی
غیب داں و لطیف و بیچونی   ستر پوش و کریم و توابی

(اے میرے پالنے والے خدا! میری جنس سے بھلا کیا خیر کی امید ہو سکتی ہے آپ ہی کرم فرمائیں کہ آپ رب ارباب ہیں۔ غیب کے جاننے والے ہیں۔ مہربان ہیں اور بے مثل و بے مثال ہیں۔ گناہوں کے چھپانے والے ہیں۔ کریم ہیں اور توبہ کے قبول کرنے والے ہیں۔)

حضرت مولانا! میرے ایمان کی سلامتی کے لیے برابر دعا فرماتے رہیئے تاکہ میں روز قیامت خالق عالم اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہوں مجھے دنیا کی ناکامیابی قبول ہے لیکن میں عقبیٰ کی دولت کسی بھی قیمت پر چھوڑنے کے لئے تیار نہیں خدا کرے کہ میری زندگی اللہ کی بندگی کے لئے وقف ہو جائے۔ دنیا بگڑ جائے اسکا غم نہیں یہاں کی مایوسیوں کا بدلہ بھی عقبیٰ ہی میں چاہوں گا۔

میں اکثر غور کرتا ہوں کہ میرا اور آپ کا معاملہ شاگرد اور استاد کا ہے جس طرح مسافر کی رہنمائی کے لئے ایک رہبر کی ضرورت ہوتی ہے بجنسہ طریق دین کے راہ گیر کو ایک شیخ کامل کی ضرورت ہوتی ہے پھر غلط فہمی کی گنجائش کہاں پیدا ہوتی ہے چونکہ میں خود کار معلمی انجام دیتا ہوں اسلئے اس مسئلہ کو کچھ نہ کچھ تو سمجھتا ہوں پھر اس طریق کار کے مخالف کا جب نفسیاتی تجزیہ کرتا ہوں تو کسی نتیجہ پر پہونچنے میں خود کو قاصر پاتا ہوں نہ جانے ذہن کس سمت میں راہ نمائی کرتا ہے آپ سے جو دلی تعلق ہے اسکا بہترین علم اللہ پاک کو ہے وہی دلوں کا حال جانتا ہے میں اللہ تعالےٰ سے دعا مانگتا ہوں کہ یہ تعلق اور استوار ہو جائے صحبت مرد خبیر بمشکل میسر آتی ہے اور اگر حاصل ہو جائے تو خداوند کریم کا کرم خاص ہے وہ خود جسکی رہنمائی چاہتا ہے ایسے اسباب و علل پیدا کر دیتا ہے کہ اسکی زندگی سنور جاتی ہے۔

اس قصبہ میں بھی لوگ آپکی ذات سے واقف ہیں اور اکثر لوگ آپکا پتہ بھی دریافت کرتے ہیں واقعی آپ دین کی جو خدمت انجام دے رہے ہیں وہ قابل صد رشک ہے کاش مجھے بھی اسکا حصہ وافر نہ سہی تو براہ قلیل ہی ملجائے میں اسے بڑی سعادت سمجھوں گا اللہ پاک کے دین کی تبلیغ ہی مصطفوی مشن کا مقصد ہے۔ مکرمی ــ ــ ــ ــ بھائی کا خط آتا ہے تو محبت و خلوص کا مجسمہ سامنے ہو جاتا ہے اور پھر اس لطف میں اضافہ آپ کی گرمی بیان کے ذکر سے ہو جاتا ہے۔ میں کئی بار اسے پڑھتا ہوں۔ رمضان المبارک میں آپ کی

مجلس عام کا ذکر خاص طور پر ہوتا تھا۔ بڑے بھلے اور نیک آدمی ہیں انکا خط آتا ہے تو میں تڑپ جاتا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ پر لگ جائیں تو ان تک اڑ کر پہونچ جاؤں۔

خدا کرے وہاں کے لوگ عقل کے ناخن لیں اور آپ کے علم وفضل سے فیض حاصل کریں۔ سورج کی روشنی سے جو فیض نہ حاصل کرے وہ حرماں نصیب نہیں تو کیا۔

موسم اچھا، پانی وافر، مٹی بھی زرخیز　　جس نے اپنا کھیت نہ سینچا وہ کیسا دہقان

مجھے دعائے خیر سے برابر یاد فرماتے رہیئے اور خاص اوقات میں میرا انجام بخیر ہونے کی دعا، بارگاہ کبریا میں کرتے رہیئے۔ شاید یہ فاسق و فاجر بھی راہ راست پر آجائے۔

تحقیق: الحمد للہ بخیریت ہوں آپکا محبت نامہ آیا پڑھکر بہت مسرور ہوا آپ نے جس حب فی اللہ کا اظہار فرمایا ہے اس سے قلب بہت متاثر ہے اللہ تعالےٰ آپکے فہم وعلم میں یوماً فیوماً اضافہ فرمائے۔ تنہائی میں توبہ و استغفار اور مالک حقیقی کے سامنے اظہار ندامت و پشیمانی کی جو توفیق حاصل ہے بہت خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حال میں مزید ترقی عطا فرمائے۔ یہی خیالِ عمل خیر اور وسواسِ شیطان کی کشمکش اور خیر اور شر کا تصادم جہاد اکبر ہے اللہ تعالیٰ آپ کو نفس پر اور خیر کو شر پر غلبہ عطا فرمائیں۔ خیالِ مایوسی اور اسکے بعد امید کا جو نقشہ کھینچا ہے بالکل صحیح ہے رجا ہی کو یاس پر غالب کرنا چاہیئے مومن کو مایوسی سے کیا کام؟ اللہ تعالےٰ آپکے باغ عمل کو امید کی بارش سے سیراب فرمائے۔ آپ کو یوں بھی یاد رکھتا ہوں پھر ماسٹر صاحب آپ کے مذکر تو یہاں موجود ہی ہیں اور جب آپکا خط آجاتا ہے اس وقت مزید یاد تازہ ہوجاتی ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ خدا کرے میری زندگی اللہ تعالےٰ کی بندگی کے لئے وقف ہوجائے نہایت مبارک تمنا ہے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ ایسا ہی کردے اور دین و دنیا کا جو مقابلہ کیا ہے نہایت ہی پاکیزہ جذبہ ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو دین و دنیا دونوں میں اعلیٰ کامیابیوں سے نوازے۔ آمین۔

شیخ اور مصلح کی ضرورت اور دینی رہبر کی حیثیت اور اسکی جو مثال آپنے لکھا ہے بالکل صحیح ہے اور حقیقت کی ترجمانی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ دلوں کا حال

اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں لیکن محبت ایسی چیز نہیں جو چھپ سکے محبت کا طور ہی جدا ہوتا ہے۔ محبوب پر بھی اسکی محبت اسکے قول و فعل سے ظاہر ہی ہو جاتی ہے آپ کی معرفت سے بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ اسکے فوائد سے آپ کو بھی بہرہ ور فرمادیں۔

یہ لوگوں کا میرے ساتھ حسن ظن ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے دعاء کیجئے کہ مجھ سے کچھ کام ہو جائے آپ بھی کام میں لگئے انشاء اللہ کچھ کام ہوگا یہاں بھی لوگ سمجھ رہے ہیں اور الحمدللہ متوجہ ہو رہے ہیں درمیان میں جو حالات ہو گئے تھے اب وہ فضا نہیں ہے الحمدللہ نفع دیکھ رہا ہوں آپ کے جملہ مقاصد کیلئے دل سے دعاء کرتا ہوں۔ والسلام۔

تیسرا خط ملاحظہ فرمایئے :۔

حال: مرشدی و مولائی۔ السلام علیکم۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی | مرا با جان جاں ہمراز کردی

آپ کا مکتوب محبت مجھے دسہرہ کی تعطیل میں ملا خدا کا شکر ہے کہ میری تمام الجھنیں جو شریک حیات کی علالت کے باعث تھیں دور ہو گئیں اور اس سلسلہ میں جو سکون قلب اور اطمینان ذہنی نصیب ہوا وہ آپ کے کرم اور توجہ اور اللہ پاک کے نوازش خاص کا مرہون منت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں ہر اصول کی پابندی کرونگا۔ اب آپریشن کا خیال بالکل ترک کر دیا گیا ہے حالانکہ عورت ہی آپریشن کرتی بہر حال اب ہمیں کوئی انتشار نہیں ہے۔ جزاک اللہ۔

گذشتہ سنیچر کو بچی تولد ہوئی ہے۔ زچہ بچہ بخیریت ہیں آپ اگر نام تجویز فرمانے کی زحمت گوارا فرمائیں تو میں اسے اپنی سعادت یا خوش بختی پر محمول کروں گا۔ خدا کرے کہ مولود مسعود کو حضرت فاطمہ زہراؓ کی سیرت خولہ کی شجاعت اور آپکی بزرگی و شرافت سے بہرہ وافر ملے۔

(باقی آئندہ)

حال، میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے دوری کا نتیجہ ہے کہ دل کا شیطان اکثر بے باکی کرتا ہے اور دعوت گناہ دیتا ہے۔ ایک مبتدی جب استاد کامل کی رہبری اور فیض سے محروم ہو جاتا ہے تو اسکے گمراہ ہونے اور بھٹکنے کے بڑے امکانات ہوتے ہیں۔ بالکل یہی حال میرا ہے۔ میرا ذہن اکثر تعیش کی دنیا میں مجھے گھمایا کرتا ہے اور جب چونکتا ہوں تو لاحول پڑھ لیتا ہے لیکن کچھ وقت گزرنے پر پھر وہی ذہنی عیاشی ہوتی ہے اور میں ہوتا ہوں اپنا تجزیہ کرتا ہوں تو اپنی حماقت پر افسوس کرتا ہوں لیکن پھر خود پر قابو نہیں پاتا حالانکہ گناہ کی عملی جسارت اپنے میں بالکل مفقود پاتا ہوں سمجھ میں نہیں آتا کہ خیالی دنیا سے کیونکر نجات حاصل کروں؟ اور پھر ایسے عالم میں آپ کی مفارقت شدت سے محسوس کرتا ہوں بیساختہ یہ شعر نوک زبان پر ہوتا ہے ؎

مری طرف سے صبا کہیو میرے یوسف سے ۔۔۔ نکل چلی ہے بہت پیرہن سے بو تیری

اسکے بعد آپ کے دربار میں حاضری لازمی اور ضروری معلوم ہوتی ہے لیکن حالات ناسازگار اور ناموافق ہیں اسلئے جرأت رندانہ کام نہیں کرتی لیکن اپنے رب سے توفیق کا طالب ہوتا ہوں اور اسکے کرم سے مایوس نہیں ہوتا۔

نہ ہو نومید نومیدی زوال علم و عرفاں ہے ۔۔۔ امید مرد مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ شرف ملاقات کی کوئی سبیل پیدا فرمادیں انھیں تو ہر بات پر قدرت حاصل ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھائی کے خطوط برابر آیا کرتے ہیں اور انسے آپ کی خیریت مفصل معلوم ہوتی رہتی ہے کبھی کبھی تو آپکی گرمیٔ گفتار کا بھی ذکر خیر ہوتا ہے اور میں تڑپ جاتا ہوں الہ آباد میں بعض حضرات آپ کی خیریت دریافت کیا کرتے ہیں اور محبت سے کہتے ہیں کہ آپ کو الہ آباد بھی بلوائیے۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے وہی راہ نکال سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کسی کی عدم موجودگی میں اسکا ذکر خیر اسکی نیکی اور بڑائی کی بین دلیل ہے اور عزت و ذلت تو صرف اللہ پاک ہی دینے والے ہیں یہ بات تو انسان کی قدرت سے باہر ہے حالانکہ وہ خود کو بھی

عزت نہ ذلت دینے والا اپنی نادانی سے سمجھنے لگتا ہے۔

قرآن پاک کی تلاوت باترجمہ ایک عجیب انبساط کا باعث ہے اسکی وسعت اور ہمہ گیری پر غور کرتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے اور اللہ کی حکمت کا اندازہ ہوتا ہے زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نہیں جس پر کماحقہ روشنی نہ پڑتی ہو۔ جزئیات سے لیکر بڑے سے بڑے مسائل سب موجود ہیں اور انسان کی غفلت تو دیکھئے کہ یہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا واقعی یہ روشن کتاب ہے جو حکمت سے پُر ہے

خیر و شر کا تصادم اب بھی جاری ہیں اللہ سے پناہ چاہتا ہوں لیکن ابھی نفس امارہ پر قابو نہیں پاتا۔ سونے سے قبل دن بھر کے کاموں کا احتساب کرتا ہوں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک بھی نیک کام نہیں کر سکا اور اپنا نامۂ اعمال سیاہ سے سیاہ تر ہوتا جارہا ہے۔ میں اللہ سے کار نیک کی توفیق چاہتا ہوں آپ بھی دعا فرمائیے۔

تحقیق: الحمدللہ بخیریت ہوں۔ الحمدللہ کہ خط آپکو مل گیا اور اہلیہ کی علالت کے سلسلہ کی تمام الجھنیں آپکی دور ہوگئیں اور سکون قلبی نصیب ہوا۔ اللّٰھم زوفزد۔ بچی کے تولد ہونے کی خبر سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ عمر دراز فرمائے اور اسے دیندار بنائے۔ بچی کا نام خدیجہ رکھئیے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ نے نفس کا چور پکڑ لیا، بیشک شیخ سے قرب بہت ساری برائیوں کے لیئے دافع ہوتا ہے۔ اب اگر اس سے جسمانی بُعد ہوجائے تو اس کے مکافات کی یہی صورت ہے کہ اس سے رابطہ اور تعلق اسدرجہ بڑھالیا جائے کہ یہی تعلق سالک کی حفاظت کرے کیونکہ جب کسی اللہ کے ولی سے انسان اس قسم کا رشتہ جوڑ لیتا ہے تو اسکا یہ تعلق گویا اللہ تعالےٰ سے تعلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے خود حق تعالیٰ اپنے اس طالب کی حفاظت فرماتے ہیں اور اس سلسلہ میں آپ نے جن ذہنی خیالات کا اظہار کیا ہے میں یہ سمجھتا ہوں کہ قلبی فراغت کا نتیجہ ہے اگر اسکو ذکر میں مشغول کر دیا جائے تو اس قسم کے خیال

وساوس سے نجات ہوسکتی ہے اور ایک ذکر دوسری ذکر کی جگہ لے سکتا ہے باقی یہاں کی حاضری کی جو ضرورت محسوس فرمارہے ہیں وہ بالکل صحیح احساس ہے اللہ تعالیٰ حالات ناساعد اور ناموافق کو مساعد اور موافق فرمادے اور ملاقات کی غیب سے کوئی سبیل فرمادے

احباب کی یاد فرمائی کا ممنون ہوں لیکن انکی محبت اور تعلق کچھ میرے وہاں ہی جانے پر تو موقوف نہیں اللہ تعالیٰ ان حضرات کی محبت کو بارآور اور مثمر بنادے قرآن شریف کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے عین ایمان کی بات ہے بیشک قرآن شریف جیسی چیز کے ہوتے ہوئے پھر گمراہی حیرت اور افسوس کا مقام ہے بلاشبہ یہ حق تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ اور خود ہماری اپنی بداخلاقیوں کے ملاحظ کا آئینہ ہے ؎

چیست قرآں اے کلام حق شناس　　رونمائے رب ناس آمد بہ ناس

(اے حق شناس! جانتا ہے تو کہ قرآن کیا چیز ہے بس یوں سمجھ لے کہ وہ رب الناس کا رونما لوگوں کے پاس آیا ہے)

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل　　ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

(اے مخفی میں اپنے کلام میں اس طرح سے موجود ہوں جیسے پھول کی خوشبو پھول میں چھپی ہوتی ہے۔ لہٰذا جو شخص مجھکو دیکھنا چاہتا ہو وہ میرے کلام میں مجھکو دیکھ لے)

یہ تصادم تو تمام عمر جاری رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر چلادے۔ سوتے وقت کا احتساب بہت خوب ہے اللہ تعالیٰ توفیق خیر عطا فرمائے۔ والسلام۔

ایک اور خط میں حضرتؒ کو لکھا کہ :۔

حال : الحمدللہ علیٰ احسانہ آپکی یاد برابر آیا کرتی ہے۔ اپنے ایک کرم فرما سے آپکی علمیت اور بزرگی کے بارے میں اکثر گفتگو ہوا کرتی ہے جو واقعی باعث طمانیت ہوتی ہے۔ تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال : کالج کی خواتین کو شاید میری طرف سے مایوسی ہوئی ہے انھیں اس بات کا شدید احساس ہے کہ میں نہ تو دوران تقریر میں انکی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہوں اور نہ ان سے تخاطب کرتا ہوں، جب کبھی خلوت میں مخصوص طور سے خواتین کے

درس و تدریس کا سوال اٹھا تو میں اسے حسن و خوبی سے ٹال گیا۔ مجھے جو کچھ بتانا ہوتا ہے عام طور سے درجہ ہی میں کہدیتا ہوں۔ حضرت والا! اب انھیں کون سمجھائے کہ میں کسی غرور و تمکنت کے باعث ایسا نہیں کرتا بلکہ شریعت کے حکم کی پابندی مجھے مجبور کرتی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: یہ مغربی تعلیم و تہذیب اسلامی معاشرت کے لئے کتنی زہرہلاہل ہے اسکا اندازہ یہ خواتین کیا کر پائیں گی جبکہ مردوں کے سمجھ میں یہ بات نہیں آتی جب تک کالج میں رہتا ہوں آنکھوں کا گناہ دعوت نظر دیا کرتا ہے میں توبہ استغفار کیا کرتا ہوں۔

تحقیق: ضروری ہے۔

حال: دعا فرمایئے کہ خداوند کریم مجھے اس عذاب دنیوی سے نجات دے اور میں پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: رمضان المبارک کا مہینہ قریب آگیا ہے۔ گذشتہ سال میں نے وہ کیف و مستی حضرت والا کی دیکھی ہے جو باعث رشک و مسرت انسانی ہے۔ پھر اس حقیقی سرور سے اہل مجلس بھی کچھ نہ کچھ فیضیاب ضرور ہو جاتے تھے۔ امسال یہ میری بدقسمتی ہوگی اگر میں آپ سے دور اور اس سعادت سے محروم رہ جاؤں۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرمائیں تحقیق آمین

حال: اصول و قواعد کی پابندی کے سلسلے میں آپ نے جو تقریر فرمائی تھی وہ واقعی نچوڑ تھی میں نے مغربی حکماء کے تو اقوال دیکھے تھے لیکن آپ کی بصیرت افزا تقریر نے میری آنکھیں کھولدیں۔ نماز، روزہ، حج ان سب میں اصول ہی کی پابندی ہے تبھی ٹھیک اور اول وقت پر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ میں غور کرتا ہوں تو مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آج ہماری زندگی میں اصول و ضبط کا نام نہیں مولانا جامی نے ایک روز پٹنہ کے ایک وکیل صاحب اور حضرت مولانا تھانویؒ کی ملاقات کا قصہ سنایا تھا وکیل صاحب کی رائے بالکل درست تھی کہ حضرت تھانویؒ ایک با اصول انسان تھے اور ہم بے اصول ٹھیرے اسلئے انکی باتیں نہ تو ہمارے سمجھ میں آئینگی اور نہ ہمیں خوشگوار محسوس ہونگی۔ تحقیق: بیشک۔

حال: حسب الحکم انشاء اللہ میرے پائے استقامت کو لغزش نہ ہوگی۔
اللہ تعالیٰ کا کرم شامل حال رہے اور آپ کی پرخلوص دعائیں ہیں تو میں انشاء اللہ
اس طوفان سے بچ جاؤں گا ؎

دیکھا نہ آنکھ اٹھا کے کبھی اہل درد نے — دنیا گذر گئی غم دنیا لیے ہوئے

تحقیق: الحمد للہ

حال: آپ کے چند محبت آمیز لفظوں سے بڑا سکون ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس
تعلق قلب کو اور استوار کریں۔ تحقیق: آمین

ایک خط میں حضرت کو لکھا کہ:۔

حال: رمضان المبارک کا مہینہ اب قریب الاختتام ہے۔ آپ کی یاد اس ماہ
میں اور زیادہ آئی۔ فرصت کے لمحات میں آپکی مجلس کا تصور رہا۔ لیکن وہ کیف
مستی جو خاص طور سے آپ پر اس ماہ میں طاری ہوتی ہے اور جس کا لطف سامعین
محسوس کرتے ہیں میری قسمت میں نہ تھا اسکا افسوس ہے اور یہ تمنا تمنا ہی رہی۔

تحقیق: آپ کے محبت و تعلق سے سرور ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی کامل محبت اور
الفت عطا فرمائے ؎

مستی کے لئے لیجئے مئے تند ہے کافی — میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

حال: رقص مستی دیکھتے جوش تمنا دیکھتے — سامنے لاکر تجھے اپنا تماشا دیکھتے

اسطرح کچھ رنگ بھر جاتا نگاہ شوق میں — جلوہ خود بیتاب ہو جاتا وہ پردا دیکھتے

تحقیق: یہ آپ نے دوری جسمانی کیوجہ سے لکھا ہے ورنہ روحانی قرب تو آپ کو ہر وقت
حاصل ہے۔

حال: اور یہ محض آپکی نظر کرم کا نتیجہ ہے کہ میری عقل زمان و مکاں کی بھول بھلیاں
میں پھنس کر نہ رہ گئی ؎

صد زماں و صد مکاں و ایں جہاں و آں جہاں — تم نہ آجاتے تو ہم وحشت میں کیا کیا دیکھتے

تحقیق: اللہ تعالیٰ آخرت کا معاملہ آسان فرمادے۔

حال: بہرحال آپکی یاد سے تقویت ملتی رہی اور تصور نے ہمہ تن نشاط رکھا اور یہ امید بڑی حوصلہ افزا رہی کہ انشاء اللہ جلد آپ کا در اور میرا سر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق قلبی کو اور استوار فرما دیں۔ آمین۔

اس ماہ میں رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی یہ حدیث برابر یاد آ رہی ہے اور تڑپا رہی ہے کہ جسے دو چیزیں میسر ہو جائیں وہ جنت نہ حاصل کرلے تو وہ بڑا بدبخت ہے، بوڑھے والدین اور روزے کا مہینہ اپنے والدین کو یاد کرتا ہوں انکے لئے ایصال ثواب کرتا ہوں لیکن خدمت کی تمنا پوری نہیں ہوتی۔ رہا اپنے روزے تو وہ کریم حقیقی اپنے کرم سے قبول کرلے تو اسکا کرم ہے ورنہ وہ قابل قبول ہیں نہ میں سزاوار بخشائش۔

اب ہر وقت اپنی موت پر نظر ہے اور اللہ کے حکم کا منتظر ہوں اپنا حساب گندہ ہے بقول سعدیؒ "گندے کپڑے پتھر پر دھوبی پٹکتے ہیں" میرا بھی یہی حشر ہوگا اگر اسکا دریائے کرم جوش پر نہ آئے۔ دعاء فرمائیں کہ یہ ساری منزلیں اللہ تعالےٰ آسان فرما دیں۔ شریک حیات اور بچے سلام لکھاتے ہیں اور دعاء کے متمنی اور ملتجی ہیں۔

تحقیق: گھر میں اور بچوں کو سلام کہیے۔ دعاء ان کے لئے کرتا ہوں۔

ملاحظہ فرمایا آپنے پروفیسر صاحب موصوف کے خطوط کسقدر عقیدت و محبت سے پر ہیں؟ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اسمیں آنے اور چلنے کے لئے کچھ مولوی اور عالم ہونا ہی شرط نہیں ہے بلکہ یہ تو اخلاص کا راستہ ہے اللہ تعالیٰ کسی عالم کو اسپر لگادے تو یہ اسکے لئے سونے پر سہاگے کا کام کر دیگا اور کسی ماسٹر یا پروفیسر کو توفیق بخشدے تو یہ اسکے لئے خدا کی نیک توفیق ہوگی باقی اس دولت کے حصول کا ذریعہ ہے بزرگان دین کی صحبت ہی۔

مشاہدہ ہے کہ کوئی شخص کسی اللہ والے کے یہاں پہونچ گیا ہے تو دنیوی کیسی ہی کشمکش میں کیوں نہ گرا ہو اللہ تعالیٰ اسکو سنبھال ہی لیتے ہیں اور بزرگوں کا انکار یا انکی خدمت میں جانے سے عار ہو تو بعض اوقات صرف دینی علم بھی اسکے لئے کافی نہیں ہوتا بلکہ الٹے حجاب ہی ہو جاتا ہے اور اسکو طلب جاہ و شہرت وغیرہ کیجانب اکسا تا رہتا ہے سہ بے عنایات حق و خاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

ڈاکٹر حافظ صلاح الدین احمد صاحب صدیقی: آپ قصبہ بھینٹری ضلع غازیپور کے رہنے والے ہیں آپ کے والد ماجد جناب داروغہ نجم الدین احمد صاحب صدیقی محکمہ پولیس (سی۔آئی۔ڈی) میں ملازم تھے حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحؒ سے بیعت تھے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے طبیہ کالج الہ آباد سے سند فراغت حاصل کی اور الہ آباد ہی میں مطب کرتے رہے۔ جن دنوں حضرت اقدس کا قیام گورکھپور تھا جناب ڈاکٹر صاحب اپنے والد صاحب کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ والد صاحب کے تعلق سے حضرت والا انتہائی تلطف سے پیش آئے اسی وقت سے آپ کا تعلق حضرت اقدس سے ہوگیا پھر اس کے بعد جب حضرت والا الہ آباد تشریف لائے تو خدمت والا میں ڈاکٹر صاحب کو بھی حاضری کا موقع ملا۔ چونکہ ڈاکٹر صاحب طب یونانی سے بھی واقف تھے اور حضرت اپنے پاس کسی نہ کسی طبیب کو ہر وقت رکھتے ہی تھے چنانچہ فتحپور میں مولوی حکیم بشیرالدین صاحب اور مولوی ثناء احمد صاحب مرحوم اکثر ساتھ رہے اور گورکھپور میں حکیم ابوالکلام صاحب اور حکیم وصی الدین صاحب نے اس خدمت کو انجام دیا بالآخر الہ آباد میں یہی منصب ڈاکٹر صلاح الدین صاحب کو ملا انکا مکان حضرت والا کے دولت خانہ سے قریب تھا اسلئے جس وقت ضرورت ہوئی طلب فرما لیتے اور اس کے علاوہ صبح و شام کی تفریح میں رکشہ میں اپنے ہمراہ ڈاکٹر صاحب ہی کو اکثر لیجاتے تھے۔ حضرت والا کو نزلہ و زکام اکثر رہتا تھا اسلئے جب ذرا چھینک آئی یا ناک سے ریزش شروع ہوئی فوراً ڈاکٹر صاحب سے فرمایا کہ مجھے کچھ پلا دو وہ فوراً کوئی دوا پیش کرتے اور حضرت والا نوش فرما لیتے اسی سلسلہ سے حضرت والا کے ہمراہ " سفر علی گڈھ" میں بھی ڈاکٹر صاحب موصوف رہے اور روزنامچہ ترتیب دیتے رہے " سفرنامہ علی گڈھ" کے نام سے ایک کتابچہ تحریر فرمایا جسمیں راستے کے حالات اور خود علی گڈھ میں روسا کی ملاقات اور ان کے تاثرات کا ذکر ہے۔

حضرت اقدس رحؒ کی حیات ہی میں خانقاہ محلہ بخشی بازار سے جانب جنوب تقریباً ایک میل کے فاصلے پر "وصی آباد" کے نام سے ایک مختصر سی کالونی بسانے کی تجویز

پیش کی حضرت والا نے ہم چند خدام کیلئے بھی اپنے صرفہ سے وہاں زمین خرید فرمادی چنانچہ یہ اسکیم کامیاب ہوئی اور اب وہاں لوگوں کے مکانات بن گئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی ایک بڑا پلاٹ حاصل کیا اور اس پر مکان تعمیر کرکے اب وہیں منتقل ہوگئے ہیں اور وہیں مطب بھی فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ہی کی تحریک پر وصی آباد میں ایک مسجد تعمیر ہوچکی ہے جس کے سبب الحمدللہ وہاں کے مسلمانوں کے لئے نماز باجماعت کا انتظام ہوگیا ہے اللہ تعالےٰ ان سب لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جن کی مساعی اس سلسلہ میں کارفرما ہیں لیکن مدرسہ وصیۃ العلوم اور حضرت اقدسؒ کی خانقاہ بدستور اپنی جگہ محلہ بخشی بازار ہی میں قائم ہے۔

مولوی عبدالمجید صاحب مالک اسرار کریمی پریس الہ آباد:۔ آپ الہ آباد ہی کے رہنے والے ہیں یہاں کا مشہور پریس "اسرار کریمی" آپ ہی کے زیر انتظام چل رہا ہے آپکے سب سے بڑے بھائی حاجی عبدالحکیم صاحب مرحوم کا تعلق حضرت اقدس سے پہلے ہوا چنانچہ تال نرجا (فتحپور) کا بھی سفر کیا لیکن حضرت والا کے الہ آباد تشریف لانے پر چاروں بھائیوں کا تعلق حضرت سے ہوگیا یعنی عبدالحمید صاحب عبدالوحید صاحب کا بھی تاہم سب سے زیادہ قریب ان میں سے مولوی عبدالمجید صاحب ہی ہوئے تقریباً روزانہ آمد و رفت رکھی اور صبح کی تفریح میں اکثر ہمراہ جاتے اور حالات میں بھی تبدیلی کی ظاہری شکل صورت وضع قطع ماشاءاللہ بالکل مولویانہ تھی اسلئے حضرت والا انھیں مولوی عبدالمجید کہکر پکارتے تھے پھر ہم سب لوگ بھی مولوی صاحب مولوی صاحب کہنے لگے جو کہ انکی دینداری کیوجہ سے تھا ورنہ تھے مولوی صاحب ایک انگریزی داں شخص مگر ایسے کہ بقول حضرت والا "تم تو مولوی عبدالمجید بالکل شیخ المشائخ معلوم ہوتے ہو۔" بھائی صاحب حاجی عبدالحکیم صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد پریس کا نظم و نسق بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہوگیا لیکن بایں مشغولی بھی خانقاہ کے تعلق کو ختم کیا یعنی کم بھی نہونے دیا حضرت والا نے کچھ بدنظمی ملاحظہ فرماکر رسالہ معرفت حق کا نظم بھی آپکے حوالہ فرمادیا تھا اور بلاشبہ یہ حضرت اقدس کی مردم شناسی تھی کہ آج بھی رسالہ (پہلے معرفت حق کے نام سے پھر وصیۃ العرفان کے نام سے) جاری ہے اور اسمیں شک نہیں کہ اسکی طباعت میں مولوی عبدالمجید صاحب کی سعی و توجہ کو خاصا دخل ہے ہم سب متعلقین منتسبین حضرت اقدسؒ کیجانب سے مولوی صاحب شکریہ کے مستحق ہیں کہ انکی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت مصلح الامۃ کے فیوض کے جاری اور باقی رہنے کا بندوبست فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے

جناب کمشنر سید حسین صاحب الہ آبادی : آپ بھی الہ آباد کے رہنے والے ہیں راقم سے ملاقات اسوقت سے ہے جب آپ گورنمنٹ کالج الہ آباد میں زیر تعلیم تھے اور حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب رح کیخدمت میں حاضر ہوتے تھے انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینداری اور صلاح اسی وقت آپ میں نمایاں تھی۔ حضرت مولانا الہ آبادی آپ سے بہت محبت فرماتے تھے اور غالباً حضرت ہی واسطہ بنے کہ آپکا عقد حضرت مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رح کی صاحبزادی سے ہوگیا اولاد بھی سید کی اور داماد بھی سید کے اس دہرے تعلق نے آپکو بزرگوں کی نظروں میں محبوب بنا دیا تھا چنانچہ حضرت مولانا محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی کے وصال کے بعد جب سید صاحب کا تعلق ہمارے حضرت مصلح الامت رح سے ہوا تو مولانا سید سلیمان ندوی صاحب رح سے تعلق کی بنا پر حضرت رح بھی سید صاحب سے بہت محبت فرماتے تھے اور سیّد ہونے کے ناطے انکی تعظیم بھی فرماتے تھے کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ سیّد صاحب تشریف لائے تو واپسی پر اسٹیشن تک حضرت رح بھی پہونچانے تشریف لے گئے یہ سب اسی نسبت کی شرف کیوجہ سے تھا جو نسبی طور سے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ حاصل تھی پھر دنیوی بڑے منصب پر فائز ہونے کے باوجود دین کا لحاظ و خیال اور اہل دین کی وضع و قطع رکھنا انکی قلبی سعادت کی غماز تھی۔ حضرت مصلح الامت رح کی جانب سے آپ مجاز صحبت بھی تھے پنشن کے بعد الہ آباد ہی میں رہنے کا ارادہ کیا لیکن کچھ نظم درست نہ ہوسکا بچے علی گڑھ میں تعلیم پاتے تھے اسلئے علی گڑھ کو اپنا مستقل مستقر بنالیا۔ لکھنؤ کے قیام کے زمانے میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی رح اور مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی اور حکیم شمس الدین صاحب مرحوم سے بھی آپ کے بہت تعلقات تھے، چنانچہ الہ آباد کی حاضری سے واپسی کے بعد مولانا دریاآبادی نے آپ ہی کو یہ خط لکھا تھا کہ :-

"عزیز مکرم سلمہ اللہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ۔ مولانا وصی اللہ حفظہ اللہ کے افراط کرم سے شرمسار اور محجوب ہوکر واپس آیا۔ بعد ظہر کی

مجلس میں انھوں نے ایک بات ایسی فرمادی جو دل میں تیر کی طرح پیوست ہوگئی فرمایا کہ ایسے علما بھی ہیں جو مسائل تفسیر پر تو خوب گفتگو کر لیتے ہیں لیکن تلاوتِ قرآن سے ان کے دل کو لگاؤ نہیں اسلئے اسکے فوائد و برکات سے محروم رہتے ہیں۔

یہ تو گویا اپنے کشف سے یا فراست سے میرے ہی دل کا چور پکڑ لیا اب آنعزیز اگر میرے اس خط کے حوالہ سے موصوف سے کچھ آدابِ تلاوت دریافت کر کے مجھے لکھ بھیجیں تو یہ آنعزیز کا بڑا کرم ہوگا۔

دعا گو، دعا خواہ — عبدالماجد

نیز جن دنوں جناب سید صاحب چک بندی کے کمشنر ہو کر میرٹھ میں مقیم تھے تو حضرت مصلح الامت رح کے پاس حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کا ایک خط آیا جس میں حضرت علامہ نے منجملہ اور امور کے ایک بات یہ بھی لکھدی تھی کہ

"تعجب ہے کہ عرصہ سے آنجناب کیطرف سے نہ کوئی تحریر آئی کہ آنجناب کہاں ہیں اور نہ کوئی مٹھائی یا پھل آیا جسے کھا کر قلبی نور اور دلی انبساط حاصل ہو"

اس پر حضرت والا رح نے جناب سید حسین صاحب کو یہ پیغام ارسال فرمایا کہ :—

"آپ وہاں قریب ہیں وہاں میرٹھ سے کچھ عمدہ مٹھائیاں اور دیوبند سے کچھ فرینی لیکر حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی کیخدمت میں میری طرف سے پیش کر دیجئے اور میرا اسلام مسنون عرض کر دیجئے۔ والسلام۔

راقم عرض کرتا ہے کہ یہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ خود دیوبند میں بھی حضرت مصلح الامت رح کے مخلص خدام ایسے موجود تھے جو ادنیٰ اشارہ اس نوع کیخدمت کو اپنے لئے سعادت اور موجب فخر سمجھتے لیکن حضرت اقدس نے کسی مصلحت خاص سے ایک ایسے معمولی سے کام کے لئے جناب سید صاحب موصوف کو واسطہ بنانا تجویز فرمایا غالباً وہ وجہ یہی ہوگی کہ کسی عظیم ذات کے لئے واسطہ بھی عظیم ہی کا اختیار

کیا جاتا ہے تاکہ یہ دال ہو کہ مُھدی کی نظروں میں مھدی الیہ کی کسقدر عظمت ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔ چنانچہ حضرت علامہ کو بھی اس پر تردد ہوا جسکو سید صاحب نے اولاً اور پھر حضرت اقدس نے ثانیاً صاف فرما دیا۔ حضرت علامہ بلیاوی کے مکتوب میں یہ مقام قابل دید ہے (معرفت حق اکتوبر و نومبر ۷۳ء)۔

اس میں حضرت مصلح الامۃ کی اصلاح کے عجیب و غریب نمونے موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو اس معاملہ میں ایک خاص ملکہ عطا فرمایا تھا کہ ہر امیر و غریب، جاہل و اہل علم، عوام و خواص کی اصلاح اسی کے شایان شان انداز سے فرماتے تھے اس طرح کہ اسکو پتہ بھی نہ چلتا اور اسکے مرض کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سید صاحب موصوف کے بھی چند اصلاحی خطوط ملاحظہ فرمائیے ایک دفعہ حضرت والا کو لکھا کہ:۔

حال: آخرت و عمل و صالح و رذائل کی اصلاح کی فکر برابر رکھتا ہوں۔ **تحقیق** الحمد للہ

حال: توجہ الی اللہ و استحضار حق علی الدوام کے حصول کی ترکیب مختصر اور شافی اس حقیر خادم کو بتلا دیجئے۔

تحقیق: مختصر بات یہ ہے کہ ؎

غم دین خور کہ غم، غم دین است ‏ ‏ ہمہ غمہا فرو تر ازیں است
غم دنیا مخور کہ بیہودہ است ‏ ‏ ہیچ کس در جہاں نیاسودہ است

(دین کا غم کرو کہ اصل غم دین کا غم ہے اور دوسرے سب غم اس سے کمتر ہیں۔ دنیا کا غم نہ کرو کہ بالکل لغویات ہے کیونکہ اس دنیا میں کوئی شخص بھی آسودہ نہیں ہے)

حال: اور دعاء بھی فرمائیں کہ حضرت کے فیض و برکت سے یہ ناکارہ فائز المرام ہو جائے

تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

ایک اور عریضے میں حضرت اقدس کو تحریر فرمایا کہ:۔

حال: حضرت کے یہاں تھوڑا بہت قیام مجھ حقیر و غریب کا رہا لیکن ظرف و استعداد سے زیادہ سے زیادہ فائدہ ہوا۔ **تحقیق**: الحمد للہ

حال: اسکی علامات میں سے ہے کہ سکون قلبی نصیب ہوا، تعلق مع اللہ میں اضافہ ہوا، قرآن پاک کے ساتھ محبت اور عظمت میں اضافہ ہوا، غصہ کے رذیلہ کی حقیقت جیسے پہلے کبھی نہیں جانی اور سمجھی تھی اس سے زائد سمجھ میں آئی اور عمل یہ ہوا کہ الحمدللہ آج حضرت کے یہاں سے آئے ہوئے نواں دن ہے سوائے الوداع کے دن کے کسی دن غصہ نہیں آیا نہ گھر میں نہ گھر کے باہر حتیٰ کہ قلب تک متغیر نہیں ہوا کلام تک یا کسی فعل شنیعہ تک نوبت آنی تو بہت دور ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: البتہ الوداع کے دن بعد نماز جمعہ باورچی پر تھوڑا سا غصہ آیا تھا اور باہر کے چوکیدار پر بھی یہ کیفیت مشکل سے پندرہ منٹ رہی ہوگی یا اس سے بھی کم لیکن اسکے بعد سے ندامت آج تک ہے اور برابر اللہ تعالےٰ سے نادم ہوکر اس رذیلہ کے ازالہ اور امالہ کی دعاء کرتا ہوں۔ تحقیق: مبارک ہو۔

حال: عید کے دن بھی اسکی ندامت بہت رہی حالانکہ غصہ زیادہ نہیں ہوا تھا اور اپنے ہی کو برا بھلا کہا تھا۔ الحمدللہ

حال: چوکیدار کو البتہ اسکے سونے پر اور غفلت پر ڈانٹا تھا اسکی طرف سے سپاہی نے حمایت کی اور گستاخی کی تو میں نے انتہائی تحمل سے کام لیکر ایک حرف بھی نہیں کہا بلکہ اسکو اپنے یہاں سے رپوٹ کر کے علیحدہ کر دیا۔ یہ سپاہی جمعداری کے عہدہ پر قائم مقامی کر رہا تھا اس گستاخی سے سپاہی کی جگہ پر واپس ہوا اس پر بھی مجھے صدمہ ہوا کہ ذرا سی خفگی پر یہ نتائج برآمد ہوئے اسمیں جہاں کہیں ایسی خامی ہو جو میرے سمجھ نہیں آئی وہ حضرت والا سمجھا دیں۔

تحقیق: جمعدار سے سپاہی پر آگیا۔

حال: اور علاج بھی بتلا دیں۔ تحقیق: بتلا دیا۔

حال: الحمدللہ کہ حضرت کی دعاء اور توجہ سے اس عاجز کو غصہ کا ترک کر دینا آسان معلوم ہوا۔ انشاء تعالیٰ حضرت کی دعاء سے ضرور ضرور چھوٹ رہیگا اور قطعی چھوٹ جائے گا۔ تحقیق: انشاء اللہ۔

حال: حضرت کے یہاں سے واپسی کے بعد دوسرے دن بعد فجر سو رہا تھا دیکھا کہ مدینۃ الرسول میں ہوں رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے وصال کا تیسرا دن ہے حجرۂ عائشہ صدیقہ کے سامنے کھڑا ہوں ۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ حجرۂ شریف کے اندر ہیں در پر حضورؐ کا ہرا تہبند پردہ کے لئے لٹکا ہے ۔ در سے گز بھر کے فاصلے پر غالباً ابوہریرہؓ یا حضرت بلالؓ یا اور کوئی مشہور صحابی دوزانو بیٹھے ہوئے رو رہے ہیں اور ام المومنین سے درخواست فرما رہے ہیں کہ اگر اجازت ہو تو گھنٹہ دو گھنٹہ روز یہاں پر آکر بیٹھ جایا کروں، حجرہ کے اندر سے جو ہوا آتی ہے اس سے خوشبوئے رسولؐ آتی ہے جس سے مجھے تسکین ہوتی ہے ۔ انھوں نے اتنا عرض کیا تھا کہ میری اہلیہ نے مجھے جگا دیا کہ اٹھئے دفتر کا وقت قریب ہے افسوس ہوا کہ اتنا ہی دیکھ پایا اسکی تعبیر عنایت فرمائیں ۔

تحقیق: علوم حقیقیہ نبویہ جو بہنچ رہے ہیں یہی ہیں ۔

پھر اسکے بعد اپنے ایک تیسرے خط میں حضرت والا کو لکھا کہ :۔

حال: خادم حضرت کا کہنا ماننے کی بدولت اور حضرت کے حکم کی پابندی کی برکت سے اس آیت شریف کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرنے لگا ہے کہ الا ان اولیاء اللہ لاخوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیوٰۃ الدنیا وفی الاخرہ لاتبدیل لکلمات اللہ ذلک ھوالفوز العظیم (سن لو کہ اولیاء اللہ کو نہ کچھ خوف ہوگا نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے اور اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے اور اسی سے ڈرتے ہیں اور ان کے لئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی ۔ اللہ تعالیٰ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوا کرتی ۔ یہی بڑی کامیابی ہے)

یعنی یہ کہ حضور کی بدولت کہ حضور ولی اللہ ہیں یہ سب سے کمتر خادم، محض حضور کے حکم کے ادنیٰ درجہ کے امتثال کی بدولت ہر دو جہاں کی کامرانی کی کھلی آنکھوں جھلک دیکھنے لگا ہے تحقیق: الحمد للہ

حال: اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بیشک صحیح ہے اور اسمیں تبدیلی نہیں ہوتی اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے کاش کہ ہم خدام کو یہ نکتہ معلوم ہوجائے تو واللہ ہم سب حضور کے قدموں پر اپنی جان نثار کردیں کہ حضور کی تنبیہ جو ہمارے لئے ہر دو جہاں کے صلاح و فلاح پر مبنی ہوتی ہے اس پر ہوش و گوش کرنے سے دونوں عالم کی بشارت اس دنیا میں نظر آنے لگتی ہے۔ ورنہ خدانخواستہ جو ارشاد مبارک کو اس کان سے سنکر اس کان سے اڑا دیتا ہے وہ کسی آن راحت سے دوچار نہیں ہوسکتا نہ صرف یہی بلکہ موقع نکل جانیکے بعد افسوس ہی افسوس حرمان ہی حرمان اور کم نصیبی ہی کم نصیبی سے دوچار رہے گا اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا بھی منتظر رہے کہ اے بندے تو نے میرے مخلص دوست کے حکم کی اور انکی نصیحت کی یہ قدر کی تھی اسکا جواب دے ظاہر ہے جواب نہ ہوگا اور عتاب دیکھے گا۔ اللھم احفظنا۔ تحقیق: آمین

حال: آج جس خادم نے حضرت کے ارشادات کو سرآنکھوں پر نہ رکھا اور عمل نہ کیا اسے پھر موقع نہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ مجھکو اور سب کو چشم بصیرت عطا کریں۔ تحقیق: آمین

حال: آج حضرت والا کا والا نامہ ملا جس سے بڑا انشراح ہوا اس جمعدار کو میں نے معاف کردیا اور حضرت کی دعا سے وہ ایک دن بھی سپاہی نہ رہا بلکہ جمعدار ہی رہا لیکن مجھے سبق مل گیا کہ غصہ بری شے ہے۔ الحمدللہ جب سے آج تک غصہ سے گریزاں ہوں اور دست بہ دعا ہوں کہ اللہ میاں آپ قادر ہیں آپ میرا یہ رذیلہ بہ طفیل شیخ کامل شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہم جلد از جلد چھڑا دیں دل یہی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سن لیں گے اور نجات ہوگی۔ جب سے یہ تہیہ ترک غصہ کا کرلیا ہے دل بڑا مسرور ہے اور اہل و عیال سبھی خوش ہیں اور دعا دیتے ہیں۔ تحقیق: آمین۔

حال: رحمت حق کو دیکھتا ہوں اور اپنے آپ کو دیکھتا ہوں اور حضرت کے فیض بیکراں کو دیکھتا ہوں کہ عزم صحیح ہو تو اصلاح ضرور ہوتی ہے اس حجاب نفسانی کے اٹھنے کے بعد اب اللہ تعالیٰ سے حجاب اٹھنے میں بھی دیر نہ ہوگی بقول مشہور من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ تحقیق: بیشک

حال: جمعدار کو معاف کرنے کے بعد اپنے آپکو ایک دن پھر مدینہ منورہ میں پایا وہاں کی گلی گلی پُرانوار دیکھی اور تفصیل یاد نہیں۔ معلوم ہوتا ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کی دعائیں میرے حق میں سن لیں۔ تحقیق: خدا کرے ایسا ہی ہو۔

حال: اور انشاء اللہ میری نجات ہوجائیگی۔ تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مصلح الامتؒ کے کچھ حالات

خلفاً عن سلفٍ امت کا ایک دستور یہ بھی چلا آرہا ہے کہ مشائخ کے وصال کے بعد ان کی سوانح حیات اور سیرت لکھی جاتی ہے۔ غالباً اسی معمول کے پیش نظر حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہٗ کے واصل بحق ہوجانے کے بعد بھی بہت سے احباب نے زبانی و تحریری طور پر خواہش ظاہر فرمائی کہ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بھی سوانح حیات لکھدی جاتی تو وقت کی ایک اہم خدمت متصور ہوتی اور طالبین معرفت حق میں سے متعدد لوگوں کے خطوط آئے کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی سیرت اور حالات زندگی پر کوئی کتاب ہو تو اس کی جانب رہنمائی فرمائی جائے۔ مخلصین کے ان تقاضوں کے بعد ہم لوگوں کو بھی خیال پیدا ہوا کہ واقعی حضرت اقدسؒ کی زندگی کے مخفی گوشے بھی اگر امت کے سامنے آجاتے تو عجب نہیں کہ بہت سے اللہ کے بندوں کے لئے وہی حضرت سے تعلق اور محبت کا سبب بن جائے اور اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ کے اصول پر یہاں ان کے لئے حضرتؒ کے طور طریقہ اختیار کرنے میں کچھ رکاوٹ نہ باقی رہتی اور اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ کے پیش نظر آخرت میں بھی حضرت جیسے عارف باللہ ولی کامل اور متبع سنت بزرگ کا ساتھ ہوجاتا اور اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ کی رو سے جو بھی اس کا واسطہ بنتا نفع سے محروم نہ رہتا۔

چنانچہ تائید تو اس کی سب نے کی لیکن اقدام کی ہمت کسی کی بھی نہ پڑی کیونکہ کسی بزرگ کی سوانح حیات لکھنا آسان کام نہیں ہے بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ چنانچہ خود راقم السطور بھی کسی طرح اس کے لئے آمادہ نہ ہوتا تھا کہ اچانک ادھر چند دنوں سے یہ خیال دماغ پر مسلط سا ہوگیا کہ کچھ نہ کچھ اس سلسلہ میں ضرور ہونا چاہئے۔ تحریر کا ڈھنگ نہ آئے بلا سے نہ آئے سیرت اور سوانح کے

اسلوب پر نہ ہو بلا سے نہ ہو مضامین میں بے ترتیبی رہے بلا سے رہے بس حضرت کی بات ہو اور معرفت کے صفحات ہوں بس یہ کافی ہے۔

دیکھو تاروں میں بے ترتیبی ہی نے ایک خاص حسن پیدا کر دیا ہے۔ بات صحیح ہو، اللہ والے کی ہو، عبرت و نصیحت کے نور سے منور ہو، اسکا یہی حسن کیا کم ہے۔ اب اس کو کیا کیا جائے کہ جو حضرات اہلِ قلم ہیں وہ ادھر متوجہ نہیں ہوئے اور جنھیں جذبہ اور شوق تھا وہ صاحبِ قلم نہیں۔ بہر حال طے یہ کیا گیا کہ اس عنوان کے تحت حضرتؒ کے حالات، مقالات، ملفوظات، کشف و کرامات اور علمائے عصر کے مکتوبات اور انکے جوابات کے علاوہ علمی تحقیقات و ارشادات میں سے جو چیزیں بھی سامنے آتی جائیں کیف ما اتفق انکو پیش کر دیا جائے اس طرح پر کم از کم مواد تو جمع ہو ہی جائے گا پھر ضرورت سمجھے گا تو کوئی اللہ کا بندہ انھیں اجزائے پریشان سے قصر سیرت وصی اللہ تعمیر کرلے گا تاہم یہ اتنا کام بھی جو مذکور ہوا آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے بھی دعا فرمائیے وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ اس

اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے رسالہ الاحسان الہ آباد سے "چار ہفتہ ایک کہف میں" اور "مکتوبات ثلثہ" کا مضمون یہاں نقل کرتے ہیں۔ اول الذکر حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہٗ کا ایک مکتوب گرامی ہے جو انھوں نے مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی کو لکھا تھا جس میں اپنے زمانۂ قیام فتحپور کے تأثرات کا اظہار فرمایا تھا چنانچہ اس کے مطالعہ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کسی قدر سراپا اور تعلیم و تربیت نیز درس کی خصوصیات کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔

ثانی الذکر مضمون میں تین خطوط ہیں ۱؎ مولانا عبد الباری صاحب کا خط حضرت مصلح الامتؒ کے نام ۲؎ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کا خط مولانا عبد الباری صاحب کے نام ۳؎ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کا جواب مولانا عبد الباری صاحب کے نام جسمیں انکے خط کا بھی جواب ہے اور مولانا گیلانیؒ کے بھی بعض استفسارات کا جواب مرحمت فرمایا ہے۔

والسلام۔

یکے از خدام خانقاہ وصی اللہی

الہ آباد ربیع الاول ۱۳۹۱ھ

(حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہٗ کا خط مولانا عبدالماجد دریاآبادی کے نام)

چار ہفتہ ایک کہف میں

مخدوم۔ السلام علیکم۔ ایک بزرگ کی خدمت میں تازہ حاضری کے کچھ مشاہدات و تاثرات عرض ہیں۔ انشاء اللہ "صادقین" صدق کو کچھ نہ کچھ نافع ہونگے۔

تھانہ بھون کا چمن جب سے اُجڑا اس آوارہ و ناکارہ کو اپنی شامت اعمال سے بھاگنے اور پناہ لینے کے لئے کوئی گوشہ نہ ملتا تھا۔ کبھی کبھی بیقراری میں دوسرے حلقوں کی طرف نگاہ دوڑائی مگر تھانہ بھون نے نظر ایسی بگاڑدی ہے کہ معاملہ "چشم بدیں نہ کند بکس نگاہے" ہی کا رہا۔ اِدھر آپ جانتے ہیں کہ بعض اسباب نے شدتِ اضطرار کی صورت پیدا کی کہیں نہ کہیں فرار سے چارہ کار نہ رہا۔ انتظار شاید اسی "المضطر اذا دعاہ" والے اضطرار کا تھا۔

تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

آپ ہی آپ کہنا چاہئے کہ بالکل الہاماً۔ نام ذہن میں مولانا وصی اللہ صاحب فتحپور تال نرجا۔ اعظم گڑھ کا آیا۔ کوئی ملاقات یا نیم ملاقات کیا صورت تک کبھی دیکھنا یاد نہ آرہی تھی لیکن خیال آتا تھا کہ زیارت کا تقاضا قلب میں تیز ہوتا ہی گیا۔ ابتدا نیم زیارت سے کی خصوصیت سے بعض ناموافق دنیوی حالات عرض کئے جو اس اضطرار کے ظاہری باعث اور فرار کے محرک ہو رہے تھے۔ جواب کیا آیا کہ کسی نے آگ پر برف رکھدی۔

"دنیا میں اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا مدار دنیا کے ہونے نہ ہونے پر نہیں۔ ممکن ہے کہ دنیا موافق ہو اور اللہ تعالیٰ ناراض ہوں اور دنیا موافق نہ ہو۔ لیکن اللہ تعالیٰ راضی ہوں لیکن ہم لوگ ضعیف ہیں اسلئے دعا فلاح دارین کی کرنا چاہئے۔ میں بھی کرتا ہوں۔"

بات بالکل موٹی ہے تاہم استحضار خواص اہل علم وصلاح کو بھی اسکا کم ہی رہتا ہے۔ لیکن

حضرت حکیم الامت کی تعلیم وتربیت میں گوناگوں حکیمانہ عنوانات سے یہ سبق اتنا رٹایا جاتا تھا کہ اس غافل وغبی کو بھی ذہول ہرگز نہ تھا خود اپنے اور دوسروں کے لئے اس کی فہم وتفہیم سے کچھ نہ کچھ تسکین وتسلی کا سامان ہوتا ہی رہتا تھا۔ مگر مکتوب بالا سے جیسی خنکی قلب کو نصیب ہوئی اس نے ایسے مواقع کے تھانوی مکتوبات کی تاثیر وتسلی کی یاد تازہ کردی۔

اوراد وظائف وغیرہا کی اجازت کا بزرگوں میں جو ایک دستور چلا آرہا ہے مجھ کو تو اس کی بنا بھی کچھ یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ قول وتعلیم میں قائل ومعلم کے مرتبہ ومقام کی جو تاثیری برکت ہوتی ہے وہی نوعیت اس اجازتی نسبت کی بھی ہے۔ والعلم عند اللہ۔

معلم ومربی کی شخصیت ہی کی دوسری زیادہ محسوس ومشاہد کرامت ملاحظہ ہو۔

نالائق زادوں کی نالائقیوں سے آپ واقف ہیں۔ اپنی والی اصلاح ودرستی کی کوئی فکر وتدابیر اٹھا نہیں رکھی۔ تھانوی اور غیر تھانوی دونوں رنگ کے بعض مدرسوں اور مربیوں کی اس بدحال کے حال پر خاص عنایت وشفقت ہے۔ اسکا حق مہینوں اور برسوں نالائق زادوں کے حق میں بھی انھوں نے ادا فرمایا (جزاہم اللہ عنی وعنہم) مگر معلوم ایسا ہوتا رہا کہ ہر تریاق زہر کے اثر کو تیز کرتا چلا جارہا ہے۔ بُرا بھلا ایمان رکھ کر اللہ تعالیٰ سے تو کیسے مایوس ہوتا لیکن اسباب وتدابیر سے ہار قطعاً مان چکا تھا۔ جی میں آیا کہ کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان نالائقوں کی اصلاح کا وسیلہ اپنے اس خاص وصی اللہ ہی کی وصیت تقویٰ "(اوصیکم بتقوی اللہ) کو ٹھہرا رکھا ہو۔

سب کی انتہائی نالائقیوں کا کچا چٹھا لکھ بھیجا۔ ایسی انتہائی جن کی بدولت قریب کے قریب عزیز بھی روادار نہ تھے کہ ان کے قریب کھڑے ہوں اندیشہ تھا اور بالکل واجبی تھا کہ مولانا بھی اپنے مدرسہ وخانقاہ کی فضا مسموم کرنا کیسے پسند فرمائیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ صاف صاف لکھنا بھی ناگزیر تھا کہ کوئی دھوکا یا غلط فہمی نہ رہے۔ جواب مختصر تھا۔ لیکن حق تعالیٰ پر توکل واعتماد کا پورا غماز اور جلد از جلد بھیج دینے کی ہدایت۔

بسم اللہ پہلے صرف ایک سے کی۔ اور صرف ایک چلہ کے لئے۔ واپسی پر دوسرے کی ہمت کی۔ جو پورا حافظ ہوچکنے اور محراب سناچکنے کے بعد اتنا بگڑا تھا کہ کہیں ٹھہرتا ہی نہ تھا۔ ایک ابتدائی اچھے اور ایسے مدرسہ میں بھیجا جہاں کے مہتمم اور اساتذہ راقم ہذا کے ساتھ خصوصی عنایت ومحبت کا معاملہ رکھتے ہیں۔ بالآخر وہاں سے بھی بھاگا۔ کئی بار سمجھا بجھا کر بھیجا گیا۔ ہر بار بھاگا

کبھی راستہ ہی سے اور کبھی پہونچ کر اور سال بھر سے تو آوارہ گروہی تھا جب تک خود مولانا کے قلم کی فتحپور پہونچ جانے کی رسید نہ آئی برابر احتمال رہا کہ راستہ ہی سے کسی اور طرف کا راستہ نہ لیا ہو۔ خیال تھا کہ کم از کم دو مہینے ٹِک جاتے تو پہلے کے تجربہ سے اتنی امید بڑھ چکی تھی کہ انشاء اللہ غیر متاثر یہ بھی نہ رہے گا۔ ایک مہینہ ہی ہوا ہوگا کہ خود ہی خواہش کی کہ ایک سال اور رہنے دیا جائے۔ غرض راستہ دونوں کا بحمد اللہ بملا معلوم ہوتا ہے۔ رفتار تبدیلی کی سست البتہ بہت ہے، دل ساتھ دے نہ دے زبان پر سالہا سال سے حقیقی مربّی کی سکھائی ہوئی دعا تو جاری رہی ہے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا۔

بہرحال دونوں کے معاملہ میں اس خلاف امید کیا بالکل کرامتی تجربہ نے خود اپنا شوق زیارت قدرۃً زیادہ بڑھا دیا۔ اور یہ تصور و توقع باندھ کر حاضر ہی ہو گیا کہ ؎

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب بوئے گل را از کہ جوئیم جز گلاب

حاضری پورے ایک مہینہ رہی۔ تھانہ بھون کے اُجڑے ہوئے گلستان کی بوئے گل سے فتح پوری "گلاب" تصور و توقع سے بڑھ کر متاعِ جان کو معطر کرتا رہا۔ بارک اللہ فی برکاتھا۔

مہینہ بھی دن رات کی برکتوں والا رمضان مبارک کا تھا۔ عام مسجدوں میں ہمارے عام اماموں اور مقتدیوں کے جہل و جہالت کی بدولت نماز و جماعت کی جو گت ہوتی ہے اسکے زخم رسیدہ شاید آپ بھی کم نہیں اور یہ کم ظرف تو مسجد کی حاضری کا بس فرض ہی اُتارتا ہے خصوصاً رمضان میں قیام و تراویح کی گت کیا ایسی درگت ہوتی ہے کہ بارہا مسجد میں تراویح کو دور ہی سے سلام کرنا پڑتا ہے۔ یا ہو پاتا ہے تو گھر میں انتظام ہو جاتا ہے لیکن فتحپور میں اس برکتوں بھرے مہینہ کی جیسی جیسی ظاہری باطنی برکتیں مشاہد و محسوس ہوئیں زندگی میں یاد نہیں سو ڈیڑھ سو بلکہ دو دو سو تک کی جماعت عوام کی نہیں علماء و صلحاء، ذاکر و شاغلین کی اور امام (مولانا مدظلہ کے داماد) قاری محمد مبین سلمہٗ کا تو کہنا ہی کیا۔ ماشاء اللہ چہرہ باطنی و بطنی آثار سعادت کا آئینہ۔ بہت ہی نمایاں "اثر السجود" سے پُرانوار۔ رفتار و گفتار میں سراپا عجز و انکسار نماز میں قراءت بالکل دل کی آواز۔ یہ بے بہرہ ساتھ ہی خاصا بہرہ آواز کے سوا الفاظ کم ہی سن پاتا تھا۔ لیکن نفس تکبیر۔ اللہ اکبر ہی کی لذت و حلاوت ایسی کہ آج تک کانوں میں بسی ہے۔ ترویحہ کا حق بھی پورا ادا ہوتا ہے جتنا قیام کم و بیش اتنی ہی استراحت۔ نہ مزدور حافظوں کی "یعلمون تعلمون" والی دوڑ بھاگ کہ ایک کا

بوجھ اُتار اور مزدوری وصول کر کے دوسری کے لئے بیتاب نہ سننے والے ہی کسی نہ کسی طرح بس ایک ختم کی بے گار جلد از جلد پوری کر کے مٹھائی چراغاں کا تماشہ دیکھ دکھلا کر آمادۂ فرار۔ کم از کم ایک پارہ کا اوسط رہا۔ ۲۸ کو ختم ہوا۔ نہ ختم کی مٹھائی نہ چراغاں کا تماشہ۔ نہ مٹھائی اور تماشہ والے۔ نئے نئے نمازیوں کی بھیڑ بھاڑ۔ نہ نماز کے دوران ہی سے نماز برباد کرنیوالا مسجد کے اندر یا باہر بچوں عورتوں کا شور و شغب اس سب کی جگہ عاجزی و بندگی والی عبادت و عبدیت کا یہ نظارہ کہ ختم کے بعد دعائیں امام سلمہٗ پر رقت و گریہ کا کچھ ایسا عالم طاری ہوا کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ساری صفیں زار و قطار تھیں۔ آہ و بکا سے مسجد کے در و دیوار گونج رہے تھے۔ ع

"حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد"

۱۰۔ ۱۵ منٹ تک یہی حالت رہی ہوگی۔ اور بڑھتی ہی جارہی تھی۔ غالباً حد سے بڑھتی دیکھ کر آخر خود مولانا ہی نے حکیمانہ و حاکمانہ لہجہ میں فرمایا کہ "بس مبین بس"۔

عجب ترالا رنگ نہ دوکا ندارانہ پیری مریدی، نہ رائج الوقت قسم کا کوئی ادارہ و انجمن نہ مدرسہ نہ مرکز۔ نہ جلسہ و خطابت، نہ انشا پردازی و انشا گفتاری۔ نہ اعلانی و اشتہاری تبلیغ و دعوت، نہ زبردستی لوگوں کی گھیر گھار، بلکہ دینی و اخلاقی، ظاہری و باطنی ہر طرح کی کوتاہیوں اور خامیوں پر اوصیکم بتقویٰ اللّٰہ کی گرج اور پھکار مواخذہ و گرفت گھڑکیاں اور جھڑکیاں۔

ہر جگہ کوئی بڑا چھوٹا شہر کیا قصبہ تک نہیں کہ آنے جانے والے ہی محفل کی رونق بڑھا رہے ہوں۔ بجز دیہات اور کوردہ نہ ریل نہ سڑک نہ سواری، ڈاکخانہ ندارد۔ اگر خود اپنا اخبار نہ جاتا تو کسی اخبار تک کی صورت نہ دکھائی پڑتی۔ گویا کہ بیسویں صدی کا کہف لیکن مخلوق ہے کہ دور و نزدیک چھوٹی بڑی بستیوں ہی سے نہیں دوسرے صوبوں تک سے جوق جوق اس "کہف" کی طرف بھوکی پیاسی روزہ رکھے مئی کی جلجلاتی دھوپ اور لوؤں میں زیادہ تر پیدل یا سائیکلوں پر کچھی دوڑی چلی آرہی ہے۔ روزانہ رمضان بھر یہی تانتا بندھا دیکھتا رہا۔ عوام بھی خواص بھی، امیر بھی غریب بھی۔ جوان بھی بوڑھے بھی، نئے بھی پرانے بھی۔ ڈاکٹر بھی طبیب بھی دس دس پندرہ پندرہ تک کا اوسط تو خالی علماء ہی کا رہتا تھا۔ ایسے دور اُفتادہ ویرانہ میں خلقت کی یہ کشش سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ ؎

ہر کجا بوئے خدا می آید　　　　خلق بیں بے سر و پا می آید

ظاہری رنگ اس "بوئے خدا" کا ذرا جذب و جوش اور جلال کا ہے مگر باتیں ماشاء اللہ خوب ہوش و کمال کی۔ سالک مجذوب کی بڑی دلکش جامعیت و شخصیت۔ نکلا تو تھا زیادہ تر کچھ تھانوی شخصیت تعلیم و تربیت کی امید لگا کر لیکن پائی ساتھ ساتھ حکیم الامت کے حکیمانہ وعارفانہ علوم کی شان بھی اس کی زبردست توثیق اپنوں سے بڑھ کر پرایوں کے محب اعز واکرم مولانا علی میاں سلمہٗ کی شہادت ہے۔ جو بڑی حد تک بالکل ایک دوسرے مذاق و مسلک کے بزرگ سے وابستہ وفیض یافتہ رہے ہیں۔

احقر کے دوران قیام ہی میں ممدوح کا ایک مکتوب مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں گیا۔ اصل درخواست تو ماہِ مبارک (رمضان) میں خود اپنے حق میں خاص دعاؤں کی تھی۔ ضمناً حضرت مولانا کے علوم و افادات سے اپنی مناسبت و استفادہ کا بھی ذکر بطور خاص ہی تھا۔ علم و فضل کے گوناگوں کمالات کے باوصف چونکہ موصوف سلمہٗ کا رنگ دوسرا ہی ہے اسلئے تھانوی رنگ کے کسی بزرگ سے انکی اتنی مناسبت پر کچھ حیرت کے ساتھ مجھ کو مسرت زیادہ ہوئی اسکا اظہار بلساختہ فتحپور ہی سے ایک نیاز نامہ میں کیا تھا۔ جواب لکھنؤ کی واپسی پر توثیق مزید کا وہی ملا کہ:۔

"واقعی مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں دوبارہ حاضری ہوئی اور اُن کے علوم و افادات سے مناسبت معلوم ہوئی اور بہت مخلصانہ و عارفانہ باتیں معلوم ہوئیں اللہ تعالیٰ انکی ذات بابرکات کو تادیر سلامت رکھے"!

ایک معاملہ میں حضرت فتحپوری اپنے مرشد اعلیٰ حضرت تھانویؒ سے آگے ہی نظر آئے۔ یعنی کتابوں پر بھی بڑی نظر ہے۔ اخلاق محسنی سکندر نامہ تک پر تفسیر و حدیث اور فقہ کی متداول کتابوں کا تو ذکر ہی کیا، باقاعدہ درس بھی ہوتا ہے۔ ایک دو نہیں روزانہ چھ چھ سبق رمضان شریف کی وجہ سے یہ سلسلہ بند تھا ورنہ شرکت کی سعادت ضرور حاصل کرتا۔ البتہ حضرت ممدوح کا جو عام رنگ ہے اس سے قیاس ہوتا ہے کہ آج کل کے دینی مدارس کی طرح خالی کتاب کی تعلیم و تفہیم شروح و حواشی کی ردو قدح پر قناعت نہ فرمائی جاتی ہوگی بلکہ دینی تعلیم کی عملی روح و باطنی پہلو قلب و قالب دونوں کی اصلاح اور خدا و آخرت سے تعلق پر بھی ساتھ ساتھ پورا زور دیا جاتا ہوگا کہ اسی کی کمی نے نام نہاد دینی تعلیم پر بھی دنیوی رنگ چڑھا دیا ہے۔

کتابوں کی الماریاں مجلس میں سامنے رکھی ہیں۔ ذرا کوئی اہم بات ہوئی فوراً کتاب نکلتے نکلواتے اور سند وشہادت پیش ہوجاتی ہے۔ کثرت سے کتابوں میں نشانیاں رکھی ہوتی ہیں مطلوب مقام بات کی بات میں نکالتے ہیں۔ مجلس میں بہت محققانہ وعارفانہ ہی نہیں بڑے بڑے پتہ کی باتیں ہاتھ آتی رہتی ہیں خصوصاً طالبین وسالکین کے لئے اور کم وبیش سب کی تائید وتوثیق اگلے پچھلے مسلم اکابر کی کتابوں اور سندوں سے فرماتے جاتے ہیں۔ ع

صلاح کار کجا و من خراب کجا

یہ سیہ کار وتباہ کار ظاہر اور اس سے کہیں بڑھ کر باطن کا کورا ہی کورا ہے۔ البتہ کچھ اللہ والوں ہی کی صحبت میں "صالحین" کی صحبت ضرور نصیب ہوگئی۔ احب الصالحین ولست منہم کا پورا پورا مصداق ہوں اور "احب الصالحین" ہی کے طفیل میں "لست منہم" کا تھوڑا بہت غم بھی کھاتا رہتا ہوں مگر اس سے نہ کوئی خاص تسلی نہ اس کی کوئی خاص قدر کہ اپنی ناکامی ونارسائی کی حسرت بھی حق تعالیٰ کی بڑی قابلِ قدر نعمت ہی ہے ع

"بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے"

ایک مجلس میں کچھ اس "حسرت ودرد" کی راہ سے اہل طلب وسلوک کی تسلی فرمائیاں ہورہی تھیں کہ مکتوبات رشیدیہ (حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ) نکال کر ایک مکتوب کا یہ وجد آفریں ٹکڑا سنانے لگے کہ

"ہمارے شیخ الشیوخ قطب عالم شیخ عبد القدوس (گنگوہی) فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو بعد مجاہدہ ہزار سالہ حسرت ودرد نایافت حاصل ہوجائے تو سب کچھ حاصل ہوگیا۔ ہائے افسوس کہ درد نایافت نہیں ملتا کہ کام ہوجائے"۔

اس مفلس کنگال کو تو جیسے بے شان وگمان کوئی بڑا خزانہ ہاتھ آگیا۔ گھنٹوں حضرت عطار کا ایک مصرعہ دعا والتجا بن کر بیساختہ زبان پر جاری رہا کہ اے بار الٰہا کسی یافت کے لائق تو یہ سراپا نالائق کیا ہوگا۔ نایافت کے درد وغم ہی کے ایک ذرہ سے مرتے دم تک نوازے رہیئے۔ ع

" ذرۂ دردے دل عطار را "

خیر یہ تو اہل طلب کے مطلب کی ایک بڑی قیمتی بات اور قابلِ قدر نعمت یاد آگئی ورنہ حضرت فتحپوری کی ذات بابرکات میں بعض باتیں تو ایسی جمع پائیں جو اپنے مرشد اعلیٰ حضرت

تھانوی علیہ الرحمۃ کے نادرالوجود کمالات کا ہوبہو نقشہ آنکھوں کے سامنے کر دیتی ہیں۔

(۱) سب سے بڑھ کر تو لا اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی اللہ کا انبیائی ورثہ ہے۔ یعنی خدمت دین وخلق کے سلسلہ میں تعلق حق پر مبنی ایسا قلبی توکل و غنائے تام کہ مخلوق کے کسی جاہی و مالی دباؤ کا قلب پر اثر کیا شائبہ اثر بھی پورے ایک مہینہ کی خلوت وجلوت کی حاضریوں میں "یہ چشم بدبیں" ڈھونڈھ کر بھی نہ پاسکی۔

(۲) اسی کا دوسرا لازم احکام دین کی تعلیم و تبلیغ میں فاصدع بما تومر (اے محمد جو کچھ تم کو حکم دیا گیا ہے بے لاگ لپیٹ کھل کر کہدو) کے وہ مظاہر و آثار تھے جن سے مشکل ہی سے کوئی مجلس خالی جاتی ہوگی کسی طرح کی لاگ لپیٹ یا مداہنت کیا معنی، معلوم ہی نہیں ہوتا کہ بڑوں، چھوٹوں، علماء و امراء، خواص و عوام سیکڑوں آنے جانے والوں میں کسی کے قلب پر کوئی ہلکا سے ہلکا وزن بھی پڑتا ہے۔

(۳) تیسری خصوصیت تعلیم و تربیت میں علم سے زیادہ عمل اور عمل میں بھی بہت زیادہ اعمال قلب پر زور ہے قلبی اعمال کا بھی جوہری ست اخلاص نکال رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے تمام قلبی وقالبی اعمال کی صحت وسلامتی کی ضمانت یہی جوہر ہے جس کی حقیقت ہر عمل وحرکت میں صرف خدا کی رضا وناراضی یا آخرت کی جزا وسزا پر نظر ہے۔ سچ پوچھئے تو اسی نظر کے فقدان یا کمی وخامی سے ریا ونفاق و کبر و جاہ، حرص وہوس دنیا پرستی وخود غرضی وغیرہ کے سارے اخلاقی وباطنی رذائل و امراض پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں حضرت ممدوح کی تعلیم و تربیت میں سب سے زیادہ زور و اصرار ان ہی رذائل خصوصیات ریا ونفاق کے مرض ومعالجہ پر رہتا ہے۔

اخلاص کے بڑے جانی دشمن یہی دو ہیں جن سے نہ صرف نماز وروزہ حج و زکوٰۃ کے سے خالص دینی اعمال بے جان و برباد ہوجاتے ہیں بلکہ دیکھا جائے تو دنیا کے بھی اکثر انفرادی و اجتماعی سیاسی وسماجی فتنوں فسادوں کی جڑ یہی ہیں۔ خاص کر آجکل کی سیاست و حکومت کا تو کہنا چاہئے کہ سارا تار وپود ہی ریا نفاق یا مکر وفریب ہی سے تیار ہوتا ہے پھر کیا تھا کڑوا کریلا نیم چڑھا۔ الناس علی دین ملوکھم۔ حکومت کی یہ برکات رعایا اور شہریوں کے ہر ہر طبقہ اور ہر ہر گھر میں اس طرح گھر کر گئی ہیں کہ معاشرہ (سوسائٹی) میں انکو اب کوئی عیب مشکل سے شمار کیا جاتا ہے۔ مزید برآں ریا ونفاق کے مناشی یہ جراثیم اکثر ہوتے ہیں ایسے دقیق و خفی اور اس طرح دبے پاؤں داخل ہوجاتے ہیں کہ بہتیرے صحابہ فاروق اعظم جیسے اکابر صحابہ تک اپنے اندر اس کے اندیشہ سے ترساں و لرزاں

رہتے تھے، حاذق سے حاذق روحانی اطباء وشیوخ اور انکے تربیت یافتہ تک دھوکا کھاجاتے ہیں۔ حکیم الامت سے بڑھ کر کون حاذق وقت معالج ومربی ہوگا حضرت ہی کے ایک پانی پتی مرید کا واقعہ یاد آیا خانقاہ اشرفیہ کے مدرسہ کے لئے انھوں نے کچھ رقم پیش کی۔ اچھے پرانے تربیت یافتہ مرید تھے۔ حضرت نے بے تکلف قبول فرمائی بعد کو خیال آیا کہ ایسا ہی مدرسہ تو خود پانی پت میں موجود ہے جس کا حق زیادہ تھا وہاں چھوڑ کر تھانہ بھون کے مدرسہ کے لئے کیوں لائے کہیں خدا کے ساتھ پیر کی رضا جوئی تو مطلوب نہیں۔ کہ یہاں دینے سے ثواب بھی ہوگا اور پیر بھی خوش ہونگے بلا کر پوچھا اور جرح فرمائی۔ حضرت کی جرح میں کون ٹھہر سکتا تھا۔ دل کا چور پکڑ گیا اور "عطائے شما بہ لقائے شما" کا معاملہ فرمادیا۔ غریب مرید تو مرید ہی ہے پیر بھی کتنے ایسے نکلیں گے جو مریدوں سے خود اپنی رضا وخوشامد کے طلبگار نہ رہتے ہوں مریدوں کو بنانے کے لئے زیادہ تر بگاڑنے والے تو نام نہاد پیر ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو تھانہ بھون کے بنائے ہوئے "پیر فتحپور" کے ہاں دیکھا کہ کسی معاملہ میں اس قسم کا شبہہ ہوتے ہی لتاڑ پڑنے لگتی ہے۔ کہ تم لوگ خدا سے زیادہ مجھ کو راضی کرنے کی فکر میں رہتے ہو۔ کھانے پینے تک کے کسی ہدیہ میں شبہہ ہوجاتا ہے تو رد فرما دیتے ہیں۔

اس تھانوی مذاق ومسلک والے کے متعلق حکیم الامت کے مصنف سے بڑھ کر کون اندازہ کر سکتا ہے، کہ "فتحپوری" خانقاہ مدرسہ وغیرہ کے مصارف کے لئے رائج الوقت قسم کے چندہ کا دور دور بھی کوئی پتہ نہ ہوگا۔ اس پر بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں کہ ۲۶-۲۷ حجروں کمروں کی سلیب وسیمنٹ کی دو منزلہ عمارت معلوم ہوا کہ صرف ۲۸ دن میں کھڑی ہوگئی اور اب سنا کہ مدرسہ کی مستقل عمارت بھی اسی طرح جلد ہی کھڑی نظر آنے والی ہے یا اس کے بالکل برعکس چھوٹے بڑے عام دینی مدرسوں اداروں کے اس حال سے کون واقف نہیں۔ دو چار کمروں یا دو چار ہزار کے کسی صرف کی ضرورت پر بھی اعلان واشتہار دوا دوش میں کوئی کسر اٹھی نہیں رہتی۔ بمبئی اور کلکتہ تک دوڑ پہنچ جاتی ہے خود مدرسہ کے مہتمم اور اساتذہ تک کاسۂ گدائی سنبھال کر نکل پڑتے ہیں۔

بات میں بات نکل آئی عرض یہ کر رہا تھا کہ فتحپور کے مطب میں امراض قلب میں خصوصی توجہ ریا ونفاق کے مرض پر دیکھی دوسروں کا حال کیا جانوں لیکن خود اپنے اعمال وافعال کو اس عینک سے دیکھا تو کیا کہوں کہ کیسی بھیانک شکل نظر آئی! مسلمان کی شان تو یہ ہے

کہ دنیا کے دھندے بھی دین ہی کی کھیتی ہوں لیکن اپنا حال بد تو اس علینک نے یہ دکھایا کہ جو کام بظاہر خالص دین کے ہیں ان کے خلوص کی راہ بھی نفس و شیطان کس کس طرح چھپ چھپ کر مارتے رہتے ہیں بس اللہ ہی ستار و غفار ہے۔ ورنہ ؎

بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد　　کہ مرا خراب کردی۔ تو بہ سجدۂ ریائی

زندگی میں نفاق دریا کی ایمانی و عملی مہلک بیماری پر اتنا تنبہ کبھی نہیں ہوا تھا جتنا مولانا فتحپوری (جزاہ اللہ) کی تنبیہات سے ہوا۔ آخر کوئی تو بات ہے جو بڑے سے بڑے صحابہ تک اپنے اوپر نفاق سے خائف تھے۔ بہ دیگراں چہ رسد وہ بھی یہ ارذل الخلائق۔

(۴) ایک بظاہر انمل لیکن بہت کچھ تھانوی رنگ ہی سے ملتی جلتی بات۔ یعنی ایک طرف اخلاق و اعمال کی خامیوں کوتاہیوں پر معمولی و سرسری روک ٹوک ہی نہیں۔ خاصی لے دے۔ ناراضی و ناگواری بلکہ لہجہ کی حد تک درشتی و سختی لیکن دوسری طرف "بالمومنین رؤف رحیم" والی شان رافت و رحمت اور شفقت کا یہ عالم کہ بعض وقت بیقرار ہو جاتے دیکھا نجی سے نجی پریشانیوں بیماریوں میں دعا و دوا دونوں کی فکر و تدبیر سے ایسی دستگیری کہ قریب سے قریب عزیز اور ہمدرد سے ہمدرد دوست ہی سے امید ہو سکتی ہے خود اپنی معمولی نزلہ زکام کی بیماری سے لے کر بعض سخت پریشانیوں تک میں تو اسکا تجربہ ہوا ہی۔ ایک اچھے رئیس زادے و عالم دین اپنے پورے گھر بیوی بچوں والدہ بھائی سب کے ساتھ اصلاحی تعلق سے مقیم تھے۔ ماشاء اللہ بڑے سعید و صالح جوان کسی کسی وقت میرے پاس بھی خصوصیت سے آ بیٹھتے بیچارے کچھ دماغی خلل کے مریض ہیں۔ کبھی کبھی دورہ سخت پڑتا ہے۔ وطن ۵۔۶ میل قریب ہی ایک قصبہ ہے۔ ایک دن دورہ جو پڑا تو روزہ رکھے لو دھوپ میں پیدل ہی سب گھر والوں کو چھوڑ چھاڑ بے تحاشہ گھر سے بھاگ نکلے۔ ماں، بھائی، بیوی کی پریشانی تو ظاہر ہی ہے۔ خود حضرت کو اتنا فکر مند اور متاثر دیکھا کہ جب تک ایک صاحب کو سائیکل پر بھیج کر ان کو واپس بلا نہیں لیا یکسو نہیں ہوئے اور پھر روزہ رکھنے سے حکماً روک دیا۔ دوا علاج کی فکر و تاکید فرمائی۔ دعا کا خاص اہتمام تو جہاں تک اندازہ ہوا خاص معمولات میں داخل ہے۔ بعض علماء صلحا نے خود احقر کو دوران خط میں دعا کی درخواست کے لئے تحریر فرمایا تو درخواست کا جواب ایسے الفاظ اور انداز میں ملا جس سے معلوم ہوا کہ خاص خاص وقت ہی میں نہیں "خاص اوقات" میں اور بار بار ہو گی۔ اپنے پرائے دیکھے سنے متعدد تجربات

سے شہادت ملی کہ ماشاء اللہ مستجاب الدعوات بھی بڑے ہیں۔ بعض واقعات تو نہایت حیرتناک اور بالکل ہی کرامت کے۔ مگر کیا کیا عرض کیا جائے صدق کی محدود گنجائش سے بات یونہی بہت بڑھ گئی۔ اصل ذکر تھانوی رنگ سے ملتی جلتی چوتھی بات کا تھا کہ وہاں بھی ایک طرف اخلاقی وعملی بلکہ بعض بظاہر چھوٹی بڑی معاشرتی کوتاہیوں پر بھی جیسا مواخذہ اور ڈانٹ ڈپٹ ہوجاتی تھی اس سے میں آپ کیا۔ دو ایک مجلسوں کی حاضری کی سعادت رکھنے والا بھی کون واقف ہوگا! دوسری طرف آپ بیتی ہی ایک مثال لیجئے۔

یادش بخیر ایک دماغ ہی کے مریض پرانے محترم دوست اور نیئے عزیز کے سلسلہ میں اس نالائق کو کوئی مستقل نہیں محض عارضی و وقتی پریشانی کا سامنا ہوگیا تھا۔ دیکھئے کہ اس کے دور کرنے میں بھی حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کی رافت و شفقت کتنی دور تک گئی۔

یہ محترم دوست و عزیز خود حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کے مرید ہی نہیں مجاز ہیں جب حضرت اپنے علاج کے لئے پہلی بار لکھنؤ تشریف لائے تو یہ اسی تعلق و سلسلہ سے غریب خانہ ہی کے ایک بغلی مکان میں مقیم تھے یوں تو حضرت والا بلا کسی درخواست کے نہایت کرم و شفقت کی راہ سے غریب خانہ کو دن میں کئی مرتبہ خود ہی مشرف فرما چکے تھے لیکن واپسی کے قریب خاکسار نے درخواست کی کہ ایک رات کے قیام کی سعادت بھی عطا ہوجائے۔ سوء اتفاق کہ جس دن اس درخواست کی پذیرائی میں عصر کے وقت حضرت اپنے پورے اہل بیت کے ساتھ تشریف لائے اسی دن کچھ پہلے ہی ہمارے دوست کا دماغی دورہ شروع ہوچکا تھا جس نے بڑھتے بڑھتے رات تک اتنی شدت اختیار کرلی کہ سارا گھر سر پر اٹھا لیا اندر سے باہر تک دوسروں پر تو جو کچھ گذری گذری یہ نابکار حضرت کے سامنے شرم و ندامت سے سر اٹھانے کے قابل اپنے کو نہ پارہا تھا کہ بیماری سے اٹھتے ہی ایسی مہمانی ملی کہ رات بھر پلک نہ جھپکا سکے۔ ہائے اس لطف و لطافت کی یاد سے کلیجہ منہ کو آتا ہے کہ صبح اول تو اس سراپا غرق انفعال کے احساس شرم و انفعال کو بلا خطاب خاص کیسے کیسے لطیف و پرحکمت عنوانات سے زائل کرنے کی فکر فرمائی! ساتھ ہی محسوس فرما کر کہ سخت دماغی دورہ ہے خدا جانے کتنا طول کھینچے اور اس سے گھر بھر کو کیا کیا پریشانیاں پیش آجائیں۔ غضب یہ فرمایا کہ ان کو فوراً ہی چلے جانے کا حکم دیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ خود انکے دروازہ پر جا بیٹھے اور اس سے بڑھ کر یہ

کہ جب اپنی سواری کی موٹر آئی تو پہلے اس پر انکو جہاں وہ جانا چاہتے تھے روانہ فرما لیا پھر خود تشریف لے گئے! دیکھنے والے اس کو بڑی سخت گیری جان رہے تھے۔ میں بھی دم بخود تھا مگر حضرت نے موٹر پر تشریف رکھتے رکھتے بس اتنا چپکے سے فرمایا کہ یہ گھر بھر کو بہت پریشان کرتے اور کسی کے ہٹائے ہٹتے بھی نہ اب آپ سب بڑی پریشانیوں سے بچ گئے اور اس سے انشاء اللہ خود ان کو بھی سکون ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا اور دیکھا کہ حضرت کو اسٹیشن پر رخصت کرنے کے لئے اچھے خاصے حاضر ہیں۔ تب سمجھ میں آیا کہ یہ سختی ہی میں نرمی تھی۔ ع

"صد درستی در شکست خضر بود"

اور بھی حضرت علیہ الرحمۃ کی ایسی ہی دستگیریوں کے کئی تجربات خود اپنی خانگی و دنیوی زندگی ہی کے الجھاووں اور دشواریوں میں ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے سبھی کو سلجھا یا اور دور فرمایا۔ اس دنیادار کو نہ جانے کتنے مواقع پر اپنے دنیوی معاملات ہی میں تھانہ بھون کی یاد رُلا دیتی ہے۔ اب دس بارہ برس بعد جا کر فتحپور میں ان آنسوؤں کو پوچھنے والا بھی ایک ملا۔ ذہن یہاں ایک عجیب تضاد و تقابل سے دوچار ہو جاتا ہے۔ بعضے اکابر شیوخ اور اچھے علماء صلحا کو دیکھا جنھوں نے کہنا چاہیئے پوری پوری زندگیاں اسلام اور مسلمانوں میں اجتماعی و ملّی خدمات کے لئے وقف فرما رکھی ہیں انفرادی معاملات میں انکا طرز عمل کچھ ایسا ہوتا ہے کہ گویا یہ افراد اس امت و ملّت کے افراد ہی نہیں جس کی اجتماعی صلاح و فلاح کے لئے تن من دھن سب تج رکھا ہے نہ انکے حق میں معروف و منکر کے امر و نہی کا خاص نہ اہتمام نہ دینی و اخلاقی نگرانی کا نہ ان میں اصلاح ذات البین کا نہ انکے نجی و دنیوی معاملات و مشکلات میں دستگیری کا بلکہ بعضے تو اجتماعی مشاغل کے فرض کفایہ یا مستحبات کے انہماک میں اہل و عیال تک کے واجبات کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ غضب پر غضب یہ کہ اصلاحی خدمات کے مخلص ترین اور اہل علم فاضلوں کے قلم سے یہانتک غایت تحسین و آفرین کے جوش میں نکل جاتے دیکھا کہ فلاں شخص یا مجمع کو دین و ملّت کی خدمت میں گھر بار بال بچوں کا بھی ہوش نہیں۔

مجھ کو تو نام نہاد اجتماعی خدمات کا یہ افراد کُش غلو بہت کچھ فرنگی، یا مغربی غالبانہ اجتماعیت کا لایا ہوا ہیضہ معلوم ہوتا ہے۔ باقی افرادی یا انفرادی رذائل اخلاق اور قلبی و باطنی امراض

کی اصلاح وازالہ پر جیسی توجہ و تاکید تھانوی اور اس کے بعد فتحپوری مطب میں دیکھی۔ آج کل کی خالص دینی و اصلاحی جماعتوں اور تحریکوں میں اس کی عشر عشیر بھی نظر نہ آئی۔ بلکہ کبھی کبھی اُلٹے اس سے انتہائی غفلت کے تجربات بڑی بڑی اصلاحی درسگاہوں اور مرکزوں کے افراد وابستگان میں ایسے ہوتے رہتے ہیں کہ فرنگی رنگ کی اجتماعی و اصلاحی خدمات کا دین کے حق میں یہ راستہ ہی اُلٹا معلوم ہوتا ہے۔ دینی و عربی تعلیم کے کچھ طلبہ درس قرآن کا نام لگا کر اس کیمپرس کے پاس آجاتے ہیں۔ یہ نالائق و ناکارہ اس بہانہ سے ان کو خود اپنے انفرادی ایمان وعمل ظاہر و باطن معاملات و اخلاق کی اصلاح و درستی کی طرف بخطاب عام دوران درس میں اور بخطاب خاص نجی صحبت و خلوت میں متوجہ کرتا رہتا ہے اس کے اثر سے بعضوں میں کچھ نہ کچھ چونک پیدا ہو جاتی ہے اور اپنے اخلاقی و باطنی امراض خلوت یا نجی تحریر میں پوست کندہ ظاہر کر دیتے ہیں۔ ان دن رات قرآن و حدیث پڑھنے والوں اور اصلاحی تحریکوں تقریروں میں شریک ہونے والوں میں کبر و حسد ریا و نفاق کی سی مہلک بیماریوں میں مبتلا ایسے شدید و آخری درجات تک کے مریض ملتے ہیں کہ جہلا و عوام میں بھی کم ہی ملیں گے بڑی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ ان دینی مدرسوں اور اصلاحی اداروں میں بھی اب روز بروز انفرادی دعملی سے زیادہ اجتماعی و نظری پہلوؤں پر زور رہتا ہے کہ لوگوں کا خود اپنی ظاہری و باطنی صلاح کی طرف ذہن ہی کما حقہٗ نہیں جاتا۔ قرآن کی تعلیم و تدریس میں بھی اگر تمامتر نہیں تو بہت زیادہ ایسی ہی باتوں پر توجہ دلائی جاتی ہے جن کو قرآنی معارف و حقائق یا فلسفۂ قرآن کہا جاتا ہے۔ وہی جس کی بڑی ہی پُرمعنی تعبیر عارف الٰہ آباد نے داد قرآن سے کی ہے۔ دور حاضر کا کیسا چور پکڑا ہے کہ ؎

داد قرآں کی نہ دو بھائی عمل اس پہ کرو
پیش درگاہِ خدا واہ کی حاجت ہے کیا

"داد قرآن کی" اس بے اعتدالی کا اثر یہ پڑا ہے کہ جب تک یہ "داد" دیتا رہتا ہوں طالبعلموں میں انبساط زیادہ پاتا ہوں اور جہاں عمل اس پہ کرو کی توجہ دلانا چاہتا ہوں چہرے مرجھانے لگتے ہیں۔ حالانکہ "داد قرآں" کی شکر کچھ نہ کچھ بیٹھتا ہی جاتا ہوں تاہم بحمد للہ ظاہر و باطن کی عملی اصلاح کی طرف دونوں کے اس سراپا تباہ کار کے توجہ دلانے سے بھی کچھ نہ کچھ توجہ ہو ہی جاتی ہے۔

عرض یہ کرنا ہے کہ دینی تعلیم و اصلاح کا اصل مقصد اگر افراد و امت دونوں میں دینی زندگی

پیدا کرنا ہے، تو اس کی راہ فقط ایک ہی ہے کہ دینی و اسلامی تعلیمات کی منظر میں فلسفیانہ یا انشائی و خطابتی "داد" سے زیادہ اور بہت زیادہ زور و توجہ عملی اصلاح و انقلاب پر ہونا ضروری ہے بالفاظ دیگر مدرسوں اور خانقاہوں کی تفریق مٹانا اور دونوں کے رنگ کو ملانا ناگزیر ہے۔ اگر ہر دینی مدرسہ و ادارہ ساتھ ساتھ خانقاہ اور وہاں کا ہر بڑا کارپرداز اگر ساتھ ساتھ شیخ و سالک نہ ہو تو کم سے کم ہر مدرسہ و ادارہ میں ایک شیخ و مربی یا دین کے ظاہری و باطنی امراض کا نگراں و معالج کا ہونا لابد ہے۔ اور اس کی مجالست و صحبت کا لزوم کتابی اسباق اور تقریری مجالس سے کم نہیں زیادہ ہو اور خاص کر بڑی دینی درسگاہوں کی طرف سے تکمیل و فراغت کی سند ہرگز نہ دی جائے جب تک علم کے "قال" کے ساتھ معتد بہ درجہ تک عمل کے "حال" کا اطمینان نہ ہو، امت کے حکیم و مجدد وقت کے نزدیک تو "مولوی" نام ہی "عالم باعمل" کا ہے اس کے اطمینان کے بغیر کسی کو "مولویت" کی سند تھما دینا دراصل امت کے حق میں خیانت اور دھوکا دینا ہے۔ ضرورت دراصل اسی "عالم باعمل" بنانے والے جامع تعلیمی مدارس و ادارات کی ہے۔

فتحپور کا مدرسہ و خانقاہ اس جامعیت اور سنگم کا ایک غیر اشتہاری چھوٹا سا نمونہ ہے قرآن و حدیث کا جو سب سے بڑا معلم و مدرس ہے۔ وہی ایک بہت بڑا شیخ یا مربی و مزکی ہے، دوسرے اساتذہ وغیرہ بھی سب کے سب ماشاء اللہ سالک و طالب ہی ہیں۔ ایسی فضا میں ظاہری علوم دین بلکہ خالی علوم دنیا کے طلبہ کو بھی رکھدیا جائے تو وہ بھی کہاں تک غیر متاثر یا مسلمان ہو کر اپنے ظاہر و باطن ایمان و عمل سے بالکل غافل رہ سکتے ہیں۔ سب سے بڑے "معلم کتاب" صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا وصف تعلیم کتاب و حکمت کے ساتھ ساتھ ہی بلکہ اس پر مقدم "مزکی" ہونا یا ایمانی و عملی قلبی و قالبی تزکیہ فرمانا تھا۔ یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ربنا اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین۔

مکاتیب ثلاثہ

نقل خط مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ العالی

(حضرت مصلح الامتؒ کے نام)

تعجب ہے کہ صدق ابتک واصل خدمت نہیں ہوا۔ حالانکہ میں نے براہِ راست دفتر ہی سے بھجوا دینے کی تاکید و انتظام کر دیا تھا۔ پھر دریافت کرتا ہوں۔ اب تو کل تیسرا نمبر بھی آگیا مگر غلط یہ بھی بہت چھپا۔

صدق خوانوں کا حلقہ ہے بہت خواص بلکہ اخص خواص کا جب سے پہلا نمبر ہی نکلا ہے پاکستان و ہندوستان دونوں جگہ سے آں مخدوم کے متعلق استفسارات آرہے ہیں انشاء اللہ جواب خود ہی دیتا رہوں گا لیکن کل ہی ایک خط مولانا کا آیا ہے وہ خود حضرت کی خدمت میں ملفوف کر رہا ہوں ماشاء اللہ بہت بڑے صاحب علم و قلم ہی نہیں صاحب دِل بھی ہیں۔ ۲۳ سال حیدرآباد میں ساتھ رہا۔ اب وہ بھی پنشن پر گھر پر ہیں اور بہت بیمار رہتے ہیں۔ مایوسی کے خطوط آتے رہتے ہیں اس خط میں بھی آخر میں مایوسی کا ایک ایسا فقرہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معالج بھی مایوس ہیں حضرت دعا فرما دیں۔ بعض باتیں حضرت کے متعلق اس کارڈ میں بھی دریافت فرمائی ہیں۔ مناسب بھی ہو تو مجھ کو مطلع فرما دیں میں ہی لکھدوں گا۔ ان کے علم و قلم سے لوگوں کو بہت نفع ہے۔ والسّلام مع الاکرام

احقر العباد عبدالباری

مشہور اہل علم و قلم مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کا خط بنام مولانا ندوی مدظلہ

(جس کا ذکر اوپر کے خط میں آیا ہے)

محبی و مجبی زادکم اللہ ایمانا و اخلاصاً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ شاید کوئی عریضہ خدمت والا میں پیش کرچکا ہوں۔ حافظ کی غلطی ہو تو اپنی زندگی اس منزل پر پہونچ کر اغلاط کا مجموعہ بن کر رہ گئی ہے۔ صدق جدید میں آپ کا حد سے زیادہ مفید مضمون جو شائع ہو رہا ہے اس کی مبارکباد عرض کرنا چاہتا ہوں ڈھونڈنے والوں کے لئے ہدایت کے اس مینار کا پتہ دیا گیا ہے جس سے عموماً لوگ ناواقف تھے۔ انشاء اللہ تعالیٰ بیسیوں کی اصلاح کا ذریعہ یہ مضمون بن جائیگا دوسرے کیا؟ خود فقیر کو ہی پہلی دفعہ آپ کے ذریعہ علم و ہدایت کے اس پوشیدہ روشنی کا پتہ چلا ہے لیکن ایسے وقت میں کہ استفادے کی کوئی ممکنہ صورت میرے لئے باقی نہیں رہی ہے ؎

اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی آید

کے حال میں جو تہ و بالا ہو رہا ہو۔ اب اس کے لئے تو ان بزرگوں کے نام تک رسائی ہی بڑی بات ہے آپ نے تفصیلاً کبھی نہیں لکھا کہ حضرت والا نے کہاں تعلیم پائی ہے۔ تربیت تو تھانوی تربیت گاہ میں ہوئی ہے؟ کیا ان سے اسکا بھی کچھ پتہ چلا کہ اس ملک میں امت مرحومہ کا انجام کیا ہے؟ کیا وہاں مدرسہ بھی ہے، حضرت خود بھی درس و تدریس کا کچھ مشغلہ رکھتے ہیں؟ صحیح پتہ حضرت کے یہاں کا کیا ہے اور کیا عرض کروں والحمد للہ علی کل حال۔ ڈاکٹروں کے طرز و عمل سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مایوس عنہم مریضوں کی فہرست میں مجھے شامل کر دیا ہے۔

مناظر احسن گیلانی

۱۳ر اگست ۵۵ء

"حضرت اقدسؒ کا جواب مولانا ندوی کے نام"

الحمد للہ کہ آپ کو میرا دوسرا خط بھی مل گیا۔ مجھے بھی یہاں صدق کی قسط دوم وسوم دونوں وصول ہو گئی۔ آپ نے اپنے خط میں مولانا ..... کا ذکر و تعارف کیا ہے تو میں تو ان سے فی الجملہ واقف ہوں باقی مولانا مجھے اگر نہ پہچان سکیں تو کوئی تعجب کی بات بھی نہیں کیونکہ میں اس قابل ہی کب تھا اور نہ اب اپنے متعلق مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ میں بھی کسی شمار میں ہوں تاہم آپ حضرات کے حسن وظن کو جو اپنے ساتھ دیکھتا ہوں تو اس کی خوشی ضرور ہوتی ہے کہ الحمد للہ اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے طریق پر طریق کی کچھ خدمت کرنے کے توفیق حاصل ہے۔ آپ نے مولانا کا کارڈ جو بھیجا ہے اس کو بھی دیکھا

اوراس میں مولاناموصوف نے جو سوالات کئے ہیں ان کے متعلق آپ کا خیال معلوم ہوا کہ یہیں سے کچھ جواب دیدیا جائے اور آپ اس کو مولانا کی خدمت میں بھیجدیں گے لیکن انمیں سے بعض کا جواب تو ذرا تفصیل طلب تھا اور بعض کا میرے لئے وقت طلب کیونکر سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسکا کیا جواب دوں مثلاً میری تعلیم ہی کے متعلق دریافت کیا ہے کہ کہاں پائی ہے سو اسکے متعلق تو میری سمجھ میں یہی آتا ہے کہ بس کھانہ بھون ہی کا نام لوں اگرچہ حروف شناسی میں نے اور مدارس میں بھی کی ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے مگر اب جی نہیں چاہتا کہ علاوہ تھانہ بھون کے اور کسی جگہ کا نام لوں اور بجز وہاں کے کسی اور جانب اپنے کو منسوب کروں بلکہ اپنے کو دوسری جانب منسوب کرنے یا کئے جانے کو شرک فی الطریق سمجھتا ہوں چونکہ یہ امر ظاہر ہے کہ کسی ذی شرف کی جانب نسبت ہونے سے ذی نسبتہ میں بھی شرف آجاتا ہے۔ جیسے "عبد السلطان حاضر" اس لئے اب حاضری تھانہ بھون کے بعد میں نہ فتحپوری ہوں نہ اور کچھ ہوں بلکہ تھانوی ہوں اور صرف تھانوی ہوں اور اپنے مدعا کے اظہار میں اس شعر کو کافی سمجھتا ہوں ؎

نیاوردم از خانہ چیزے نخست | تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

یہ تو ایک سوال کا جواب ہوا اب آپ اس کو جن لفظوں میں مناسب سمجھئے تعبیر کرکے مولانا کے پاس بھیجدیجئے اور ان کی خدمت میں میرا اسلام مسنون بھی ضرور ضرور عرض کر دیجئے۔

رہا دوسرا سوال کہ اس ملک میں امت مرحومہ کا انجام کیا ہے؟ سواول تو یہ از قبیل مغیبات کے ہے ظاہر ہے کہ جس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور کوئی شخص اس کے متعلق جو کچھ بھی کہے گا وہ اٹکل اور تخمین ہی ہوگا واقعہ اور یقین تو ہو ہی نہیں سکتا نیز یہ کہ اس قسم کے امور پر گفتگو زبانی زیادہ مناسب ہوا کرتی ہے تاہم اس کے جواب میں بس قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتا ہوں اس سے کچھ سمجھ لیجئے۔ ارشاد ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ پھر یہ بھی خیال فرمائیے کہ امت کو امت مرحومہ جو کہا جاتا ہے تو وہ کسی خاص وصف ہی کے اعتبار سے کہا جاتا ہے۔ چنانچہ امت دعوت کو امت مرحومہ نہیں کہا جاتا بلکہ یہ نام مخصوص ہے امت اجابت ہی کے لئے اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ اس کو

اس نام سے بوجہ صفت اجابت ہی کے پکارا جاتا ہے لہذا آج بھی اور یہاں بھی امت مرحومہ کے مرحوم ہوتے اور مرحوم باقی رہنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس شرط کو پوری کرے یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدق دل سے اجابت کرے اور اسی میں اس کی خیریت ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الآیۃ ورنہ ظاہر ہے کہ نہ صرف آج یہاں ہی بلکہ کل کو آخرت میں بھی مرحوم ہونے کے بجائے محروم ہونا پڑے گا۔ العیاذ باللہ۔

آج امت کے بگاڑ کا حال یہ ہے کہ مسلمانوں کا کوئی گھر ایسا نہیں ہے جہاں فساد نہ موجود ہو۔ کہیں بیٹا باپ کے خلاف ہو رہا ہے۔ کہیں بیوی شوہر کی نافرمان۔ کہیں شوہر بیوی پر ظلم کر رہا ہے۔ کسی جگہ بھائی بھائی میں جنگ ہے۔ کہیں ماں اور بیٹی میں اختلاف ہے۔ غرضکہ ایک ہی گھر میں کسی کو کسی کی طرف سے خوشی نصیب نہیں ہے اور دنیا اپنے تمام تر اسباب عیش و راحت کے باوجود نمونہ جہنم بن کر رہ گئی ہے اور اس اختلاف اور فساد کا اصل سرچشمہ انکی عام بداخلاقی ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اخلاق تعلیم فرمائے لوگوں کو انکی جانب اصلا التفات نہیں ہے۔

چنانچہ آپ اگر آج ان مسلمانوں کے اخلاق کو قرآن شریف پر پیش کرینگے تو بعینہ انہیں وہی امور پائینگے جو کسی زمانہ میں کفار اور منافقین کے اخلاق تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون پھر جب ہم نے اپنے اخلاق اس درجہ گرا دئے تو اب انکی وجہ سے مومنین مخلصین کے سے مراتب اور اجر و ثواب کی امید لگائے رہنا کہاں تک قرین قیاس ہے اسکو خود دیکھ لیجئے۔ اور میں تو یہانتک کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں مسلمان اس درجہ اخلاقی پستی کو پہنچ چکا ہے کہ بداخلاقی اور فساد سے گویا اس کو ایک نسبت سی حاصل ہو گئی ہے اور وہ اسکے لئے بہت آسان ہے لیکن اخلاص اور اخلاق اختیار کرنا اسکے لئے بہت دشوار بلکہ اس پر آنا انکے لئے موت ہے۔ حالانکہ اس بات کو بھی سمجھ چکا ہوں کہ اخلاق ہی کی اصلاح پر دونوں جہان کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ اور یہی بداخلاقی ہم کو خلق و خالق دونوں کے نزدیک مقبول ہونے سے مانع ہے حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب شہیدؒ صراط مستقیم میں فرماتے ہیں کہ:-

از قوی ترین موانع نزول فیض رحمانی و ورود عنایات یزدانی بر سالکین راہ حق تلوث نفوس بہیمیہ ایشان است برذائل اخلاق مثل بغض و حسد و کبر و حرام و غیبت و کینہ و ریا و کذب

وطمع وحرص ، سلف صالح تزکیۃ ازیں رذائل مقدم تر ومہم تر امید انستند وآنرا صرف بنا بر رضا جوئی حق از دل خود منقطع ومنقمع میکردہ اند...... لہذا مورد عنایات بیغایات می شدند وبہمیں تزکیہ ارضاء اللہ تعالیٰ بعمل می آوردند مقبول میگشتند - وہر کہ باوجود طے مراتب سلوک منضبط مورد آثار عنایات نشود آثار ایں ہمہ رذائل یا بعض ان دروی البتہ محسوس خواہد بود پس وجود ایں رذائل مانع ورود عنایات الٰہی است - یعنی فیض رحمانی کے نزول کا سب سے بڑا مانع قلب کا رذائل سے آلودہ ہوتا ہے - سلف صالح نے ان رذائل کے تزکیہ کو مقدم رکھا ہے اور جس شخص پر مراتب سلوک کے طے کرنے کے بعد بھی عنایات کے آثار ظاہر نہ ہوں تو یقیناً اسکے اندر ان رذائل کے آثار پائے جائیں گے -

پس جس طرح سے بدون اخلاق کے خالق تک رسائی ناممکن ہے - اسی طرح میں کہتا ہوں کہ مخلوق تک بھی وصول بدون اخلاق کے دشوار ہے - آپ دیکھ لیجئے کہ متکبر اور بد اخلاق شخص کو کون اپنے پاس دیکھنا گوارا کرتا ہے اسی لئے میں کہتا ہوں کہ دین اور دنیا دونوں کی فلاح حسن اخلاق پر موقوف ہے اور اخلاق کی اصلاح وہ معتبر ہے جو کہ عمل سے ہو فقط زبان سے نہ ہو - اس پر آپ کو ایک صاحب کا واقعہ سناتا ہوں -

میری بستی میں ایک مولوی صاحب رہتے ہیں جو دوسرے مسلک کے لوگوں میں سے ہیں - چنانچہ اطراف میں میلاد وغیرہ پڑھنے جایا کرتے ہیں - ایک دفعہ قریب ہی کی بستی سے میلاد پڑھ کر واپس آرہے تھے کہ راستہ میں میرے ایک آدمی نے جو کہ اسی بستی کا تھا ان سے کچھ پوچھا انھوں نے کچھ جواب دیا اس نے پھر کچھ کہا غرض بات بڑھ گئی اور ان مولوی صاحب نے چھڑی سے اسکو مار دیا - وہ بھی جوان آدمی تھا مولوی صاحب کو اٹھا کر پٹک دیا اور غالباً مارا وارا بھی - میں ان دنوں مئو میں تھا یہاں دوسرے فریق کے لوگوں کو بہت اشتعال ہوا اندیشہ تھا کہ فساد ہوجائے کہ ایک آدمی سائیکل سے فوراً میرے پاس پہنچا اور کہا کہ دو واقعہ کی اطلاع کرنے آیا ہوں - ایک تو یہ کہ گاؤں میں پولیس آئی ہے اور گھر گھر ہتھیار کی تلاش ہورہی ہے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ سب لوگوں کو محفوظ رکھے اور دوسرا واقعہ اس سے بڑھ کر ہے وہ یہ کہ فلاں نے فلاں مولوی صاحب کو پیٹ دیا ہے اس کی وجہ سے دوسری جماعت کے لوگ بہت مشتعل ہیں اور معلوم نہیں اسوقت گاؤں کا کیا حال ہے - میں نے کہا کہ پہلی بات کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عزت وآبرو رکھیں اور اس واقعہ کے سلسلہ میں تم یہ کرو کہ

ان مولوی صاحب کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ بات وہاں تک پہنچ گئی ہے اور اس شخص نے آپ کو نہیں مارا مجھ کو مارا ہے اور اب اسکا بدلہ ہمارے ذمہ ہے اور انکی مسجد پر کھڑے ہوکر زور سے اعلان کرو کہ اس واقعہ کا فیصلہ اب مولانا کریں گے آپ لوگ قطعی مشتعل نہ ہوں اگر انصاف نہ ہوا تو پھر جو چاہئے گا کیجئے گا۔ پھر میں کو با آیا وہاں وہ مجرم صاحب تشریف لائے تو سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ سب کے سامنے ان پر بہت خفا ہوا اور خوب مارا اور کہا کہ تم سے کیا مطلب تھا۔ اگر انھوں نے اپنی تقریر میں کچھ کہا بھی تھا تو میں اسکا ذکر تا یا نہ کرتا اسکا تعلق تو مجھ سے تھا تم نے کیوں مارا اور انکی تم نے کیوں توہین کی۔ لوگوں نے جب اسکو دیکھا تو یقین آگیا کہ میں واقعی اس سے ناخوش ہوں اس سے انکے اشتعال میں بہت کچھ کمی ہوگئی پھر میں نے ان صاحب سے کہا کہ جاؤ اور مولوی صاحب کے پاؤں پکڑ کر ان سے معافی مانگو اور اسکا تتمہ یہ ہے کہ پالکی پر انکو اپنے گھر لیجا کر انکی دعوت کرو تب میں معاف کرونگا ورنہ نہیں۔

چنانچہ وہ صاحب گئے اور معافی مانگی انھوں نے معاف کر دیا لوگوں نے کہا کہ آپ نے اتنی جلدی معاف بھی کر دیا۔ کہنے لگے بھائی اس شخص نے ایسے طور پر مجھ سے معافی مانگی کہ مجھے معاف کرنا ضروری ہوگیا اور میں معاف کرنے پر مجبور ہوگیا۔ پھر اس نے دعوت کے لئے کہا تو انکے گھر کی عورتوں نے کہا کہ اسی گاؤں سے کل پٹ کر آئے ہو آج وہیں دعوت کھانے جاؤگے یہ تو بڑی بے غیرتی کی بات ہے تو کہنے لگے کہ بھائی عورتیں منع کرتی ہیں اس نے کہا کہ اچھا میں کھانا یہیں لاؤنگا اور دعوت کرنی مجھے ضروری ہے اسلئے کہ ہمارے حضرت کی معافی اسی پر موقوف ہے خیر اسکو منظور کر لیا وہ گھر گیا اور اچھے اچھے کھانے پکوا کر لایا اور انکے گھر دے آیا اور دوسرے دن جب اپنے برتن لینے گیا تو مولوی صاحب کھانا ہی کھارہے تھے کہنے لگے دیکھو جی تمھارے ہی یہاں کا بچا ہوا کھانا اسوقت بھی کھا رہا ہوں۔ غرض وہ بالکل راضی ہوگئے اور ایک اتنا بڑا فتنہ کہ جس کو سن کر اول وہلہ (پہلے پہل) میں تو سمجھا تھا کہ اب ایسی آگ لگ گئی ہے کہ اس نے تو میری ابتک کی ساری محنت ہی خاکستر کر کے رکھدیا ہے لیکن الحمد للہ کہ وہ فتنہ بہت جلد فرو ہوگیا اور اپنے بعد اپنا کوئی اثر بھی نہ چھوڑا تو میں یہی سمجھا کہ یہ اخلاق کی فتح ..... تھی۔

——— یہی سکھلاتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ لوگ اسی طور پر کام کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کے کل شعبوں کی تکمیل فرمائی اور شعبہ اخلاق کی تکمیل تو ایسی فرمائی کہ دنیا نے نئی زندگی پائی اور جس طرح سے آپ نے خدا سے

رابطہ وتعلق کو استوار فرمایا اسی طرح سے حسن اخلاق کے ذریعہ مخلوق کے باہم تعلق کو بھی صحیح و درست فرمادیا۔

چنانچہ صاحب روح المعانی تحت آیت هُوَ الَّذِیْۤ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ (وہ وہی ہے جس نے آپکو اپنی امداد سے اور مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کردیا۔ روح) فرماتے ہیں۔

مع ماجبلوا علیہ کسائر العرب من الحمیة والعصبیة والانطواء علی الضغینه والتهالك علی الانتقام بحیث لا یکاد یاتلف فیهم قلبان حتی صارا بتوفیقه تعالیٰ کنفس واحدة۔

یعنی مسلمانوں میں اتفاق پیدا کردیا باوجودیکہ وہ اپنی فطرت میں عام عرب کی طرح کینہ وحسد اور حمیت اور عصبیت کی وجہ سے اس درجہ پر پہونچے ہوئے تھے کہ دو دل بھی ایک نہ ہوسکتے تھے مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک جان کی طرح ہوگئے۔

اس میں اس امر کی تائید ہے کہ بعد بعثت سرور کائنات دنیا نے ائتلاف و محبت کی نئی زندگی پائی۔

چنانچہ اس موضوع پر میں نے کچھ بحث اپنے ایک رسالہ "الوصایۃ المکنونۃ فی الولایۃ المسنونۃ" المعروف "بوصیۃ الاخلاق" میں کی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے وہ ارشادات جو اخلاق سے متعلق تھے جمع کردئے ہیں۔ (کتاب قابل دید ہے)

اس وقت اخلاق سے متعلق ایک اور مضمون ارسال خدمت ہے اسکو ملاحظہ فرمائیے۔ اور اگر مناسب تصور فرمائیں تو اشاعت کے لئے دیدیجئے۔ فقط والسلام

(منقول از ماہنامہ الاحسان الٰہ آباد ۲۹ شمارہ ۳۰)

پچھلے شمارہ میں اس سلسلہ میں ہم نے "چار ہفتہ ایک کہف میں" اور مکاتیب ثلاثہ یہ دو مضامین رسالہ الاحسان سے نقل کئے تھے اُس کے آخر میں حضرتؒ نے مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہٗ کے خط کے جواب میں انھیں اپنے ایک مضمون کے بارے میں یہ لکھا تھا کہ ارسال کر رہا ہوں اس کو ملاحظہ فرمایئے اور اگر مناسب تصور فرمائیں تو اشاعت کے لئے بھی دیدیجئے چونکہ یہ مضمون بھی خط کا جزو تھا اس لئے ہم یہاں اُسے بھی پیش کرتے ہیں۔ وَھوھٰذا

(مضمون ضرورت تقویم اخلاق)

فرمایا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جس شخص کی صحبت اختیار کی جائے اس میں چند اوصاف کا ہونا ضروری ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ:-

فینبغی ان یکون فیمن توثر صحبتہ خمس خصال ان یکون عاقلا[1] حسن الخلق[2] غیر فاسق[3] ولا مبتدع[4] ولا حریص[5] علی الدنیا اما العقل فھو راس المال وھو الاصل فلاخیر فی صحبۃ الاحمق فالی الوحشۃ والقطیعۃ ترجع عاقبتھا وان طالت۔

کسی کی صحبت کے مؤثر ہونے کے لئے اس میں پانچ صفات کا پایا جانا ضروری ہے (اول یہ کہ) وہ عاقل ہو (دوم یہ کہ) حسن خلق کے ساتھ متصف ہو (سوم یہ کہ) فاسق نہ ہو (چہارم یہ کہ) بدعتی نہ ہو (پنجم یہ کہ) دنیا کی حرص نہ رکھتا ہو بہرحال عقل اس لئے کہ وہ تو اصل اور راس المال ہی ہے پس احمق کی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں ہے (بلکہ) اس کی مصاحبت خواہ کتنی طویل کیوں نہ ہو انجام اس کا وحشت اور قطع تعلق ہی ہوتا ہے۔

وأما حسن الخلق فلا بد منه إذ رب عاقل يدرك الأشياء على ما هي عليه ولكن إذا غلب غضب أو شهوة أو بخل أو جبن أطاع هواه وخالف ما هو المعلوم عنده لعجزه عن قهر صفاته وتقويم أخلاقه فلا خير في صحبته وأما الفاسق المصر على الفسق فلا فائدة في صحبته وأما المبتدع فصحبته خطر لسراية البدعة و لتعدى شومها اليه فالمبتدع مستحق للهجر والمقاطعة فكيف تؤثر صحبته۔

اور حسن خلق اس لئے ضروری ہے کہ بہت سے لوگ جو عاقل ہوتے ہیں اور چیزوں کی حقیقت بھی انکو معلوم ہوتی ہے لیکن ان پر غصہ یا شہوت یا بخل یا جبن (بزدلی) کا غلبہ ہوتا ہے تو اپنے خواہشات کی اتباع کر بیٹھتے ہیں اور (مذکورہ چیزوں کی قباحت کے متعلق) جو کچھ انکو معلوم ہوتا ہے اس کی مخالفت کرجاتے ہیں اور یہ اسلئے (ہوتا ہے) کہ وہ اپنی صفات مذمومہ کو مقہور و مغلوب کرنے اور اپنے اخلاق کی درستگی سے عاجز ہوتے ہیں پس ایسے شخص کی صحبت میں بھی کچھ خیر نہیں ہے اور بہرحال فاسق جو کہ اپنے فسق پر مصر ہو (جما) تو اس کی صحبت میں تو (سوائے نقصان کے) کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور بہرحال مبتدع (بدعتی) تو اس کی صحبت خطرناک ہے کیونکہ بدعت خود اس شخص کے اندر بھی سرایت کر جائے گی اور اس کی نحوست کے اس کی جانب بھی متعدی ہو جائے گی۔ لهذا ایسا شخص تو ترک اور مقاطعہ (قطع تعلق) کا مستحق ہے (نہ کہ صحبت کے لائق) پس اس کی صحبت بھی کیا موثر ہو سکتی ہے۔

آگے چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ:-

وأما الحريص على الدنيا فصحبته سم قاتل لأن الطبع مجبولة على التشبه والاقتداء بل الطبع يسرق من الطبع من حيث لا يدري صاحبه فمجالسة الحريص على الدنيا تحرك الحرص ومجالسة الزاهد تزهد في الدنيا فلذلك

اور بہرحال جو شخص دنیا کا حریص ہو تو اسکی صحبت تو سم قاتل ہی ہے اس لئے کہ طبائع مجبول ہیں۔ دوسروں کی اقتداء اور انکے ساتھ مشابہت اختیار کرنے پر بلکہ ایک طبیعت دوسری طبیعت سے (صفات و خصائل کی) اس طرح چوری کرتی رہتی ہے کہ اس کے صاحب کو اسکا علم اور احساس تک نہیں ہوتا۔ لهذا جو شخص دنیا کی حرص رکھتا ہو اس کی صحبت سے تو حرص دنیا ہی پیدا ہوگی اور زاہد کی صحبت زہد عن الدنیا پیدا کرے گی اس لئے طالبین دنیا کی صحبت مذموم ہے اور جو لوگ

تکرہ صحبۃ طلاب الدنیا و یستحب صحبۃ الراغبین فی الآخرۃ۔ کہ طالب آخرت ہیں ان کی صحبت پسندیدہ اور محمود ہے۔

(احیاء العلوم ص۱۵۳ ج ۲)

امام کا یہ مضمون نہایت عمدہ ہے لیکن مجھے بہت دنوں سے یہ خیال ہوتا تھا کہ عبادت کی تکلیف تو لوگ برداشت کر لیتے ہیں حالانکہ عبادات میں سہولت نہیں ہے مثلاً رات کا جاگنا اور حسن خلق میں کوئی صعوبت نہیں ہے۔ اسے لوگ اختیار نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے؟

اسکا حل امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام بالا ہی سے نکل آیا۔ چنانچہ امام صاحب نے صاحب صحبت نیک کے لئے عاقل ہونے کے ساتھ حسن الخلق ہونے کی شرط لگائی ہے جسے اپنی عبارت واما حسن الخلق الخ میں بیان فرمایا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اخلاق کے دشوار ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسان پر اسکا نفس غالب ہوجاتا ہے اور بداخلاقیاں راسخ ہوجاتی ہیں جس کی وجہ سے اپنے رذائل کو مقہور کرنے اور اپنے اخلاق کو درست کرنے پر اس کو قدرت باقی نہیں رہ جاتی یہ اس کے سوء استعمال کا نتیجہ ہے کہ سہل چیز کو اپنے سوء استعمال سے دشوار کرلیا۔ میں دشوار اصلی حسن خلق کو کہہ رہا ہوں ورنہ نمائشی اور ملمع سازی تو آج کل عام ہے۔

یہ تو وہ جواب تھا جو امام کی اس عبارت ولکنہ اذا غلبہ غضب او شھوۃ اوبخل اوجبن اطاع ھواہ وخالف ما ھو المعلوم عندہ۔ سے مفہوم ہوتا ہے لیکن میری سمجھ میں اس کا ایک دوسرا جواب بھی آتا ہے کہ انسان اپنی ذات میں تمام کمالات و مبرات[۵] سے خالی ہے، حضرات انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اس کو کمالات و مبرات کی معرفت ہوئی ہے۔ بعثت لاتمم مکارم الاخلاق میں یہی مضمون ارشاد ہے یعنی انکی تعلیمات کو معلوم کرکے اور پھر ان پر عمل کرکے ہی انسان تمام کمالات سے متصف ہوسکتا ہے ورنہ اس کو اس کی تمیز ہی نہیں ہوسکتی تھی کہ حسن خلق کیا ہے اور سوء خلق کیا ہے مثلاً کبر اور تواضع کا فرق انبیا علیہم السلام ہی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ یہ فرق ان کی تعلیم

---

[۵] نیکیوں۔

ہی سے معلوم ہوتا ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم جو حسن خلق کے متعلق ہے اسکا علم ہی پیش نظر نہیں ہے یہ وجہ ہے دشواری کی اور عبادت کا تعلق ظاہراً معبود سے معلوم ہوتا ہے تو اسکا دین ہونا ان کے نزدیک بھی عقلاً مسلم ہے اس لئے اس کا تعب برداشت کر لیتے ہیں۔ میں ترقی کر کے کہتا ہوں کہ عبادت کے بعد احوال اگر پیدا ہو جائیں تو ہو سکتا ہے کہ یہ شخص حسن اخلاق سے متصف نہ ہو اور اس کا علم تک اس کو نہ ہو۔

میں نے یہ بھی کہا تھا کہ امام کی اس عبارت سے (جو حسن خلق کے متعلق گذری) چند فوائد بھی مستنبط ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس سے حسن خلق اور سوء خلق کی تعریف معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کس شخص کو حسن الخلق کہا جائے گا۔ اور کس کو سئ الخلق نیز یہ کہ کسی شخص کے سئ الخلق ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اور کسی کے حسن الخلق ہونے کا طریقہ کیا ہے؟

چنانچہ حسن خلق اپنی صفات مذمومہ کو مقہور کرنے اور اخلاق کی درستگی اور اپنے علم کے مقتضا پر عمل کرنے اور ہوائے نفس کی اتباع نہ کرنے کا نام ہے اور سوء خلق اسکی بالکل ضد یعنی اپنی صفات مذمومہ کو مقہور نہ کر سکنے اور اخلاق کی تقویم پر قادر نہ ہونے اور ہوائے نفسانی کی اطاعت کرنے اور اپنے علم کے مقتضی پر عمل نہ کرنے کا نام ہے۔

اور جو شخص ایسا ہو کہ صفات مذمومہ کے مقہور کرنے سے عاجز ہو اور اخلاق کی تقویم پر قادر نہ ہو، ہوائے نفس کا متبع ہو اور باوجود جاننے کے علم کے مطابق عمل نہ کرتا ہو وہ سئ الخلق ہے۔ اور اس کے بالمقابل جو شخص ایسا ہو کہ اپنی صفات مذمومہ کو مقہور کئے ہوئے ہو اور اخلاق کی تقویم پر قادر ہو علم کے مطابق عمل کرتا ہو اور ہوائے نفس کی اتباع نہ کرتا ہو وہ حسن الخلق ہے اور انسان کے سئ الخلق ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ ہوائے نفس کی اتباع اور ماھو المعلوم عندہٗ (اپنی معلومات) کی مخالفت کرتا رہتا ہے یہانتک کہ یہ صفات بد اس میں راسخ ہو جاتی ہیں اور وہ شخص سئ الخلق ہو جاتا ہے اور اس کے حسن الخلق ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ اخلاق کا علم حاصل کیا جائے اور جو کچھ اس کو معلوم ہے اس کی مخالفت نہ کرے اور ہوائے نفس کی مخالفت کرے اطاعت

نہ کرے اسی طرح کرتے کرتے وہ حسن الخلق ہو جاتا ہے۔

اوپر امام غزالیؒ نے صاحبِ صحبت کی منجملہ اور شرائط کے اس کا عاقل ہونا بھی بیان فرمایا ہے اور اس کے بعد اسکا حسن الخلق ہونا بیان فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ فرمائی ہے کہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک انسان عاقل ہوتا ہے اور اشیاء کو صحیح صحیح جیسا کہ وہ ہیں سمجھتا ہے مگر جب اس پر غضب یا شہوت یا بخل یا جبن کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ اس کی اطاعت کرلیتا ہے اور اپنے علم کے خلاف کر بیٹھتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی صفات کو مقہور کرنے سے قاصر اور اپنے اخلاق کی تقویم سے بالکل عاجز ہوتا ہے (یعنی وہ حسن خلق سے گویا متصف نہیں ہوتا) لہذا اس کی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں ہے۔

امام کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ جو شخص ایسا ہو اس کی صحبت نہیں اختیار کرنی چاہیئے کیونکہ وہ حسن خلق سے عاری ہے حالانکہ صحبت والے کے لئے اس کے ساتھ اتصاف ضروری ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہی غضب اور شہوت۔ بخل اور جبن وغیرہ اور اسکے جو نظائر ہیں سوء اخلاق کہلاتے ہیں اور ان ہی کے ساتھ متصف ہونے والا شخص سئی الخلق ہوتا ہے اور ضمناً اس سے یہ بھی مفہوم ہوا کہ ان مذکورہ صفات کی جو اضداد ہیں۔ مثلاً غضب کے مقابلہ میں حلم۔ شہوت کے بالمقابل عفت۔ بخل کی ضد سخاوت اور جبن کی ضد شجاعت وغیرہ اور انکے نظائر حسن اخلاق کہلاتے ہیں اور جو شخص انکے ساتھ متصف ہو وہ حسن الخلق کہلاتا ہے۔

جب امام کی اس عبارت سے حسن خلق اور سوء خلق کے مصادیق معلوم ہوگئے تو پھر لوگ اس زمانہ میں صرف ظاہری نرمی اور کسی سے ہنس کر بول دینے ہی کو کیوں خوش اخلاقی سمجھتے ہیں۔ امام کی تصریح سے تو معلوم ہوا کہ غضب۔ شہوت۔ بخل اور جبن وغیرہ صفات مذمومہ کو مقہور کرنے اور اخلاق کی تقویم کر کے حلم وعفت۔ سخاوت وشجاعت وغیرہ سے متصف ہونے کا نام حسن الخلق ہوتا ہے۔

باقی یہ صحیح ہے کہ کسی سے نرمی کے ساتھ ملنا اور خندہ پیشانی سے گفتگو کرلینا بھی حسن اخلاق میں سے ہے جب کہ اس کا منشاء تواضع ہو ورنہ اگر دل میں تو تواضع نام کو نہ ہو اور ظاہر سے یہ سب باتیں کی جائیں تو ان کی حیثیت تملق اور ظاہرداری سے زیادہ کچھ نہیں اور خوش اخلاقی سے تو اس کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

یہاں پر ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ امام نے یہاں جس غصہ کو سوء خلق فرمایا ہے وہ غضب مفرط ہے جو کہ حدود شرع سے متجاوز ہو باقی شرع کے دائرہ کے اندر رہتے ہوئے اور اس کو اپنے محل پر مقصور رکھتے ہوئے غصہ نہ صرف یہ کہ ایک امر محمود بلکہ مطلوب بھی ہے۔ چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ جس طرح سے کہ غصہ ایک رذیلہ ہے اور قابل اصلاح ہے اسی طرح سے غصہ کا انسان میں مطلقاً نہ ہونا بھی کوئی اچھی چیز نہیں ہے بلکہ ایک مرض ہے جو قابل علاج ہے اور یہ اس لئے کہ غصہ کی مثال شکاری کتے کی سی ہے جو نفس کو شکار کرتا ہے۔

پس جس شخص میں غصہ نہ ہوگا وہ نہ تو دوسروں کی اصلاح کر سکتا ہے اور نہ خود اپنی اس سے معلوم ہوا کہ نفس کی اصلاح میں غصہ کس درجہ معین ہے۔

دیکھئے! امام ہی ہیں کہ جو عدم غصہ کو بھی مرض فرما رہے ہیں۔ اگر امام اس کو نہ بیان فرماتے تو لوگ کبھی بھی اس کو مرض شمار نہ کرتے بلکہ یہی سمجھتے رہتے کہ جس شخص میں جتنا غصہ کم ہو اتنا ہی وہ بزرگ ہے۔ حتیٰ کہ جس میں مطلقاً غصہ نہیں اس کو سمجھتے کہ یہ اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے گویا نفس غصہ ہی کو حسن خلق اور ولایت کے منافی سمجھتے حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ اب آپ خود ہی غور فرمائیے کہ آج اس بات کو شاید ہی کوئی بیان کرتا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم (مضمون تقویم الاخلاق ختم ہوا)

حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ العالی کا سفرنامہ فتحپور معروف بہ "چار ہفتہ ایک کہف میں" اور مکاتیب ثلثہ سے حالات مصلح الامت کی ابتدا اس لئے کی گئی تاکہ تھوڑے سے بیان سے زیادہ باتیں ناظرین کو معلوم ہو جائیں نیز یہ کہ شہادت اہل ہی کی معتبر ہوتی ہے اور جس نے قریب سے حضرتؒ کو دیکھا ہو اور حضرت کی صحبت سے بھی مستفید ہوا ہو اس کی بات صحیح اور وزنی ہوتی ہے خاصکر اہل علم حضرات اور بالخصوص علماء عصر جس کے معتقد ہو جائیں تو اس کے فضل وکمال میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

کیونکہ کسی کے کمال کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ سب اہل زمانہ بھی اسے کامل سمجھتے ہوں مگر خوش نصیبی سے اگر کوئی اللہ کا بندہ کبھی ایسا ہو گیا ہے کہ اس کے ہمعصر اور اہل زمانہ سب ہی نے اس کو مان لیا ہے اور کامل جان لیا ہے تو اسیں بھی شک نہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہ اللہ تعالیٰ کے اُن مقبول بندوں میں سے ہے جن کے

لئے قبولیت آسمان سے اُترتی ہے جیساکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں (یعنی اس کو اپنا مقبول بناتے ہیں) تو فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ میں اس بندہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ اس طرح سلسلہ بہ سلسلہ یہ پکار اور مقبولیت زمین پر اتر آتی ہے۔

چنانچہ اہل زمین بھی اس بندہ سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرتؒ کو یہی درجہ عطا فرمایا تھا اس لئے کہ دیکھا جاتا تھا کہ نہ صرف یہ کہ مجلس اور ملاقات میں ہی لوگوں کی نظریں رخ انور کی زیارت سے سیر اور آسودہ نہ ہوتی تھیں بلکہ سفر اور تفریح میں بھی حضرتؒ جس طرف کو نکل جاتے تھے مخلوق خدا (جس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی تخصیص نہ ہوتی تھی) کے لئے رخِ والا ایک تماشا گاہ بن جاتا تھا۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے حضرتؒ کو محبوبیت عامہ اور مقبولیت خاصہ سے نوازا تھا۔ چنانچہ کیا عوام اور کیا خواص سب ہی آپ کے والہ و شیدا تھے اور عوام تو عوام خواصِ زمانہ نے بھی حضرت کو ایسا مانا کہ کم ہی لوگوں کو ایسی مقبولیت عامہ نصیب ہوا کرتی ہے۔ الا ماشاء اللہ

پس حضرتؒ کے حالات کے سلسلہ میں ایک اہم باب یہ ہے کہ اکابر امت اور علماء عصر کے نزدیک حضرتؒ کا کیا درجہ اور کیا مقام تھا۔ چنانچہ پہلے ہم اسی سے متعلق حالات و واقعات بیان کرتے ہیں۔

"حضرت مصلح الامتؒ علماء وقت کی نگاہ میں"

رعایت ادب اور حسن ترتیب کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہم اکابر امت اور علماء عصر میں سے پہلے ان حضرات کی گفتگو سے اس سلسلہ کو شروع کرتے جنھیں حضرتؒ اکابر فرمایا کرتے تھے مگر چونکہ اوپر حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ العالی کے تاثرات کا بیان ہوچکا تھا اس کے تناسب کے خیال سے انکا ہی ایک اور خط جو انھوں نے حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی ہی کے نام لکھا پیش کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین اس سے بھی محظوظ ہوں گے۔ اس میں بھی مولانا ندوی مدظلہ العالی نے امت کو

مصلح الامت کا تعارف کرایا ہے اور یہ مضمون صدق میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ وھوھذا

"وقت کے ایک بزرگ"

پختہ تر خود می شود خم کہن　　خاصہ آں خمریکہ باشد من لدن

کئی سال بعد حضرت فتحپوری ثم الہ آبادی (مولانا شاہ وصی اللہ صاحب) بارک اللہ فی برکاتہم کی خدمت میں تین دن حاضری رہی۔ پورے دوران قیام میں جذب و جوش کی ترقی تو خمر کہن کا مگر ہوش ہی ہوش کی باتیں من لدن کا رنگ دکھاتی رہیں۔ صبح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پیر مغاں کی شان سے چوکی پر تشریف فرما ہو کر تقریری مجلس کا اب روزانہ معمول ہے جمگھٹا ہر رنگ کے میخواروں کا رہتا ہے۔ علماء و مشائخ ڈاکٹر و پروفیسر۔ وکیل و بیرسٹر۔ لیڈر و ممبر سبھی۔ اور اب کی تو اس مریض الملک نے آپ کے لکھنؤ کے ہر دو شفاء[1] الملکوں کو بھی اس روحانی شفا خانے کا چکر لگاتے ہوئے پایا۔

ہمارے ڈاکٹر محمود صاحب تو معلوم ہوا تھا کہ قریب قریب ہر مہینہ حاضری دیتے رہتے ہیں۔ اب خبر ملی کہ گرفتار یا دست گرفتہ ہی ہو کر رہے۔ بہت تاثر کے ساتھ ایسا کہتے سنے گئے کہ زندگی میں ایک روحانی شخصیت تک رسائی مل گئی۔ ان سطور کی تحریر سے تین چار دن پہلے ایک تھانوی سلسلہ کے دوست بہار سے ملنے آئے جن سے معلوم ہوا کہ ان اطراف میں حضرت کی شہرت بہت بڑھتی جا رہی ہے۔ نہ خطیبانہ تقریر۔ نہ منشیانہ تحریر مگر۔ تقریر[2] نہ کر تاثیر دکھا۔ کا یہ عالم دیکھ کر اپنی سمجھ میں تو بس عارف رومؒ کی ایک ہی بات آتی رہی ؎

ہر کجا بوئے خدا می آید　　خلق بیں بے سر و پا می آید

ہوش ہی ہوش کی باتیں ایسی کہ ایک دن تقریری مجلس ہی میں عرب و عجم ہر جگہ

---

[1] اس سے مراد لکھنؤ کے مشہور طبیب حکیم حافظ شمس الدین صاحبؒ اور حکیم عبد اللطیف صاحب ہیں۔

[2] اس سے اکبر الہ آبادیؒ کے اس مصرع کی جانب اشارہ ہے ؎

دل جوش میں لا۔ فریاد نہ کر ؞ تاثیر دکھا۔ تقریر نہ کر　　(صدق)

کے مسلمانوں کی تباہ کاریوں اور بربادیوں پر غایت قلق و تاسف کے ساتھ بار بار فرمایا کہ "بس علاج ایک ہی ہے دوسرا ہرگز نہیں" ایمان و اتباع۔ جس کو خود یہ سراپا بدحال ایمان وعمل صالح کے ٹھیٹھ قرآنی اصطلاح میں مسلمانوں کے دینیؔ ودنیوی، انفرادی و اجتماعی ہر مرض کا علاج کہا کرتا ہے۔

اور بھی روزانہ پتہ ہی پتہ کی بہت سی باتیں فرماتے رہتے ہیں۔ عموماً زیادہ زور اخلاق کی تعلیم واصلاح پر رہتا ہے۔

ایک اور بھی جامع اضداد رنگ تیز سے تیز ہی پایا۔ یعنی ایک طرف تو مخلوق سے استغنائے تام اور دوسری طرف دستِ غیب کا غنائے تام۔ ہزاروں ہزار کی مسجدیں بن جانا تو گویا حضرت ممدوح کے ہر رہگذر کا حق وحصہ بن گیا ہے۔ فتحپور کی عالیشان خانقاہ اور پھر اس سے بڑھی چڑھی مسجد کے بعد کچھ مدت گورکھپور میں قیام رہا تو وہاں کی چھوٹی سی مسجد شاندار دو منزلہ ہو گئی۔

الہ آباد میں جس محلہ کی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں اس میں بھی سنا پچاس ساٹھ ہزار کا تعمیری اضافہ ہوا ہے۔ وہیں اسٹیشن کی ایک چھوٹی سی مسجد جو منہدم ہو رہی تھی اپنی آنکھوں سے مجسم سنگ مرمر سے ملبوس اور قریب تکمیل دیکھ کر آیا۔

تھانوی سلسلہ میں یہ رنگ بس ایک ہی بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری ثم لاہوری کا اور دیکھا۔ جامعہ اشرفیہ کی لاکھوں لاکھ کی لق ودق عمارت کا سلسلہ تو آپ بچشم خود دیکھ آئے ہیں۔ خاکسار سے رہا نہ گیا تو کسی عریضہ میں کچھ ایسا عرض کر دیا تھا کہ عمارت پر اتنا زور دینے کا کیا حاصل! " جواب اس ٹوٹا پھوٹا قلم چلانے والے کو کیسا دنداں شکن عطا ہوا۔ " حاصل تو نہ عمارت کا ہے نہ عبارت کا" اسکے سوا کیا عرض کیا جائے کہ للہ خزائن السّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے خزانوں میں کمی ہی کیا۔؟ معلوم ہوتا ہے اپنے محبّوں اور محبوبوں کی ایسی مباح خواہش بھی غیب سے از خود پوری ہی کرا دی جاتی ہے۔ ع تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں

۵؎ اس کرامت کا اصل راز دونوں بزرگوں کی اپنی ذات کے لئے کامل بے طمعی یا بے لوثی ہے۔ اور یہ صفت ہم دنیاداروں میں نہیں پیدا ہو پاتی ہے۔ زیادہ نہ سہی جب بھی کچھ نہ کچھ لگاؤ تو اپنی ذات یا نفس کے لئے رہ ہی جاتا ہے۔ عبارت آرائی کے زور سے صرف حسن طلب پیدا ہو جاتا ہے صدق طلب پیدا نہیں ہوتا۔ محمد علی جوہرؔ کا شعر ہے ؎

ہو حسن طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا :: ہو صدق طلب پھر اثرِ آہِ رسا دیکھ

(صدق)

حضرتؒ کی شہرت کا ایک ظاہری سبب

اللہ تعالیٰ کو جب کوئی کام منظور ہوتا ہے تو اس کے اسباب بھی فراہم فرمادیتے ہیں ہمارے حضرتؒ نے تھانہ بھون سے واپسی پر اپنے وطن یعنی فتحپور جیسی کوردہ جگہ میں قیام فرمایا جہاں سفر کرکے لوگوں کا پہونچنا بھی آسان نہ تھا۔ شاید اس وجہ سے بھی مولانا ندوی نے اسے کہف سے تعبیر فرمایا ہو۔ طالبین جو وہاں باہر سے حاضر ہوتے تھے وہ یا تو کوپاگنج اُترتے یا گھوسی۔ ان دونوں قصبات سے فتحپور تال نرجا (جوکہ حضرت کا مولد و وطن تھا) کا فاصلہ چار پانچ میل سے کم نہ ہوگا۔ خام ناہموار راستہ جس پر کوئی سواری یکہ و تانگا وغیرہ اول تو جانے کے لئے تیار نہ ہوتا اور اگر کسی کو کچھ پیسے زیادہ دے کر تیار کر بھی لیا جاتا تو راستہ کے تجربات حاصل کرنے کے بعد دوسری بار آنے والا پیدل ہی چلنے کو ترجیح دیتا۔

پھر اگر موسم بارش کا ہوتا تو راستہ میں تین چار جگہ ندی نالے عبور کرنے پڑتے جو کبھی تو پایاب ہوتے اور کبھی انکو پار کرنے کے لئے کشتی کی ضرورت پڑتی ایک خاص قسم کی پتلی اور لمبی سی کشتی ہر گھاٹ پر موجود ضرور ہوتی ہے لیکن اس پر سوار ہونا ایک شہری کے لئے بہت ہی صبر آزما مرحلہ ہوتا ہے کیونکہ جو لوگ عادی ہوتے وہ اس پر بے تکلف آتے جاتے۔ حتیٰ کہ دیہات کی عورتیں سر پر بوجھ اور گود میں بچے کو لئے سوار ہوکر کھڑے کھڑے پار ہوجاتی تھیں لیکن اور دوسرے مقام کے شہری لوگوں کے لئے جن کو اس کی مشق نہ ہوتی یہی بڑی بات تھی کہ سلامتی کے ساتھ پار اُتر جائیں ورنہ تو بسا اوقات خطرہ اور اندیشہ اسکا ہوجاتا تھا کہ اپنا توازن کھوکر کہیں یہ حضرت۔ ع

"ہم تو ڈوبیں گے صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے" کا مصداق نہ ہوجائیں۔ تاہم ؎

ہر کجا بوئے خدا می آید — خلق بیں بے سرو پا می آید

جن حضرات نے اس بو کو سونگھ لیا تھا اُن کے لئے ساری مشکلات آسان تھیں۔ لوگ پہنچتے رہے لیکن اطراف و جوانب کے ہی زیادہ اور باہر کے بہت کم۔ یہ تو جائے قیام کا منظر تھا۔

اور حضرتؒ کے گمنامی اور گوشہ نشینی کا یہ عالم تھا کہ خود مولانا عبدالباری صاحب

ندوی کو جب حضرت والاؒ کے کام کی اطلاع ملی اور انھوں نے حضرتؒ سے ملاقات کا ارادہ کیا تو ایک موقعہ پر حضرت مولانا سید ظہور الحسن صاحب مدظلہٗ مہتمم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کو جو اُس وقت فتحپور ہی میں مقیم تھے یہ خط لکھا کہ حضرت مولاناؒ سے ملنے کا اشتیاق ہے حاضری کا ارادہ کر رہا ہوں لیکن ذرا یہ تو بتائیے کہ یہ ہیں کون بزرگ؟ میں نے تھانہ بھون میں انھیں دیکھا ضرور ہوگا لیکن صورت کچھ ذہن میں آ نہیں رہی ہے آپ اُنکا کچھ حلیہ اور کچھ باتیں لکھئے جس سے میں پہچان سکوں۔

دیکھتے ہیں آپ حضرتؒ حضرت مولانا تھانویؒ کے مجاز بیعت۔ دیوبند سے فراغت کے بعد ایک عرصہ تک تھانہ بھون میں مستقل قیام فرمایا اور اپنے مرشد یعنی حکیم الامت سے اتنا قریبی تعلق کہ حضرت تھانویؒ کی تالیفات اور تصنیفات اور اکثر و بیشتر مضامین کے مسودات کی صفائی و تبیض حضرتؒ ہی سے متعلق اور مولانا عبدالباری صاحب کی برابر تھانہ بھون آمدورفت۔ مگر وہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ کون بزرگ ہیں ان کا کچھ اتا پتا بتائیے۔

یہ عرض کر رہا ہوں کہ حضرتؒ نام کے اعتبار سے ایسے گمنام اور قیام کے اعتبار سے جگہ آپ کی اتنی کور دہ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کو حضرتؒ سے کام لینا تھا اس لئے اُسکے اسباب فراہم ہونا شروع ہوگئے۔ منجملہ اُن کے ایک سبب یہ بھی ہو گیا کہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی فتحپور تشریف لے گئے اور واپسی پر اپنے تاثرات قلمبند فرمائے جس کی وجہ سے بہت سے طالبینِ خدا کو اس سرچشمۂ معرفت کا سراغ لگ گیا اور لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق حضرت مصلح الامتؒ کی جانب متوجہ ہونے لگے۔ ایک سے دوسرے کو اور دوسرے سے تیسرے کو سراغ لگتا ہی رہا اور حضرتؒ کے کام اور مرتبہ و مقام سے لوگ واقف ہوتے ہی چلے گئے۔ چنانچہ مولانا ندوی مدظلہ العالی بھی نہ معلوم کتنے طالبین کے لئے مراجعت کا ذریعہ بن گئے۔ اس وقت آپ کے سامنے دو بزرگوں کا ذکر کرتا ہوں جن کی حضرتؒ کے پاس حاضری یا نیم حاضری کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مولانا ندوی ہی کو بنایا۔ ان میں سے ایک بزرگ تو یہی مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی ہیں جنھوں نے حضرتؒ کے انھیں حالات سے متاثر ہو کر حضرتؒ سے ملاقات بھی کی اور کبھی کبھی سلسلہ مراسلت بھی رکھا۔ چنانچہ جب خود ہادی

ہو گئے تو دوسروں کے لئے مہتدی بھی ہوئے۔

اور دوسرے بزرگ حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانیؒ ہیں جو حضرتؒ کی خدمت میں حاضر تو نہ ہو سکے لیکن اشتیاق ملاقات از حد رکھتے تھے اور حضرتؒ سے غائبانہ تعارف کے بعد حضرتؒ کو مسلسل خطوط لکھے جو انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آپ کی نظر سے گذریں گے اُن کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ گویا حضرتؒ پر دل ہی نثار کر دیا تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں حضرت کا تعارف ہوا۔ ملاقات کی آرزو اور حسرتِ دید لئے ہی ہوئے سفرِ آخرت فرما گئے رحمۃ اللہ

سابقہ مضمون "چار ہفتہ ایک کہف میں" چونکہ ایک خط تھا اس لئے قدرتی طور پر "کاتب" کے تاثر سے سب سے پہلے "مکتوب الیہ" کو ہی متاثر ہونا چاہئے تھا اس کے بعد ان حضرات کو جن کی نظر سے وہ مضمون گذرے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا بھی کہ حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی کو بھی حضرتؒ کے متعلق قدرے تفصیلی علم مولانا ندوی مدظلہ کے اس خط اور اسی طرح کی دوسری تحریروں سے ہوا اور حضرتؒ سے ملاقات کا جذبہ بھی یہیں سے پیدا ہوا۔

اسی طرح سے مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کو جو عقیدت اور محبت حضرتؒ سے پیدا ہوئی اس کا سبب بھی یہی مضمون بنا۔ جس کا اظہار خود مولانا گیلانیؒ نے اپنے اس خط میں فرمایا ہے جو مکاتب ثلاثہ کا دوسرا خط ہے جس کے چند جملے یہ تھے کہ :-

> آپ کا حد سے زیادہ مفید مضمون جو شائع ہو رہا ہے (مراد اس سے یہی "چار ہفتہ ایک کہف میں" والا مضمون ہے) اسکی مبارکباد عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ڈھونڈھنے والوں کے لئے ہدایت کے اس مینار کا پتہ دیا گیا ہے جس سے لوگ عموماً ناواقف تھے۔ انشاء اللہ بیسیوں کی اصلاح کا ذریعہ یہ مضمون بن جائیگا۔ دوسرے کیا! خود فقیر کو ہی پہلی دفعہ آپ کے ذریعہ علم و ہدایت کے اس پوشیدہ روشنی کا پتہ چلا ہے ـــــ الخ

اب چونکہ ان دونوں بزرگوں کے لئے یہی مضمون شمع راہ بنا
اس لئے اس مضمون کے متصل ہی ان حضرات کا ذکر مناسب معلوم ہوا۔

مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی اور حضرت مصلح الامتؒ

جیساکہ میں نے ابھی عرض کیاکہ مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی کی حاضری کا ذریعہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی ہوئے اس کو خود مولانا عبدالباری صاحب مدظلہ العالی نے اپنے ایک محترم کو جوکہ حضرت مصلح الامت کے مجاز بھی ہیں ان لفظوں میں تحریر فرمایا ہے۔

عزیزم محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
حضرت کی خدمت میں سلام رسانی بھی ضرور فرمادیجئے گا۔ لوگ زبانی پیام وروائت کا حق ٹھیک کم ہی ادا کرتے ہیں۔ خود ہی حضرت سے کچھ عرض کرنے کا ارادہ تھا مگر بالکل خلاف توقع واپسی کے دن صبح کی مجلس کے بعد دن بھر زیارت ہی نہ نصیب ہوئی۔

ماجد میاں سے پچاس سال کے بے تکلفی کے تعلقات ہیں ان کا مزاج شناس ہوں۔ حضرت اقدس (مولانا تھانوی) علیہ الرحمۃ سے انھوں نے طالب سے زیادہ تعلق "طالب علم" کا رکھا ورنہ اُن میں ماشاء اللہ بعض صلاحیتیں تو "حکیم الامت ثانی" ہونے کی موجود ہیں۔ بس اب حضرت (فتحپوری) اُن کے طالب بن جانے کی دعا فرمائیں انشاء اللہ حضرت کی شفقت کی دعا و توجہ انکا کام بنادے گی۔

حاضری کا ارادہ اُن کے دل میں ڈال کر ہادئ مطلق نے مؤید ہونے کی ابتدا تو کرا ہی دی ہے حالانکہ میں نے خود براہ راست انکو اس پر آمادہ کرنے کے لئے کبھی ایک لفظ بھی نہیں کہا بس کچھ لکھ دیتا رہا۔ قل کل یعمل علی شاکلتہ وربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلاً۔

والسلام دعاجو و دعاگو
احقر العباد عبدالباری ۲/۱۱/۶۳ھ

چنانچہ مولانا دریاآبادی کی حاضری کے ارادے نے وقوع کا درجہ پایا اور مولانا دریاآبادی. مولا عبدالباری صاحب ندوی کے ہمراہ الہ آباد حضرتؒ کے یہاں تشریف لے آئے ایک دو مجلس میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا - چنانچہ یہاں سے جانے کے بعد صبح کی مجلس کا خلاصہ ان لفظوں میں تحریر فرمایا کہ

"صبح کی جو مجلس وعظ ایک خاصے بڑے مجمع کے سامنے ہوئی اسمیں شروع سے آخر تک زور بس تلاوت قرآن پاک پر اور مروجہ اذکار واشغال سے زائد قرآن مجید سے رابطہ پیدا کرنے پر تھا۔"

اور بعد ظہر کی خصوصی مجلس کے تاثر کو اپنے ایک مکرم (جو کہ ہمارے حضرتؒ کے مجاز بھی ہیں) کے پاس ان لفظوں میں تحریر فرمایا کہ

عزیز مکرم سلمہ اللہ   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولانا وصی اللہ حفظہ اللہ کے افراط کرم سے شرمسار اور محجوب ہوکر واپس آیا۔ بعد ظہر کی مجلس میں انھوں نے ایک بات ایسی فرمادی جو دل میں تیر کی طرح پیوست ہوگئی۔ فرمایا کہ ایسے علماء بھی ہیں جو مسائل تفسیر پر تو خوب گفت گو کر لیتے ہیں لیکن تلاوت قرآن سے ان کے دل کو لگاؤ نہیں، اس لئے اُس کے انوار و برکات سے محروم ہی رہتے ہیں۔

یہ تو گویا اپنے کشف سے یا فراست سے میرے ہی دل کا چور پکڑ لیا اب آنعزیز اگر میرے اس خط کے حوالہ سے موصوف سے کچھ آداب تلاوت دریافت کرکے مجھے لکھ بھیجیں تو یہ آنعزیز کا بڑا کرم ہوگا۔ ایک شکل یہ بھی ہے کہ مولانا ایک وعظ اسی آداب تلاوت پر ارشاد فرمادیں اور آنعزیز اسکا خلاصہ نقل کرکے مجھے ارسال فرمادیں۔ ان دونوں صورتوں میں سے جو آسان تر ہو۔

دعاگو و دعاخواہ

عبدالماجد

۳۱ر اکتوبر ۶۳ء

دریاآباد۔ بارہ بنکی

دیکھا آپ نے مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی کو حضرت اقدسؒ کے یہاں تشریف لائے اور پہلی ہی مجلس میں حضرت مصلح الامتؒ سے انھوں نے کیسا اہم سبق حاصل کیا۔ حضرت کا روئے سخن ان کی جانب رہا ہو یا نہ رہا ہو لیکن چونکہ خود وہ اپنی جگہ ایک ذہین اور فہیم آدمی تھے اور اخلاص کے ساتھ حاضر ہوئے تھے اس لئے حضرتؒ کی بیان فرمودہ خواص کی ایک کوتاہی کو اپنے ہی اوپر منطبق کرلیا اور یہ سمجھے کہ حضرت میرے ہی لئے فرمارہے ہیں چنانچہ انھیں اپنے متعلق اسکا احساس ہوا اور نہ صرف احساس بلکہ ساتھ ساتھ فکر ہوگئی چنانچہ اپنے اُن عزیز مکرم سے کتنی لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ حضرت والا سے کچھ آداب تلاوت دریافت کرکے مجھے لکھئے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ شاید حضرت مولانا ہی کی اس طلب کو دخل ہو کہ حضرتؒ ایک عرصہ سے تلاوت قرآن پر جو گفتگو اپنی مجالس میں فرماتے تھے۔ بعض خدام نے اُسے ضبط و مرتب کرکے حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا اور پھر حضرت کی اصلاح اور نظر ثانی کے بعد "تلاوتِ قرآن" کے نام سے وہ شائع بھی ہوگیا اور خلق کثیر کو اُس سے نفع پہونچا۔ اس موضوع پر یہ کوئی نیا رسالہ نہ تھا تاہم حضرت کا اندازِ بیان اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت بھرے قلب سے نکلنے کی وجہ سے اسکی تاثیر نرالی ہی رہی (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے نفع بخشے۔ آمین

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ کوئی نیک انسان جب کسی شیریں گھاٹ سے واقف ہوجاتا ہے تو پھر اس کی یہ بھی خواہش ہوتی ہے کہ اپنے دوست و احباب کو بھی اسکا پتہ بتائے تاکہ وہ بھی اُس چشمۂ شیریں سے متمتع ہوسکیں اسی اُصول کے مطابق مولانا ندوی مدظلہ العالی نے "چار ہفتہ ایک کہف میں" کی اشاعت فرمائی اور اسی قاعدہ کے مطابق مولانا دریاآبادی مدظلہ العالی سے جب کوئی شخص اپنی اصلاح و تربیت کے متعلق انتخاب شیخ کا مشورہ لیتا تو پھر مولانا بھی حضرت مصلح الامتؒ ہی سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتے اور خود اُن کے ملنے جلنے والے اور تعلق رکھنے والوں سے جو شخص حضرتؒ کے یہاں چندے قیام کرتا اُس پر نہ صرف یہ کہ اظہارِ مسرت فرماتے بلکہ بمقابلہ اپنے پاس قیام کے حضرتؒ ہی کی صحبت میں رہنے کو ترجیح دیتے۔

چنانچہ "صدق جدید" میں "مشورے اور گذارشیں" کے عنوان میں ہے کہ ایک صاحب نے مولانا کو لکھا کہ:۔

س۔ حضرت والا (یعنی مولانا دریابادی مدظلہٗ) کی صحبتِ اقدس سے بہرہ ور ہو کر الٰہ آباد حضرت مولانا فتحپوری مدظلہٗ العالی کی خدمتِ عالیہ میں پندرہ دن قیام کر کے اب وطن بخیریت واپس پہنچ گیا ہوں۔

ج۔ الحمدللہ بڑی خوشی اس کی ہوئی کہ ممدوح کی خدمت میں اتنی مدت قیام کا موقعہ مل گیا وہ ماشاءاللہ باقاعدہ مسند ارشاد و ہدایت پر ہیں اور یہی انکی زندگی کا مشن ہے۔

س۔ الحمدللہ آپ بزرگوں کی دعاؤں کی برکت سے حضرت مولانا (فتحپوری) اس خادم سے بہت خوش رہے اور بخوشی دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا ہے۔

ج۔ ماشاءاللہ و بارک اللہ۔

س۔ میری تکمیل کے لئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اور لگاؤ پیدا ہو جائے۔

ج۔ کیوں نہ ہوگا جب کہ ادھر سے طلب اور اُدھر سے کرم دونوں موجود ہیں۔ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا۔

س۔ حضرت والا پر جلالی کیفیت اکثر رہتی ہے۔ عشق و مستی کے باوجود ہوش و حواس اور شریعت کی پابندی کا قابلِ دید تو نہ ہے۔

ج۔ خیال صحیح ہے۔

س۔ دوران قیام میں قلب کی عجیب حالت رہتی تھی۔ اللہ ہی کا دھیان رہتا تھا اور حضرت والا کی مجالس میں عجیب ہیبت اور خوف کا عالم رہتا تھا۔

ج۔ ؎ ہیبت حق است ایں از خلق نیست

ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

(ترجمہ) یہ ہیبت خداوندی ہے۔ حق تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ کسی مخلوق یا خود اس دلق پوش کی جانب سے نہیں ہے۔ (ناقل)

س۔ تمنا تھی کہ جناب والا کی خدمتِ اقدس میں بھی زیادہ سے زیادہ دن گذاروں مگر اپنی مجبوریوں کے باعث مجبوراً آنا پڑا ہے۔

ج۔ خود یہ تمنا زیادہ صحیح نہ تھی۔ ہم لوگوں سے مختصر ملاقاتیں کبھی کبھی ہو لینا ہی بہت ہے ہم لوگ جو تھوڑی سی بہت خدمتِ دین کر لیتے ہیں وہ بس کتابوں و مقالوں کے ذریعہ سے۔ طویل صحبت سے نفع صرف ایسے ہی بزرگوں سے حاصل ہو سکتا ہے

ع؎ س سے سوال اور ج سے جواب کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

جیسے کہ حضرت فتحپوری ہیں۔

(صدق جدید لکھنؤ ۲۰ دسمبر ۱۹۶۳ء)

دیکھئے اپنے ایک دوست کو جو مولانا (دریا آبادی) کے پاس اپنے قیام کی کمی پر معذرت کر رہے ہیں ہدایت فرماتے ہیں کہ طویل قیام ہم جیسوں کے بجائے ایسے حضرات کے پاس زیادہ نافع ہے جیسے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ مولانا دریاآبادی کی نگاہ میں حضرت اقدسؒ کا کیا مقام تھا وہیں خود مولانا دریاآبادی کی بھی بے نفسی اور بے لوثی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا ہی کا ایک دوسرا مشورہ ملاحظہ فرمایئے۔

ایک دوسرے طالب نے انھیں لکھا کہ

س۔ ایک اہم مشورہ طلب ہے حضرت والا کی رائے بندے کے حق میں صائب ہوگی۔ ...... مدت سے سوچ رہا ہوں کہ بیعت کن بزرگ سے کروں۔ تین نام پیش نظر ہیں ایک مولانا ...... دوسرے مولانا ...... تیسرے مولانا ...... (الٰہ آباد) تینوں کے درمیان فیصلہ نہ کر سکا۔ اب جیسا ارشاد عالی ہوگا اس کے مطابق عمل کروں گا۔

ج۔ ...... جن تین صاحبان کے نام درج کئے ہیں ان میں سے پہلے بزرگ ...... کی بزرگی میں کیا کلام ہے۔ صحبت بابرکت بھی ضرور ہوگی لیکن مشاغل دینی انکے سر پر سوار ہیں واللہ اعلم اصلاح مسترشدین کیلئے کتنا وقت نکال سکتے ہیں؟ اور اس کام کا تجربہ بھی کہاں تک رکھتے ہیں۔ دوسرے بزرگ ...... کی بھی بزرگی مسلم ہے لیکن انکا بھی اصل منصب ...... کی خدمت رہا ہے ...... اصلاح باطنی اُنکے نظام میں نمبر دوم پر ہے۔

تیسرے بزرگ الٰہ آبادی (یعنی ہمارے حضرت مصلح الامتؒ) باقاعدہ مسند ارشاد و اصلاح ہی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور اسکے سوا کوئی بڑا مشغلہ زندگی نہیں رکھتے۔ (صدق جدید ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۶ء)

دیکھئے اپنے اس مشورہ میں بھی مولانا دریاآبادی نے تنبیہ فرمائی کہ بیعت اور اصلاح باطن کے لئے جن صفات اور شرائط کا ہونا ضروری ہے وہ حضرت مولانا فتحپوریؒ میں علیٰ وجہ الاتم موجود تھیں اور اُن سے بڑھکر اور اُن سے بہتر اس زمانہ میں اس کام کے لئے اُنکی نظر میں کوئی اور شیخ نہ تھا، ورنہ المستشار مؤتمنٌ کی رو سے مولانا اپنے اُن مخلص سائل کو اُدھر ضرور متوجہ کئے ہوتے۔

(باقی آئندہ)

(گذشتہ سے پیوستہ)

حالات حضرت مصلح الامۃؒ

راقم عرض کرتا ہے کہ مولانا دریاآبادی مدظلہ نے بھی جو یہ رائے قائم فرمائی تو وہ یوں ہی نہیں فرمائی بلکہ انھوں نے حضرت مصلح الامۃؒ کو قریب سے دیکھا تھا اسی کے یہ سب آثار تھے چنانچہ انکو تلاوت سے لگاؤ کا خیال ہوجانا اور پھر آداب تلاوت کی تحصیل کی خواہش کا پیدا ہوجانا آپ پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرما ہی چکے ہیں نیز حضرت مصلح الامۃؒ کی ملاقات اور انکی مجلس کا جو تاثر مولانا دریاآبادیؒ نے "صدق" میں مفصل شائع فرمایا تھا (جس کے بعض جملے ہم پہلے بھی نقل کرآئے ہیں) بعد میں مجھے وہ پورا مضمون ہی مل گیا چونکہ ناظرین کے لئے اس کا ملاحظہ لطف و افادہ سے خالی نہ ہوگا اس لئے پیش کرتا ہوں ارقام فرماتے ہیں:۔

جانشین حکیم الامتؒ پچھلے عشرہ الٰہ آباد جاکر مولانا شاہ وصی اللہ صاحب (خلیفہ مجاز حضرت تھانویؒ) کے یہاں ذرا طویل یکجائی کی مسرت حاصل رہی۔ ملاقات نئی نہ تھی سالہا سال قبل جب شاہ صاحب کا قیام بحیثیت ایک مبتدی کے تھانہ بھون رہا کرتا تھا۔ تواضع انکسار اور باادب رہنے کے جوہر اس وقت بھی نمایاں تھے۔ آوازۂ خلق کے بعد ملاقات ایکبار اور ہوئی تھی۔ الٰہ آباد میں نسبتاً طویل یکجائی کی سعادت اب کی میسر آئی شنید اور دید کے درمیان فاصلہ ہوتا ہی ہے جتنا سنتا تھا الحمدللہ کہ اس سے کچھ زاید ہی پایا۔

اس احترام و اکرام کے ساتھ مسلسل پیش آئے کہ قریب تھا کہ ان سطور کا راقم خود اپنی حیثیت و مرتبہ سے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہوجائے۔

یہاں کہنے کی بات صرف اتنی ہے کہ صبح جو مجلس وعظ ایک خاصے بڑے

مجمع کے سامنے دیر تک رہی اس میں شروع سے آخر تک زور بس تلاوت قرآن پر اور مروجہ اذکار و اشغال سے زائد قرآن مجید سے رابطہ پیدا کرتے پر تھا۔ اپنے مشائخ و اکابر کی شخصیتوں کو نمایاں کر کے پیش کرنا الگ رہا شاید ان کا ذکر ایک بار بھی نہ آنے پایا۔

مخالفین کو وحشت و ناگواری جو ہوتی ہے وہ انھیں اکابر کے نام اور انکا حوالہ پیش کرنے سے اس سے بچ کر اگر پیام براہ راست قرآن و سنت اور مقبول و مسلّم تفسیروں کی وساطت سے دیا جائے تو انشاء اللہ ضرور نفع بخش ہوگا اس پہلو کو اختیار کرنا یقیناً حکمت و دانائی کی بات ہے اور حکیم الامت تھانوی کے ایک سچے جانشین ہی سے اس کی توقع بھی کی جاسکتی ہے

(صدق ۸ نومبر ۱۹۶۳ء)

دیکھا آپ نے حضرت مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی مدظلہ تعالیٰ کو اس دفعہ حضرت مصلح الامتؒ کی معیت غالباً ڈیڑھ دو دن کی حاصل رہی اور وہ مجلسوں میں انھوں نے شرکت فرمائی جس کا اثر مولانا نے یہ لیا کہ بصیرت کے ساتھ حضرتؒ کے متعلق یہ رائے قائم فرمائی کہ آپ بلاشبہ حکیم الامت علیہ الرحمتہ کے سچے جانشین ہیں۔

بے محل نہ ہوگا اگر اس موقعہ پر حضرت مصلح الامتؒ کے وہ ارشادات بھی نقل کردئے جائیں جو صدق کے اس مضمون (جانشین حکیم الامتؒ) کو ملاحظہ فرمانے کے بعد حضرتؒ نے اپنے ایک مرید خاص کو لکھوائے جنھوں نے اپنے خط کے ہمراہ یہ مضمون حضرت والاؒ کی خدمت میں بھیجا تھا اور وہ صاحب مضمون کے مخصوص لوگوں میں سے بھی ہیں وہو ہذا۔

محب مکرم جناب.........

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط حضرت والا مدظلہ العالی کے نام آیا اسی کارڈ پر حضرتؒ نے جواب تحریر فرمادیا ہے وہ حصہ روانہ ہے ملاحظہ فرمالیجئے باقی صدق سے جو مضمون نقل کر کے آپ نے ارسال فرمایا ہے اُس کے متعلق فرمایا کہ پسند آیا اور بہت جی خوش ہوا

مولانا (دریا آبادی) نے میرے طریق کار کو خوب سمجھا اور نہایت صحیح اس کی ترجمانی فرمائی اور فرمایا کہ آپ سے کہتا ہوں (یوں آپ چاہیں تو مولانا عبد الماجد صاحب سے بھی کہہ سکتے ہیں) یہ جو فرمایا ہے کہ ـــــ اگر پیام براہ راست قرآن وسنت ومقبول و مسلم تفسیروں کی وساطت سے دیا جائے تو انشاء اللہ ضرور نفع بخش ہوگا۔

اسکے متعلق میں یہ کہتا ہوں کہ ہاں نفع بخش ہوا ہے۔ اسلاف نے اسکا تجربہ کیا ہے۔ اور ہم اس زمانہ میں بھی اُسکے نفع کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ پس اُس کے نفع بخش ہونے پر تجربہ اور مشاہدہ دونوں شاہد ہیں۔

اسی طرح سے (مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی نے) یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ شنید اور دید کے درمیان فاصلہ ہوتا ہی ہے جتنا سنا تھا الحمد للہ کہ مل کر اُس سے کچھ زیادہ ہی پایا ـــــ تو اس کے متعلق آپ سے کہتا ہوں کہ ہاں بھائی بیشک شنید اور دید میں بہت فصل ہے اور وہ اتنا ہی ہے جتنا کہ ظاہر اور باطن میں فاصلہ ہوتا ہے باقی دید اور شنید میں جو فرق ہوتا ہے کبھی تو اس کی صورت یہی ہوتی ہے کہ جیسا سنا ہو اُس سے زائد دیکھے یہ تو کچھ بُرا نہیں اچھا ہی ہے لیکن کبھی اس کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ جیسا سُنا تھا ویسا ہی پایا لیعنی سنا تھا تو زائد اور پایا کم۔

اس کے متعلق کہتا ہوں کہ اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ دیکھنے اور پانے ہی والے کا خیال صحیح ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ جس کو یہ کم دیکھ رہا ہے وہ اپنی جگہ نہایت ہی کامل و مکمل ہو اور نقص اور قصور خود اس دیکھنے والے کی جانب ہو اس لئے کہ کسی کو دیکھنے کیلئے بھی اعتقاد کی نظر درکار ہے ورنہ تو اگر کوئی کسی کو بنظر انکار دیکھے گا تو ظاہر ہے کہ اُس کے محاسن بھی عیب ہی نظر آئیں گے (ع)

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است
گل است سعدی و در چشم ہم گناں خار است (از ناقل)

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں رسالہ قشیریہ سے دو واقعات نقل کرتا ہوں۔ سنئے! فرماتے ہیں کہ

ا۔ میں نے اپنے استاد ابو علیؒ سے سُنا، فرماتے تھے کہ سہل ابن عبد اللہؒ نے ایک

شخص کی بزرگی کی تعریف کی جو کہ بصرہ میں نانبائی تھے اس تعریف کو سہل ابن عبداللہؒ کے لوگوں میں سے ایک شخص نے سنا اور انکی زیارت کا مشتاق ہوا چنانچہ ملاقات کے لئے سفر کیا اور بصرہ پہونچ کر اُس طباخ کی دوکان تلاش کی اور اُن بزرگ کو دیکھا کہ جھک جھک کر تنور میں روٹی پکارہے ہیں اور حسب عادت اپنی داڑھی پر ایک کپڑا باندھے ہوئے ہیں یہ منظر دیکھ کر اس آنیوالے شخص نے اپنے دل میں کہا کہ اگر یہ ولی ہوتے تو انکے بال بغیر ڈھاٹے کے بھی نہ جلتے اس طرح سے دل میں انکا انکار کرکے پھر انکو سلام کیا اور اُن سے کچھ دریافت کیا۔

اُن بزرگ نے فرمایا کہ اے شخص تونے مجھے حقیر جانا ہے لہذا تجھ کو میرے کلام سے کچھ نفع نہ ہوگا۔ یہ کہا اور اُسکے علاوہ اُس سے کوئی بات کرنا پسند نہیں کیا۔ دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں سے فیض ہونے کے لئے انکا احترام اور عظمت ضروری ہے۔

دوسرا واقعہ سنئے! صاحب رسالہ قشیریہ فرماتے ہیں کہ

۲۔ میں نے شیخ ابوعبدالرحمن سلمیؒ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ عبدالرحمن رازی نے ابوعثمان حیریؒ کو محمد ابن فضل بلخیؒ کی تعریف کرتے ہوئے سنا۔ تعریف سن کر عبدالرحمن رازی کو محمد ابن فضلؒ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا چنانچہ انکی زیارت کے لئے گئے لیکن محمد ابن فضلؒ کے متعلق جیسا اعتقاد لے کر گئے تھے اُنکو دیکھ کر قلب میں اس درجہ اُن کی وقعت نہ ہوئی جب عبدالرحمن رازی ابوعثمان حیریؒ کے پاس لوٹ کر آئے تو انھوں نے پوچھا کہ تم نے محمد ابن فضلؒ کو کیسا پایا۔ اُن سے بھی کہدیا کہ جیسا سن سمجھ کر گئے تھے ویسا نہیں پایا۔

یہ سن کر ابوعثمان نے کہا کہ بات یہ ہوئی ہوگی کہ تم نے اُنکو حقیر سمجھا ہوگا اور طریق کا یہ مسئلہ ہے کہ کسی نے کسی کو حقیر نہیں سمجھا مگر یہ کہ اُس کے فیض سے محروم کردیا جاتا ہے لہذا تم پھر انکی خدمت میں جاؤ اور عظمت و احترام کے ساتھ جاؤ پھر دیکھو کہ نفع ہوتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ عبدالرحمن رازی دوبارہ پھر اسی طریقہ سے گئے اور اُنکی زیارت سے انکو بہت ہی نفع ہوا ___ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ طریق نام ہے اعتقاد اور تصدیق کا۔ انکار اور اعتراض کا یہاں گذر نہیں ہے۔

دیکھئے یہاں بھی اُن صاحب نے یہی کہا کہ جیسا سنا تھا ویسا نہیں پایا۔ مگر وہ بزرگ کامل تھے اور اس نہ پانے کے ذمہ دار خود یہی صاحب تھے۔

حاصل یہ کہ طریق میں اصل چیز اعتقاد ہے اسی کی بدولت آدمی پاتا ہے اور جو محروم رہتا ہے وہ اپنے اعتقاد کے خلل (اور خرابی کی وجہ) سے محروم رہتا ہے۔ یہ سارا کلام تو آپ سے متعلق تھا اب تفہیمات سے دو مقامات نقل کرا کے بھیج رہا ہوں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر نے کس طرح سے دین کی خدمت کی ہے اور اپنے کام کی بنیاد ہی تمسک بالکتاب والسنۃ پر رکھی ہے اور کس اہتمام سے انکی جانب اُمت کو متوجہ فرمایا ہے۔ سنئے! ارشاد فرماتے ہیں :-

تفہیم :-

پہلی وصیت اس فقیر کی یہ ہے کہ کتاب وسنت سے تمسک کیا جائے اعتقاد میں بھی اور اعمال میں بھی اور ہمیشہ ان دونوں میں اہتمام کے ساتھ تدبر کیا جائے نیز روزانہ دونوں کا کچھ کچھ حصہ تلاوت میں رکھا جائے اور اگر خود نہ پڑھ سکے تو کم ازکم یہی کرے کہ اُس کے ایک آدھ ورق کا ترجمہ ہی کسی سے سن لیا کرے اور عقائد میں قدماء اہلسنت کا مذہب اختیار کرے اور جن چیزوں کی سلف نے تفسیر اور تفتیش نہیں فرمائی ہے اس کی تفتیش کے درپے نہ ہو اسی طرح سے خام خیال معقولیوں کی تشکیکات کیجانب بھی اصلا التفات نہ کرے اور فروعات میں اُن علماء کا اتباع کرے جو محدث بھی ہیں تاکہ فقہ اور حدیث دونوں کو جمع کرلیں اور ہمیشہ فقہا کی تفریعات کو کتاب و سنت پر پیش کرتے رہنا چاہیئے جو اس کے موافق اُترے اس کو قبول کرلینا چاہیئے اور جو اُس کے مطابق نہ ہوں تو اس کو حسب مثل کالائے بدبریش خاوند رد کردینا چاہیئے۔ امت کو کبھی بھی مجتہدات کو کتاب وسنت پر پیش کرنے سے استغنا نہیں ہے اور اُن غالی فقہا کی باتوں کو جنھوں نے بس کسی ایک ہی عالم کی تقلید کو بمنزلہ دستاویز کے بنا رکھا ہے اور اُس کے آگے سنت تک کو ترک کردیتے ہیں ایسے لوگوں کی بات کی جانب اصلا التفات نہ کرنا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کو اُن سے دوری میں تلاش کرنا چاہیئے۔

(تفہیمات صفحہ ۲۴۰ جلد ۲)

تفہیم:- اگر کوئی شخص بیعت ہونا چاہے تو اُسکو بیعت کرنے میں تاخیر نہ کریں اور اگر ذکر و شغل طلب کرے تو اُس کی تجویز میں بھی تاخیر نہ کریں اس لئے کہ مقولہ مشہور ہے کہ ہر چیز کے لئے ایک آفت ہوتی ہے اور علم کے لئے بہت سی آفات ہیں پھر رات دن میں بقدر چار گھڑی کے ایک وقت ایسا نکالنا ضروری ہے کہ اس میں اپنے نفس کی جانب مشغول ہو اور باوجود لوگوں کی کثرت آمدورفت کے اور اُن کے ساتھ کثرت بات چیت کے اپنے اوقات میں سے اس وقت کا نکالنا ضروری ہے اور اسوقت میں پوری دلجمعی اور توجہ قلبی کے ساتھ اپنے کام میں لگنا چاہئے۔

اسی طرح ایک وقت تعلیم علم کے لئے بھی ہونا ضروری ہے اور ایک وقت ایسا بھی ہونا چاہئے کہ اسمیں آنے جانے والوں کے ساتھ بات چیت کرکے اُن کے لئے دلبستگی کا سامان مہیا کرے۔ اور ایک وقت ایسا بھی ہونا چاہئے کہ اُسمیں اہل شوق کے قلوب میں ہیبت وجدانیہ کا القا کرے۔

اور جو شخص خلق اللہ کو دعوت دینے کے لئے بیٹھا ہو اور لوگ بھی اس کی جانب متوجہ ہو رہے ہوں تو اس کو بھی وہی سب کام کرنا چاہئے جو حضرات انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہے اس لئے کہ یہ شخص اس مقام میں ان ہی حضرات کا مقلد اور انکا پس رَو ہے لہذا چار و نا چار اسکو پانچ خصلتیں اختیار کرنا ضروری ہے اور اگر ان میں ایک بھی ترک کیا تو اسکے اندر (بقدر اس کے) نقص سمجھا جائیگا۔

ایک تعلیم دینیہ سے متصف ہونا۔

دوسرے امر بالمعروف و نہی عن المنکر رفق و نرمی سے کرنا غضب و سختی سے نہیں۔

تیسرے عالم جاہل سب پر شفقت کرنا۔ یعنی ہر ایک کا مرتبہ پہچاننا اور اُسکے بقدر ہر ایک سے معاملہ کرنا اور یہ ممکن بھی ہے اس لئے کہ جاہل شخص نرم بات ہی سے خوش ہو جاتا ہے اور عالموں کے لئے کچھ زائد تعظیم درکار ہوگی۔

چوتھے یہ کہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے یعنی مال اُس سے اپنی طمع قطع کرلینا اور اُن کے معاملات میں ہرگز دخل نہ دینا۔

پانچویں یہ کہ مسافرین اور سالکین میں سے جو لوگ مہمان آئیں اگر طاقت رکھے

تو خود انکا خیال اور لحاظ کرے اور اگر احباب موافق ہوں تو انھیں میں سے اس کام کے لئے کسی کو مقرر کر دینا کہ کسی نیکی پر دلالت کرنے والے کو بھی کرنے والے کا ہی ثواب ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ تم کو دین قویم پر ثابت قدم رکھے

(تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۱۳۰ جلد ۲)

اتنا مضمون لکھوانے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ آج جو باتیں میں نے مجلس میں بیان کی ہیں انھیں بھی ..... صاحب کو لکھدو اسلئے عرض ہے کہ

آج مجلس میں حضرت والا نے علماء اور مشائخ کے متعدد واقعات بیان فرمائے جن سے طریق کی اہمیت اور اس کی عظمت شان کا اندازہ ہوتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو ہر زمانہ میں ابتداءً طریق کا اذعان نہیں ہوا لیکن کسی شیخ کامل سے جب انکی ملاقات ہو گئی ہے تو پھر طریق کو تسلیم کرنا ہی پڑا ہے اور یا تو یہ حال تھا کہ طریق کے منکر ہو کر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور پھر یہ ہو گیا کہ اُسکے مصدق اور صاحب اذعان و یقین ہو کر اُس کے خادم ہو گئے ہیں۔

سنئے! علامہ شعرانیؒ نے طبقات کبریٰ میں ایک واقعہ نقل کیا ہے وہ یہ کہ شیخ عبادہ جو سادات مالکیہ میں سے ایک بڑے عالم تھے وہ سید مدینؒ پر جو اسوقت کے شیخ کامل تھے اعتراض کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ طریق وریق جس پر یہ صوفی لوگ اپنے کو کھتے ہیں کیا بلا ہے ہم تو بس شریعت کو جانتے ہیں۔ مزید یہ ہوا کہ ان شیخ عبادہ کے چند مصاحبین اُنکے درس کی شرکت کر کے سید مدینؒ کی خدمت میں آکر اُٹھنے بیٹھنے لگے اس کی وجہ سے انکا انکار اور بڑھ گیا۔

اسی اثنا میں ایکبار سید مدینؒ نے شیخ عبادہ کو اپنے یہاں محفل ---------- میں مدعو کیا جسے ہر سال وہ کیا کرتے تھے

چنانچہ شیخ عبادہ تشریف لائے لیکن سید مدینؒ نے پہلے ہی سے اپنے لوگوں سے یہ کہدیا تھا کہ شیخ عبادہ آنے والے ہیں خبردار کوئی شخص اپنی جگہ سے ہلے نہیں اور نہ انکی تعظیم کے لئے کھڑا ہو اور نہ انکے لئے جگہ کشادہ کی جائے۔ لوگ خاموش

بیٹھے تھے کہ اتنے میں شیخ عبادہ آگئے کسی نے انکی جانب دیکھا تک نہیں وہ خانقاہ کے صحن میں ٹہلنے لگے۔ اپنی اس ناقدری پر غصہ میں بھر گئے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پاش پاش ہوجائیں گے۔ جب اس حالت پر کچھ دیر گذر گئی تو سید مدین نے اپنا سر اُٹھایا اور حاضرین مجلس سے فرمایا کہ شیخ عبادہ کے لئے راستہ کشادہ کردو اور انھیں بلاکر اپنے پاس بٹھایا پھر اُن سے فرمایا کہ مجھے کچھ دریافت کرنا ہے شیخ عبادہ نے فرمایا کہ ارشاد فرمائیے۔ سید مدینؒ نے کہا کہ آپ کے نزدیک مشرکین کے لئے قیام جائز ہے جب کہ اُن سے کسی قسم کا اندیشہ بھی نہیں ہے۔

انھوں نے جواب دیا کہ جائز نہیں ہے۔

اس کے بعد سید مدین نے فرمایا کہ اچھا میں آپ سے خدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں یہ بتائیے کہ جب آپ تشریف لائے اور ہم لوگوں میں سے کوئی کھڑا نہیں ہوا تو آپ کو اس سے کچھ تکدر ہوا تھا یا نہیں؟

شیخ عبادہ نے فرمایا کہ ہاں ضرور ہوا تھا۔

پھر سید مدین نے فرمایا کہ اچھا ایک بات اور بتادیجئے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اسوقت تک راضی نہ ہونگا جب تک کہ تم میری ایسی تعظیم نہ کرو جیسی کہ بندے اپنے رب کی تعظیم کرتے ہیں تو آپ اُس شخص کے متعلق کیا فرمائیں گے۔

انھوں نے یہ کہا کہ میں اُس سے یہ کہونگا کہ تو کافر ہوگیا۔ اسی طرح سے کچھ دیر تک سلسلۂ کلام جاری رہا۔

اتنے میں شیخ عبادہ برسرعام کھڑے ہوگئے اور کہا کہ حضرات آپ سب لوگ گواہ رہئے کہ میں سیدی مدین کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں اور آج یہ میرا دین اسلام میں داخلہ کا پہلا دن ہے اور پھر تازیست سید مدین کی خدمت میں رہ گئے۔ چنانچہ وہیں انکا انتقال ہوا اور فقراء کے قبرستان میں مدفون ہوئے رحمہ اللہ۔

عجب واقعہ ہے۔ اس سے جس طرح شیخ مدینؒ کی کرامت اور انکی اصلاح وتربیت کا کمال معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح سے شیخ عبادہ کے کمال انصلاح کا بھی حال معلوم

ہوا کہ جب اپنے حال کی معرفت ہوگئی اور بات سمجھ میں آگئی تو فوراً تائب ہوگئے۔ کہاں تو شیخ اور طریق پر انکار تھا اور کہاں یہ حال کہ سب کے سامنے اعلان کر رہے ہیں کہ میں آج اسلام میں داخل ہوتا ہوں یہ انکا غایت خلوص تھا آخر عالم تو تھے ہی کتاب وسنت کے علم ہی نے اُنکے قلب میں قبول حق کی استعداد پیدا کردی تھی پھر نیک نیت تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت ہی فرمادی ہم لوگوں کو چاہئے کہ ہر وقت اس واقعہ کو مستحضر رکھیں۔ بہت ہی عبرتناک اور سبق آموز واقعہ ہے۔ اسی نوع کا ایک اور واقعہ سنئے۔

کتاب الیواقیت والجواہر میں ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے ابن فارضؒ کے بعض ابیات کی شرح لکھ کر انھیں شیخ مدینؒ کی خدمت میں برائے تصویب وتقریظ پیش کیا۔ حضرت نے مسودہ کے سرورق پر صرف یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا ؎

سَارَتْ مُشَرِّقَةً وَسِرْتُ مُغَرِّباً شَتَّانَ بَيْنَ مُشَرِّقٍ وَمُغَرِّبٍ

یعنی میری محبوبہ تو مشرق کی طرف چلی گئی اور میں بجانب مغرب چلا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ مشرق کے جانے والے اور مغرب کے جانے والے میں کس قدر بُعد ہوتا ہے گویا مجھ میں اور اُس میں بُعد المشرقین ہوگیا ہے۔ حضرت شیخ کا مطلب اس سے یہ تھا کہ آپ تو علوم ظاہر علم حدیث وغیرہ میں لگے ہوئے ہیں اور ساری عمر آپ نے یہی کیا اور ان ابیات میں صوفیا کے احوال کا بیان ہے جس کے کوچہ میں آپکا گذر نہیں ہوا۔ پھر آپ کو اس کی شرح کا کیا شوق پیدا ہوا۔ جن حالات سے انسان خود متصف نہ ہو ظاہر ہے کہ وہ انکی کیا شرح کر سکتا ہے۔ یہ بات حافظ ابن حجر کی سمجھ میں آگئی اور کیوں نہ آتی۔ شارح حدیث رسول تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھتے تھے جب تو اس کی شرح کرتے تھے چنانچہ اس شعر سے سمجھے کہ شیخؒ کو میری شرح پسند نہیں ہوئی اور جس چیز سے ابتک وہ غافل تھے اُس پر تنبہ ہوا۔ چنانچہ طریق کا اذعان اور اعتقاد کیا اور پھر شیخ ہی کی خدمت میں رہ پڑے۔

دیکھئے اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجرؒ کا رجحان پہلے اس جانب نہ تھا۔ لیکن جب شیخ نے شعر کے ذریعہ تنبیہ فرمائی تو بات سمجھ میں آئی کہ

بیشک باطن بھی کوئی چیز ہے اور یہ بھی سمجھ میں آیا کہ یہ دولت حضرات مشائخ کی خدمت میں رہنے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہر زمانہ میں ہوا ہے کہ علماء پہلے طریق اور اہل طریق کے منکر رہے ہیں مگر جن کے ساتھ خدا کی توفیق شامل حال ہوئی بعد میں انھوں نے تسلیم کیا اور بزرگوں کی خدمت میں جاکر باطنی کمال حاصل کیا ہے اور اہل کمال ہوئے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیدی مدینؒ کے ہاتھ پر بھی بہت علماء تائب ہو کر سلسلۂ اہل اللہ میں داخل ہو گئے اس پر بیساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

آہن کہ بپارس آشنا شد فی الحال بصورت طلا شد

ایک بزرگ تھے سید گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ۔ اُن کے کسی معاصر نے انکی یہ تعریف کی ہے ؎

ہر کو مرید سید گیسو دراز شد واللہ خلاف نیست کہ او عشقباز شد

یعنی جو شخص کہ سید گیسو درازؒ کا مرید ہو گیا تو بخدا کبھی اس میں فرق نہیں پڑا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کا تعلق حاصل ہو ہی گیا ہے۔

مجلس کا بیان ختم ہوا۔ والسلام

یکے از خدام حضرت والاؒ

اور ہم نے حضرت مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی مدظلہٗ کی تحریر (جانشین حکیم الامت) صدق سے نقل کی ہے۔ یہاں مقصود تو اُسی کو بیان کرنا تھا لیکن اُس تحریر کے متعلق حضرت مصلح الامۃ کے ارشادات بھی جو ایک صاحب کے خط کے جواب میں حضرتؒ نے لکھائے تھے ضمناً پیش کر دئے ہیں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یہ ضمنی مضمون کچھ طویل ضرور ہو گیا لیکن انشاء اللہ تعالیٰ ناظرین کیلئے لطف و نفع سے خالی نہ ہوگا۔ آپ نے دیکھا کہ اُن صاحب نے صدق کا یہ مضمون نقل کر کے حضرت والاؒ کی خدمت میں اپنے خط کے ہمراہ بھیجا تو حضرتؒ نے بھی صاحبِ خط اور صاحبِ مضمون دونوں ہی حضرات کے مناسب حال کیا مفصل جواب مرحمت فرمایا۔

(باقی آئندہ)

حالات حضرت مصلح الامۃ

حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے منصب اصلاح پر فائز فرمایا تھا اسلئے ہر موقعہ پر اصلاحی پہلو پیش نظر رہتا تھا چنانچہ یہاں بھی جواب میں غور فرمائیے گا تو اسکا ایک حصہ صاحب خط سے متعلق پائیے گا جیسا کہ خود حضرتؒ کے یہ الفاظ اس پر دال ہیں کہ یہ "سارا کلام تو آپ سے متعلق تھا" اور ایک حصہ صاحب مضمون سے متعلق پائیے گا جس پر حضرت والا کا یہ جملہ شاہد ہے کہ "آپ سے کہتا ہوں یوں آپ چاہیں تو مولانا عبدالماجد صاحب سے بھی کہہ سکتے ہیں" اور صاحب خط سے مراد کچھ خاص انھیں صاحب کی ذات نہیں ہے جنھوں نے یہ خط لکھا تھا۔ اسی طرح سے صاحب مضمون سے مراد خاص کر مولانا دریا آبادی ہی نہیں ہیں بلکہ حضرتؒ نے جو یہ طویل مضمون بیان فرمایا اس سے مقصود ہر طالب و مرید ہے۔ اور ہر وہ عالم ہے جو کسی بھی شیخ طریقت کے یہاں جائے طریق میں ان ہر دو کے جو آداب ہیں جن کے ساتھ متصف ہونا کسی شیخ سے استفادہ اور اس سے جلب فیض کا ذریعہ ہوتا ہے حضرتؒ نے اپنے اس جواب میں اس پر تنبیہ بلیغ فرمائی ہے۔

چنانچہ صاحب خط کو مخاطب فرماکر ہم لوگوں کو تو یہ تنبیہ فرمائی کہ شیخ کی معرفت وہ معتبر ہے جو مرید رشید کو خود اپنے حالات کے ذریعہ سے ہو جسکو کہ طالب خوب سمجھتا ہے باقی کسی دوسرے کے کہنے سننے پر اپنے شیخ کے کمال کو موقوف رکھنا کچھ پائدار چیز نہیں ہے اس لئے کہ کہنے والے بھی مختلف ہوسکتے ہیں اور ہر ایک کی رائے کا صحیح ہونا بھی ضروری نہیں ہے اس لئے یہ راستہ خطرناک ہے اور خود اپنے متعلق حضرتؒ نے گویا یہ فرمایا کہ بھائی ہلوگوں کو کوئی عالم مان لے اور ہم سے اظہار عقیدت کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس عالم کی مہربانی ہے۔ ورنہ تو تاریخ شاہد ہے کہ علماء ظاہر مشائخ طریق سے عموماً ناراض ہی رہے ہیں لیکن یہ اسی وقت تک جب تک کہ انھیں قرب سے

نہیں دیکھا ہے اور اگر مقدر نے کسی کو کسی ..... بہانے سے کسی شیخ کامل تک پہنچا دیا ہے تو پھر اس کی بھی تاریخ موجود ہے کہ ان حضرات نے حضرات مشائخ کو سب سے زیادہ مانا بھی ہے اور پھر جب اس چشمہ سے خود سیراب ہوگئے ہیں تو دوسروں کو بھی خوب ہی خوب سیراب کیا ہے۔ ہم نے یہ حاصل سمجھا ہے حضرتؒ کے اس مضمون کا گو یہ کچھ مخفی بھی نہ تھا تاہم اس غرض سے قدرے تشریح کر دی گئی تاکہ ناظرین اسے محض ایک خصوصی تحریر سمجھ کر نہ گذر جائیں بلکہ اسے طریق کا عام حکم سمجھ کر اپنے لئے اس سے ہدایت کی راہ حاصل کریں۔

جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرتؒ کا یہ خاص طریقہ تھا کہ وہ براہ راست لوگوں کو مخاطب فرمانے کے بجائے واقعات و حکایات کے پردے میں اصلاحی باتیں فرمایا کرتے تھے اور اس کے متعلق خود یہ فرماتے تھے کہ بھائی نفس کی اصلاح ہے بڑی مشکل چیز اس لئے میں کسی کو براہ راست کہنے کے بجائے یہ کرتا ہوں کہ اسکے مناسب حال کوئی واقعہ یا کوئی مضمون پیش کر دیتا ہوں تاکہ اسکو وہ خود سمجھے اور خود اپنے حال پر منطبق کرے اور اگر ضرورت سمجھے تو خود اصلاح بھی کرلے اور اگر خود نہ کرسکے تو پھر کسی شیخ کامل سے رجوع کرے اس طرح سے اس کی اصلاح کی زیادہ اُمید ہوتی ہے اور اپنے اس طریقہ کے اختیار کرنے اور اس کے استحسان کے ثبوت میں اکثر یہ شعر پڑھتے تھے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

غرض مذکورہ بالا واقعات سے آپ کو اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت مصلح الامۃؒ حضرت مولانا دریاآبادی مدظلہ العالی کی جانب متوجہ تھے باقی مولانا دریاآبادی مدظلہٗ بھی چونکہ بلند شخصیت رکھتے تھے اسلئے حضرتؒ کا معاملہ بھی اُن کے ساتھ اُن کے مرتبہ کے موافق ہوتا تھا جسے اہلِ فہم خوب سمجھتے تھے اس سلسلہ میں ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے:۔

حضرت مولاناؒ کی صاحبزادیوں کے انتقال پر مولانا دریاآبادی نے حضرتؒ کو یہ تعزیت نامہ بھیجا:۔

مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی کا خط

آپ کے ابتلاء عظیم کا حال آپ کے ایک مسترشد کے خط سے ابھی علم میں آیا
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○
اللہ آپ کے مرتبہ کو زیادہ سے زیادہ بلند کرے۔ یہ سب سامان اُسی کا ہو رہا ہے۔ ایک ہی لختِ جگر کی وفات کیا کم تھی چہ جائیکہ دو دو کی اور وہ بھی دو ہفتہ کے اندر اس سے بڑا اور کڑا اور امتحان کیا ہوگا لیکن درحقیقت آپ قابل مبارکباد ہیں۔ آپکا ظرف اتنا بلند سمجھا گیا جبھی تو امتحان اتنا سخت لیا گیا۔
کوئی لقمان کو حکمت کیا پڑھائے گا آپ خود ہی دوسروں کو تلقین کرتے ہیں کوئی دوسرا آپ کو صبر کی تلقین کیا کریگا۔ ہاں آپ کی مثال اور آپ کا نمونہ دیکھ کر کم ہمتوں کو بھی ہمت کسی درجہ میں بندھ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ آپکو لطفِ بیکراں سے نوازے۔ صاحبزادیوں کو کروٹ کروٹ جنت فردوس عطا فرمائے اور آپ سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ والسّلام

دعا گو و دعا خواہ

عبد الماجد

اس کا جواب دیکھئے حضرت مولاناؒ نے کیا مرحمت فرمایا۔

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

واقعی دو صدمے یکے بعد دیگرے پیش آئے۔ واقعی ابتلاء عظیم ہے۔ اب آپ کے ارشادات جو اس ابتلا کی حکمت میں ارشاد فرمائے گئے ہیں بہت کچھ موجب تسلی ہو سکتے ہیں میں تو اپنے کو ویسا کیسے خیال کر سکتا ہوں مگر اکابر کے ارشادات کے سوا اور کیا موجب تسلی ہو سکتا ہے۔ خط سرہانے رکھ لیا ہے۔ گاہے گاہے

دیکھتا ہوں اور تسلی کرلیتا ہوں۔

چونکہ جناب والا کو ان امور کا ذوق ہے اور مجھ سے محبت بھی فرماتے ہیں اس لئے دو تین دعائیں جو مجھے اس واقعہ سے پہلے بھی بہت پسند تھیں جن کو ذوق کے ساتھ دعا کیا کرتا تھا وہ لکھتا ہوں :-

اَللّٰھُمَّ کَمَا رَزَقْتَنِیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ قُوَّۃً لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ اَللّٰھُمَّ وَمَا زَوَیْتَ عَنِّیْ مِمَّا اُحِبُّ فَاجْعَلْہُ فَرَاغًا لِّیْ فِیْمَا تُحِبُّ اَللّٰھُمَّ ارْضِنِیْ بِقَضَائِکَ وَ بَارِکْ لِیْ فِیْمَا قُدِّرَ لِیْ حَتّٰی لَا اُحِبَّ تَعْجِیْلَ مَا اَخَّرْتَ وَ لَا تَاخِیْرَ مَا عَجَّلْتَ۔ اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ اِیْمَانًا یُّبَاشِرُ قَلْبِیْ وَیَقِیْنًا صَادِقًا حَتّٰی اَعْلَمَ اَنَّہٗ لَا یُصِیْبُنِیْ اِلَّا مَا کَتَبْتَ لِیْ وَرِضًی مِّنَ الْمَعِیْشَۃِ بِمَا قَسَمْتَ لِیْ۔

یہ طب نبوی ہے سبحان اللہ یہی پورا علاج اور دوا ہے ایک مومن مصاب کے لئے۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

دیکھا آپ نے مولانا عبد الماجد صاحب کا تعزیت نامہ اور حضرت والا کا جواب۔ مولانا عبد الباری صاحب ندوی نے جب حضرت والاؒ کا یہ جواب دیکھا تو وجد میں آگئے اور اپنے ایک عریضہ میں حضرت والاؒ کو لکھا کہ :-

ہمارے ماجد میاں کے تعزیت نامہ کا جواب حضرت کی طرف سے ماشاء اللہ بڑا حکیمانہ رہا۔ اس کے جواب میں حضرت مصلح الامت نے انھیں تحریر فرمایا۔

الحمد للہ کہ تعزیت نامہ کا جواب جو عبد الماجد صاحب سلمہ کو میں نے دیا ہے آپ کو پسند ہوا آپ حضرات کی توجہ چاہئے قلبی استفادہ اسی پر موقوف ہے اور اصل مدار کار اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اسی سے کام بنتا ہے اور اسی سے ہوتا ہے جو ہوتا ہے۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

مولانا دریاآبادی مدظلہ العالی اور حضرت مصلح الامت قدس اللہ سرہ کے مابین جو مراسلت آپ نے ان سطور میں ملاحظہ فرمائی اُس سے اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت مولانا دریاآبادی کی نظروں میں حضرت والا کا ایک خاص مقام تھا۔ اور حضرتؒ کو بھی مولانا سے خاص تعلق تھا۔ بہت احترام فرماتے تھے۔ ابھی تعزیت نامہ کے جواب میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مولانا ہی کو اکابر کے لفظ سے تعبیر فرمایا۔

یہاں تک تو اُن دو بزرگوں میں سے ایک بزرگ کے حالات تھے جو مولانا عبد الباری صاحب ندوی کے مضامین اور ارشادات کے ذریعہ حضرت مولاناؒ سے متعارف ہوئے اب ان دوسرے بزرگ کے حالات و جذبات ملاحظہ ہوں۔ میری مراد اس سے حضرت مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

مولانا مناظر احسنؒ صاحب گیلانی اور حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ

مولانا گیلانیؒ بھی مولانا ندوی مدظلہ العالی کے مخصوص رفقاء میں سے تھے ہندوستان کے مشہور اہل علم اور صاحب قلم لوگوں میں سے ہوئے ہیں۔ ایک عرصہ تک عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد میں رہے۔ زیادہ ساتھ مولانا ندوی کا وہیں رہا۔ صدق میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا مضمون " چار ہفتہ ایک کہف میں" پڑھکر حضرت اقدسؒ کے غائبانہ معتقد ہوئے جسکو انھوں نے خود ہی ان لفظوں سے ظاہر فرمایا۔ مولانا عبد الباری صاحب مدظلہٗ کو لکھا کہ:۔

"دوسرے کیا خود فقیر کو پہلی دفعہ آپ کے ذریعہ علم و ہدایت کے اس پوشیدہ روشنی کا پتہ چلا لیکن ایسے وقت میں کہ استفادہ کی کوئی ممکنہ صورت میرے لئے باقی نہیں رہی ہے ؎

"اگر ماند شبے ماند شبے دیگر نمی ماند" کے حال میں جو جو تہ و بالا ہو رہا ہو اب اس کے لئے تو ان بزرگوں کے نام تک رسائی ہی بڑی بات ہے۔"

حضرت اقدسؒ سے تعارف کے بعد پھر حضرت مولانا گیلانیؒ نے براہِ راست

حضرت والاؒ کو خطوط لکھے جن سے اُن کے قلبی جذبات اور عقیدت و محبت کا پورا اندازہ ہوتا ہے حضرت مولانا گیلانیؒ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو محض سنی سنائی باتوں کے پیچھے ہولیا کرتے ہیں بلکہ ہر چیز کو بنظر تحقیق و تدقیق دیکھتے تھے اور پھر کوئی رائے قائم فرماتے تھے اس لئے انکی مراسلت میں ایک ناواقف کے لئے حضرت اقدسؒ سے تعارف اور حضرت کے مرتبے اور مقام سے واقفیت کے لئے پوری رہنمائی اور شافی دلیل موجود ہے اب ہم یہاں مولانا گیلانی کے چند خطوط نقل کرتے ہیں جو انھوں نے انتہائی عقیدت کے ساتھ حضرت کی خدمت میں ارسال فرمائے اور انمیں سے جن کے جوابات کی نقل مل سکی وہ بھی پیش خدمت ہیں باقی زیادہ تر جوابات چونکہ سلام و دعا ہی پر مشتمل ہوئے تھے اسلئے وہ یا تو نقل ہی نہ ہوسکے یا ہم کو نہ مل سکے

حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کا پہلا خط

حضرت قبلہ مولانا صاحب مدظلہ العالی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ

مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے واسطے سے دیکھ رہا ہوں کہ قلب کا غیرمعمولی رجحان جناب والا کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ کی صحبت کا لطف اب بھی یسر آسکتا ہے دل میں اس کی اُمید پیدا ہوگئی ہے کاش اس فقیر کی جسمانی حالت اس قابل ہوتی کہ خدمت والا تک پہونچنے کے لئے سفر کی زحمت برداشت کرسکتا تو ابتک شاید نیازمندی سے محروم نہ رہتا۔ لیکن ڈاکٹروں نے جسے تقریباً دو سال سے پلنگ کے ساتھ باندھ رکھا ہو مسجد تک کی حاضری سے محروم ہو وہ کیا کرے کہاں جائے اور کس سے اپنے دل کی لگی بیان کرے حضرت والا برگزیدگان حق میں ہیں کچھ نہیں تو دو سال پہلے تک جن چیزوں کی اجازت تھی انکی اجازت بارگاہ صمدیت سے اس فقیر کے لئے مانگی جائے مسجد جہاں سے نکالا گیا ہوں وہاں کی حاضری اور قدرے تلاوت و اوراد و وظائف کی جو مشغولیت تھی وہی یسر آجاتی تو زندگی کا کچھ تو مطلب سمجھ میں آتا مگر اس وقت تک زندہ ہوں اور زندگی میں جو کام کئے جاتے ہیں اُن سے محروم ہوں

میری یہ محرومیت اب حد برداشت سے باہر ہوئی چلی جارہی ہے اُمید اللہ ہی سے رکھتا ہوں وہ چاہے تو آج بھی سب کچھ ہوسکتا ہے اس لئے اللہ والوں سے موقعہ جب مل جاتا ہے تو عرض کرتا ہوں کہ اپنی رسائی سے نارساؤں کی مدد فرمائیں۔ وعلی اللہ اجرکم والسلام

خاکسار وعقیدت کیش
مناظر احسن گیلانی

حضرت والاؒ کا جواب

مولانا دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط جناب والا کا ملا۔ اسمیں جناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی کے واسطے سے دیکھ رہا ہوں کہ قلب کا غیر معمولی رجحان جناب والا کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے ـــــ اسکا جواب بجز اس کے کیا لکھوں کہ الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منہا ائتلف دیکھئے قلب کا غیر معمولی رجحان اسی ایتلاف کی وجہ سے ہے باقی حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی صحبت کے بارے میں جو آپ نے تحریر فرمایا ہے اُس کے متعلق کیا عرض کردوں یہ احباب کے حسن ظن پر مبنی ہے۔ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ نام لیوا انھیں کا ہوں۔

آپ کی علالت سے بہت رنج ہوا اللہ تعالیٰ سے توجہ دلی کے ساتھ دعا میں مشغول ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جلد صحت عطا فرمائے اور آپ کی جملہ تمنائیں پوری ہوں۔ والسلام خیر ختام

دُعاگو
وصی اللہ عفی عنہ
فتح پور۔ تال نرجا

دیکھا آپ نے بقول اکبر الہ آبادی ؎

نگاہیں کاملوں پر پڑہی جاتی ہیں زمانہ کی
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہوکر

مولانا گیلانیؒ نے صرف ایک مضمون سے حضرت والا کو کتنا صحیح پہچانا اور کیسا

خط لکھا کہ اسکا ہر ہر لفظ محبت اور عقیدت میں ڈوبا ہوا اور آرزوئے دید اور تمنائے ملاقات سے لبریز ہے اور اسکا جواب بھی حضرتؒ کی جانب سے کس قدر شفقت اور محبت میں ڈوبا ہوا مرحمت فرمایا گیا کہ ہر پڑھنے والا آج بھی اس کی لذت اور چاشنی محسوس کرتا ہے تو پھر خود مکتوب الیہ یعنی حضرت مولانا گیلانیؒ اس سے کس درجہ متاثر ہوئے ہوں گے۔ ظاہر ہے ؎

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا جب تو نے یہ مے ظالم شیشہ میں بھری ہوگی

چنانچہ حضرت مصلح الامتؒ کا یہ جواب پاکر مولانا گیلانیؒ نے اپنے دوسرے عریضہ میں اپنے قلبی تاثرات کا یوں اظہار فرمایا۔

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کا دوسرا خط

بآستانہ قدسی سیدنا و مولانا وصی اللہ صاحب

متعنا اللہ بطول بقائہ و نور قلوبنا بنور قلوب احبائہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

براہ راست شفاہی لقاکی محرومی کے باوجود اس عریضہ کے پیش کرنیکی جراءت مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی طرف سے عطا ہوئی ہے ورنہ ع

چراغ مردہ کجا، شمع آفتاب کجا

اور سچ تو یہ ہے کہ بقول حافظ اس غزل میں فرماتے ہیں ؎

چو کحل بینش ما خاک آستان شمارت کجا رویم بفرما ازیں جناب کجا

ترجمہ: جبکہ آپکے آستانہ کی خاک ہماری آنکھوں کیلئے بمنزلہ سرمہ کے ہے تو پھر آپ ہی فرمائیے کہ ہم آپکا در چھوڑ کر کہاں جائیں؟

اہل دل کا طبقہ عالیہ جو اغاثۃ اللھفان[1] کی خدمت انجام دیتا تھا یکایک آنکھوں سے اوجھل ہوگیا، ہم ستم دیدوں، آفت رسیدوں کے لئے پناہ کے سارے آشیانے اچانک نظروں سے مخفی ہوگئے شکر ہے الصمد المستعان الحنان کا کہ کسی نہ کسی طرح رسائی کا سامان سدہ سنیہ و عتبہ قدسیہ اسی کی طرف ہوگیا۔

حضرت والا کی دعاؤں اور توجہ کے برکات عیاناً محسوس کررہا ہوں۔ ڈیڑھ دو سال سے فریش فرش علالت ہوں۔ علاج کے عام تدبیری طریقوں کا تجربہ بھی

[1] مصیبت زدوں کی فریاد رسی۔

بتارہا تھا کہ مرض اپنا لاعلاج ہوچکا ہے لیکن ادھر ہفتہ عشرہ سے بحمد اللہ غیر معمولی انقلاب اپنی علالت کے سلسلہ میں پارہا ہوں کوئی وجہ وجیہ اسکے سوا نظر نہیں آتی کہ سننے والے نے اپنے مخلص و صدیق بندے کی دعائیں سن لی ہیں یہ عریضہ خدمت والا میں اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ دعا اور توجہ کے اس سلسلہ کو باقی رکھا جائے "اجل مسمیٰ" کا وقت تو بہرحال مقرر ہے وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا۔ الکتاب الناطق بالحق کے محکمات میں سے ہے لیکن اسی کتاب میں یہ خبر بھی تو دی گئی ہے کہ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ استمراری تجربہ اللہ والوں کی زبانی نقل فرمایا گیا ہے اَدْعُوْ رَبِّيْ عَسٰى اَنْ لَّا اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ کلیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پکارا انکے بھائی کے متعلق دعا سنی گئی اور بنی اسرائیل فرعون کے مظالم سے نجات یاب ہوئے یونس علیہ السلام نے پکارا۔ غم سے نکال لئے گئے۔ پھر آج بھی پکارنے والے کی پکار کو اثر انداز ہوتے ہوئے اگر پارہا ہوں تو قرآن ہی کی روشنی میں یہ سب کچھ دکھایا جارہا ہے۔

کاش ایسا ہوتا کہ پھر سفر کی صلاحیت اس بندہ ظلوم وجہول میں پیدا ہوتی اور حضرت والا کی قدمبوسی سے سرفراز ہوتا ورنہ بقول شخصے ؎

گر بمیریم عذر ما بپذیر — اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

خاکپائے صالحین و شہداء و صدیقین

مناظر احسن گیلانی غفر اللہ لہٗ

۱۶؍ نومبر ۵۵ء گیلانی بہار

حضرت اقدسؒ کا جواب

مکرمی و محترمی دام مجدکم — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عافیت نامہ نے انتظار کے بعد شرف صدور بخشا۔ مطالعہ سے بہت سرور و تسکین ہوئی ع "حافظ وظیفۂ تو دعاگفتن است وبس" پر عمل پیرا ہوں توجہ دلی کے ساتھ برابر امتثال امر سامی کر رہا ہوں اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ

السّوء پر اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دیدیں بس ..... کام بن جائے۔ اللہ تعالیٰ سے بہت کچھ اُمیدیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اُمیدیں پوری فرماتے ہیں۔ مولاناؒ فرماتے ہیں ؎

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں ❊ می دہد یزداں مراد متقیں

والسلام

مولانا گیلانیؒ کا تیسرا خط حضرت مصلح الامّت کے نام

۳ر جنوری ۵۶ء۔ گیلانی مونگیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدی ومعتمدی مدظلہ العالی حیاکم اللہ وابقاکم علیٰ رؤس الطالبین

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ڈرتے ڈرتے پھر یاددہانی کا یہ عریضۂ نیاز آستانہ ہمایونی میں وہی مناظر احسن گیلانی پیش کر رہا ہے جسے اپنی عنایت خاص سے سرفراز فرمایا گیا ہے الحمد للہ کہ آپکی دعا و ہمت کے آثار کا تسلسل جاری ہے۔ پہلے کے حساب سے بہت کچھ طبیعت رو باصلاح ہے۔ بس آرزو وہی ہے کہ با جماعت مسجد میں نماز پڑھ لیں اور فرض صیام سے سبکدوشی کی حد تک قوت آجائے تو زندگی کی جس منزل میں ہوں اُسکے لحاظ سے یہی بہت کچھ ہے۔ کیا عرض کروں ہمت کر کے مسجد چلا بھی جاتا ہوں تو ڈاکٹر بہت برہم ہوتے ہیں اور چلنے پھرنے کو میرے قلب کیلئے بہت مضر فرماتے ہیں کچھ تجربہ سے اسکی توثیق بھی ہوتی رہی ہے لیکن جن کی ارحم الراحمین سنتا ہے اگر وہ دستگیری پر آمادہ ہوجائیں تو جیسے علم شکایتوں کا ازالہ ہوا اتنی قوت کا ارزانی ہوجانا بھی دشوار نہ ہوگا۔

بس حضرت والا سے یہی عرض ہے کہ جب موقعہ میسر ہو اور یاد آجائے تو اس فقیر و مریض کے لئے دعا فرماتے رہیں اور اس کی اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ کبھی کبھی یاددہانی کے لئے عریضے جو پیش ہوتے رہتے ہیں وہ باعث گرانی نہ ہوں۔ آپ کے مشاغل کا خیال کر کے اس کو بھی بڑی جسارت خیال کرتا ہوں۔ لیکن آپ کے مولا کا بندہ اور آپکے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اُمت کا ایک کمترین فرد ہوں یہی دو رشتے کافی و وافی ہیں۔ خویدکم مناظر احسن گیلانی۔ (باقی آئندہ)

حالات حضرت مصلح الامت

حضرت مولانا کا جواب

مشفقم و محترم جناب مولانا مناظر احسن صاحب دام مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عین انتظار میں عنایت نامہ موصول ہوا صحت و قوت کی رفتار معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی آرزو بھی صحت کے بارے میں پوری فرما کر مزید صحت و قوت عطا فرمائے اور اپنی مرضیات میں اس کو صرف کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ دعا کا کرنا تو اپنا وظیفہ ہے اُس سے گرانی کے کیا معنی۔ وہ تو روزانہ معمول میں داخل ہے۔ اس کی تو یاددہانی کی بھی ضرورت نہیں۔ عنایت نامہ کا انتظار صرف حالات معلوم کرنے کے لئے ضرور رہتا ہے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ حسب توقع صحت و قوت کو بحال فرمائیں گے۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

اس کے بعد بھی مولانا گیلانیؒ کے متعدد خطوط آئے اور آخر تک آتے ہی رہے اور مقصد اُن سے حضرت والا کو دعا کی یاد دہانی ہوتی تھی چنانچہ حضرت والا اُنکے لئے برابر دعا بھی فرماتے رہے اور خط کا جواب بھی دیتے رہے لیکن کوئی خاص مضمون نہ ہونے کی وجہ سے حضرت والا کے جوابات کی نقل تو نہ مل سکی البتہ مولانا گیلانی کے چند خطوط انھیں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے محفوظ ملے۔

ایک خط میں لکھا ہے کہ الحمدللہ اب پھر کچھ اچھا ہوں۔ اسوقت فیض عام کی تقسیم کے لئے حضرت والا کا انتخاب ہوا ہے۔ اس کے سوا اور کیا عرض کیا جائے کہ ؎

ما نہ اینیم کہ جاہ و حشمے می خواہیم ۔۔۔ سید از تو نگاہِ کرمے می خواہیم

اور یہ بھی لکھا کہ جواب کی زحمت نہ برداشت فرمائی جائے۔ مقصد

صرف یاد دہانی ہے ؎

ما کہ خود را بسر رشتۂ زلفت بستیم ۔ ہمہ تن منتظر گوشۂ چشمت ہستیم

پھر کچھ دنوں کے بعد ایک اور خط لکھا اسمیں تحریر فرمایا کہ :۔

اس جہول و ظلوم ناکارہ نامراد پر حضرت کی عنایات و شفقت کو جب سوچتا ہوں تو "الحب للہ" کا مطلب سمجھ میں آجاتا ہے...... للہ دعاؤں کا سلسلہ ہر حال میں جاری رکھا جائے۔ خصوصاً خاتمہ بالخیر کی جو سب سے بڑی آرزو کسی مرد مومن کی ہوسکتی ہے"۔

پھر ایک اور عریضہ میں یہ لکھا کہ :۔

ارحم الراحمین کی رحمت واسعہ کے ظہور کی ایک عجیب اور غریب شکل یہ بھی ہے کہ بیمار سے زیادہ اس کی فکر ان بزرگوں کے قلوب میں ڈالی گئی ہے جنکے چھوٹوں میں بھی وہ شمار ہونے کا مستحق نہیں ہے۔ حضرت والا کا کرم نامہ جب کبھی ملتا ہے دل کی مرجھائی ہوئی کلی کھل جاتی ہے۔ دوا کی تاثیر میں خواہ جتنی بھی تاخیر ہورہی ہو لیکن دعا کی استجابت کا تجربہ مسلسل ہورہا ہے۔ جب حضرت والا کی توجہ خاص ہوتی ہے قلب بھی اس کو محسوس کرتا ہے اور قالب پر بھی اُس کے اثر کو پاتا ہوں۔

بس یہی استدعا ہے کہ اجل مسمیٰ سے پہلے زندگی کا جتنا وقفہ بھی ہو دین کے کام میں گذرے۔ ابتو ادھر صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے اور کسی قیمت کے بغیر شب و روز کی یہ گردش تمام ہوتی ہے۔

اسی طرح سے اپنے ایک اور عریضہ میں حضرت اقدسؒ کے نام جو کہ غالباً مولانا کا آخری خط تھا تحریر فرمایا کہ :۔

(آستانۂ گرامی حضرت مولانا وصی اللہ الاشرفی الامدادی)

حضرت والائے و ملجائے من ادام اللہ ظلکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مبارک مہینہ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ

إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ کا آگیا ہے۔ الحمدللہ کہ اہل ایمان اس مبارک ماہ کے مشاغل میں مصروف ہیں۔ اپنے مالک کے حکم کی تعمیل کی سعادت حاصل کرکے مستحق بن رہے ہیں کہ اُنکے معروضے بھی سنے جائیں مگر ایک محروم نصیب ہے کہ جس کے لئے اس مبارک مقدس ماہ میں کوئی حصہ نہیں رکھا گیا ہے اسلئے ان بزرگوں کے قدموں میں لوٹتا پھرتا ہے جو حقوق اس مہینہ کے ادا کرکرکے اپنی دعاؤں کی قبولیت کی ضمانت حاصل کررہے ہیں۔ کوئی شبہہ نہیں کہ مرض کے اندر کافی صحت محسوس ہو رہی ہے لیکن نجات کم از کم اس حد تک ہوجائے کہ زندگی کے ضروری فرائض آسانی ادا ہو سکیں اس کی صورت سامنے نہیں آئی ہے .... حضرت والا نے اصرار فرمایا ہے کہ اپنے حالات سے مطلع کرتے رہنا اُسی کی تعمیل کی جارہی ہے۔ السلام علیکم وعلی من لدیکم

خویدکم الفقیر المعتذر المریض

مناظر احسن الگیلانی

۵ رمضان المبارک م ۱۴ اپریل ۱۹۵۶ء

حضرت مولانا گیلانیؒ کے خطوط ختم ہوئے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اتنے بڑے شخص جو ہندوستان کے مایہ ناز صاحب قلم رہے ہوں انھیں جب حضرت مصلح الامت کی معرفت ہوگئی تو کس قدر تواضع انکسار اعتقاد اور انقیاد کے ساتھ خود کو پیش کیا، درحقیقت یہ مولانا کا کمال تھا اور اس امر کی کھلی ہوئی دلیل تھی کہ انھیں بزرگوں سے کوئی دولت ملی تھی کیونکہ خود اسقدر علم و فضل رکھتے ہوئے اپنے کسی معاصر کی جانب اتنا شدید اور قوی میلان کم ہی سننے میں آیا ہے۔ بہرحال مولانا گیلانیؒ نے جس دولت کی جانب اس شدت اور حرص کے ساتھ رغبت فرمائی وہ تو انکے گھر ہی کی دولت تھی اور اپنی کھوئی ہوئی چیز کا جب پتہ کہیں کوئی پاجاتا ہے تو بے اختیار اس کی جانب لپکتا ہی ہے کہ اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَيْنَمَا وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (او کما قال علیہ السلام) حدیث میں وارد ہے۔

مگر باوجود اس طلب و تڑپ کے جس کا اظہار وقتاً فوقتاً خود مولانا بھی اپنے مکتوبات میں فرماتے رہے ہیں مثلاً کس درد کے ساتھ یہ تحریر فرمایا کہ کاش ایسا ہوتا

کہ پھر سفر کی صلاحیت اس بندۂ ظلوم و جہول میں پیدا ہوئی اور حضرت والا کی قدمبوسی سے سرفراز ہوتا ورنہ بقول شخصے ؎

گر نمیریم عذر ما بپذیر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

منجانب اللہ مقدر یہی تھا کہ حضرت اقدسؒ سے ملاقات ظاہری نہ ہوسکے تاہم بفحوائے حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت میں مولاناؒ گیلانی حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے ہی رفیق قرار دیئے جائیں گے۔ یہ تو اپنی جگہ صحیح ہے۔ علاوہ ازیں اہل طریق اور ارباب سلوک کے لئے حضرت مولاناؒ کے ان مکاتیب میں ایک عمدہ نمونہ اور اعلیٰ اسوہ موجود ہے اور بڑی تنبیہ بھی اس امر پر ہے کہ طالب کو کیسا ہونا چاہیئے اور کسی معتقد کو اپنے معتقد فیہ کے ساتھ اُسکے فیوض و برکات کے حاصل کرنے اور اس کی توجہ قلبی کے مبذول کرانے کے لئے کن آداب کے ساتھ متصف ہونا چاہیئے۔

بلاشبہ حضرت مولانا گیلانیؒ نے اس سلسلہ میں ایک عمدہ نمونہ پیش فرمایا اور یہ اثر تھا اللہ تعالیٰ کی سچی طلب اور توجہ اہل اللہ ہی سے حصول مطلوب کے یقین کا۔ اور اسمیں شک نہیں کہ ہم جیسے خام و ناکام کے لئے اپنے ان اسلاف کا عمل سوط عبرت ہے کہ ان حضرات نے کس طرح سے اپنے علم و فضل اور شہرت و لیاقت کو محض اللہ کے لئے ختم ہی کر دیا تھا اور کس درجہ اپنے نفس کو فنا کر چکے تھے۔ ایک عالم کے لئے یہ مقام آسان نہیں ہے اس کے حصول کے لئے برسوں خونِ دل پینا اور لخت جگر کھانا پڑتا ہے ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن

حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانیؒ کے قلب و نظر میں حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کا جو مقام تھا وہ انکے ان مکاتیب سے صاف عیاں ہے۔ کسی تخریج و تنبیہ کا محتاج نہیں ہے۔ بے محل نہ ہوگا اگر آخر میں ان کی ایک اور تحریری تصریح حضرت علیہ الرحمۃ سے عقیدت اور حضرت کے علو مقام کی شہادت کے متعلق پیش کر دی جائے جسے مولانا مرحوم نے اپنے احباب خاص میں سے ایک صاحب

کو لکھی تھی جو کہ پہلے حضرت مولانا ہی سے نیازمندانہ تعلق رکھتے تھے اور بعد میں تو یہ ہمارے حضرت مصلح الامت کے مجازین میں سے ہی ہوگئے۔

معلوم ہوتا ہے ان صاحب نے مولانا گیلانیؒ سے اپنی طلب کا اظہار کر کے زمانۂ حال کے چند بزرگوں کے یہاں (جن میں خود مولانا گیلانیؒ بھی شامل تھے) بغرض استفادہ حاضری کا ارادہ ظاہر کر کے مولانا سے اپنے اس سفر کے لئے مشورہ لیا تھا۔ چنانچہ مولانا گیلانیؒ نے جو جواب ان کو مرحمت فرمایا ہے وہ پیش خدمت ہے تحریر فرمایا ہے کہ

سفر کا ارادہ جہاں تک ممکن ہو اس زمانہ میں کم ہی کر دیجئے۔ آپ نے جن لوگوں کی خدمت میں حاضر ہونے کی نیت کا ذکر فرمایا ہے ان میں بھی مولانا وصی اللہ صاحب فتحپوری تو اس کے مستحق ہیں کہ جہاں سے بھی ممکن ہو آدمی اُن کی خدمت میں پہونچے۔ دین کے ساتھ دنیاوی مشکلات کے حل کا ذریعہ اپنے بندوں کے لئے حق سبحانہ وتعالیٰ نے انکی ذات گرامی کو اس زمانہ میں قرار دیا ہے باقی اُنکے سوا اور جن حضرات کا آپ نے ذکر فرمایا ہے اُن میں ایسا کوئی نہیں ہے جس سے مل کر آپ خوش ہونگے خصوصاً کسی حیثیت سے یہ فقیر تو آپ کے لئے کسی کام کا نہیں ہے۔ ایک "مُلّا" سے زیادہ پہلے بھی کچھ نہ تھا اور اب تو مُلّائیت بھی ختم ہو گئی ہے۔ قریب قریب مُردان کے ہو چکا ہے۔ مردہ زندوں کی کیا مدد کرے۔ انتہیٰ

ماخوذ از جواب مولانا گیلانیؒ بنام صاحب

بھٹکلی

۱۴؍جنوری ۱۹۵۶ء

ملاحظہ فرمایا آپ نے "انتخاب شخ" کے متعلق جو مشورہ حضرت مولانا دریاآبادی مدظلہٗ نے اپنے اُن دوست کو مرحمت فرمایا تھا۔ تقریباً انھیں الفاظ میں حضرت مولانا گیلانیؒ نے اپنے اِن دوست کو مرحمت فرمایا اب اس کو حسن اتفاق کہئے یا اتفاق حسن یا ع

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا کہئے

بہر حال اس امر پر اپنے حضرات کا تقریباً اتفاق ہی تھا کہ اپنے اس آخری

دور میں حضرت مصلح الامۃ مخدوم العلماء اور مرجع الصلحاء تھے۔ اب جن حضرات نے اپنی خوش نصیبی سے اس مقدس ذات کا زمانہ پایا اور فیض اٹھایا۔ سبحان اللہ ان کا کیا کہنا لیکن جنھیں حضرت والا کی زیارت کی سعادت بھی نہ حاصل ہوسکی یا صحبت تو ملی لیکن محرومی نے بھی دامن نہ چھوڑا ان کے لئے حضرت اقدسؒ کی تعلیمات اور ارشادات اب بھی شمع راہ بن سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ اور حضرت مصلح الامۃؒ کے مابین جو مکاتبت ہوئی اس میں سے جس قدر یہاں پیش کرنا تھا وہ سلسلہ ختم ہوگیا لیکن جیسا کہ سابقہ سطور میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت مولانا دریا آبادی مدظلہ اور مولانا گیلانی کی مراسلات کا تذکرہ اس طرح پر آیا تھا کہ حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ العالی اور انکے مضامین ہی فی الجملہ واسطہ بنے تھے ان حضرات کے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے تعارف کا۔ اس لئے اب اس کے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی کے چند مکاتیب پیش کردے جائیں جن کا سلسلہ انکے اور حضرت مصلح الامت کے مابین قیام کہف سے قبل اور بعد میں آخر تک جاری رہا کیونکہ اُن میں بھی طالبین کے لئے عبرت و نصیحت کے علاوہ دینی واصلاحی نفع کا خاصہ سامان موجود ہے اور جس طرح سے کہ مولانا ندوی مدظلہ کے مضمون مذکورہ سے بہت سے خدا کے بندوں کو نفع پہونچا اسی طرح سے اُمید ہے کہ اُن کے دوسرے مکاتیب سے بھی ناظرین محظوظ و منتفع ہوں گے۔

اب قبل اس کے کہ ہم مولانا ندوی مدظلہ کے مکاتیب کا انتخاب پیش کریں۔ جی چاہتا ہے کہ پہلے آپ کے سامنے ایک عالم اور ایک دوسرے بہت بڑے عالم کی شہادت اور مزید برآں حضرت مصلح الامۃؒ کی بھی توثیق اس امر سے متعلق پیش کردیں کہ مولانا ندوی مدظلہ کے مضمون "چار ہفتہ ایک کہف" سے بہت سے طالبین کو نفع ہوا اس سلسلہ میں دو خطوط ملاحظہ فرمایئے۔

ایک مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الامت کے نام

حضرت مولانا عبدالباری صاحب کا مکتوب بعنوان "چار ہفتہ ایک کہف میں" الاحسان میں شائع ہوا۔ میں نے بتمامہ دیکھا۔ ماشاء اللہ خوب مضمون ہے۔ الحمدللہ مجھے اس سے بیحد مسرت ہوئی اس سے بڑی دلچسپی ہوئی۔ ابتداء سے انتہا تک دیکھنے ہی کے قابل ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر اور زیادہ مسرت و شادمانی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے بہت سے گم کردہ راہ بندوں کے لئے بہترین رشد و ہدایت کا سامان اس میں ہے حضرت مجھے اُس سے کئی باتوں کا فائدہ ہوا۔ ایک تو حضرت کی برکت اور رہنمائی سے ایک بڑا ہی انمول موتی ہاتھ لگا۔ میں نے اسکی بہت ہی قدر کی وہ یہ کہ حضرت نے مکتوبات رشیدیہ سے یہ پڑھ کر سنایا تھا کہ

"بعد مجاہدہ ہزار سالہ درو نایافت حاصل ہوجاوے تو سب کچھ حاصل ہوگیا"۔

سبحان اللہ اہل اللہ کا کلام بھی عجیب کلام ہے کہ یافت کو نایافت کے ساتھ جمع فرمادیا۔

جواب حضرت مصلح الامت

بیشک یہ مضمون بہت سے مفید مضامین کا مجموعہ ہے۔

ایک دوسرے مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الامت کے نام

ایک مولوی صاحب نے حضرت مولانا عبدالباری صاحب کے مضمون "چار ہفتہ ایک کہف میں" سے متاثر ہوکر حضرتؒ کو اپنے ایک عریضہ میں لکھا۔

حال۔ حضرت والا کے اصلاحی والا ناموں کے وہاں نقل کر لینے کا معمول ہے یا نہیں؟ معلوم نہیں۔ اغلب تو یہی ہے کہ نقل کرلئے جاتے ہونگے۔

تحقیق۔ ہاں نقل ہوتے ہیں۔

حال۔ جیسا کہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ذرا کوئی اہم بات ہوئی فوراً کتاب نکالتے نکلواتے اور سند و اور شہادت

پیش ہو جاتی ہے۔"

اس کے متعلق پہلے سے میرا احساس یہ ہے کہ اصلاحی والا ناموں میں عین موقعوں پر سند اور شہادت کے طور پر جو عبارتیں نقل ہوتی ہیں یہ مثال کہیں دیکھی نہ سُنی۔ **تحقیق**۔ بیشک۔

حال۔ ان اصلاحی مکتوبات کا ضبط ہو کر شائع ہو جانا انشاء اللہ ہزاروں کے لئے باعثِ سرمایہ سعادت ہوگا۔ **تحقیق**۔ بیشک۔

حال۔ میرے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ اگر حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ اس وقت بقید حیات ہوتے تو انتہائی مسرت کے ساتھ یہ فرماتے ؎

مدح توحیف است با زندانیاں
گویم اندر محفلِ روحانیاں

تحقیق۔ ٹھیک آرہی ہے۔

حال۔ میں نے سیدی حضرت مفتی (مولوی محمد شفیع) صاحب دام مجدہم کی خدمت میں ایک خط لکھا اور اسمیں حضرت مولانا عبد الباری صاحب کے مضمون "چار ہفتہ ایک کھف میں" کا تذکرہ کیا تو حضرت مفتی صاحب قبلہ نے تحریر فرمایا کہ "یہ واقعہ معلوم کر کے مسرت ہوئی۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ حضرت مولانا تھانوی رحؒ نے ایسے ایسے حضرات چھوڑے ہیں کہ آج دنیا میں انکی نظیریں بھی کم ملتی ہیں۔ دعوی نہیں۔ نمود نہیں مریدوں کا بہت سا جمگھٹا نہیں۔ سنت کے مطابق ارشاد خلق میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر لوگ ایسے حضرات کو پہچانتے نہیں۔ مولانا عبد الباری صاحب نے بڑا کام کیا ہے جزاهم الله خير الجزاء

تحقیق۔ یہ تحریر حضرت مفتی صاحب دام مجدہم کی میرے لئے ایک ڈھارس ہے بہت ہمت بڑھی جزاهم الله تعالیٰ وجزاء الا الله تعالیٰ۔

دیکھئے پہلے خط میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ اُن صاحب کو تحریر فرمارہے ہیں کہ بیشک یہ مضمون یعنی مولانا عبد الباری صاحب مدظلہ کا مضمون "چار ہفتہ ایک کھف میں" بہت سے مفید مضامین کا مجموعہ ہے۔

اس سے خود راقم کو بیحد تقویت ہوئی کہ الحمد للہ "حالات" کی ابتدا

جس مضمون سے ہوئی ہے وہ خود حضرت کا پسندیدہ اور مصدقہ ہے۔

اسی طرح سے دوسرے خط کے مضمون سے بھی بڑی مسرت ہوئی اس طور پر کہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی تصویب سے اپنے طریق کار کے صحت کی تائید ہوئی وہ یہ کہ حالات مصلح الامۃ کے سلسلہ میں میرا خیال بس یہی تھا کہ باتیں صحیح ہوں اور حالات مبالغہ سے خالی ہوکر یکجا جمع ہوجائیں مگر اس کے لئے مواد کی فراہمی بڑی ہی دشوار تھی اس لئے یہی طے کیا گیا کہ بس حضرت ہی کے "نقل خطوط" کے رجسٹر سے اس قسم کے خطوط منتخب کر کے اُن کو اس طرح سے ترتیب دیکر شائع کردیا جائے کہ حضرت اقدس سے غائبانہ محبت و تعارف رکھنے والوں کے سامنے حضرت والا کے طرز زندگی اور اصول کار کا ایک نقشہ آجائے اور طالبین خدا کے علم اور سالکین راہِ خدا میں سلوک راہ اور اس سلسلہ میں مجاہدہ نفس و اصلاح شیخ کا کسی قدر نمونہ نظروں سے گذر جائے کہ درا صل کسی بزرگ کی سیرت کا اصل نفع یہی ہے کہ اُس کی تعلیمات سے لوگوں کو روشناس کرایا جائے کیونکہ یہی چیز بعد والوں کے حق میں بھی سودمند ہے اور خود صاحب سیرت کے لئے باعثِ ازدیاد اجر آخرت ہے۔ اسی لئے احقر نے بھی حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی کرامات کے جمع کرنے سے زیادہ حضرت کے کمالات کے پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے اللہ تعالیٰ توفیق دینے والے ہیں۔

اور اس دوسرے خط میں ایک دوسری بات آپ نے یہ ملاحظہ فرمائی کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ العالی جو کہ حضرت حکیم الامۃؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور علوم دینی میں بھی آپ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ موجودہ دَور میں ہندو پاک میں شاید ہی کوئی آپ جیسی جامعیت کا حامل ہو۔ ہمارے حضرتؒ کے خواجہ تاش اور رفقاء خاص میں سے تھے۔

حضرت خود فرماتے تھے کہ زمانہ قیام تھانہ بھون میں جن حضرات سے مجھے مناسبت اور میری دوستی تھی اُن میں سے ایک یہ مفتی صاحب بھی تھے۔ غرض حضرت مفتی صاحب خود ہی اتنی عظیم المرتبت شخصیت کے مالک اور حضرت کے متعلق کیسا فرمارہے ہیں کہ "لوگ ایسے حضرات کو پہچانتے نہیں۔

مولانا عبدالباری صاحب نے بڑا کام کیا ہے۔ جزاھم اللہ خیرالجزاء"

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سمجھتے تھے کہ حضرت مولاناؒ فنا کے اعلےٰ مقام پر فائز ہیں اور اسی وجہ سے گمنام ہیں اور لوگ آپ کے استفادہ سے محروم ہیں لہٰذا ضرورت ہے کہ لوگوں کو ایسے بابرکت حضرات سے باخبر کیا جائے تاکہ لوگ ان سے پورا پورا فیض حاصل کرسکیں۔ اور مولانا عبدالباری صاحب مدظلہٗ کی یہ کوشش بھی چونکہ اسی مقصد کی ایک کڑی ہے اس لئے بہت خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی اس سعی کو مشکور فرمائے۔

چنانچہ یہی مفتی صاحب دامت برکاتہم مکہ معظمہ میں جناب قاری محمد مبین صاحب سے حضرتؒ کی تعزیت کرتے ہوئے تعریف میں یوں فرماتے تھے کہ

"ہمارے مولانا کا حال شروع ہی سے ایسا تھا کہ سب سے الگ تھلک رہتے تھے۔ مجمع سے وحشت۔ تنہائی سے انس مزاج میں سکوت غالب تھا طبیعت خمول پسند تھی۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت اور اسکی طلب کا ایک خاص اثر چہرہ پر نمایاں۔ اور ان کے حال سے ظاہر تھا۔

چنانچہ ہم لوگوں کو اُسی وقت سے برابر اندیشہ رہتا تھا کہ دیکھا چاہئے کہ اس ابتدا کی انتہا کہاں پر جاکر ہوتی ہے یہی وجہ تھی میں نے جب ریڈیو پر آپ کی موت فی البحر (جہاز میں انتقال) اور تدفین فی الماء کی خبر سنی تو مجھے تو کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی اس لئے کہ ہم تو انکے متعلق اسی قسم کے حالات کی توقع ہی رکھتے تھے۔ جس کی زندگی گوشۂ خمول میں گذری ہو اس کی موت کے مناسب یہی حال تھا ؎

ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کہیں جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا" انتہی

بات کہاں سے کہاں پہونچ گئی مگر خیر اولاً تو میں شروع ہی میں اپنے اس کا اظہار کرچکا ہوں ثانیاً یہ کہ بقول حضرت شیخ الہندؒ ؎

بے نمک ہیں ترے اشعار مگر تلخ نہیں خالی از درد نہیں گرچہ ہیں لشٹم پشٹم

اب آپ کے سامنے حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ کے چند مکتوبات پیش کرتا ہوں جن میں سے اول کے ''سفر فتحپور'' یعنی قیام کہف سے قبل کے ہیں اور بقیہ بعد کے۔

''حضرت مولانا عبدالباری صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ''

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ یہ مولانا کا سب سے پہلا خط ہے ہو سکتا ہے کہ کوئی خط اس سے قبل بھی آیا ہو۔ تاہم رجسٹر پر یہی ملا اور تاریخ خط پر تو نہ مل سکی البتہ قریبی بعض خطوط پر ۷۱ھ درج ملا اس لئے اغلب یہ ہے کہ یہ بات بھی ۷۱ھ کی ہے کہ مولانا ندوی مدظلہ نے اپنی بعض تصانیف کو حضرت والا کی خدمت میں برائے ملاحظہ پیش کرنا چاہا تو حضرت کو لکھا کہ

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ العالی کا ابتدائی خط

حضرت مولانا المحترم مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت اقدس مولائی ومولانا تھانوی علیہ الرحمۃ کے انتقال کے بعد حضرت کے علوم و اعلامات کی اشاعت واجراء کے خیال کے تحت احقر نے کچھ کتابوں کا سلسلہ شروع کیا ہے تین کتابیں اس سلسلہ کی شائع بھی ہو چکی ہیں اگر حضرت والا انکو ملاحظہ فرمانا پسند فرمائیں تو ارسال خدمت کی جائیں پھر ان کے تیسرے حصہ تجدید تعلیم و تبلیغ میں حضرت کی مجوزہ اصلاحی تجاویز کے تحت جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اگر وہ حضرت والا کی نظر میں کچھ پسندیدہ ہوا تو خود حاضر ہوکر انشاء اللہ مزید تفصیل عرض کروں گا۔ اجازت آتے ہی پہلے کتابیں ارسال خدمت ہونگی۔ اُمید کہ مزاج مبارک بعافیت ہوگا۔ ایمان پر قائم ومغفرت کی دعا کا خصوصاً محتاج وطالب۔

احقر العباد

عبدالباری غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالات حضرت مصلح الامتؒ

حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کا جواب

مخدومنا المحترم زاد اللہ عرفانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والا نامہ نے بہت مسرور فرمایا، نہایت ادب سے درخواست پیش کرتا ہوں کہ کتابیں بہت جلد ارسال فرمایئے ("اندھا کیا چاہے دو آنکھیں") مزید تفصیلات کا بھی بصد شوق منتظر رہوں گا۔

الحمد اللہ بعافیت ہوں دعائے مغفرت وحسن خاتمہ دل سے کرتا ہوں اور جناب سے بھی اس کی درخواست کرتا ہوں۔

والسلام وصی اللہ عفی عنہ

حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی کا دوسرا خط

حضرت مخدوم ومحترم مد ظلہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جامع المجددین تجدید تصوف اور تجدید تعلیم وتبلیغ یہاں سے تین ہفتے سے زائد ہوئے ہیں کہ روانہ خدمت کردی گئی ہیں۔ رسیدی والا نامہ کا انتظار رہا۔ رجسٹری سے گئی ہیں۔ اُمید ہے کہ اب ملاحظہ سے بھی گذر چکی ہونگی۔ بنظر اصلاح ملاحظہ کی درخواست نہ تواضعاً بلکہ واقعاً اپنی غلطیوں پر مطلع ہونا مقصود ہے تاکہ دوسری طباعت میں اصلاح ہوسکے۔ دیباچہ میں بھی یہ درخواست حضرت علیہ الرحمۃ کے حضرات سے خصوصاً کی گئی ہے۔ اہل علم بھی کب اس سے مستغنی ہوتے ہیں تو یہ ناکارہ تو یقین

فرمائیں کہ علم وعمل دونوں سے خالی ہے۔ بس حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے سہارے کچھ اٹک اٹک کر چل لیتا ہے۔

اب چوتھا اور آخری حصہ تجدید سیاسیات و معاشیات کا زیر تحریر ہے اسمیں سب سے زیادہ دشواری پیش آرہی ہے اس لئے خصوصیت سے تیسیر و تکمیل کی دعا کا طالب ہوں۔

والسلام مع الاکرام
عبدالباری غفرلہ

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

مکرمی، السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مرسلہ ہرسہ کتب موصول ہوئیں ڈاک خانہ کی رسید کو خط سے مغنی سمجھ کر علٰحدہ کوئی خط نہیں لکھا گیا آپ کو اس کی وجہ سے انتظار کی جو زحمت گوارا کرنی پڑی اس کی معذرت چاہتا ہوں۔ قلت فرصت اور کثرت مشاغل کی بنا پر ابھی تک کچھ ہی حصہ دیکھ سکا ہوں بقیہ ابھی زیر مطالعہ ہے تاہم اس اتنے کے بھی دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ آپکی نیت درخواست سے خواہ تواضع کی رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن دوسروں کو تو آپ کے سامنے تواضع کرنی ہی پڑے گی اس لئے کہ خلاف تواضع وہ شخص کچھ کر سکتا ہے جو پہلے اس سے بڑھ کر یا کم از کم اس کے برابر کوئی خدمت اس کے مقابلہ میں پیش کرے اور اگر اپنا دامن اس سے خالی ہے تو اہل خدمت کی خدمات کا اعتراف کئے بغیر چارہ کار نہیں۔

حضرت علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور حضرت کے مسلک کو اس علمی دنیا میں انھیں کی زبان میں آپ نے ایک نئے اور مخصوص طریقہ سے پیش فرمادیا ہے جزاکم اللہ تعالی اب ضرورت صرف اسکی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے افراد پیدا کئے جائیں اور اس جماعت میں یوماً فیوماً اضافہ ہو کیونکہ جب تک کسی مسلک کی پشت پناہ کوئی جماعت نہ ہو اس کا اعتبار ہی کیا۔ چوتھے حصہ کی تصنیف سے مسرت ہوئی

اس کی تیسیر و تکمیل کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔

والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ

ان مکاتیب میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ مولانا ندوی مدظلہ نے ایک کام کیا اور اس میں شک نہیں کہ بڑا کام کیا۔ یعنی یہ کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کی تعلیمات اور حضرت کے مسلک کو موجودہ زبان اور زمانہ حال کے طرز بیان میں منتقل کرکے پیش فرمایا اور یہ خیال فرماکر کہ حضرت مولانا فتحپوری چونکہ مزاج شناس حضرت تھانوی ہیں اس لئے اگر حضرت کی نظر سے بھی یہ مجموعہ گذر جائے تو مقصد حکیم الامۃ کی ادائیگی اور منشائے شیخ کی تکمیل پر مزید اطمینان کامل ہوجائے ـــــ انھیں حضرت کی خدمت میں بھیجا اسکے جواب میں حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ نے بھی کس خوبصورتی سے مولانا ندوی مدظلہ کی اس خدمتِ جلیل کا اعتراف فرماتے ہوئے اس سے اگلی منزل کی نشاندہی فرمائی۔ یعنی فرمایا کہ

> "اب ضرورت اس کی ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے افراد پیدا کئے جائیں...... کیونکہ جب تک کسی مسلک کی پشت پناہ (ان تعلیمات اور خصوصیات سے متصف) کوئی جماعت نہ ہو اسکا اعتبار کیا؟"

مطلب یہ کہ کوئی "مسلک" جو محفوظ رہتا ہے "کتاب" سے اور خارجاً باقی رہتا ہے "افراد" سے۔ آپ نے ایک تحفظ کا تو ماشاء اللہ خوب انتظام فرمادیا جزاکم اللہ تعالیٰ۔

اب دوسرے کی جانب بھی کچھ اور توجہ فرمادیجئے۔

اس کے بعد مولانا عبد الباری صاحب ندوی نے ایک اور خط لکھا جس میں اپنے ایک صاحبزادہ کے متعلق تحریر فرمایا تھا کہ

اس کی اصلاح سے تنگ آچکا ہوں خیال ہوا کہ حضرت ہی کے پاس بھیجدوں

حضرت والا نے جواب مرحمت فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے بھیج دیجئے۔ اور یہ شعر بھی لکھدیا کہ ؎

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست
راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

اور حضرت علیہ الرحمۃ کا یہ جواب مولانا سید ظہور الحسن صاحب مدظلہٗ کے قلم سے گیا جو اِن دنوں خانقاہ فتحپور تال نرجا میں موجود تھے۔

چنانچہ خط ملاحظہ فرماکر مولانا ندوی نے حضرت کو لکھا

خط جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہٗ بنام حضرت مصلح الامۃ

حضرت مخدوم و محترم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مولوی ظہور الحسن صاحب کے قلم سے حضرت کے سراپا شفقت جواب کے پاتے ہی .... کو بھیجدینے کا ارادہ کیا مگر پہلے تو کچھ جڑاول اور کپڑوں کا عذر کیا گیا پھر کچھ اور موانع نکلتے رہے جس میں آج کل آج کل ہوتا رہا۔ مگر الحمدللہ کہ اسمیں ایک بہت بڑا نفع ہوا کہ سمجھانے بجھانے سے اب رغبت کے ساتھ خود آنے پر آمادہ معلوم ہوتا ہے ورنہ میری زبردستی ہی تھی۔ میں تو اس کو بھی حضرت ہی کی غائبانہ توجہ کا فیض جانتا ہوں ورنہ سمجھاتے بجھاتے تو عمر گذر گئی ....

خیال یہ آیا کہ حضرت سے اجازت لئے ایک مہینہ سے زائد ہوگیا ہے مناسب ہے کہ پھر عرض کرکے اجازت لے لوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اجازت آتے ہی روانہ کردوں گا۔

اس سراپا مریض کے ایک بہت بڑے مرض کی تشخیص تو حضرت نے ایک ہی مصرعہ میں خوب فرمادی تھی کہ ع

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافریست

(تقویٰ کی قوت تک وہم اپنی نسبت نہیں لیکن (دانش) یا تدبیر کا ہیضہ طبعاً ہے۔ اُمید کہ مزاج مبارک بعافیت ہوگا۔ والسلام مع الاکرام سراپا نالائق و ناکارہ عبدالباری

خط مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہٗ

(چار ہفتہ قیام کہف کی واپسی کے بعد)

حضرت مخدوم ومحترم بارک اللہ فی برکاتکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آنمحترم کی گوناگوں شفقتوں اور دعاؤں سے لدا پھندا یہ مسافر الحمدللہ بعافیت وطن پہنچا۔ کھرہٹ اسٹیشن پہنچ کر مسافر نوازی کی انتہا بے انتہا شرمندہ فرمانے والی بات معلوم ہوئی کہ کہاروں کی کہاری اور مزدوروں کی مزدوری تک ادا کرنے کی اجازت نہ عطا ہوئی۔

فتحپور کو یہ ناکارہ آوارہ اپنے حق میں دوسرا تھانہ بھون بنانے کا کچھ منصوبہ دل میں لیکر آیا ہے۔ حضرت علیہ الرحمۃ کی شفقتیں بھی اس نالائق پر کیا عرض کروں کیسی کیسی تھیں تاہم ہفتہ عشرہ کی مختصر حاضری میں تو اب حضرت اقدسؒ کی طرف سے خود اپنے انتظام کی اجازت نہیں مرحمت ہوتی تھی لیکن طویل یا اہل وعیال کے ساتھ حاضریوں میں عطا ہو جاتی تھی۔ یہی درخواست آنمخدوم سے بھی ہے تاکہ آئندہ جب اور جتنا تنہا یا کسی کے ساتھ حاضری سے مستفید ہونا چاہوں بے تکلف ہو سکوں۔

حضرت کی دعا وتوجہ سے اس ایک مہینہ کی حاضری ہی میں کچھ تدبیر ذہن میں ایسی آئی ہے کہ کیا عجب ہے اللہ تعالیٰ خانگی مخمصوں سے اتنی آزادی کی صورت عطا فرمادیں کہ جب اور جتنے روز چاہوں فتحپور میں پناہ گیر رہ سکوں یہی آرزو تھانہ بھون سے متعلق تھی اسکی دعا کا بدستور طالب ہوں۔ والسلام مع الاکرام

احقر العباد عبدالباری

حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب

مولانا المحترم السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بخیریت پہونچنے سے اطمینان ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اطمینان سے رکھے۔ خط میں

جو محبت کی باتیں تحریر فرمائی ہیں مزہ دے رہی ہیں۔ جناب نے جو میری قدر بڑھادی ہے میں اس کو کیا لکھوں اللہ تعالیٰ آپ کو اسکا اجر عطا فرمائے اور اپنے صالحین بندوں میں شامل فرمائے۔

تشریف آوری کی امید اور خبر سے ہر وقت آنکھیں نہایت اشتیاق کیساتھ منتظر ہیں۔ دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو اپنے بندوں کے لئے دعا کی توفیق عطا فرمائے۔

ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب، مولانا علی میاں صاحب اور مولانا محمد منظور صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

شوال ۷۴ھ

خط مولانا عبد الباری صاحب مدظلہ

بنام یکے از حاضرین خانقاہ

ایک زحمت اور قبول فرمائیں مسجد تو اب غالباً مکمل ہو گئی ہوگی۔ پرانی مسجد میں تو کل ایک ہی درجہ تین یا پانچ دروں کا تھا۔ نئی میں سنا ہے دو درجے اور سات در ہیں۔ اندر باہر گنجائش بھی غالباً دو چند ہو گئی ہوگی۔ اسی حساب سے مزدور بھی تیس چالیس ہونگے اور جو معلومات آپ مختصراً دے سکیں ایک مقصد سے مطلوب ہیں۔ والسلام دعاجو

احقر العباد عبد الباری

جواب از راقم عفی عنہ

آپ نے مسجد کے بارے میں چند امور دریافت فرمائے ہیں تو اسمیں تو شک نہیں کہ مسجد اب وسعت میں پہلے کی چارگنا ہو گئی ہے۔ تین صفوں کا اگلا دالان ہے اور دو کا پچھلا اور گیارہ صفوں کا صحن ہے اور ہر صف میں چالیس آدمی آتے ہیں۔ اندر کے ستون اور باہر کے مینارے انتہائی سبک اور حسین ہیں۔ میاں فضل باری تو

کہتے تھے کہ اس میں جھلک ندوہ کی مسجد کی آتی ہے اور مزدور تیس چالیس تو کیا کبھی کبھی انکی تعداد پچاس تک ہو جاتی تھی۔

چنانچہ سو سوا سو روپیہ بلکہ اس سے بھی زائد مزدوری دیئے جاتے تھے۔ میں نے کئی دن خود دیکھا ہے اور مزدوروں سے زیادہ کام تو اہل بستی اور اہلِ خانقاہ نے جو کیا وہ الگ رہا۔

رہا یہ کہ روپیہ کہاں سے آیا تو اُس کے متعلق عرض ہے کہ چندہ تو حضرت والا نے کیا نہیں اور اگر کسی نے کچھ از خود دیا تو انکار بھی نہیں فرمایا مگر اس قسم کی رقمیں دیکھنے میں اول قلیل ہی تھیں اور حضرت والا سے دریافت کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تاہم مختلف اوقات میں حضرت والا سے اس سلسلہ میں جو کچھ سنا ہے اور حضرت کے روزمرہ کے معاملات اور معمولات میں جو کچھ دیکھتا رہتا ہوں اسکا خلاصہ آپ کو لکھتا ہوں وہ یہ کہ جس طرح آپ کے لئے یہ مسئلہ باعث استعجاب بنا تو ہوسکتا ہے کہ اور بہت سے لوگوں کے لئے بھی بنا ہو اس لئے کہ حضرت کے یہاں اس قسم کے کاموں کے لئے نہ تو زبانی یا اشتہاری تحریک چندہ ہے اور نہ اسکا حساب و کتاب ہی شائع کرکے قوم کے سامنے جوابدہی کرنا ہوتی ہے تاکہ لوگوں کو تفصیلات کا علم ہو۔

باقی یہ ضرور ہے کہ جب کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے تو حضرت کے یہاں کے اُمور بھی مقترن بالاسباب ہی ہونگے مگر لوگ کام کو تو دیکھ لیتے ہیں اور اسباب انھیں نظر نہیں آتے اس لئے استعجاب میں پڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ حضرت کے پاس بہت روپیہ جمع ہے یَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ اور اس نوع کے کچھ معاملات ہوتے ہیں جیسے اعتقاد میں آکر بعض لوگ شیخ کا دست غیب کہنے لگتے ہیں اور ایسا وہی لوگ کرتے ہیں جو کم فہم ہوتے ہیں اور بزرگوں کے معاملات سے محض ناآشنا۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ لوگ جس کو دست غیب کہتے ہیں میں اس کو دست عیب کہتا ہوں۔ بزرگوں کا دست غیب تو یہی توکل ہے۔

پس ہمارے حضرت بھی بحمدللہ تعالیٰ اپنے اسلاف کے طرز کے مطابق اُسی

طریقہ پر گامزن ہیں جس پر حضرت حاجی صاحبؒ تھے جس پر مولانا قاسم صاحبؒ جس پر مولانا تھانویؒ تھے اور ایسا نہ صرف یہ کہ اسی دور میں ہوا بلکہ قدیم سے بزرگوں کا یہی طرز چلا آرہا ہے کہ جس کسی اللہ کے بندہ سے اللہ تعالیٰ کو کام لینا مقصود ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے حامی اور ناصرین اہل دول میں سے پیدا فرمادیتے ہیں حتیٰ کہ یہ سنت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چلی آرہی ہے۔ چنانچہ آپ جانتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ جو عرب کی میاسیر لنساء میں سے تھیں اُنکے قلب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عقد کا خیال پیدا ہونا اور پھر انکا اپنے تمام مال و متاع کو حضور پر قربان کردینا بزرگوں کے اس طریق کی خشت اول ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اس واقعہ کے بعد امتنان فرماتے ہوئے فرمایا کہ

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ۔ یعنی ہم نے آپ کو نادار پایا پس مالدار بنا دیا اور پھر اُس کے بعد سے برابر یہ سلسلہ ہی قائم ہو گیا۔

چنانچہ مسلمانوں کے عروج و زوال میں لکھا ہے کہ سلطان سنجر امام غزالیؒ کے اشاروں پر چلتا تھا اور شہاب الدین غوری فخرالدین رازیؒ کا بڑا معتقد تھا۔ اسی طرح سے احیاء العلوم میں حب فی اللہ کے بیان میں امام لکھتے ہیں کہ

بَلْ نَزِيْدُ عَلَيْهِ وَنَقُوْلُ إِذَا أَحَبَّ مَنْ يُنْفِقُ عَلَيْهِ مِنْ مَالِهِ وَوَاسَاهُ بِكِسْوَتِهِ وَطَعَامِهِ وَمَسْكَنِهِ وَجَمِيْعِ أَغْرَاضِهِ الَّتِيْ يَقْصُدُهَا فِيْ دُنْيَاهُ وَمَقْصُوْدُهُ مِنْ جُمْلَةِ ذَالِكَ الْفَرَاغُ لِلْعِلْمِ وَالْعَمَلِ الْمُقَرِّبِ إِلَى اللهِ فَهُوَ مُحِبٌّ فِي اللهِ فَقَدْ كَانَ جَمَاعَةٌ مِنَ السَّلَفِ تَكَفَّلَ بِكِفَايَتِهِمْ جَمَاعَةٌ مِنْ أُوْلِي الثَّرْوَةِ وَكَانَ الْمُوَاسِيْ وَالْمُوَاسٰى جَمِيْعًا مِنَ الْمُتَحَابِّيْنَ فِي اللهِ۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں بھی بعض اہل ثروت علماء و مشائخ کے متکفل ہوتے تھے اور یہ مواسی اور مواسیٰ دونوں متحابین فی اللہ ہوتے تھے۔

اسی طرح یہاں حضرت والا نے نہ خانقاہ بننے کی تحریک از خود کی اور نہ مسجد کی لیکن جب ضرورت واقع ہوئی تو بعض مخلصین نے حضرت والا سے اجازت لیکر تنہا اپنے کو اس خدمت کے لئے پیش کیا۔ چنانچہ خانقاہ کا اُوپری حصہ اسی طرح بنا اس کے بعد دوسرے صاحب نے مسجد کی اجازت لی۔ چنانچہ ایک ہی صاحب کا اسمیں اتنا بڑا

حصہ ہے کہ اگر کل کو انھیں کی جانب نسبت کی جائے تو غلط نہ ہوگا۔ باقی یوں جن جن مخلصین پر اعتماد و اعتبار ہوا ان کی پیش کردہ رقوم سے انکار بھی نہیں کیا گیا لیکن بایںہمہ اب حضرت کو غالباً یاد بھی نہ ہوگا کہ کس نے کتنا دیا اور نہ اس کی ضرورت ہی ہے۔ مال کے بارے میں چونکہ کسی کا اعتبار جلدی نہیں ہوتا بالخصوص اس زمانہ میں اسلئے حضرت والا اس بارے میں بہت احتیاط فرماتے تھے۔

اُمید کہ آپ اب اس جواب سے مطمئن ہوگئے ہونگے۔ ایک بات اخیر میں اور عرض کرنی ہے وہ یہ کہ حضرت مدظلہ العالی نے اس تعمیر مسجد کو بھی آنے جانے والوں کے لئے دنیوی عقل و فہم و تجربہ حاصل کرنے کا ذریعہ قرار فرما رکھا تھا چنانچہ عوام تو عوام علماء اور پڑھے لکھے لوگ بھی اس قسم کے کاموں میں عملی شرکت کا گویا جذبہ ہی نہیں رکھتے حالانکہ کسی کا گھر نہ تھا مسجد تھی پھر بھی بہت ممکن ہے کہ کسی کو اسکا کام کرنے میں بھی عار آتی ہو۔

حضرت والا نے اس موقعہ پر اسی مرض کی اصلاح فرمائی۔ چنانچہ خود کام میں شریک رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن دنوں آنے جانے والے مہمان (علماء اور غیر علماء) اور مقیمین خانقاہ سبھی لوگوں نے خوب محنت سے کام کیا۔ اسی طرح اہل بستی نے بھی شبانہ روز کام کیا جس کی وجہ سے بہت سا کام جلد اور کم خرچ میں پورا ہوگیا اور حضرت والا نے اس بہانے گویا ہم لوگوں کو معاش کے ایک اہم شعبہ کی تعلیم فرمائی۔

چنانچہ شاید ہی کوئی ہو جس نے کچھ نہ کچھ تجربہ تعمیر کا اس سے نہ حاصل کرلیا ہو اور تھا یہ بھی ایک ضروری شعبہ کیونکہ ہر شخص کو دنیا میں اس سے سابقہ پڑتا ہے۔ یہ بھی ایک چیز یہاں ایسی ہوئی جس کی جانب شاید ہی کوئی التفات کرتا ہو۔ چونکہ آپ ان اُمور کی قدر فرماتے ہیں اس لئے آپ کو لکھدیا۔

والسّلام

خادم دُعاجو۔۔۔۔۔

فتحپور۔ تال نرجا

۱۳۷۴ھ

گذشتہ سے پیوستہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالات حضرت مصلح الامتؒ

نقل خط جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ العالی

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کی کتابیں وغیرہ اب کمیاب کیا نایاب ہوتی جارہی ہیں اس سلسلہ میں احقر نے کوئی دو مہینے ہوتے ہیں حضرت مفتی صاحبؒ[1] مدظلہ کی خدمت میں ایک تجویز بھیجی تھی ممدوح نے پسند فرمائی اور اس ناکارہ کو طلب فرمایا...... اسکا جواب عرض کرنے کی نوبت نہ آئی تھی کہ چار پانچ دن ہوئے حضرت امرتسریؒ[1] کا دوسرا والا نامہ مشرف فرما ہوا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کی سعی بار بار جاری ہے اور انشاء اللہ یقیناً وہاں سامان ہو جائیگا۔ ایک اہل ہمت کا خط والا نامہ کے ساتھ ملفوف بھی تھا حضرت ممدوح کی تو یہ رائے تھی کہ مختلف شہروں میں الگ الگ اسکا انتظام ہو۔

بہرحال اب مفصل تجویز مع دو تجویزوں اور عریضہ کے پرسوں وہاں بھیجدی ہے۔ ایک نقل آں محترم کی خدمت میں بھی ملاحظہ کے لئے ملفوف ہے۔ یہ نالائق تو کچھ کاغذی گھوڑے دوڑا لینے کے سوا کسی اور لائق ہے نہیں۔ آپ اگر ان تجاویز یا انکے کسی حصہ کو کسی صورت میں قابل توجہ مشورہ تصور فرمائیں تو توجہ اور مشورہ دونوں سے مستفید فرمائیں۔

والسلام مع الاکرام

احقر العباد عبدالباری

حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کا جواب

آپکا گرامی نامہ اور ایک تحریر مشتمل برمضمون "اصلاح کی تین کارگر تدابیر" موصول ہوئی۔ تحریر مرسلہ پڑھی۔ باقی آپ نے اس سلسلہ میں مجھ سے مشورہ جو طلب فرمایا ہے تو اسکے متعلق مختصراً یہ عرض ہے کہ فتحپور کے واقعہ سے مجھے بہت سے تجربے بھی ہوئے منجملہ انکے ایک بات یہ بھی سمجھ میں آئی کہ کوئی دین کا کام ہو یا دنیا کا اسمیں اختلاف سے بہت

حاشیہ ملہ ۵۲ ان دونوں سے مراد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب امرتسریؒ خلیفہ حضرت تھانویؒ ہیں۔

دور رہنا چاہیئے، یہ وقت نفوس کی انتہائی درندگی اور سرکشی کا ہے خواہ کتنی ہی دلسوزی کے ساتھ عوام کو انکی نفع کی باتیں بتائی جائیں لیکن جب انکے نفوس کے خلاف ہوگا تو جانی دشمن ہوجائیں گے اسلئے میں تو اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ جس حد تک کام انسان کے خود قابو میں ہو بس اتنا ہی کام کرنے کا وہ مکلف ہے اگر اخلاص کے ساتھ کریگا تو اللہ تعالیٰ قلوب کو خود بخود اس کی جانب متوجہ فرمادینگے اور جو چیز اسکے قابو واختیار سے باہر ہے اسکی فکر کرے نہ اسکی فکر کرے کہ اسکو تمام عام ہی کردے۔ اس اصول کے پیش نظر جتنا کچھ سپرتا ہے کام کر رہا ہوں اور اپنے احباب سے بھی یہی کہتا ہوں۔

آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ آپکو پریشانیوں سے نجات عطا فرمائے اور زندگی کے یہ آخری ایام چین وسکون سے بسر ہوں۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

خط مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ

لکھنؤ ۲۸ رجب ۱۳۷۶ھ

حضرت مخدومی ومحترمی بارک اللہ فی برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ نے بہت مستفید فرمایا لفظ بلفظ بجا تحریر فرمایا کہ بس یہ زمانہ واقعتاً بالکل اپنے اندر ہی محدود ومنحصر ہوجانے ہی کا ہے۔ آپکو جو کچھ تجربہ فتحپور سے ہوا اس تباہ کار (وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ) کے شدید ترین مرض کے ساتھ ساتھ (تَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ) کے مریض کو تو کہنا چاہیئے کہ ساری زندگی کا وہی تجربہ ہے حضرت (تھانوی) علیہ الرحمہ نے بھی اس سراپا امراض کا ایک مرض "خیر خواہی" ہی تجویز فرمایا تھا مگر کیا کروں حضرت دیکھکر رہا نہیں جاتا آپ ہی کوئی علاج تجویز فرمائیں میری سمجھ میں تو لے دے کر ایک ہی تدبیر آتی ہے تا بامکان تعلقات سے دور رہوں لیکن کم سے کم کرنے پر اور ہزار تدبیریں سوچنے پر بھی اہل وعیال سے چھٹکارہ کی کوئی راہ نہیں نکل رہی ہے ورنہ جی تو یہ چاہتا ہے کہ کسی ایسی جگہ گم ہوجاؤں کہ لوگ جیتے جی مردہ سمجھ لیں۔ ان گھریلو تعلقات سے نجات کیسے ہو؟

اسی کی خصوصاً دعا اور دوا فرمائیں ۔ والسلام

احقر العباد عبد الباری

۱/۳/۵۷

حضرت مصلح الامتؒ کا خط بنام مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ

حضرت مولانا صاحب دام مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جن حالات کی بنا پر گم ہوجانے کا خیال ظاہر فرماکر مجھ سے اس امر میں مشورہ طلب فرمایا ہے اسکے متعلق یہی کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے قلب میں اس داعیہ کا آنا نہایت درجہ محمود ہے "یفرّ بدینه من الفتن" ارشاد نبوی ہے جسمیں خبر دی گئی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا کہ آدمی فتنوں سے تنگ آکر اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے جنگل جنگل پہاڑ پہاڑ بھاگتا پھریگا۔ ظاہر ہے کہ یہ بھاگنا کسقدر منشاء شریعت کے مطابق ہے۔ چنانچہ آپ بھی اگر تنہا ہوتے یا اور لوگوں کو آپ کی ضرورت نہ ہوتی تو اسمیں شک نہیں کہ آپ کے لئے یہی حکم ہوتا لیکن آپ جن حالات میں ہیں کہ ایک جانب آپ کے سر بال بچوں اور خاندان کے لوگوں کی ذمہ داری بھی ہے اور دوسری جانب کچھ طلبا آپ کے علم سے مستفید ہورہے ہیں نیز حضرتؒ کی باتوں کی ایک مخصوص طبقہ میں آپ کے ذریعہ اشاعت ہورہی ہے ۔ یہ سب امور ظاہر ہیں کہ مسئلہ خمول میں انجام پذیر نہیں ہوسکتے اسلئے آپ کے لئے وہ حکم نہیں بلکہ آپ کو اسی طرح رہنا چاہیے ۔ اور گو موجودہ حالات آپ کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور صبر آزما سہی لیکن اول تو صالحین کے لئے یہ آیت بھی کس قدر تسلی اور تسکین کا ذریعہ ہے قُلِ ادْعُوا شُهَدَآءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ۝ اِنَّ وَلِيَّ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ۝

دوسرے یہ کہ حالات یکساں نہیں رہا کرتے اللہ تعالیٰ کو کسی کا دل بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی اور نہ یہ اسکے لئے کچھ دشوار ہے کہ آج جو مخالف ہے کل وہی دوست ہوجائے ۔ وما ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ ۔ اسکا ایک تازہ واقعہ سنئے ۔

میری بستی میں ایک مولوی صاحب رہتے ہیں جو دوسرے خیال کے ہیں اور اپنے مسلک میں نہایت متشدد تھے ۔ ایک زمانہ گذر گیا کہ وہ برابر میری مخالفت ہی کرتے رہے لیکن آج

یہ حال ہے کہ خانقاہ میں آتے ہیں مجھ سے ملتے ہیں سلام مصافحہ و معانقہ کرتے ہیں۔ مجھ سے دعا کراتے ہیں۔ مجھ ہی سے کہتے تھے کہ عمر میری زیادہ ہے لیکن پایہ آپکا بلند ہے اور لوگوں سے میری تعریفیں کرتے ہیں۔ انتہا یہ کہ ابھی چند روز ہوئے کہ...... خانصاحب کے چھوٹے لڑکے...... خانصاحب بریلی سے یہاں آئے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب بھی اُن سے ملنے گئے اور جب انھوں نے یہاں آنے جانے کے مسئلہ پر اُن سے گفتگو کرنی چاہی تو اُنکو ٹکا سا جواب دیدیا (یعنی جب وہ مجھ سے ملنے گئے اور میرے پاس آنے جانے لگے تو اُنکی جماعت میں ہلچل مچ گئی کسی کی ہمت خود تو مولوی صاحب کے روکنے کی پڑی نہیں اسلئے...... خانصاحب سے کہا کہ آپ ہی مولوی صاحب کو سمجھا دیجئے کہ اُنکے یہاں نہ آیا جایا کریں اسکی وجہ سے مسلک کی سُبکی اور جماعت کی ہیٹی ہوتی ہے۔

چنانچہ اُن صاحب نے اس بحث کو چھیڑا اور مولوی صاحب سے پوچھا کہ آپ بھی وہاں جاتے ہیں اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ بس اس مسئلہ کو رہنے دیجئے۔ یہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ کل ایک شخص کیا تھا اور آج کیسا ہوگیا۔

لہٰذا اسی طرح سے صبر و شکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کئے جایئے کہ کیا عجب کہ کل کو نقشہ دوسرا ہی ہوجائے۔ فقط والسلام

وصی اللہ عفی عنہٗ

خط مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہٗ

حضرت مخدومی و محترمی مدظلکم العالی

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حاضریٔ خدمت کا پورا پورا ارادہ ہوچکا تھا کہ دوسری ہی صبح کو گر کر پاؤں میں ایسی چوٹ آئی کہ پلنگ سے اُترنا ہی دشوار ہوگیا۔ پھر بھی اُمید تھی کہ دو چار روز میں سفر کے لائق ہوجاؤں گا لیکن کل اور پاؤں کی تکلیف بڑھ گئی ساتھ ہی حرارت بھی ہوگئی۔ اپنے ارادوں کے جو پیہم تجربات ہورہے ہیں اُس کے بعد تو بس اُرید ان لا ارید ہی کا جی ہوتا ہے لیکن اُس کا ظرف کہاں اور یہ کم ظرف کہاں۔ بے حیا طبیعت دن رات کے ان تجربات پر بھی ارادہ بازی اور تدبیر سازی ہی میں پناہ ڈھونڈھتی

رہتی ہے۔

آپ کے طالب صادق کا حال تو اس سراپا بدحال کے لئے رشک ہی رشک کا حال تھا۔ مجھ کو تو اب اپنے اندر صدق و اخلاص کی کمی کیا بلا مبالغہ ایمان ہی میں کھوٹ نظر آتی ہے۔ نفاق اور ریا کی گندگیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اسلئے اب سب سے بڑی درخواست تو حضرت والا سے ایمان پر خاتمہ ہی کی ہے۔

ہائے کچھ بھی دوست شناسی ہو جاتی تو بیکار دشمن کی یہ نوبت ہی کیوں آتی۔ یہاں تو اب بیکار دشمن سے اُلٹی سیدھی جو نماز تھی وہی اب زبان و جوارح کی بے جان حرکات کے سوا کچھ نہیں رہی۔ آں مخدوم اسمیں مبالغہ ذرا نہ تصور فرمائیں اور دعا سے زیادہ سے زیادہ مدد فرمائیں کہ کسی طرح ایمان تو نصیب رہے۔ سب سے زیادہ وبال بظاہر مکان و باغ وغیرہ کی صورت میں مال ہو رہا ہے۔

آپ تو ماشاء اللہ فتویٰ اور تقویٰ دونوں کے جامع ہیں فرمائیں کہ کیا گھر اور گھر والوں سب کو چھوڑ چھاڑ کہیں اور روپوش ہو جانے کی اجازت مل سکتی ہے۔ تعلقات میں اپنے لئے نہ جان کی خیر پاتا ہوں نہ ایمان کی بس بے تعلقی ہی کی۔ دعا و تدبیر دونوں سے مدد فرمائیں۔ دعائے خاص کی درخواست ہے۔ والسّلام مع الاکرام

دعا گو و دعا جو

احقر العباد عبد الباری غفرلہ

۱۱ صفر ۷۸ھ مطابق

۹/۵/۵۷ء

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

مکرمی زاد لطفہٗ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ تاریخ معینہ پر آپ کا انتظار رہا لیکن عدم تشریف آوری کا عذر معلوم ہوا اور حادثہ سے افسوس بھی ہوا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہوتا ہے اُسی میں خیر ہے۔ آپ کے لئے دل سے جملہ مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں۔ بیشک ایمان کا خاتمہ سب سے بڑی دولت ہے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو نصیب فرمائے۔ آمین

مال فی نفسہ تو وبال نہ تھا۔ لیکن آپ واقعی اسکی وجہ سے خاصی زحمت میں مبتلا ہوگئے۔ خیر اللہ تعالیٰ آپ کو اسکا اجر جزیل عطا فرمائے۔ آپ نے اس دفعہ پھر وہی فتوی دریافت کیا ہے جس کو آپ پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ اس کے متعلق یہی عرض ہے کہ اگر کسی کے بال بچے بڑے ہوگئے ہیں۔ ایسے کہ اب وہ اسکی پرورش کے محتاج نہیں ہیں تو اُنکو چھوڑکر تو دوسری جگہ جا سکتا ہے۔ لیکن اگر ابھی وہ اس کی پرورش کے محتاج ہوں تو اس کے لئے اُنکو چھوڑنا جائز نہیں۔ بس یہی سمجھ لیجئے اور اسی سے اپنے حالات کا انداز کرلیجئے.......... کے حالات سن کر افسوس ہوا۔ اللہ تعالیٰ اُنکو فہم سلیم عطا فرمائے اور دین کی جانب مائل فرمائے۔

آپ نے اپنے تاثرات اور ضیق و رنج کے جو حالات لکھے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں۔ آپ حق بجانب ہیں اور معذور ہیں آپ کیلئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

خط مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہٗ

حضرت مخدوم و محترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ نیم حاضری بھی بعد مدت میسر آرہی ہے۔ خیریت اور فیوض و برکات کی کیفیت الحمد للہ ملتی رہیں۔ رمضان مبارک کا قرب اسکی مزید برکات کی یاد دلا رہا ہے۔ جی بھی بہت چاہ رہا ہے۔ کیا عجب ہے کہ فتحپوری ماہ مبارک کی کیفیات اس سال الٰہ آباد میں نصیب ہوجائیں خصوصاً اگر آں محترم کی دعا و کشش مساعدت فرمائے۔

مزید غیر حاضری کی کسر نکالنے کے لئے کچھ خاص آپ بیتی بھی دعا اور دوا کے لئے عرض کرتا ہوں۔ ایک خلجان حضرت اقدسؒ کی خدمت میں بھی اور غالباً آنمخدوم کی خدمت میں بھی پہلے پیش کرچکا ہوں۔ اِدھر وہ بہت بڑھ رہا ہے اور کچھ توجیہ بھی سمجھ میں آئی۔ استفادہ کے لئے اعادہ کرتا ہوں جب تک عقائد اور اعمال سب میں آزادی رہی آزادی کا غلبہ تھا۔ دنیا (جاہ و مال) دونوں ہاتھ باندھے لونڈی کی طرح کھڑی رہتی تھی۔ اپنی اہلیت و حیثیت سب سے بدرجہا زیادہ ہی زیادہ حاصل رہا۔ اور بلا غیر معمولی فکر و سعی کے بلکہ بارہا بلا مبالغہ

آج کسی بظاہر اَن ہونی بات کا خیال کیا اور کل بالکل بے شان و گمان اسکا سامان سامنے آگیا لیکن جب سے دین کا کچھ عملاً لگاؤ پیدا ہوا اور حضرت علیہ الرحمۃ کے قدموں تک رسائی ہوئی معاملہ بالکل اُلٹ گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال مشیت حق سے ہے۔ وسواسی طبیعت اس کی توجیہات میں دو طرف جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ پہلا عقائد و اعمال کی آزادی کا زمانہ ظاہر و باطن کی یکسانی کا تھا۔ اب ظاہر میں تو گویا بڑا دیندار۔ بعض غلط فہمی میں بڑا بزرگ جانتے ہیں اور باطن میں بخدا اپنا حال یہ پاتا ہوں کہ ایمان کا بھی اطمینان نہیں یعنی العیاذ باللہ نفاق میں مبتلا ہوں .... یہ سوچا دعا کرتا رہتا اور دوسروں سے کراتا رہتا ہوں کہ کسی طرح خاتمہ ایمان پر اللہ تعالیٰ فرما دیں تو بڑا پالا مارا۔ حضرت سے بھی اس کی دعا کی بہت لجاجت سے التجا ہے۔

دوسرا مرض یہ کہ تقدیر کے مسئلہ میں عرصہ سے بڑی الجھن میں گرفتار رہتا ہوں۔ یہانتک کہ کسی معاملہ میں "بدقسمتی" کا لفظ تک زبان پر لانا یا دوسروں سے سننا گوارا نہیں ہوتا کہ یہ تو صراحتاً بدی کی تہمت اعاذ نااللہ' اللہ ہی پر رکھ دینا ہے ....

بیشک تقدیر کا مسئلہ ہے ایسا ہی نازک اور خطرناک کہ نہ یہ عقل سے سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ اس خطرہ میں پڑنا چاہیئے۔ الحمدللہ اتنا اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہی فضل ہے کہ اس الجھن کے باوجود اجمالی ایمان یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے علم میں جو بھی اس مسئلہ کی حقیقت ہو اس پر ایمان لاتا ہوں .... اور اسی پر ایمان لانا چاہیئے۔

بس رہ رہ کر یہی خیال آتا ہے کہ منافقانہ و مصنوعی دینداری کی یا قضا و قدر کے معاملہ میں اس گریز کو سزا تو نہیں مل رہی ہے کبھی کبھی یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ صرف کفارہ سیئات کا معاملہ ہو۔ خدا کرے ایسا ہی ہو تو عزت و دولت کی چنداں پرواہ نہیں

ع "گو سخت است پس از جاہ تحکم بردن"

البتہ ذوقی معاملہ میں اَلْحَوْرُ بَعْدَ الْکَوْرِ زیادہ سخت معلوم ہو رہا ہے پھر لاکھوں کروڑوں بندۂ خدا سے بہتر حال پاکر یہ شکایت بھی ناشکری ہی معلوم ہونے لگتی ہے۔ دعا اور دوا دونوں ہی سے مدد فرمائیں۔

والسلام

عبدالباری

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

مکرم محترم جناب مولانا صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تاخیر خط سے طرح طرح کے خلجانات ہوئے...... صاحب کے زبانی معلوم ہوا تھا کہ آپ تفصیل سے کچھ لکھنے والے ہیں میں سمجھا کہ شاید اسی کی وجہ سے دیر ہوئی ہے۔ بہر حال انتظار رفع ہوا۔

اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات کو ذریعہ ہدایت خلق اللہ کا بنائے۔ تقدیر کے باب میں جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کسی وقت اسکے متعلق زبانی کہونگا۔ ایک شبہہ جو پہلے بھی آپ نے کہا تھا اس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ روزی کا معاملہ بڑا نازک ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ اس میں تنگی معصیت سے ہوتی ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہاں ایسا نہیں بلکہ روزی کی تنگی کبھی دوسروں کے سبب سے بھی ہوتی ہے اور اصل تنگی انھیں پر ہوتی ہے اسکا تعدیہ دوسروں پر بھی ہوجاتا ہے ۔

شنیدم کہ ہر مرغ ومور و دَداں شود تنگ روزی بفعلِ بداں

یہاں بتلایئے کہ یہاں جو مرغ و مور اور دد پر روزی تنگ ہے اسکا اسمیں کیا دخل ہے بدلوگوں پر انکی بدی سے روزی تنگ کیجاتی ہے اسکا اثر انکو بھی پہونچتا ہے اسی طرح خیال فرمایئے کہ ایک صالح شخص ہے اس پر تنگی انکی وجہ سے نہیں بلکہ اسکے ساتھ جو اور طالع شامل ہیں یہ اسکی نحوست ہے اور میں یہ سمجھ کر لکھ رہا ہوں۔ اُمید یہ ہے کہ آپکی سمجھ میں بھی یہ آتا ہوگا میں اسکا انتظار کروں گا کہ آپ نے اس کو صحیح سمجھا یا نہیں؟ (اور آپ نے) آنے کے باب میں لکھا ہے بہت شوق سے ان ایام میں یاد کرونگا۔ برکت کی دعا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس کی اُمید کرتا ہوں۔ والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ

(راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ اپنے اوپر جس نفاق کا اندیشہ فرما رہے ہیں وہ نفاق عملی ہے اور یہی وہ نفاق ہے جس سے حضرات صحابہ تک ڈرا کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے الخیر الکثیر میں نفاق کی اسی قسم کو بیان کرکے لکھا ہے کہ وَاِیَّاہُ کَانَتِ الصَّحَابَۃُ یَخَافُوْنَ اور اسی کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ:۔ مَا اَمِنَہٗ اِلَّا مُنَافِقٌ وَّمَا خَافَہٗ اِلَّا مُؤْمِنٌ۔ یعنی اس نفاق سے مومن ہی ڈرتا ہے اور منافق مطمئن ہوتا ہے) ازناقل

خط مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ

"تعزیت نامہ"

کل عزیز مکرم میاں ...... سلمہ کی زبانی اچانک آنمخدوم کے ہاں کے دوہرے حادثہ کی ایسی اطلاع ملی کہ "اشد بلاء" کا مشاہدہ ہوگیا! تعزیت بھی خصوصاً آپ کی "انا للہ وانا الیہ راجعون" سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے جو بندوں کے رب نے بندوں کو سکھلائی ہے اور جس کا نقد دم صلہ بھی خود اسی کی طرف سے "صلوات ورحمت" کی نوازشیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بھی نوازیں۔ دونوں مرحومات کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ہی رحمت سے نوازیں اور ہم سب کی مغفرت فرمائیں۔

دونوں دامادوں سلمہا کی خدمات میں بھی تعزیت اس دعا گو کی طرف سے فرمادیں۔

والسلام مع الاکرام
عبدالباری
۶ رشوال ۷۹ھ م ۳ اپریل ۶۰ء

خط مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ

(جب کہ حضرت والا۔ اہل وطن کی معافی اور انکی عاجزانہ درخواست پر فتحپور تال نرجا تشریف لے گئے)

حضرت مخدومی ومحترمی بارک اللہ فی برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہجرت کے بعد اخلاق کی پوری فتح کے ساتھ فتحپور میں داخلہ نے الحمدللہ سنت پوری کرادی اور الہ آباد کے مستقل دار الہجرت بن جانے کی بڑی مصلحت بھی سمجھ میں آرہی ہے۔ کہ ماشاء اللہ افادات، وبرکات کا دائرہ ہی وسیع بہت فرمادیا گیا بلکہ اسوقت شہر ہی جس طرح دینی فتنوں کا مرکز بہت زیادہ ہورہے ہیں۔ صلاح کا مرکز بھی انھیں کو زیادہ ہونا چاہیے۔

حق تعالیٰ امت کو بیش از بیش متمتع اور آنمخدوم کو زیادہ سے زیادہ ماجور فرمائیں۔ والسلام

احقر العباد عبدالباری

حضرت والاؒ کا جواب

مکرمی حضرت مولانا سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

واقعی میں اسوقت فتحپور ہوں بظاہر لوگ خوش معلوم ہورہے ہیں۔ان لوگوں نے میرے سب شرائط منظور کرلئے ہیں اس لئے آگیا ہوں۔آیا تو تھا چند روز کے لئے مگر آنے کے بعد زمین ہموار نظر آئی اور توقع ہوئی کہ شاید اب لوگ سنیں اور قبول کریں اس لئے قیام کچھ زیادہ ہوگیا۔

الہ آباد سے یہاں گرمی کم ہوتی ہے۔وہاں کی لو اور گرمی کی شدت برداشت سے باہر ہوجاتی ہے اس لئے الہ آباد کے بعض حضرات نے یہ کہا کہ گرمی کا زمانہ یہیں گذارو۔لہٰذا ٹھہر گیا کام کررہا ہوں۔ دعا فرمایئے۔

اور اصل ہجرت تو یہ ہے اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَاجَرَ عَمَّا نَهَى اللهُ تَعَالَىٰ عَنْهُ۔ اللہ تعالےٰ اس کی توفیق عطا فرمائے اور میرا منشا یہی ہجرت تھی جس کا ذکر حدیث میں ہے یَفِرُّ بِدِيْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ (یعنی اپنے دین کو فتن سے محفوظ رکھتا)۔

بس یہ فرار اسی لئے تھا۔اس فرار سے وہاں بھی کچھ صورت دین کی پیدا ہوگئی اور یہاں بھی لوگوں کی سمجھ درست ہوگئی۔اصل بانی فساد مطیع ہوگئے اور یہی لوگ الہ آباد جاکر خلوص سے مع یہاں کے اکابر ہنود اور دیگر اشخاص معززین کے درخواست کی کہ فتحپور چلئے چنانچہ بمقتضاء اخلاق الٰہی اُنکی درخواست منظور کی۔اور نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ جسطرح فتح مکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ مکہ میں ہوا تھا (اسی سنت کے مطابق) فتحپور میں داخلہ ہوا اس طرح کہ راستوں پر عورتیں ومرد دورویہ استقبال میں کھڑے نظر آتے تھے غرض منظر عجیب دیکھنے کے قابل تھا۔پہلے مسجد میں داخل ہوا تحیۃ المسجد ادا کی اور سب ساتھیوں نے بھی ادا کی اس کے بعد گھر میں داخل ہوکر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ اور خوشی خوشی یہاں ہوں اور کام کررہا ہوں۔اہل الہ آباد بھی یہاں آتے ہیں

تو یہاں کی فضا سے متاثر ہو کر جاتے ہیں۔ اہل الہ آباد پر بھی اسکا اثر خاصا پڑ رہا ہے یہ وجہ یہاں قیام طویل کی ہے۔ آگے اللہ کی مرضی۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ

ذیقعدہ سنہ ۸۰ھ

خط مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ

حضرت مخدوم محترم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ملفوظ افادات نے بہت مستفید فرمایا جزاکم اللہ۔

تحذیر العلما پر تو پہلے ہی سے استفادہ کے لئے نشانات لگا رکھے ہیں حضرت کی اس تشخیص اور دیرینہ مسلسل تجربہ سے ہم مسلمانوں کی موجودہ حالات کے سمجھنے میں بڑی گرہ کشائی ہوئی کہ ہمارا عام بڑا مرض الا ماشاء اللہ نفاق ہے۔ باقی سب درحقیقت اس کے انڈے بچے ہیں۔ اس سلسلہ کی کوئی اور مطبوعہ چیز ہو تو اس سے بھی مستفید ہونا چاہتا ہوں۔ ملفوظ تازہ افادات سے بھی انشاء اللہ کام لونگا۔ "علم علی اللسان" کا زور اتنا بڑھ گیا کہ متکلم ومخاطب میں علم فی القلب سے غافل ہو کر اسلام کی زبانی داد ہی داد میں سارا علم جاننے لگے ہیں۔ آپ کے الہ آبادی عارف اکبر نے اپنے رنگ میں خوب ہی فرمایا ہے ؎

دادتم اسکی نہ دو بھائی عمل اس پر کرو
پیش درگاہ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

ہمارا اسلام اب وہی اعراب والا زیادہ سے زیادہ رہ گیا ہے کہ

قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ۔
اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

والسلام
احقر العباد عبد الباری

اسکے چند ہی دن کے بعد دوسرا خط آیا وھو ھذا

حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی کا دوسرا خط

حضرت مخدوم محترم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنمخدوم کے مرسلہ حدیثی اقتباسات میں جوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم کے

دو ہی کلمات نے شرح صدر و شفائے صدر سب فرمادیں فِدَاہُ اَبِی وَاُمِّی۔

اس ننگ امت کے فہم میں امت کے حق میں اسوقت کے فتنوں کا بڑا سرچشمہ "مُنَافِقُ عَلِیْمُ اللِّسَان" اور "اَئِمَّۃُ الْمُضِلِّیْن" ہی کی کثرت ہو رہی ہے۔ اس ناکارہ کی کچھ بھڑاس اسی سلسلہ کی طباعت کے ابتدائی مراحل میں ہے۔ مقدمہ زیر تحریر ہے انشاء اللہ اس میں حضرت کے مرسلات سے استفادہ ہوگا۔ اپنی کم علمی کی وجہ سے قلم بہت رُک رُک کر چل رہا ہے۔ تحصیل تکمیل اور عند اللہ قبول کی دعا فرمائیں۔

لیکن حضرت حقیقت حال یہ ہے کہ اپنی زبانی جمع تخریج پر بھی بار بار شبہہ مُنَافِقُ عَلِیْمُ اللِّسَان ہی کا ہوتا رہتا ہے۔ اسی لئے نہ اسکا کوئی نفع پاتا ہوں نہ علیم اللسانی قلم ہی زیادہ چلتا ہے۔ کام تو بس عملی و انفرادی تربیت و تعلیم کا وہی معلوم ہوتا ہے جو کہ حق تعالیٰ آپ سے لے رہے ہیں۔

مَتَّعَنَا اللّٰہُ بِطُوْلِ بَقَائِکُمْ۔ فقط۔ والسلام

احقر العباد

عبد الباری

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب
(بقلم یکے از خدام)

مکرمی و معظمی دام مجدہم السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا۔ حضرت والا نے آج اُسے مجلس میں بھی سنایا۔ یہ معلوم کرکے بہت ہی مسرور ہوئے کہ یہاں سے ارسال کئے ہوئے بعض مضامین کی آپ نے بہت قدر فرمائی اور بروقت ہونیکی وجہ سے وہ آپ کے کام آگئے فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذالک مزید مسرت کا سبب جناب کا یہ ارشاد ہوا کہ اُس ننگ امت کے فہم میں اُمت کے حق میں اسوقت کے فتنوں کا بڑا سرچشمہ مُنَافِقُ عَلِیْمُ اللِّسَان اور ائمۂ مضلین ہی کی کثرت ہو رہی ہے اسلئے کہ آپ کا یہ خیال حضرت والا کے طرز فکر اور مذاق سے بالکل ہم آہنگ ہے چنانچہ آج کی ساری مجلس ہی اسی مضمون پر رہی جس کا خلاصہ عرض ہے:-

(۱) فرمایا کہ آج علماء نے ان عوام اور جاہلوں کی اصلاح سے بالکل قطع نظر کر رکھا ہے

بس اُن کی خوشنودی ان کے پیش نظر ہے۔ سب کام اسی سے بگڑا ہے یعنی کام کرنیوالوں میں للّٰہیت اور خلوص نہیں رہا۔ خالق کی رضا اُنکے پیش نظر نہیں رہی ہے بلکہ اُس کی جگہ مخلوق کی چاپلوسی نے لے لی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب خالق کو چھوڑا تو مخلوق نے بھی اپنی نظروں سے انھیں گرادیا اور جاہلوں کے سامنے انھوں نے اپنے کو ایسا کچھ گرادیا کہ اجیر اور مزدور سے بھی بدتر ہوگئے۔

۲- اسی سلسلہ میں فرمایا کہ علماء سلف اور سلف صالحین سے جو کام ہوا تو اُن کے اخلاص کی وجہ سے ہوا کیونکہ ان حضرات نے خلوص کو برابر پیش نظر رکھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے عوام کو بھی انکی جانب متوجہ فرمادیا پھر بھی ان حضرات کے پیش نظر رضاء حق ہی رہی مخلوق کی انھوں نے مطلقاً پرواہ نہیں کی۔ اس پر یہ واقعہ سنایا کہ حضرت مولانا شہیدؒ نے ایک دفعہ بعد اختتام وعظ مصافحہ کرتے ہوئے برسرِ مجلس ایک رئیس کی ناک پکڑ کر زور سے ہلادی اس پر انھوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم نے کچھ دیکھ سمجھ کر آپکو پکڑا ہے۔ آپ ہماری عقیدت اور محبت کا امتحان نہ فرمائیں۔ اور یہ تو آپ نے مجمع میں صرف ناک ہی پکڑی ہے اگر آپ میرے کپڑے اُتروا کر برسرِ بازار جوتے بھی لگائیں تب بھی بندہ کی عقیدت اور محبت میں سرِ مو فرق نہ آئیگا۔

۳- نیز فرمایا کہ یہ علماء عوام سے ڈرتے ہیں اور انکی نظریں مسبب الاسباب سے ہٹ کر اب اسباب پر مقصود ہوگئی ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ صاف فرمایا ہے:-

أَتَخْشَوْنَهُمْ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ (یعنی کیا تم لوگوں سے ڈرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ زیادہ مستحق ہے کہ تم اُس سے ڈرو۔

چنانچہ علماء بنی اسرائیل کی تباہی اور ذلت کا یہی امر سبب بنا کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صریح نہی کے بعد خود کو نہ بدلا اور اپنی نظر مخلوق ہی پر رکھی۔

۴- جناب والا کے مکتوب کے آخری جملہ سے کہ۔ ”کام تو بس عملی و انفرادی تربیت و تعلیم کا وہی معلوم ہوتا ہے جو حق تعالیٰ آپ سے لے رہے ہیں“۔ یہاں کے کام کی جو تحسین مفہوم ہوئی اُس سے بھی حضرت والا خوش ہوئے۔ چنانچہ فرمایا کہ آجکل جو ان مجالس اور محافل میں اثر نہیں رہ گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اخلاص کو یکسر ترک کردیا

ہے اب ظاہر ہے کہ کلام میں تاثیر آئے تو کہاں سے آئے کیونکہ اب اس زمانہ میں وعظ و تقریر تو صرف الفاظ کی درستگی کا نام ہے۔ چنانچہ اسی میں مقابلہ ہوتا ہے اور عوام سے داد اور تحسین طلب کیجاتی ہے رہا مطالبہ عمل تو یہ تو اُن سے بالکل نظر انداز ہی کر دیا گیا ہے جس کا انجام یہ ہوا کہ عوام اپنے کو اعلیٰ اور علماء کو ادنیٰ تصور کرنے لگے کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ علماء کا معیار فضل اب ہمارے ہاتھ میں ہے ہم جس کو بڑھا دیں وہ بہتر اور جس کو گھٹا دیں وہ کمتر ہے لہٰذا جب تک علماء اپنے اس طرز کو نہ بدلیں گے وہ اپنے حقیقی منصب پر کبھی فائز نہ ہو سکیں گے اور فلاح سے محروم ہی رہیں گے۔ اسی لئے میں صرف لفاظی اور محض حسن تقریر کو پسند نہیں کرتا بلکہ کُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيْمِ اللِّسَانِ کا مصداق ہی سمجھتا ہوں۔ باقی دیکھتا یہی ہوں کہ ان لوگوں نے عوام کو بھی تحسین لفظ بندش تراکیب اور خوبیٔ عبارت میں بالکل پھنسالیا ہے اور مقصد سے یہ سب کے سب دور ہو گئے ہیں۔ اسی لئے عوام کا آج بالکل بیڑا ہو گیا ہے۔

۵۔ آج حضرت والا نے اپنا ایک واقعہ سنایا اور آپ کے پاس بھی اس کو لکھنے کے لئے فرمایا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی فرمایا کہ صرف آپکو اس کی اطلاع دے رہا ہوں باقی اس کی اشاعت کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ:-

حضرت والا کا معمول صبح کو تفریح میں جانے کا ہے۔ آج حسب معمول اپنے ایک خادم خاص کے ہمراہ ایک رکشے پر تفریح کیلئے تشریف لے جارہے تھے کہ سردی زیادہ ہونے کی وجہ سے راستہ میں ان خادم صاحب سے چائے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ ان صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اب یہاں تو ہوٹل ہی کی چائے بروقت دستیاب ہو سکتی ہے۔ آگے ایک ہوٹل ہے اجازت ہو تو وہیں سے لے آؤں۔ فرمایا کہ اگر یہ کچھ نشہ آور چیزیں وغیرہ نہ ملاتے ہوں تو خیر وہیں سے لائیے اس وقت ضرورت تو محسوس ہو رہی ہے۔

غرض چائے لائی گئی اور حضرت نے (دوکان کے قریب آکر) رکشے ہی پر بیٹھے بیٹھے نوش فرمائی۔ اس کے بعد اُن صاحب سے فرمایا کہ اگر صبح صبح نہی عن المنکر کا ثواب آپ کو مل جائے تو کیسا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت بہت اچھا ہے۔ فرمایا کہ اچھا تو مالک ہوٹل صاحب سے میرا پیغام جا کر کہئے اور جن لفظوں میں میں کہتا ہوں وہی کہئے گا۔ جا کر اُن سے کہئے کہ آج ایک مولوی آپ کی دوکان پر آگیا ہے کچھ کہنا چاہتا ہے اس کی بات مانئے گا۔

اُن صاحب نے مالک ہوٹل سے یہ پیغام جاکر کہا، انھوں نے کہا ضرور مانوں گا۔ ارشاد فرمائیں
فرمایا کہ یہ کہئے کہ آپ کے ہوٹل میں یہ جو تصویریں آویزاں ہیں انکو ہٹا دیجئے اس لئے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس مکان میں تصویریں ہوتی ہیں اس میں رحمت
اور برکت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ ایک عالمِ دین کی لاج
ضرور رکھ لیں گے۔

اس پیغام کو سنتے ہی اُن مالک ہوٹل صاحب نے فوراً اپنے دو شخصوں کو حکم دیا اور
انھوں نے چاقو سے سب تصاویر کاٹ کر پھینک دیں اور خود بہت ہی نادم ہوئے۔ پھر
حضرت والا نے اُن صاحب سے فرمایا کہ آپ جاکر صاحبِ ہوٹل سے کہئے کہ آپکے اس اقدام سے
مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے حکم شریعت کا فوراً امتثال کیا۔ میں بھی آپ کے لئے اور آپکے
دوکان میں برکت کے لئے دعا کرونگا۔

اس بات سے مالک ہوٹل صاحب اور زیادہ متاثر ہوئے پھر حضرت نے روانہ ہونے کے بعد
کچھ دور چل کر رکشا رکوایا اور اُن صاحب کو پانچ روپیہ مرحمت کرکے فرمایا کہ جائیے مالک ہوٹل
صاحب کو میری جانب سے یہ ہدیہ پیش فرما دیجئے اور کہیے کہ آپ کے اس فعل سے بہت ہی خوش
ہیں۔ ہوٹل والے صاحب اول وہلہ میں تو جھجکے اور کہا کہ ارے میں اس قابل کہاں ہوں کہ
حضرت مجھے ہدیہ دیں۔ تاہم اُن صاحب کے کہنے سے کہ یہ حضرت کا تبرک ہے اس کو تو قبول ہی
کرلیجئے انھوں نے یہ کہتے ہوئے لے لیا کہ خیر میں اس کو خرچ نہ کرونگا برکت کیلئے اپنے پاس محفوظ
رکھونگا۔ اس معاملہ کو دیکھ کر اُن ہوٹل والے صاحب سے رہا نہ گیا اُبل ہی پڑے اور دوکان سے
اُٹھ کر باہر رکشا کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میاں نے اس گنہگار کے ساتھ جس کرم کا معاملہ فرمایا
ہے یہ ناچیز اسکا اہل نہ تھا۔ یہ سب میاں کا کرم ہے۔ حضرت نے بھی انکو گلے سے لگا لیا اور
بہت دعائیں دیں۔ اور خوشی خوشی وہاں سے اپنی تفریح کے لئے روانہ ہو گئے۔

حضرت والا نے آج اس وجد آفریں واقعہ کو سنا کر فرمایا کہ مولانا کو لکھدو
کہ آپ جو کچھ اشاعت فرمانا چاہتے ہیں وہ کیجئے۔ لیکن کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اب اس
زمانہ میں صرف مضامین کی اشاعت سے کام نہیں چلے گا بلکہ اس وقت تو ضرورت
ہے اُس نوع کی تبلیغ کی جیسی حضرت مولانا شہید صاحبؒ نے فرمائی تھی
یعنی لوگوں کو وعظ اور عمل سے تبلیغ کرنے کی ضرورت ہے اور یہ اس لئے کہ یہ زمانہ

ہے علیم اللسان منافق کی بھرمار کا تو اب صرف تحریر یا تقریر اس لئے کافی نہیں کہ عوام کو منافق علیم اللسان میں اور علمائے ربانی میں امتیاز ہی دشوار ہو رہا ہے اور یہ چیزیں ان میں تمیز کے لئے ناکافی ہیں کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ بولتے اور لکھتے یہ بھی ہیں اور لکھتے اور بولتے وہ بھی ہیں لہذا دونوں جماعتوں میں اشتباہ ہوجانے کی وجہ سے وہ اہل حق سے مستفید نہیں ہو پاتے بلکہ اکثر افراد پر تو یہ اشتباہ برعکس معاملہ کا سبب بن جاتا ہے یعنی وہ نا اہل ہی کو اہل اور منافق ہی کو مخلص سمجھ لیتے ہیں اور ساری عمر اس چکر سے نہیں نکلتے اس لئے فارق کی اشد ضرورت ہے اور میرے نزدیک وہ فارق یہی دینی و اصلاحی وعظ۔ عملی تبلیغ اور نصح مسلم مع الاخلاص ہے کیونکہ منافق اپنی زبان کو عالم بنا سکتا ہے مضامین میں بھی اہل حق کی نقل کرسکتا ہے لیکن اخلاص۔ نصح اور عمل کہاں سے لائے گا اس سے عوام کو اہل و نا اہل میں فرق کرنا آسان ہوجائے گا۔

(والسلام یکے از حاضرین خانقاہ

بحکم حضرت والا دامت برکاتہم)

”ناظرین معرفت کے لئے ایک بشارت“

ایک طالب نے حضرت قاری محمد مبین صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا اسمیں لکھا کہ

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (میری) اہلیہ سے (خواب) میں فرمایا کہ تم فلاں سے (یعنی مجھ سے) حدیث پڑھوا کر سنا کرو (یعنی کوئی دینی کتاب) اس طرح سے آپ نے تین دن فرمایا۔

بندہ نے اُن سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لینا کہ کونسی کتاب (پڑھوا کر سنوں) چنانچہ انھوں نے دوسرے دن دریافت کیا۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ

پرچہ معرفت حق۔ بہشتی زیور۔ - - - - - - - -

ظاہر ہے کہ اس خواب کی صحت میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ لہذا اس سے اگر ان کتب کی مقبولیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اور عنایت بے غایت پر بطور فال نیک کے استدلال کرلیا جائے تو حق ہے۔

اللہ تعالیٰ اسکی برکات سے ہم سب کو مستفید فرمائے۔

جامع عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حالاتِ حضرت مصلح الامت رح

خط حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ العالی

حضرت مولانا الاکرم متعنا اللہ بطول بقائکم مع الصحۃ والعافیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اب تو یہ راقم الحروف لفظاً بھی عاجز رقم ہو کر رہ گیا ہے۔ خصوصاً لکھنے لکھانے دونوں کے معاملہ میں۔ اس لئے نیم حاضری سے بھی محرومی ہی رہتی ہے۔ تاہم بحمد اللہ آں محترم کی خیر و خبر برابر ملتی رہتی ہے۔ سب سے مستند واسطہ تو ہمارے حضرت حکیم صاحب ہیں۔ محب و مکرم امجد اللہ صاحب بھی جب لکھنؤ تشریف لاتے ہیں تو مشرف فرماتے ہیں۔ ادھر تشریف آوری حجاز سے بمبئی ہوتے ہوئے ہوئی تو کئی گھنٹے احقر کے پاس گزارے۔ اور حضرت والا کی صحت و خیریت پوری تفصیل سے اور تشفی بخش معلوم ہونے کی مسرت نصیب ہوئی۔ باقی ماشاء اللہ معرفت حق خوب ہی خوب حق کی معرفت کا حق ادا کرتا رہتا ہے۔ اس طرح سے مکانی قرب کی سعادت سے محرومی کے باوجود تعلیمی فیوض و برکات اس سے بہت زیادہ نصیب ہوتے رہتے ہیں۔ جتنا کبھی کبھی کی حاضری سے ہوتے تھے۔ پھر بھی حاضری سے مستقل محرومی کا خیال باعث قلق و ملال ہی رہتا ہے۔

تازہ معرفت حق میں ایجادات کی حیثیت و حقیقت کے تحت افادات پڑھ کر بار بار دل و زبان سے بیساختہ ماشاء اللہ اور سبحان اللہ نکلتا رہا۔

اس سلسلہ میں حضرت کی زبان حق ترجمان سے تو حق تعالیٰ نے ایسی حقیقت کو واضح فرمایا کہ شاید ہی اکابر وقت میں سے کسی کو اتفاق ہوا ہو۔ لوگ اس بے جان اور بے شعور جمادی طرح طرح کی ایجادات یا مشینوں پر حیرت کرتے اور انکی داد دیتے تھکتے نہیں۔ لیکن ظالموں کی بے بصری کی یہ کیسی بیداد ہے کہ خود اپنے علمی و شعوری۔

ظاہری و باطنی علم و شعور والے آلات کے موجد و صانع سے جہل و غفلت کا یہ عالم کہ جس سے ایسی ایسی عجیب ایجادات کی صلاحیت عطا فرمائی۔ اس سے اندھے بنے رہتے ہیں۔ اور نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ اور وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ تنبیہات و تصریحات سے بھی " مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی آنکھیں نہیں کھلتیں۔

ایک خوشخبری رہتے رہتے اور ملتی رہتی ہے۔ حضرت نے جب پہلا سفر افادات اپنے مقامی مطب سے باہر فرمایا تو اس بے بصر و بے بصیرت کے ذوق و وجدان نے کچھ قبول نہ کیا پھر علیگڈھ کے سفر کے جو حالات سنے اور مقالات معرفت حق میں پڑھے تو خیال ہوا کہ کیا عجب ہے کہ اب حق تعالیٰ ہی کی طرف سے آپ کے افادات و برکات کی اس طرح بھی توسیع کی ایک صورت پیدا فرمائی گئی ہو۔ پھر جب معرفت حق ہی میں عزیز مکرم قاری صاحب کی طرف سے کچھ ایسا اعلان پڑھا کہ اب ایسے بیرونی سفروں کا ارادہ ترک ہی فرمادیا گیا ہے تو پھر اس سے اپنے پرانے ذوق والی مسرت لوٹ آئی۔ لیکن ادھر کچھ صحت و علاج ہی کی غرض سے لکھنؤ کے سفر و ارادے کی خبریں پھر ملتی رہیں اور اب بمبئی کے سفر کی اصل غرض یہی معلوم ہوئی کہ الہ آباد کی گرمی حضرت کی صحت کے لئے اب موافق و مناسب نہیں سمجھی گئی۔ مزید دو دن پہلے ہی مکرمی سید حسین صاحب سے یہ اطلاع ملی کہ ان حضرات کی درخواست لکھنؤ کے لئے بدستور قائم ہے تو اس میں تو مضائقہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح گرمی کا موسم صحت ہی کے لئے بمبئی کا مناسب تصور فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح غالباً سردی کا موسم اسی غرض سے لکھنؤ کی سعادت کے لئے اختیار فرمایا جاسکتا ہے اور عام اعلان بھی ہو کہ یہ سفر اصلاً بغرض صحت و علاج ہی ہے۔

اپنی خود غرضی بھی اس میں اچھی خاصی شریک معلوم ہو رہی ہے کہ کچھ نہ کچھ اس طرح قرب مکانی کی دولت بھی نصیب ہوتی رہے گی خصوصاً اگر قیام کے لئے کوئی قابل قبول صورت خود غریب خانہ کو نصیب ہوگئی۔

.... سردست اس طرح اپنے نہ سہی ایک دوست ہی کے قلم سے نیم حاضری کی سعادت بسر آگئی۔

والسلام مع الاکرام
دعاگو اور خصوصاً سلامتی ایمان کے ساتھ خاتمہ اور مغفرت کا طالب
احقر العباد
عبدالباری غفرلہٗ

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب
(بقلم یکے از خدام)

مکرمی و معظمی دام مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا نے بعد سلام مسنون کے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ الحمدللہ اب پہلے سے بہت اچھا ہوں۔ اپنی صحت اور اصلاح کے لئے آنجناب سے دعا کا طالب ہوں۔

راقم عرض کرتا ہے کہ آپکا خط آیا حالات معلوم ہوئے۔ مولوی...... صاحب سے تو آپ کو صرف حضرت کی صحت کا حال معلوم ہوا ہوگا اس لئے کہ انھوں نے حضرت والا کو اسی حال میں دیکھا تھا۔ مرض کا حال وہ کیا بتلا سکتے تھے۔

آپ نے ذوق اور وجدان کو جو لکھا ہے بہت مبارک ذوق ہے۔ چنانچہ حضرات اہل اللہ جو کچھ بھی کام کرتے ہیں وہ ذوق ہی سے کرتے ہیں لیکن اذواق میں اختلاف ہوسکتا ہے اور کسی کا ذوق دوسرے پر حجت نہیں ہے۔

یوں تو حضرت والا کہیں کا بھی سفر نہیں فرماتے لیکن کوئی ضرورت ہی درپیش ہو اور مقامی طور پر وہ مشکل حل نہ ہوتی ہو تو مجبوراً دوسری جگہ کا سفر کرنا ہی پڑتا ہے وَالضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْذُوْرَاتِ اور سردی میں وہاں آنے کے متعلق جو فرمایا ہے تو اس سلسلہ میں کہنا یہ ہے کہ حضرت والا کا تو مرض ہی سردی کا ہے اس لئے موسم سرما اور تکلیف دہ ہے۔

لہٰذا جتنا آرام اپنے گھر میں مل سکتا ہے ظاہر ہے کہ دوسری جگہ ممکن نہیں۔ چنانچہ یہی امر موسم گرما میں بمبئی آنے کے لئے مرجح بنا کہ یہاں حضرت کے بہت سے عزیز رہتے ہیں اور وطن کے بہت سے لوگ ہیں جن سے راحت ملنے کی توقع تھی۔ چنانچہ ملی۔

یہ دوسری جگہ میسر نہ آتی ورنہ تو بعض احباب نے ڈیرہ دون اور پہاڑ پر جانے کی بھی رائے دی تھی نیز وہاں تو آپ حضرات موجود ہیں ہی اور بہت سے اہل فضل و کمال حضرات ہیں کام کرسکتے ہیں۔ ایسی جگہ جانے سے اور وہ بھی کام کرنے کے لئے حضرت والا کا ذوق اِباء کرتا ہے۔

چنانچہ فرمایا کرتے ہیں کہ ایک آدمی کہاں کہاں جائے۔ کام کا طریقہ یہی آسان ہے کہ جو لوگ جہاں ہیں وہیں کام کریں۔

والسلام خیر ختام
یکے از خدام حضرت والا
۲۲ر محرم ۱۳۸۶ھ

حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی مدظلہ اور حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہ کے مابین جو مراسلت رہی اسے آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یہ حضرت مولانا ندوی مدظلہ العالی حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ زمانہ حال کے اُن چند علماء میں سے ہیں جو انگلیوں پر گنے جاتے ہیں۔ بڑے شخص ہیں لیکن حضرتؒ سے جس انداز میں مکاتبت فرمائی ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ اس سے جہاں حضرت مولانا ندوی مدظلہ کے خلوص اور تواضع کا علم ہوتا ہے وہیں حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کی جلالت شان کا بھی اندازہ لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ مولانا ندوی مدظلہ کے فتحپور (تال نرجا) تشریف لیجانے کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ نے اپنے وطن عزیز ہی کو خیرباد کہدیا۔ پھر کچھ دنوں گورکھپور اور پھر اسکے بعد چند ہی سال الٰہ آباد میں مستقل قیام فرمایا تھا کہ پھر علالت ہی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اُدھر خود مولانا ندوی مدظلہ بھی کچھ اس وجہ سے اور کچھ اپنے ذاتی حالت اور علالت کی بنا پر بھی مجبور رہے ورنہ طے فرما چکے تھے کہ ہر سال کچھ معتدبہ زمانہ حضرت والا کی معیت میں گذارا کریں گے۔ اس سے اندازہ فرمالیجئے کہ مولانا ندوی مدظلہ بھی حضرت کی مجالس میں کچھ قلبی سکون اور طمانیت ضرور محسوس فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت والا مدظلہ

ان دونوں اپنی مجالس میں جن اُمور و ابحاث پر زیادہ زور دیتے تھے وہ "نفاق کی بحث" تھی۔ تو آپ نے دیکھا کہ مولانا ندوی مدظلہ بھی اس سے کس قدر متاثر ہوئے اور ان ابحاث کی اہمیت اور ضرورت پر حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کی کیسی کچھ تائید فرمائی ہے۔

حضرت والاؒ ہی سے کسی موقعہ پر فرماتے سُنا کہ ایک عالم دوسرے عالم کو جلدی مانتا نہیں یعنی جلدی اسکا معتقد نہیں ہوتا"۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد اگر کوئی عالم کسی دوسرے سے اپنا اعتقاد ظاہر کرے تو یہ اِس کا تو کمال ہے اور اُس کے اکمل ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ مولانا ندوی مدظلہ نے بھی حضرت مصلح الامت کو جیسا کچھ جانا، پہچانا اور مانا وہ انکی اپنی مراسلت سے ظاہر ہے۔

اور صرف یہی نہیں کہ مولانا ندوی مدظلہ نے حضرت سے بذاتِ خود محبت عقیدت کا تعلق رکھا ہو بلکہ دیکھا تو یہ گیا کہ معاصرین میں سے کوئی دوسرا جلیل القدر عالم بھی اگر حضرت مصلح الامتؒ کے علم و فضل کا اعتراف کرتا تھا تو خود مولانا ندوی کو بھی اس سے بیحد مسرت ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر عرض ہے کہ دیکھئے مولانا ندوی نے اپنے ایک مضمون میں پہلے تو حضرت مصلح الامت کا سراپا اس طرح بیان فرمایا کہ

"ظاہری رنگ اس بڑے قدا کا ذرا جذب و جوش و جلال کا ہے مگر باتیں ماشاءاللہ خوب ہوش و کمال کی ہیں۔ سالک مجذوب کی بڑی دلکش جامعیت و شخصیت۔ نکلا تو تھا زیادہ تر کچھ تھانوی شخصیت۔ تعلیم و تربیت کی اُمید لگا کر لیکن پائی ساتھ ساتھ حکیم الامتؒ کے حکیمانہ و عارفانہ علوم کی شان بھی۔"

اس کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ العالی کو اِس کی شہادت میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اس کی زبردست توثیق اپنوں سے بڑھ کر پرایوں کے محب اعزِ اکرم مولانا علی میاں سلمہٗ کی شہادت ہے جو بڑی حد تک بالکل ایک دوسرے مذاق و مسلک کے بزرگ سے وابستہ و فیض یافتہ رہے ہیں۔

احقر کے دوران قیام ہی میں ممدوح کا ایک مکتوب مولانا مدظلہ کی خدمت میں گیا
جس میں درخواست تو ماہ مبارک (رمضان) میں خود اپنے حق میں خاص دعاؤں کی تھی
ضمناً حضرت مولانا کے علوم و افادات سے اپنی مناسبت و استفادہ کا بھی ذکر بطور
خاص ہی تھا۔ علم وفضل کے گوناگوں کمالات کے باوصف چونکہ موصوف سلمہٗ کا رنگ
دوسرا ہی ہے اس لئے تھانوی رنگ کے کسی بزرگ سے انکی اتنی مناسبت پر کچھ
حیرت کے ساتھ مجھ کو مسرت زیادہ ہوئی اسکا اظہار بیساختہ فتحپور ہی سے ایک نیاز نامہ
میں کیا تھا جواب لکھنؤ کی واپسی پر توثیق مزید کا وہی ملا کہ :-

"واقعی مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں دو بار حاضری ہوئی اور اُن کے
علوم و افادات سے مناسبت معلوم ہوئی اور بہت مخلصانہ اور
عارفانہ باتیں معلوم ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ اُن ذات بابرکات کو تادیر
سلامت رکھے۔"

(چار ہفتہ ایک کہف میں)

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی شہادت کی وضاحت کے سلسلہ میں آپ کے
سامنے اُن گفتگو اور مراسلات کو بھی گزاردوں جو حضرت مصلح الامتؒ اور خود
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہٗ العالی کے مابین ہوئیں۔ امید ہے
کہ ناظرین کے لئے یہ سب باتیں سبق آموز ہی ثابت ہونگی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہٗ
اور حضرت مصلح الامتؒ

اوائل فروری ۱۹۵۷ء میں مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہٗ کا غالباً اپنے کسی
تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں مئو ضلع اعظم گڈھ تشریف لے جانا ہوا چنانچہ وہاں سے حکیم
مولوی حبیب اللہ صاحب مئوی کے ہمراہ حضرتؒ سے ملاقات کے لئے مولانا ندوی مدظلہ
فتحپور (تال نرجا) بھی تشریف لے گئے۔

یہ حضرتؒ سے مولانا کی غالباً پہلی ملاقات تھی۔ راقم الحروف بھی اُن دنوں خانقاہ
فتحپور ہی میں مقیم تھا۔ حضرتؒ سے مل کر اور مجلس میں شرکت فرما کر مولانا ندوی مدظلہ

بہت ہی مسرور ہوئے اور مجھے یاد ہے کہ مجھ سے فرمایا مولوی صاحب! یہاں آنے کے بعد اس بات کا اندازہ ہوا کہ یہ جگہ تو مستقل طور سے سفر کرکے آنے کی ہے۔ میں نے اس سے یہی سمجھا کہ مولانا چونکہ مئو مبارک پور وغیرہ تشریف لائے تھے اور یہاں فتحپور تشریف لانا اس بار گویا ضمناً ہوا ہے اسی کو مولانا فرما رہے ہیں کہ یہ جگہ ایسی نہیں ہے کہ آدمی یہاں ضمناً اور تبعاً آئے۔

بلکہ یہاں کا حق ہے کہ یہاں مستقل طور سے سفر کرکے آیا جائے۔

بہرحال مولانا ندوی کو یہاں کے مختصر سے قیام میں وہ لطف آیا کہ اسکی چاشنی بہت دنوں تک باقی رہی۔ چنانچہ واپسی کے بعد اپنے رفیق جناب حکیم صاحب قبلہ کو جو خط لکھا وہ مولانا کے قلبی تاثرات کا پورا ترجمان ہے۔ وھو ھذا

خط مولانا سید علی میاں صاحب ندوی مدظلہ بنام حکیم مولوی حبیب اللہ صاحب مئوی

۹ جمادی الثانیہ ۱۳۷۳ھ م ۱۱ فروری ۱۹۵۴ء

محبی و مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ سے رخصت ہوکر دیوریا پہنچا۔ وہاں سے سیدھا لکھنؤ آیا۔ واپسی پر طبیعت کچھ متاثر و بے کیف رہی۔ اب الحمد للہ بہتر ہے مگر اضمحلال و بے لطفی باقی ہے آپ کی عنایات دل پر نقش ہیں۔

فتحپور کا مبارک اور پُر لطف سفر برسوں نہ بھولے گا۔ آتے جاتے آپکی مخلصانہ و محبانہ ادائیں اور فتحپور میں حضرت والا دامت برکاتہم کی بزرگانہ شفقتیں اور نوازشیں اب بھی یاد آتی رہتی ہیں اور دل میں چٹکیاں لیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ پھر وہ پُرمسرت لمحات نصیب فرمائے اور آپ کی معیت میں فتحپور کا سفر نصیب ہو۔

آپ فتح پور جائیں تو اس ناکارہ کا حضرت والا کی خدمت میں خادمانہ سلام پیش کریں اور اسکے قلب کی اصلاح اور یکسوئی کیلئے دعا کی درخواست۔ نیز یہ کہ پہلی حاضری آئندہ کیلئے محرک اور شوق ثابت ہوئی۔ اللہ جلد توفیق دے۔ والسلام

خاکسار ابوالحسن علی۔ مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ کچہری روڈ۔ لکھنؤ

نقل خط حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہ العالی
بنام حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ

۱۳ رمضان ۷۴ھ

مخدوم معظم مصدر فیوض وافادات جامع البرکات دامت فیوضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید قوی ہے کہ حضرت والا کے مزاج گرامی بعافیت ہونگے۔ اور ماہ مبارک بسہولت وراحت اپنے مشاغل مبارکہ کے ساتھ گذر رہا ہوگا۔ یہ محب دعا گو بھی بحمد للہ بعافیت ہے۔ اپنی حقیر و ناکارہ ذات کے ساتھ جناب والا کی جو شفقتیں رعایتیں دیکھیں اور اپنے اندر حضرت والا کی ذات گرامی کے ساتھ جو عقیدت و محبت اور جناب کے علوم وافادات کے ساتھ جو مناسبت محسوس کرتا ہوں اس کی بنا پر یہ عریضہ محض طلب دعا کے لئے پیش کر رہا ہوں۔ جناب والا سے دردمندانہ و مخلصانہ التجا ہے کہ اس ماہ مبارک اور اس کی ساعت میں اسکی دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے اور اپنا بنائے اور اپنی ذات عالی کے ساتھ سچا اور مخلصانہ تعلق پیدا فرمادے اپنی محبت سے دل کو لبریز کردے اور نفاق سے محفوظ کرکے ایمان حقیقی نصیب فرماوے۔

امید ہے کہ اس دعا کے ذریعہ امت محمدیہ کے ایک حقیر ترین فرد اور ایک ناکارہ و آوارہ انسان پر مدۃ العمر احسان فرمائیں گے۔ فاوف لنا الکیل وتصدق علینا ان اللہ یجزی المتصدقین۔

چونکہ مقصود صرف اتنی درخواست تھی اور جواب سے حضرت والا کا قیمتی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا اس لئے جوابی کارڈ یا لفافہ بھیج کر طبیعت پر پابندی کا بار نہیں ڈالا۔

نفع اللہ المسلمین بطول بقائکم۔

ناچیز ابو الحسن علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حالاتِ مصلح الامت

حضرت اقدس کا جواب

محبی و مخلصی زاد اللہ حبکم و اخلاقکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ ملا۔ آپ نے خیریت دریافت فرمائی ہے الحمد للہ آپ کی دعا سے بخیریت ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو عافیت ظاہری اور باطنی کے ساتھ رکھے چونکہ آپ نے دعا کی درخواست کی ہے لہٰذا امتثالاً للامر دعا کرتا ہوں۔ اپنی طلب صادق عطا فرمائے اور آپ کو مخلصین میں شامل فرمائے آپ سے بھی اسی دعا کی درخواست ہے۔ والسلام

ایک مضمون درج کرتا ہوں اُمید ہے حسب حال ہوگا۔ دھو ھذا۔

ا۔حق سبحانہ باآں بزرگی و کبریائی بندہ ہا را از کمالِ بندہ نوازی بجناب قدس خویش برزبان انبیاء علیہم الصلوات والبرکات دعوت فرمودہ و راہِ وصول را بیان وروشن ساخت افسوس است کہ ازیں قسم دعوت چشم پوشیدہ و اعراض کردہ در دعوت نفس شیطان درآید و از دولتِ قرب و لذتِ وصال محروم گشتہ بعذاب وحرمان گرآید آں لذتِ زیادہ از لذاتِ جناتِ نعیم است و ایں عذاب بدتر از عذاب جحیم۔

فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ اِنِّیْ لَکُمْ مِّنْہُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝

(ترجمہ) حق سبحانہ نے تو باوجود اس بزرگی و کبریائی کے جو کہ انھیں حاصل ہے۔ محض اپنی کامل بندہ نوازی سے اپنی جانب توجہ کرنے کی تمام انسانوں کو حضرات انبیاء علیہم السلام کی زبان پر دعوت دی ہے اور راہِ وصول (طریق) کو بالکل واضح اور زیادہ روشن فرمادیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انسان اس دعوت سے تو اعراض کرلے اور بالکل آنکھیں بند کرلے اور نفس اور شیطان کی دعوت کو قبول کرکے حق تعالیٰ

کے قرب کی دولت اور وصال کی لذت سے یکسر محروم ہوکر عذاب وحرماں میں مبتلا ہوجائے آنجنابیکہ وہ لذت جس سے محروم ہوا جنتِ نعیم سے بھی بڑھ کر اور یہ عذاب جس میں مبتلا ہوا عذاب جحیم سے بھی برتر ہے۔

لوگو! خدا کی طرف دوڑو دیکھو میں تم کو ڈرانے والا ہوں۔

۲- ایں بزرگواراں در محبت حق جل وعلا از خود واز غیر خود گسستہ اند در عشق او از آفاق وانفس گذشتہ ماسوا را در راہ او در باختہ وبرباد ساختہ اند اگر حاصل دارند اورا دارند اگر واصل اند باو واصل اند باطن شان را بنہج انقطاع از دون او تعالیٰ روئے دادہ است کہ اگر سالہا یاد ماسوا نمایند بیاد شان نیاید واز انانیت نفس بنوعے گذشتہ اند کہ عود کلمہ انا را از خود شرک می دانند۔ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ وَرِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔ خداوندا مرا از یں قوم بگرداں یا از نظارگیانِ ایں قوم گرداں کہ قوم دیگر را طاقت ندارم۔

۳- ہر کس کہ ہوس ایں راہ دارد و تخم ایں اندیشہ در دل می کارد باید کہ ہمہ چیز را گذاشتہ صحبت ایں اکابر اختیار نماید وجان نثار لوازم طلبگاری کند واز ہر جا کہ بوئے از یں دولت بمشام جاں برسد از پے آں شود خوش گفت. بود۔ ؎

بعد ازیں مصلحتِ کار دراں می بینم   کہ روم بر درِ میخانہ و خوش بنشینم

(مکتوب بست و دوم)

ترجمہ:۔ ان بزرگوں نے حضرت حق جل وعلا کی محبت میں نہ اپنے کو دیکھا اور نہ غیر کو بلکہ سب سے یک لخت خالی ہوگئے اور عشق مولیٰ میں اپنے نفس کو بلکہ سارے ہی جہان کو چھوڑ دیا۔ اور ماسوائے اللہ کو اللہ کے راستہ میں خیر باد کہہ کر خود کو انکے ساتھ واصل کر لیا۔ اس طرح سے کہ اب اگر کسی سے تعلق رکھتے ہیں تو اسی سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی سے واصل ہیں تو اسی سے واصل ہیں۔

چنانچہ ان حضرات کے باطن کو ماسوے اللہ سے ایسا انقطاع کلی ہوجاتا ہے کہ اب

اگر ماسوی کو سالہا سال یاد کریں تب بھی یاد نہ آوے اسی طرح سے نفس کی انانیت اور رعونت سے ایسا نکل جاتے ہیں کہ اب اس کے بعد لفظ انا کا استعمال بھی انکو شرک معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد باندھا تھا اسکو سچ کر دکھایا اور یہ وہ لوگ ہیں جنھیں تجارت اور بیع اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مشغول نہیں کرتی۔ خداوندا تو مجھے بھی اسی قوم میں سے کردے یا کم از کم انکی زیارت کرنے والوں ہی میں سے بنادے کیونکہ ان ..... دو کے علاوہ تیسری قوم میں ہونے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اب جو شخص کہ طریق میں داخل ہونے کی ہوس رکھے اور طلب خدا کے خیال کا بیج اپنے دل میں بونا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ تمام چیزوں کو ترک کرکے مشائخ طریق کی صحبت اختیار کرے اور لوازم طلب کے آگے اپنی جان نثار کردے اور جس جگہ سے بھی اس دولت کی خوشبو اسکے مشام جان میں پہونچے اس کی تحصیل کے درپے ہوجائے کسی نے خوب کہا ہے کہ اب اس کے بعد مصلحت کار اس میں سمجھتا ہوں کہ مے خانہ کے دروازہ پر جا پڑوں اور خوشی خوشی وہیں ایام گذاردوں۔

۳۔ عزیزے می فرماید کہ لَوْ اَقْبَلَ مُقْبِلٌ عَلَى اللّٰهِ مُدَّةَ عُمُرِهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهُ لَحْظَةً فَكَانَ مَافَاتَهٗ اَكْثَرَ مِمَّا نَالَهٗ۔

(مکتوب دوصد و پنجاہ و پنجم)

ترجمہ:۔ کسی اللہ والے کا کہنا ہے کہ اگر کوئی طالب خدا ساری عمر اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ رہے لیکن اس کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی اگر اس نے اس سے اعراض برتا تو اس سے فوت شدہ امور کی تعداد حاصل شدہ سے بڑھ جائے گی۔ یعنی اس کی وجہ سے اس کو نقصان جو پہونچے گا وہ اس کے نفع سے کہیں زیادہ ہوگا۔

(مکتوب ۲۵۵)

والسلام وصی اللہ عفی عنہ

رمضان المبارک ۸۷ھ

اوپر مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا جو خط نقل کیا گیا ہے۔ یہی وہ خط ہے جو مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ العالی کے زمانہ قیام فتحپور میں آیا تھا اور اسی کے متعلق مولانا نے فرمایا تھا کہ ـــــ "احقر کے دوران قیام میں ممدوح کا ایک مکتوب مولانا مدظلہ کی خدمت میں گیا۔ اصل درخواست تو ماہ مبارک میں خود اپنے حق

میں خاص دعاؤں کی تھی۔ ضمناً حضرت مولانا کے علوم و افادات سے اپنی استفادہ کا بھی ذکر بطور خاص ہی تھا۔

چنانچہ مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کا ایک اور مکتوب نقل کرتا ہوں جو انھوں نے کسی موقعہ پر حضرت مصلح الامتؒ کو لکھا تھا۔ دیکھئے کس عقیدت اور خلوص و محبت کے ساتھ عرض مدعا کیا ہے۔ افسوس کہ اس خط کا جواب نہ مل سکا۔ ہوسکتا ہے کہ صرف دلی دعا ہی اسکا جواب رہا ہو جیسا کہ مولانا علی میاں صاحب ندوی کے خط کا آخری جملہ بھی اسی کا مؤید ہے۔

اب خط ملاحظہ ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بخدمت سراپا خیر و برکت رحمت و شفقت حضرت مولانا دامت فیوضہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ حضرت والا کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے،

عرصہ سے کوئی عریضہ ارسال خدمت کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہوئی اور خود اپنا ہی نقصان کیا کہ اگر عریضہ لکھتا تو حضرت والا کا قلب مبارک متوجہ ہوتا اور اس ناکارہ و آوارہ کی یاد تازہ ہوتی، سفر سے پہلے بھی عریضہ لکھنے اور دعا کی درخواست کرنیکا ارادہ تھا مگر توفیق نہ ہوئی۔ اب پھر قلب پر تقاضا ہوا اور الحمد للہ کہ اس کی تکمیل کی توفیق ملی۔

اگرچہ حضرت والا سے بہت دور دور رہا اور بہت دیر دیر میں نیاز حاصل ہوتا ہے مگر حضرت کی محبت سے اپنے قلب کو معمور اور اس محبت کی وجہ سے قلب کو مسرور پاتا ہوں، اور طبعی کشش محسوس کرتا ہوں۔ تین مہینے سے زاید باہر رہنے کے بعد حاضر ہوا ہوں۔ شاید کچھ عرصہ کے بعد حاضری کی سعادت حاصل ہو، ابھی پھر ایک سفر درپیش ہے اور مشاغل و ذمہ داریوں کا اقتضا یہاں کچھ عرصہ قیام کا ہے۔

اس عریضہ کا مدعا قلب مبارک کو متوجہ کرنے اور اپنے حق میں دعائیہ کلمات کہلوانے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ امید ہے کہ اس مقصد میں یہ عریضہ کامیاب ہو۔

والسلام مع الاکرام۔ ناچیز و ناکارہ ابوالحسن علی

نقل مکتوب گرامی مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ

مخدومنا و برکتنا حضرت مولانا دامت برکاتہٗ و فیوضہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اللہ تعالیٰ کی ذات کریم سے امید قوی ہے کہ حضرت والا کا مزاج گرامی اب اور بہتر ہوگا اور درمیان میں جو اثر پڑ گیا تھا وہ زائل ہو گیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آنمخدوم کی ذات والاصفات کو تادیر سلامت باکرامت رکھے اور طالبین اور عامۃ المسلمین کو منتفع ہونے کی بیش از بیش توفیق اور اس وجود گرامی کی قدر و معرفت عطا فرمائے اللّٰھم آمین۔

اس سفر میں حضرت والا نے جس شفقت و ذرہ نوازی کا برتاؤ فرمایا اس کا مزہ آج تک دل میں ہے اور ع

کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید

کہاں یہ عامی کہاں شیخ وقت کے الطاف عصر و مغرب کے درمیان کی مجلس میں حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا کہ بیماری میں ہر چیز سے یہاں تک کہ گفتگو کرنے سے بھی طبیعت برداشتہ ہوجاتی ہے ایسی حالت میں جی چاہتا ہے کہ کوئی اور گفتگو کرے اور ہم سنیں۔ چونکہ مرض کی ایک کیفیت ہے اس لئے دعا تو یہی ہے کہ یہ کیفیت زائل ہو چکی ہو اور حضرت والا کی طبیعت گفتگو اور نطق کی طرف متوجہ ہو اور خدام و مخلصین ارشادات عالیہ اور تحقیقات طیبہ سے مستفید ہو رہے ہوں۔ لیکن اگر اسکا کچھ بھی اثر ہو تو اسکا ایک بدل تجویز کیا ہے کہ اپنی ایک حقیر (تاریخ دعوت و عزیمت) پیش خدمت کروں اور وہ کبھی کبھی حضرت کی مجلس میں پڑھ کر سنا دی جائے۔ اس کی جراءت اس لئے بھی ہوئی کہ اس کتاب کے بعض مضامین سے (جو اکابر کے کلام و تالیفات سے ماخوذ ہیں) حضرت کے اذواق و ارشادات کی تائید ہوتی ہے۔ نہ اس کا تقاضا ہے کہ یہ کتاب ضرور ہی سنائی جائے اور نہ اس کا انتظار رہے گا۔ نہ حضرت والا سے کسی تبصرہ یا اظہار رائے کا مطالبہ، صرف یہ کتاب وہاں موجود رہے۔

اور اگر وہ کچھ بھی تفریح طبع کا ذریعہ ہوسکے تو اپنی سعادت سمجھوں گا۔

والسلام

ناچیز ابوالحسن علی ندوی

جواب از حضرت مرشدی مصلح الامت نور اللہ مرقدہٗ

مکرمی جناب مولانا دام مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ اب طبیعت بہت اچھی ہے اسوقت کے اعتبار سے اب قوت بھی الحمدللہ ہوگئی ہے اور روز افزوں ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ پوری طرح قوت عطا فرمائے تاکہ کچھ کام کرسکوں۔ آپ نے چند کلمات میں جس محبت کا اظہار فرمایا ہے اس پر دل سے آپکا ممنون ہوں اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں آپ کے مراتب بلند فرمائے اور بیش از بیش اپنے تعلق اور اپنی رضا کی تحصیل کی توفیق عطا فرمائے باقی آپ نے جو لکھا ہے کہ ؏

"کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید"

تو اسکا صحیح مصداق تو یہ تھا کہ میں اسے پڑھتا۔ کیونکہ ایک بادشاہ نے کسی دہقان کے یہاں نزول فرمایا تھا اس پر اس نے یہ کہا تھا۔ تو آپ کی مثال شاہوں کی سی ہے کہ کبھی یہاں اور کبھی وہاں نزول فرماتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ایک دہقان کے یہاں بھی نزول فرماکر اس کو شرف بخشا اسی لئے اگر میں یہ کہوں تو حق بجانب ہوں کہ ؏

"کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید"

بلکہ پورے ہی قطعہ کو دہراتا ہوں کہ ؎

ز قدر و شوکتِ سلطاں نگشت چیزے کم
التفات بمہماں سرائے دہقانے

کلاہِ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید
کہ سایہ بر سرش انداخت چوں تو سلطانے

اور آپ نے اپنی بعض تصانیف کے متعلق جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ مرض کی وجہ سے گفتگو کرنے کو جی نہیں چاہتا تو مجلس میں اس کو پڑھ کر سنایا جائے تاکہ تفریح طبع کا

ذریعہ ہو سکے۔ اس کے متعلق میرا خیال یہ ہے کہ چونکہ اس کے مضامین ارشادی ہیں جیسا کہ آپ نے بیان فرمایا تو ہیں ارشادی مضامین کو تفریح کا سبب نہیں بناؤں گا کیونکہ یہ اس کی ناقدری ہوگی بلکہ میں یہ کرونگا کہ اسکا از خود مطالعہ کروں گا اور جس طرح سے بزرگوں کے اقوال سے اثنائے گفتگو میں استدلال کرتا ہوں اسی طرح سے اس کے مضامین کو بھی لوگوں کے سامنے پیش کروں گا۔ لیکن یہ سب کچھ ابھی نہیں بلکہ معتدبہ قوت کے بعد کروں گا کیونکہ ابھی تو یہ حال ہے کہ صرف فرائض اور سنن پر اکتفا کرتا ہوں نوافل کی ادائیگی میں بھی تعب محسوس کرتا ہوں۔ مغرب کے بعد بھی صرف دو رکعت پڑھ کر لیٹ رہتا ہوں اور یوں کسی کی گفتگو سننا جیسی وقفات بھی ہوتے رہتے ہیں اس میں تو تعب نہیں ہوتا ہے بلکہ کچھ نشاط ہی ہوتا ہے اور کسی کتاب یا مضمون کو مسلسل سننا اس کا تعب خود پڑھنے یا خود کلام کرنے سے کم نہیں ہے اس لئے فی الحال شاید مستفید نہ ہو سکوں باقی بعد صحت تو انشاء اللہ تعالیٰ اس سے پورا کام لوں گا۔ جس کے لئے آپ حضرات کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہٗ

۲۴ ربیع الاول ۱۳۷۶ھ حال مقیم گورکھپور

خط جناب مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت کی شفقت و عنایت جو اس بندہ حقیر و گنہگار پر ہے اس سے دل بہت ہی متاثر ہے۔ یہ عاجز اس کو اللہ رب العزت کی خاص نعمت خیال کرتا ہے کہ ممکن ہے کہ اس تعلق کی خاطر کی وجہ سے ایمان پر خاتمہ ہو اور وہاں کے عذاب سے نجات مل جائے۔ صبح کی مجلس میں حاضری کی سعادت ہوئی تھی۔ ارشادات عالیہ سے بہت ہی نفع ہوا اور اپنی شامت اعمال کا احساس رہا۔ اپنے لئے اور ہمشیرہ کے لئے دعا کی استدعا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کا سایہ تادیر قائم رکھیں۔

ابو الحسن علی ندوی

حضرت والا کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی عنایت و محبت سے بندہ خود متاثر ہے۔ آپ ہی کے اثر کا یہ اثر ہے۔ یہ تعلق خاطر الحمدللہ بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ باقی رکھے اور اس پر خاتمہ فرمائے اور عذاب سے نجات مل جائے۔ مجلس کی باتوں سے نفع اور احساس کی زیادتی یہ مناسبت دینیہ کی بین دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو روز بروز بڑھائے اور اپنے صالح بندوں میں داخل فرمائے۔

ہمشیرہ صاحبہ کے لئے دعائے خیر کرتا ہوں اور آپکی دعاؤں کا طالب ہوں۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

خط مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ

مخدومی و معظمی دامت برکاتہ و الطافہ و مکارمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آداب خادمانہ کے بعد گذارش ہے کہ یہ ناچیز وناکارہ حضرت والا سے رخصت ہو کر بعافیت اپنے مستقر پر پہنچا۔ حضرت والا کی شفقتیں اور ذرہ نوازی برابر یاد آتی رہی۔ حضرت والا نے جس اہم ومبارک موضوع کی طرف توجہ دلائی وہ میری اصلاح و تعلیم کے لئے بہت مفید تھی۔ ہم لوگوں نے اس موضوع و مضمون کو بالکل فراموش و نظرانداز کر دیا ہے۔ جناب والا کے ارشاد سے اس کی اہمیت و عظمت تازہ ہوئی اور اس موضوع پر اپنی بے بضاعتی کا احساس ہوا اب جی چاہتا ہے کہ خاص طور پر اسکا مطالعہ کرے اور اگر خدا توفیق دے تو حافظ ابن قیم کی کتاب "حادی الارواح" کے طرز پر اردو میں اسکا ذوق بڑھانے اور عام کرنے کے لئے بھی ایک کتاب لکھے جو مستند احادیث و منتخب آثار و اخبار پر مشتمل ہو۔

سفر الہ آباد اپنی صعوبت و موسم کی سختی کے باوجود اس لئے قیمتی تھا کہ حضرت والا

کی زیارت ہوگئی اور کچھ دیر صحبت بابرکت میں بیٹھنے کا موقعہ ملا اور ارشادات سے مستفید ہوا امید ہے کہ حضرت کا مزاج بالکل بعافیت ہوگا۔

والسلام مع الاکرام

ابوالحسن علی ندوی

۲۵ شوال المکرم ۷۷ھ

جواب حضرت مصلح الامتؒ

حبی و محبی سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مکرمت نامہ نے شرف صدور بخشا باعث ازدیاد محبت و خلوص ہوا جو حضرات اہل علم میرے پاس آمد و رفت فرماتے ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ قلب کا رجحان جناب کی طرف ہوتا ہے ارقام فرمایا ہے کہ جس اہم و مبارک موضوع کی طرف توجہ دلائی ہے وہ میری اصلاح و تعلیم کے لئے بہت مفید تھی۔ ہم لوگوں نے اس موضوع و مضمون کو بالکل فراموش و نظرانداز کردیا ہے، اس کو سن کر بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

لگ چلا تھا دل قفس میں پھر پریشاں کردیا
ہمصفیرو تم نے پھر ذکر گلستاں کردیا

اب میں جناب سے اجازت چاہتا ہوں۔ کچھ عرض کرنے کی بعد آنے اجازت نامہ کے قدرے تفصیل سے عرض کروں گا۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

(نوٹ:۔ اس کے ساتھ کچھ اور مضمون بھی گیا۔)

(مضمون جو بھیجا گیا)

آج حضرت والا نے آپ ہی کے خط سے مجلس کی ابتدا فرمائی اور آخر مجلس تک اس پر گفتگو جاری رہی چند باتیں عرض کرتا ہوں تاکہ جناب والا بھی اس سے لطف اندوز ہوسکیں۔

۱۔ فرمایا کہ جنت اور آخرت کا مضمون بیان کرنے کے لئے قرآن شریف ہی کیا کم ہے۔ ان چیزوں کا ذکر قرآن شریف میں مجملاً نہیں آیا ہے بلکہ مفصل آیا ہے اس لئے کسی قدر وضاحت کے لئے اگر علماء کی کتابوں سے چاہے تو استعانت حاصل کرے باقی اصل مضمون کے لئے جس قدر مؤثر قرآن کریم کا بیان ہے کسی کا نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم کے الفاظ بھی معجز ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس لئے بھی معجز ہیں کہ اور دوسرے کلام میں اتنی تاثیر نہیں جتنی کہ قرآن کریم میں ہے اس لئے قرآن شریف کے ذریعہ زیادہ اثر کی امید ہے۔ اس لئے کہ قرآن کریم جیسا طرز بیان اور اس جیسی شوکت کوئی کیسے لا سکتا ہے ؎

گر مصور صورت آں دلستاں خواہد کشید
لیک حیرانم کہ نازش راچساں خواہد کشید

۲۔ فرمایا کہ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ اُمت کے تعامل سے جو بات معلوم ہو سکتی ہے وہ صرف کتاب کے ذریعہ نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے آج ہم نماز کس قدر آسانی سے سیکھ لیتے ہیں یہ تعامل اور صحبت کا اثر ہے ورنہ صرف کتابوں میں تو دیکھ کر اُمت کو رکوع کرنا بھی نہ آتا اور صرف ایک رکوع میں بڑا اختلاف ہو جاتا۔ کوئی کہتا کہ یوں ہونا چاہئے کوئی کہتا ہے یوں ہونا چاہئے۔

مگر خلفاً عن سلفٍ چونکہ چلا آرہا ہے اسلئے کوئی بھی اختلاف نہیں۔

۳۔ فرمایا کہ دین دیندار کی صفت ہے کتاب کی نہیں اس لئے خوف رجاء خشیت اور محبت وخلوص وغیرہ جتنی قلبی چیزیں ہیں یہ اہل خوف ورجاء اور اہل خشیت ومحبت اور کسی مخلص ہی کی صحبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کتابوں سے تو آپ نے ابھی معلوم کیا کہ ظاہری عبادات کی صحیح کیفیت بھی سمجھ میں آنی دشوار تھی پھر باطنی چیزیں کیا مل سکتی تھیں اور جب کہ علماء باعمل سے استغناء نہیں ہو سکتا ہے تو پھر قرآن شریف سے کیسے استغنا ہو سکتا ہے اگرچہ اسکی ہزار شروح و تفاسیر ہوں۔

۴۔ فرمایا کہ کوئی کتاب ہو یا اسکا ترجمہ قرآن شریف سے بے نیاز نہیں بنا سکتا آج لوگوں نے قرآن شریف کو تو ترک کر دیا ہے اور دوسری کتابوں کو اس کی جگہ

لئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس سے غیرت آتی ہے۔
چنانچہ شامی میں لکھا ہے۔ قال المزنی قرات کتاب الرسالة علی الشافعی رح
ثمانین مرة فما من مرة الا و کان یقف علی خطاء فقال الشافعی هیه ابی الله
ان یکون کتابا صحیحا غیر کتابه۔

۵۔ نیز فرمایا کہ قرآن شریف میں واذ اقتلتم نفسا فادارءتم میں بنی اسرائیل کے زندہ ہونے کا واقعہ بیان فرماکر فرمایا کہ کذٰلک یحیی الله الموتی یعنی بس اسی طرح سے اللہ تعالیٰ مردہ کو زندہ فرمائیں گے۔ یہ واقعہ کسی مزید تشریح کا محتاج ہی نہیں ہے خود احیاء موتی پر مفصل دلیل ہے۔

اس کے بعد فرمایا ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۭ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ اس میں کتنی تفصیل کے ساتھ نصیحت فرمائی اور کیسا وعظ فرمایا۔

۶۔ یہ بھی فرمایا کہ اس کے بیان کے لئے ضرورت صرف اس کی ہے کہ پہلے علماء خود متاثر ہوں تب دوسروں پر اثر ڈال سکیں گے اور اثر کے لئے معین یہ بھی ہے کہ الفاظ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ہوں ترجمہ وغیرہ کرنے سے آخرت اور جنت کا کچھ تھوڑا بہت خطور قلب میں ضرور ہوجاتا ہے مگر کامل اثر تو اسی وقت ہوگا جب خدا کے کلام کے ذریعہ اثر ڈالا جائے گا۔ والسلام دعاجو

(یکے از حاضرین خانقاہ)

دیکھئے مولانا ندوی مدظلہٗ نے تو انتہائی عقیدت سے لکھا تھا کہ ؏ "کلاہ گوشۂ دہقاں بآفتاب رسید"۔
لیکن حضرت اقدس رحؒ نے بھی اس کے جواب میں اپنے شایان شان تواضع اختیار فرمایا۔

اسی طرح سے مولانا ندویؒ مدظلہٗ نے تو مزاج والا کی پوری رعایت فرماتے ہوئے غایت ادب ملحوظ رکھ کر محض سکون وراحت حاصل ہونے کے خیال سے اپنی کتاب سنائے جانے کا مشورہ پیش فرمایا تھا ـــــ مگر حضرت والا نے بھی کتاب کی قدر وعظمت باقی رکھتے ہوئے عام گفتگو اور مضامین کتاب کے اثر میں جو فرق بیان فرمایا وہ وجد آفریں ہے۔ سبحان اللہ

خط حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہٗ

مخدومی و مشفقی دامت برکاتہٗ والطافہٗ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ امید ہے کہ حضرت والا کا مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ محبی ...... خانصاحب جناب والا کا شفقت نامہ اور ارشادات عالیہ کی نقل لائے میں سفر میں تھا۔ وہاں سے بہت خستہ و شکستہ آیا۔ گرمی کا طبیعت وصحت پر اثر پڑا تھا اس لئے جلد مکتوب گرامی کی نقل روانہ نہ کرسکا۔ اب بعد استفادہ کے روانہ کررہا ہوں، اصل مکتوب تبرکاً رکھ لیا ہے۔

جناب نے ازراہِ شفقت و مکرمت تفصیل سے ارشاد فرمانے کا جو وعدہ گرامی فرمایا ہے۔ اس کے تحقق کا انتظار ہے۔ امید ہے کہ جلد مستفید فرمائیں گے، اور اس ناچیز کی اصلاح و تربیت سے دریغ نہ فرمائیں گے۔

جناب والا کے اس ارشاد گرامی کو بار بار بڑے فخر و سرور سے پڑھا "کہ جو حضرات .... میرے پاس آمد و رفت فرماتے ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ قلب کا رجحان جناب کی طرف ہوتا ہے" یہ جملہ میرے لئے بشارت عظیم اور سرمایہ تسکین ہے۔ اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں

امید ہے حضرت والا کا مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

ناچیز طالب دعا

ابوالحسن علی۔ ۹ ذیقعدہ ۸۷ھ

حضرت مصلح الامتہؒ کا جواب

مکرمی زاد اللہ عمرفانکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بخیریت ہوں۔ الہ آباد میں امسال گرمی شدید ہوئی۔ بہت سخت تکلیف ناقابل برداشت ہوئی۔ ادھر تو گرمی کی تکلیف اُدھر ایک مکان لینے اور پھر اُسمیں منتقلی کے انتظامات درپیش رہے اس لئے مضمون کے ارسال میں تاخیر ہوئی۔ آپ کو انتظار میں تکلیف ہوئی ہوگی اُمید ہے کہ معاف فرمائیں گے۔ ایک سب سے بڑی وجہ حیا تھی حضرات اہل علم سے تخاطب میں اپنی کم مائیگی اور انکے مرتبہ کے پیش نظر ہونے سے سخت حیا و خجلت دامنگیر ہوجاتی ہے۔ مگر آج ہمت کرکے پیش کر رہا ہوں اُمید کہ اس جرأت وجسارت کو اپنے اخلاق کریمانہ سے نظر انداز فرماکر معاف فرمائیں گے۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

(چونکہ اس خط کے ہمراہ طویل مضمون بھی تھا اس لئے اس کو بذریعہ رجسٹری بھیجا گیا۔ پورا مضمون آگے آرہا ہے۔ اس سے قبل اسی سلسلہ کے دو خطوط اور ملاحظہ فرمائیے۔ ناقل)

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

مشفق محترم مخدوم معظم دامت برکاتہ والطافہ

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

اُمید کہ مزاج مبارک بعافیت ہوگا۔ گرامی نامہ رجسٹری شدہ موجب منت وباعث استفادہ ہوا اللہ تعالیٰ ان توجہات عالیہ اور حیات غالیہ کو بلند سے بلند تر فرمائے۔ لیکن یہ گرامی نامہ اچانک بخاری شریف کے اس جملہ پر ختم ہوجاتا

ہے۔ فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ فبدأ ......

اب یا تو اس کے بعد کے اوراق لفافہ میں رکھنے سے رہ گئے یا دوسری قسط میں موصول ہونگے۔ درخواست ہے کہ اس گرامی نامہ کو مکمل فرمادیا جائے کہ نہایت مفید اور مؤثر ہے۔ نیز اگر رائے عالی کے خلاف نہ ہو تو "الفرقان" میں اس کو اشاعت کے لئے دیدیا جائے کہ باعثِ افادۂ عام اور تنبیہ علمائے کرام و مواعظین عظام ہو۔ اُمید کہ مزاج مبارک بعافیت ہوگا۔

طالب دعا

ابوالحسن علی

۱۶ محرم ۷۸ھ

حضرت مصلح الامۃ کا جواب

محبی سلمکم اللہ تعالیٰ و زادکم عرفاناً

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بخیریت ہوں۔ ابھی ابھی آپ کا خط ملا۔ یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ الحمدللہ آپکو یہ مضمون پسند ہوا۔ آپ نے جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہاں سے آخر تک نقل کرا کے دوبارہ روانہ ہے اس کو شامل مضمون کر لیجئے۔ نقل دوسرے پرچہ پر ہے اور ایک تیسرے پرچہ پر کچھ زائد مضمون اور ہے جو اس دفعہ کا اضافہ ہے اسکو بھی اسی کے ساتھ ملا لیجئے۔

اور آپ نے اس کی اشاعت کے متعلق فرمایا ہے تو اگر مفید تصور فرمائیں تو ضرور طبع فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ اسکے نفع کو عام و تام فرمائے۔

جناب ڈاکٹر عبدالعلی صاحب نیز مولانا محمد منظور صاحب کی خدمت میں سلام مسنون فرمادیں۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ' کا خط

مخدومی و معظمی دامت کاتہم

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُم وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

گرامی نامہ نے سرفراز کیا اور مضمون کی تکمیل ہوگئی۔ حقیقۃً مضمون باوجود عبارت آرائی اور تکلفات سے دور ہونے کے نہایت موثر اور مفید ہے۔ الحمد اللہ جناب والا نے اسکی اشاعت کی درخواست کو منظور فرمالیا وہ انشاء اللہ الفرقان کے آئندہ نمبر میں شائع ہوجائے گا۔

اس کے پہلے محترمی شاکر حسین خانصاحب نے حضرت کے دو رسالے "اخوت" اور "مضمونِ ذکر" بھیجے تھے وہ بھی نہایت مفید ہیں بخصوصیت کے ساتھ ذکر والا رسالہ تو بہت ہی بصیرت افروز ہے۔ اللہ تعالیٰ فیوض علیتہ اور افاضات قدسیہ کو قائم و دائم رکھے۔ سفر کی وجہ سے رسید میں تاخیر ہوئی۔ وَالسلام مع الاکرام

ابوالحسن علی

۱۸ اگست ۵۸ء

ناقل عرض کرتا ہے کہ یہ مضمون جس کے متعلق مولانا ندوی مدظلہ نے حضرت والاؒ کو لکھا کہ "الفرقان" میں شائع ہوجائے گا ——— وہ رسالہ "الفرقان" لکھنؤ میں بھی طبع ہوا اور علیحدہ کتابی صورت میں بھی "التذکیر بالقرآن" کے نام سے شائع ہوچکا تھا تاہم ناظرین کی سہولت اور افادہ کے لئے ہم اس کو یہاں پر بعینہٖ نقل کرتے ہیں۔ اس لئے کہ بات اپنے محل پر کچھ اور ہی لطف دیجاتی ہے۔

(مصلح الامتہ عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ
کا وہ مکتوب گرامی جو ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ
میں شائع ہوا)

"التذکیر بالقرآن"

[از افادات حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری مدظلہٗ]

رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی گذشتہ مہینہ الہ آباد تشریف لے گئے تھے جہاں انکو ایک تقریر کرنی تھی، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہٗ کچھ عرصہ سے الہ آباد ہی میں مقیم ہیں، موصوف حضرت ممدوح کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ اس صحبت میں حضرت ممدوح نے وعظ و تقریر کے متعلق کچھ ارشاد فرمایا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ سب سے زیادہ مؤثر تذکیر بالقرآن ہے۔ لیکن اب اسکا رواج بہت کم ہوگیا ہے مولانا ندوی نے استدعا کی کہ اس مضمون کو حضرت قلمبند فرمادیں ـــــ چندروز کے بعد حضرت مولانا کا ایک گرامی نامہ مولانا ندوی کے نام آیا۔ اس کی اصل حیثیت مضمون یا مقالے کی نہیں، بلکہ مکتوب کی تھی۔ مولانا ندوی نے اس کی اشاعت کیلئے درخواست کی تو حضرت مولانا نے اس کو قبول فرمالیا اور اسمیں کچھ اضافات کرکے اس کی افادیت میں اور اضافہ فرمادیا۔ وہی مکتوب ذیل میں (شروع کے چند سطریں حذف کرکے جنکا تعلق مضمون سے نہیں ہے) درج کیا جارہا ہے۔
نعمانی]

مکرمی زاد اللہ عرفانکم السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حسن اتفاق سے جس مضمون کو میں پیش کرنا چاہتا تھا وہ نہایت عمدہ اور بلیغ عنوان سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے کلام میں مل گیا اس لئے بعینہٖ

ارسال خدمت ہے، امید ہے کہ نہایت محظوظ ہوں گے۔ وھو ھذا
حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی الفوز الکبیر کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ

نعم الٰہی درباره ایں بندهٔ ضعیف بیشمار اند و اجل آنہا توفیق فہم قرآن عظیم ست۔
ومنن حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بر کمترین امتیان بسیار ند و اعظم آنہا تبلیغ فرقان کریم است۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قرآن را تلقین فرمود بقرن اول تا ایشان بقرن ثانی رسانیدند و ہکذا و ہکذا تا آنکہ ایں درماندہ را نیز از روایت و درایت آں حصہ رسید اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی ھٰذا النبی الکریم سیّدنا و مولانا و شفیعنا افضل صلواتک و ایمن برکاتک وعلٰی آلہٖ واصحابہٖ وعلماء امتہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین
(الفوز الکبیر ص۲)

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ کے انعامات اس بندۂ ضعیف و ناتواں پر بیشمار ہیں۔ لیکن اُن سب سے بڑھ کر نعمت قرآن شریف کے سمجھنے کی توفیق ہے۔
اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے احسانات اپنے اس کمترین امت پر بہت زیادہ ہیں، مگر ان میں سب سے بڑا احسان آپ کا یہ ہے کہ آپ نے قرآن حکیم کو ہم تک پہونچایا (اس طرح سے کہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام کو قرآن کریم مرحمت فرمایا اور پھر صحابہؓ نے تابعینؒ کو پہونچایا اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ اس عاجز کو بھی اس کی روایت اور درایت (یعنی تلاوت اور فہم معانی) سے حصہ ملا۔ اے اللہ تو رحمت و برکت بھیج ایسے نبی کریم پر جو ہمارے سید ہیں اور ہمارے مولیٰ ہیں اور محشر میں ہمارے شفیع ہیں، اپنی افضل ترین رحمت اور مبارک ترین برکت اُن پر بھی اور اُنکے جملہ اصحاب پر بھی اور ان کی اُمت کے تمام علماء پر بھی برحمتک یا ارحم الراحمین۔
پھر کچھ دور بعد فرماتے ہیں۔

ومقاصد ایں رسالہ منحصر است در پنج باب۔ (باب اول) دربیان علوم پنجگانہ کہ قرآن عظیم بطریق تنصیص بر آنہا دلالت فرمودہ است وگویا نزول قرآن بالاصالۃ برائے آں بودہ است (باب دویم) دربیان وجوہ خفاء نظم قرآن بہ نسبت اذہان اہل زمان وعلاج آں وجوہ باوضح بیان (باب سوئم) دربیان لطائف نظم قرآن وشرح اسلوب بدیع آں بقدر طاقت وامکان (باب چہارم) دربیان فنون تفسیر وحل اختلاف واقع در تفسیر صحابہ وتابعین (باب پنجم) درذکر جملہ صالحہ از شرح غریب قرآن واسباب نزول آں کہ مفسر را حفظ آں مقدار ضرور است و خوض در تفسیر بدوں ضبط آں ممنوع ومحظور۔

(الفوز الکبیر ص۲)

ترجمہ۔ اس رسالہ کے مقاصد پانچ بابوں میں منحصر ہیں، باب اول ان پانچ علوم کے بیان میں کہ قرآن شریف نے بطور تصریح کے ان پر دلالت فرمائی ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ قرآن کریم کا نزول ہی گویا درصل انہیں کے بیان کے لئے ہوا ہے۔ (باب دوئم) نظم قرآن کے خفا کے وجوہ کے بیان میں جو اہل زمانہ کے بعض اذہان کے اعتبار سے ہیں اور ان وجوہ کا علاج واضح بیان کے ساتھ (باب سوم) نظم قرآنی کے لطائف اور خوبیوں کا بیان اور بقدر طاقت وامکان اس کے اسلوب بدیع کی تشریح کے بیان میں (باب چہارم) فنون تفسیر کے بیان میں اور صحابہ وتابعین کی تفسیر میں واقع شدہ اختلافات کا حل، (باب پنجم) غرائب القرآن اور اس کے شان نزول سے متعلق اسقدر کلام کہ ہر مفسر کے لئے اس مقدار کا یاد ہونا ضروری ہے اور علم تفسیر میں بدون اس کے حفظ وضبط کے خوض کرنا منع ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

باب اول دربیان علوم پنجگانہ کہ قرآن عظیم بطریق تنصیص بیان آں فرمودہ است۔

باید دانست کہ معانی منظومۂ قرآن خارج از پنج علم نیست، علم احکام از واجب و مندوب و مباح و مکروہ و حرام خواہ از قسم عبادات باشد یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاسیات مدنیہ و تفصیل ایں ذمۂ فقیہ است وعلم مخاصمہ باچہار فرقہ ضالہ یہود و نصاریٰ و مشرکین و منافقین وتفریع بریں علم ذمۂ متکلم ست و علم تذکیر بالاء اللہ از بیان خلق آسمان و زمین و الہام بندگان بانچہ ایشان را درمی بایست و از بیان صفات کاملۂ او تبارک و تعالیٰ و علم تذکیر بایام اللہ یعنی بیان وقائع کہ آنرا خدائے تعالیٰ ایجاد فرمودہ است از جنس انعام مطیعین و تعذیب مجرمین وعلم تذکیر بموت و ما بعد آں از حشر و نشر وحساب و میزان وجنت و نار و حفظ تفاصیل ایں علوم و الحاق احادیث و آثار مناسبہ آں وظیفۂ واعظ و مذکرست۔

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر ص۳)

ترجمہ:۔ پہلا باب ان علوم پنجگانہ کے بیان میں کہ قرآن حکیم نے بطور تنصیص وتصریح کے انکو بیان فرمایا ہے۔

جاننا چاہئے کہ معانی قرآن ان پانچ علوم سے خارج نہیں ہیں۔ علم احکام یعنی واجب و مستحب ومباح اور مکروہ وحرام خواہ عبادات کی قسم سے ہوں یا معاملات کی جنس سے ہوں یا تدبیر منزل کی قسم سے ہوں یا سیاست مدنیہ کے قبیل سے ہوں بہرحال اس علم کی تفصیلات کا بیان فقیہ کے ذمہ ہے اور دوسرا علم مخاصمہ اور مناظرہ ہے۔ ان چار گمراہ فرقوں کے ساتھ یعنی یہود و نصاریٰ و مشرکین اور منافقین اور اس علم کے مسائل کا بیان کرنا متکلم کا کام ہے۔ اور تیسرا علم تذکیر بالاء اللہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان کرنا۔ مثلاً آسمان اور زمین کی تخلیق کا بیان اور اللہ تعالیٰ کا بندوں کو انکی تمام ضروریات کا الہام فرمانا نیز حق تعالیٰ شانہ کی صفات کاملہ کا بیان۔

اور چوتھا علم تذکیر بایام اللہ ہے یعنی ان واقعات کا بیان کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جنھیں واقع فرمایا جو کہ از قبیل انعام مطیعین اور تعذیب مجرمین کے ہیں اور پانچواں علم تذکیر بموت و ما بعد آں ہے یعنی موت اور اس کے بعد پیش آنے والے حالات کا ذکر کرنا مثلاً حشر و نشر، حساب و میزان جنت و دوزخ وغیرہ اور ان علوم ثلثہ کے تفاصیل کا محفوظ کرنا اور بیان کرنا اور اس کے ساتھ اسکے مناسب احادیث و آثار کو بھی ملا لینا یہ واعظ اور مذکر کا وظیفہ ہے۔

دیکھئے حضرت شاہ صاحب نے خطبہ میں حمد و نعت کو کس قدر موثر اور بلیغ انداز سے ادا فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام (اپنے اوپر) توفیق فہم قرآن اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا احسان تبلیغ فرقان کو فرمایا۔

پھر اپنے اس رسالہ کے مضامین کو جن پانچ ابواب میں منقسم فرمایا ہے، ان میں سے پہلے باب میں قرآن عظیم کے ان علوم خمسہ کو بیان کیا ہے جن کے لئے گویا نزول قرآن ہی بالاصالۃ ہوا ہے۔ یعنی علم احکام، علم مخاصمہ با فرق ضالہ۔ علم تذکیر بآلاء اللہ۔ علم تذکیر بایام اللہ، علم تذکیر بموت و ما بعد آں اور پھر ان علوم خمسہ مذکورہ میں سے اول کو وظیفۂ فقیہ۔ ثانی کو وظیفۂ متکلم اور بقیہ ثلثہ یعنی تذکیر بآلاء اللہ، بایام اللہ اور بموت و ما بعد آں کو وظیفۂ واعظ و مذکر قرار دیا ہے۔

اب آپ خود غور فرمایئے کہ ہمارے واعظین اور مذکرین فی زمانہ کہاں تک اپنے اس وظیفہ پر عامل ہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ لوگوں کی مناسبت دینی آج اس درجہ ضعیف ہو چکی ہے کہ اگر آپ اس بات کو سمجھانا چاہیں کہ واعظ اور مذکر کا کیا وظیفہ ہے تو لوگ اس کو مشکل سے سمجھیں گے کیونکہ وظیفہ کا مفہوم انکے ذہن میں کچھ اور ہے اس کو کوئی وظیفہ سمجھنے اور کہنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

میں اسی بات کو آپ سے ذرا تفصیل سے عرض کرنا چاہتا تھا، پھر یہ خیال ہوا کہ بجائے اس کے کہ اپنے لفظوں میں کہوں۔ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کے الفاظ نقل کردوں کہ ان میں برکت بھی ہے اور یہ حضرات تھوڑے سے لفظوں میں معانی کے دریا بہا دیتے ہیں۔

پس جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ "حفظ تفاصیل ایں علوم والحاق

احادیث و آثار مناسبہ آں وظیفۂ واعظ و مذکر ست" اصل منصب واعظ و مذکر کا تو یہی ہے کہ ان امور کو قرآن شریف ہی سے بیان کرے۔ کیونکہ ان سب مضامین کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور اللہ تعالیٰ جس مضمون کو بیان فرماویں گے تو ظاہر ہے کہ اس سے عمدہ اور اس سے زیادہ مؤثر کس کا بیان ہوسکتا ہے؟ اور جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ہی متاثر نہ ہوگا تو پھر وہ کسی اور کے کلام سے کیا متاثر ہوگا؟ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَآیَاتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ ہاں اس کی اجازت ہے کہ وہ اپنے اصل مضامین قرآنیہ کی وضاحت اور تشریح کے لئے اس میں احادیث اور آثار کا بھی الحاق کرے تو کرسکتا ہے باقی صرف احادیث اور آثار تو یہ قرآن شریف سے ہم کو مستغنی نہیں کرسکتے۔

میں آپ سے یہ بھی کہنا چاہتا تھا کہ لوگوں نے اس زمانہ میں قرآن مجید کو جو کہ ہدایت ہی کے لئے آیا تھا اور ہدایت کا خدائی ذریعہ اور طریق تجویز ہوا تھا اسکو تو چھوڑ رکھا ہے اور اس کے بدلہ میں دوسری کتابوں کو لے رکھا ہے۔ بزرگوں کا کلام دیکھتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے کلام سے شغف نہیں رہا۔ جب یہ حال ہو تو پھر ہدایت کیسے ہوسکتی ہے اور مسلمانوں کی حالت کیونکر درست ہوسکتی ہے۔ جو قوم قرآن پر ایمان نہ لاوے گی وہ غیر قرآن سے ایمان کیسے حاصل کرسکتی کرسکتی ہے۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ اس سلسلہ کی ایک روایت بھی یاد آئی۔ سنئے:۔

منتخب کنز العمال میں ہے کہ:۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّؓ اَنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ کَتَبُوْا کِتَابًا فَاتَّبَعُوْہُ وَتَرَکُوا التَّوْرَاۃَ۔

(منتخب کنز العمال)

ترجمہ۔ حضرت ابوذرؓ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک کتاب لکھی اور اللہ تعالیٰ کی کتاب یعنی تورات کو چھوڑ دیا۔

شامی میں ایک حکایت حضرت امام شافعیؒ کی لکھی ہے کہ

قال المزنی قرأت کتاب الرسالة علی الشافعیؒ ثمانین مرۃ فما
من مرۃ الا وکان یقف علی خطاء فقال الشافعی هیه ابی الله
ان یکونه کتابا صحیحاً غیر کتابه۔

(شامی صد۲ ج ۱)

ترجمہ:۔ مزنیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب الرسالہ کو حضرت امام شافعیؒ پر اسی بار پڑھا مگر ہر بار ایک نہ ایک غلطی کا پتہ چلتا۔ بس حضرت شافعی نے فرمایا کہ ہٹاؤ جی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہی نہیں کہ ان کی کتاب کے علاوہ کوئی اور کتاب بالکل صحیح ہو۔

اسی سلسلہ میں ایک بات اور کہنا چاہتا تھا۔ وہ یہ کہ قرآن کریم تاثر اور تاثیر ہی کے لئے نازل ہوا ہے اور لوگ اس سے خود بھی متاثر ہوئے ہیں اور دوسروں کو بھی متاثر کیا ہے۔

چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ:۔

قرأ تمیم الداری سورۃ الجاثیه فلما اتی علی قوله تعالیٰ ام حسب الذین
الآیة لم یزل یکررها ویبکی حتی اصبح وهو عند المقام۔
عن بشیر مولی الربیع بن خیثم ان الربیع کان یصلی الفجر بهذه
الآیة ام حسب الذین الخ فلم یزل یرددها حتی اصبح وکان الفضیل
بن عیاض یقول لنفسه اذا قرأها لیت شعری من ای الفریقین
انت؟ (روح المعانی۔ ج ۲۵)

ترجمہ۔ حضرت تمیم داریؓ نے مقام ابراہیم کے پاس سورۂ جاثیہ تلاوت فرمائی اور جب آیت ام حسب الذین اجترحوا السیات پر پہونچے تو اسکو بار بار پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ حضرت بشیر جو ربیع بن خیثم کے غلام ہیں کہتے ہیں کہ ربیع نماز پڑھ رہے تھے اور جب اس آیت ام حسب الذین پر گذرے تو اسی کو بار بار صبح تک تلاوت فرماتے رہے۔ حضرت فضیل بن عیاض

جب اس آیت کو پڑھتے تو اپنے نفس کو مخاطب کر کے کہتے کہ کاش اے نفس میں یہ جانتا ہوتا کہ ان دونوں فریقوں میں سے تو کس میں سے ہے؟

چنانچہ اس آیت کو اسلاف میکاۃ العابدین کے لقب سے ملقب فرماتے تھے۔ کیونکہ بہت سے عُبّاد اس کی تلاوت کر کر کے روتے تھے ــــــ لیکن دوسروں کو وہی لوگ متاثر کر سکتے تھے جو پہلے خود اس سے متاثر ہوں۔ آج دوسرے لوگوں پر آیات کا بھی اثر نہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ خود ہی متاثر نہیں ہوتے اسلئے دوسروں کو بھی متاثر نہیں کر پاتے۔ اور جب غیر متاثر قلب دوسروں کو بذریعہ قرآن متاثر نہیں کر سکتا تو ایسا شخص غیر قرآن سے تو بدرجۂ اولی قوم میں کچھ تاثر نہیں پیدا کر سکتا۔ پس یہی وجہ ہے آج اثر کے ختم ہونے کی۔ ورنہ خیال فرمائیے کہ اللہ تعالی کی کتاب ہمارے اندر موجود ہو اور پھر گمراہی؟ کس قدر تعجب کی بات ہے۔

آپ نے حدیث شریف کی کتاب کا ترجمہ کرنے کا ذکر فرمایا تھا اسی پر جی چاہا کہ آپ سے اس سلسلہ میں جو کچھ خود سمجھا ہوا ہوں عرض کروں اس لئے مختصراً کچھ پہلے لکھ چکا ہوں اور بعض باتیں لکھنے کا وعدہ جو کیا تھا وہ اب عرض کر رہا ہوں ورنہ یہ مقصد نہیں کہ ہم حدیث سے یا اس کے ترجمہ سے معاذاللہ مستغنی ہیں اور نہ اس کی وجہ سے قرآن شریف ہی سے مستغنی ہو سکتے ہیں اور نہ قرآن شریف کو لے کر علماء سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ بلکہ قوم کو علماء کی بھی حاجت ہے۔ حدیث کی بھی قوم محتاج ہے۔ اور قرآن کریم سے تو کسی درجہ میں بھی استغنا نہیں ہے لیکن جہاں یہ سب ہے وہاں یہ بھی سمجھئے کہ علماء کے لئے بھی دوسروں پر اثر ڈالنے کے لئے صرف حدیث و قرآن کا پڑھ دینا بھی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود انکا قلب ان مضامین سے پورا پورا متاثر ہو چکا ہو۔ اب اس وقت اگر وہ صرف قرآن شریف کا ایک رکوع یا واعظ اور مذکر اپنے وظیفہ کے مضامین میں کی ایک آیت ہی پڑھ دیگا اور زیادہ تفصیل نہ سہی صرف اسکا ترجمہ ہی

کرکے عوام الناس کو سنا دیگا تو مجھے یہ یقین ہے کہ اسکا صرف اتنا بیان بھی غیر متاثر القلب کے لئے بھی تقریروں سے زیادہ نافع ہوگا۔ اور فائدہ اسکا لازم بھی ہوگا اور متعدی بھی۔ یعنی اس کا دوسروں پر بھی اثر ہوگا اور خود اس کو بھی اجر ملے گا۔

نمونہ کے طور پر قرآن کریم کی چند آیات آپ کے سامنے تلاوت کرتا ہوں اور آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ بتائیے قلوب کو متاثر کرنے کے لئے یہ بیان کچھ کم ہے۔

سنئے! اللہ تعالیٰ ایک جگہ دوزخیوں کا اور دوزخ میں ان کے کھانے وغیرہ کا کیا ذکر فرماتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِیْمِ ۝ کَالْمُہْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ۝
کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ ۝ خُذُوْہُ فَاعْتِلُوْہُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا
فَوْقَ رَاْسِہٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ۝ ذُقْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْکَرِیْمُ ۝
اِنَّ ھٰذَا مَا کُنْتُمْ بِہٖ تَمْتَرُوْنَ ۝

(سورۂ دخان ۲۵/۱۴)

ترجمہ:۔ بیشک زقوم کا درخت بڑے مجرم (یعنی کافر) کا کھانا ہوگا جو تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا اور پیٹ میں ایسا کھولے گا جیسا تیز گرم پانی کھولتا ہے (اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ) اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر تکلیف دینے والا گرم پانی چھوڑو (اور اس سے استہزا کیا جاویگا کہ) لے چکھ تو بڑا معزز مکرم ہے (اور دوزخیوں سے کہا جائے گا کہ) یہ وہی چیز ہے جس میں تم شک کیا کرتے تھے۔

اور پھر اس کے بعد جنتیوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ ۝ یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۝ کَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ۝ یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِیْنَ ۝ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ ۝ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝ فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۝

(سورہ دخان)

بیشک خدا سے ڈرنے والے امن کی جگہ میں ہونگے یعنی باغوں میں اور نہروں میں۔ وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا۔ آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ یہ بات اسی طرح ہے اور ہم انکا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کر دیں گے۔ اور وہاں وہ اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہونگے اور وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں آچکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے اور اللہ تعالیٰ انکو دوزخ سے بچالیگا یہ سب کچھ آپ کے رب کے فضل سے ہوگا۔ بڑی کامیابی یہی ہے سو ہم نے اس قرآن کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ نصیحت قبول کریں تو آپ منتظر رہیئے یہ لوگ بھی منتظر رہیں۔

(بیان القرآن)

سبحان اللہ کلام کی شوکت اور شان ملاحظہ فرمائیے، کوئی اہل دل اگر صرف ان آیات کو تلاوت ہی کر دے اور صرف ترجمہ ہی کر دے تب بھی اہل ایمان کے قلوب ہل جائیں اور بدن میں کپکپی ہونے لگے۔ یہی مطلب میرا تھا کہ اصلاح کے لئے لوگ قرآن شریف کا وعظ کیوں نہیں کہتے۔ صرف قرآن بھی اصلاح کے لئے کافی ہے اور اسمیں بھی جو تفصیل جنت و دوزخ اور آخرت حشر نشر کی بیان کی گئی ہے وہ احادیث کے مقابلہ میں گو کم سہی تاہم فی نفسہٖ وہ بھی بہت ہے۔

اور سنئے !

ایک اور مقام پر مسیئین اور محسنین کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝

(سورہ دخان)

یہ لوگ جو برُے بُرے کام کرتے ہیں کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم انکو ان لوگوں کے برابر رکھیں گے جنھوں نے ایمان اور عمل صالح اختیار کیا کہ اُن سب کا جینا اور مرنا یکساں ہو جاوے۔ یہ بُرا حکم لگاتے ہیں۔

(بیان القرآن)

اس کے شانِ نزول کے متعلق صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ

والآیة وان کانت فی الکفار علی ما نقل عن البحر وھو ظاھر ما روی عن الکلبی من ان عتبة وشیبة والولید ابن عتبة قالوا لعلی کرم اللہ وجھه وحمزة رض والمومنین واللہ ما انتم علی شیٔ ولئن کان ما تقولون حقاً لحالنا افضل من حالکم فی الاٰخرة کما ھو افضل فی الدنیا فنزلت الاٰیة اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ ھی متضمنة للرد علیھم علی جمیع اوجھھا کما یعرف بادنیٰ تدبر ویستنبط منھا تباین حالی المومن الطائع والمؤمن العاصی وبھذا کان کثیر من العباد یبکون عند تلاوتھا حتیٰ انھا تسمی مبکاة العابدین

(روح المعانی پ ۲۵ ص ۱۲۷)

اور یہ آیت اگرچہ کفار کے متعلق ہے جیسا کہ بحر سے منقول ہے اور یہی کلبی کی اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عتبہ وشیبہ اور ولید بن عتبہ نے حضرت علی رض حضرت حمزہ رض اور دیگر مومنین سے کہا، خدا کی قسم! تمھارا دین تو کچھ بھی نہیں ہے، اور اگر بالفرض دنیا میں تم لوگوں کی باتیں حق بھی ہوں تب بھی ہمارا حال جس طرح

سے کہ دنیا میں تم سے بہتر ہے اسی طرح آخرت میں بھی بہتر ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اور یہ ان لوگوں پر تمام وجوہ سے رد کو متضمن ہے جیسا کہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے اس سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ مومن مطیع اور مومن عاصی کے احوال بھی متبائن ہوتے ہیں۔ اسی لئے بہت سے عُبّاد اس کو تلاوت کر کر کے روتے تھے۔ چنانچہ اس آیت کا لقب بھی مبکاۃ العابدین (یعنی عابدوں کو رلانے والی) ہوگیا۔

دیکھئے جس زمانہ میں لوگوں میں قرآن شریف کی تلاوت اور اس سے اثر لینے کا معمول تھا تو لوگ صرف اسی ایک آیت سے کیسا کیسا اثر قبول کرتے تھے اور دل ہی جب اثر سے خالی ہو تو پھر ایک آیت کیا سارا قرآن بھی اسکے لئے ناکافی ہے۔ انسان جب اس مرتبہ پر پہونچ جاتا ہے تو اسکا مصداق ہوجاتا ہے کہ

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوۡنَ الۡقُرۡاٰنَ اَمۡ عَلٰی قُلُوۡبٍ اَقۡفَالُہَا۔

(سورۂ محمد)

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔

(بیان القرآن)

اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ باقی عام قفل کا تو یہ قاعدہ ہے کہ وہ کنجی سے کھل بھی جاتا ہے لیکن قلب پر جب قفل پڑجاتا ہے تو پھر بڑی مشکل سے کھلتا ہے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں یہ دعا مانگی ہے۔

اَللّٰھُمَّ افۡتَحۡ اَقۡفَالَ قُلُوۡبِنَا بِذِکۡرِكَ وَاَتۡمِمۡ عَلَیۡنَا نِعۡمَتَكَ وَاَسۡبِغۡ عَلَیۡنَا مِنۡ فَضۡلِكَ وَاجۡعَلۡنَا مِنۡ عِبَادِكَ الصَّالِحِیۡنَ۔

(مناجات مقبول ص۵۳)

یا اللہ کھول دے قفل ہمارے دلوں کے اپنے ذکر سے اور پورا کر ہم پر اپنی نعمت کو اور کامل کر ہم پر اپنا فضل اور کردے ہمیں اپنے نیک بندوں میں سے

ایک اور جگہ قیامت کا کیسا نقشہ کھینچتے ہیں۔ سنئے فرماتے ہیں:-

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰٓى اِلٰى كِتٰبِهَا ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

(سورۂ جاثیہ)

اور اللہ ہی کی سلطنت ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور جس روز قیامت قائم ہوگی اس روز اہل باطل خسارہ میں پڑیں گے اور آپ ہر فرقہ کو دیکھیں گے کہ زانو کے بل گر پڑیں گے ہر فرقہ اپنے نامہ اعمال کی طرف بلایا جائیگا۔ آج تم کو تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا۔ یہ ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے ہم تمہارے اعمال کو لکھوائے جاتے تھے۔ جو لوگ ایمان لائے تھے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو انکو ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا اور یہ صریح کامیابی ہے۔

اور جو لوگ کافر تھے (ان سے کہا جاوے گا کہ) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں سو تم نے تکبر کیا تھا اور تم بڑے مجرم تھے اور جب کہا جاتا تھا کہ اللہ کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کوئی شک نہیں ہے تو تم کہا کرتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے محض ایک خیال سا تو ہم کو بھی ہوتا ہے۔ اور ہم کو یقین نہیں اور انکو اپنے تمام برُے اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور جس کے ساتھ وہ استہزا کیا کرتے تھے وہ انکو آگھیرے گا اور کہا جاوے گا کہ آج ہم تم کو بھلائے دیتے ہیں جیسا تم نے اپنے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا اور تمھارا ٹھکانا جہنم ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔ یہ اسوجہ سے ہے کہ تم نے خدائے تعالیٰ کی آیتوں کی ہنسی اُڑائی تھی اور تم کو دنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا سو آج نہ تو یہ لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے! ورنہ ان سے خدا کی خفگی کا تدارک چاہا جائے گا۔ سو تمام خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو پروردگار ہے آسمانوں کا اور پروردگار ہے زمین کا۔ پروردگار ہے تمام عالم کا اور اسی کو بڑائی ہے آسمان اور زمین میں اور وہی زبردست ہے حکمت والا ہے۔

(بیان القرآن)

دیکھئے ان آیات میں قیامت کا کیسا منظر سامنے کر دیا اثر ڈالنے کے لئے یہ مضمون اور یہ آیتیں کچھ کم ہیں۔ اگر کوئی اس سے متاثر نہ ہوگا تو وہ دوسری اور کتابوں سے بدرجہ اولیٰ نہ ہوگا۔ مگر جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں اثر ڈالنے کے لئے بیان کرنیوالے کا خود بھی متاثر ہونا شرط ہے۔

ایک اور جگہ جنت اور دوزخ کی کیفیت بیان کر کے جنت کی ترغیب اور جہنم سے ترہیب کس عنوان سے فرما رہے ہیں سنئے۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

مثل الجنّة التی وعد المتقون تجری من تحتها الانھٰر ط اکلها دائم وظلها ط تلك عقبى الذين اتقوا وعقبى الكٰفرين النار ٥

اور جس جنت کا متقیوں سے (یعنی شرک و کفر سے بچنے والوں سے) وعدہ کیا گیا
ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس (کی عمارات اور اشجار) کے نیچے سے نہریں جاری
ہوں گی اس کا پھل اور اس کا سایہ دائم رہے گا۔ یہ تو انجام ہوگا متقیوں کا اور
کافروں کا انجام دوزخ ہوگا۔

(بیان القرآن)

ایک اور جگہ عذاب کفار کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۵ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ
فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۵ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ
وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ۵ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَا اَخِّرْنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَلَمْ
تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۵ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۵ وَقَدْ
مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۵
فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۵ يَوْمَ تُبَدَّلُ
الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۵ وَتَرَى
الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۵ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى
وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۵ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۵
هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ
اُولُوا الْاَلْبَابِ ۵

(سورہ ابراہیم)

اور (اے مخاطب جو کچھ یہ ظالم لوگ کر رہے ہیں ان سے خدا تعالیٰ کو بے خبر
مت سمجھ ان کو صرف اس روز تک مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں

پھٹی رہ جائیں گی۔ دوڑتے ہونگے اپنے سر اوپر اُٹھا رکھے ہوں گے ان کی نظر انکی طرف ہٹ کر نہ آوے گی اور انکے دل بالکل بدحواس ہوں گے اور آپ ان لوگوں کو اس دن سے ڈرائیے جس دن ان پر عذاب آپڑیگا پھر یہ ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب ایک مدت قلیل تک ہم کو مہلت دیجیے (اور دنیا میں پھر بھیجدیجئے) ہم آپ کا سب کہنا مان لیں گے اور پیغمبروں کا اتباع کریں گے (جواب میں ارشاد ہوگا کہ کیا ہم نے دنیا میں تم کو مہلت طویلہ نہ دی تھی) اور کیا تم نے (اس مہلت کے طول ہی کے سبب) اس کے قبل (دنیا میں) قسمیں نہ کھائی تھیں کہ تم کو کہیں جانا ہی نہیں ہے۔ حالانکہ تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں رہتے تھے جنھوں نے اپنی ذات کا نقصان کیا تھا اور تم کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیونکر معاملہ کیا تھا۔ اور ہم نے تم سے مثالیں بیان کیں اور ان لوگوں نے اپنی سی بہت بڑی بڑی تدبیریں کی تھیں اور ان کی تدبیریں اللہ کے سامنے تھیں اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جاویں۔

پس اللہ تعالیٰ کو اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا نہ سمجھنا۔ بلاشک اللہ تعالیٰ بڑا زبردست پورا بدلہ لینے والا ہے۔ جس روز دوسری زمین بدل دیجاویگی اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی اور سب کے سب ایک زبردست اللہ کے روبرو پیش ہونگے۔ اور تو مجرموں کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھے گا۔ انکے کرتے قطران (تارکول کے ہوں گے اور آگ ان کے چہروں پر لپٹی ہوئی ہوگی تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے کی سزا دے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی جلد حساب لینے والا ہے یہ لوگوں کے لئے احکام کا پہونچانا ہے اور تاکہ اس کے ذریعہ سے ڈرائے جاویں اور تاکہ اس بات کا یقین کرلیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے۔ اور تاکہ دانشمند لوگ نصیحت حاصل کریں۔

(بیان القرآن)

ایک اور مقام پر مخالفت اور معصیت سے ترہیب کے لئے پچھلی امتوں کے واقعات کا کیسا ذکر فرماتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:-

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝ (بنی اسرائیل)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یہ بات بتلادی تھی کہ تم سرزمین میں دوبار خرابی کروگے اور بڑا زور چلانے لگوگے۔ پھر جب ان دو بار میں سے پہلی بار کی میعاد آوے گی تو ہم تم پر اپنے ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے اور یہ ایک وعدہ ہے جو ضرور ہوکر رہے گا۔ پھر (جب تم نادم و تائب ہوگے تو پھر) ان پر تمہارا غلبہ کردیں گے اور مال اور بیٹوں سے تمہاری جماعت بڑھادیں گے۔ اگر اچھے کام کرتے رہوگے تو اپنے نفع کے لئے اچھے کام کروگے اور اگر تم برے کام کروگے تو بھی اپنے ہی لئے۔ پھر جب پچھلی بار کی میعاد آوے گی تو ہم پھر دوسروں کو مسلط کریں گے تاکہ تمہارے منہ بگاڑ دیں اور جس طرح وہ لوگ مسجد میں گھسے تھے یہ لوگ بھی اس میں گھس پڑیں اور جس جس چیز پر ان کا زور چلے سب کو برباد کرڈالیں۔

اس کتاب میں یہ بھی لکھا تھا کہ اگر اس بعث ثانی کے بعد جب دورہ شریعت محمدیہ کا ہو تم مخالفت و معصیت سے باز آکر شریعت محمدیہ کا اتباع کرلو تو) عجب نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم فرمادے اور اگر تم پھر وہی کروگے تو ہم بھی پھر وہی کریں گے۔

اور ہم نے جہنم کا فروں کا جیل خانہ بنا رکھا ہے۔ (بیان القرآن)

اسی طرح سے ایک موقعہ پر اول تو شاہانہ استغناء کیساتھ کلام شروع فرمایا، پھر اس کے بعد نافرمانوں کو حاکمانہ انداز سے تنبیہ فرمائی اور مطیعین پر اپنی انتہائی شفقت کا اظہار فرمایا، ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۝

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۚ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ (سورہ کہف)

اور آپ کہدیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے سو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔ بلاشبہ ہم نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ آگ کی قناتیں انکو گھیرے ہونگی اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی فریادرسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا۔ منہوں کو بھون ڈالیگا کیا ہی برا پانی ہوگا۔ اور وہ دوزخ کیا ہی بری جگہ ہوگی۔

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہ کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں۔ انکے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز ریشم کے پہنیں گے۔ وہاں مسہریوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔

کیا ہی اچھا صلہ ہے اور کیا ہی اچھی جگہ ہے۔ (بیان القرآن)

ایک جگہ حق تعالیٰ کے سامنے مجرمین کی پیشی اور وہاں انکی بیکسی اور بےبسی کا نقشہ کیسا کھینچا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝

(سورۂ ابراہیم)

اور خدا کے سامنے سب پیش ہوں گے۔ پھر چھوٹے درجہ کے لوگ بڑے درجہ کے لوگوں سے کہیں گے کہ ہم تمھارے تابع تھے تو کیا تم خدا کے عذاب کا کچھ جزو ہم سے ہٹا سکتے ہو۔ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو راہ بتلاتا تو ہم تم کو بھی بتلا دیتے۔ ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں۔ ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ (بیان القرآن)

بعض روایات میں ہے کہ یہ لوگ پانچسو برس تک جزع فزع کرینگے اور پھر پانچ سو برس تک صبر کریں گے مگر سب بیکار ہوگا۔

قال مقاتل يقولون في النار تعالوا نجزع فيجزعون خمس مائة عام فلا ينفعهم الجزع فيقولون تعالوا نصبر فيصبرون خمس مائة عام فلا ينفعهم الصبر فحينئذ يقولون سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ منقول از تفسیر مظہری صـ۱۳ پ۱۳

حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ وہ لوگ دوزخ میں آپس میں کہیں گے کہ آؤ فریاد کریں، پس وہ لوگ پانچسو سال تک جزع فزع کریں گے۔ لیکن کچھ نفع نہ ہوگا، پھر کہیں گے کہ آؤ اب صبر ہی کر کے دیکھیں، چنانچہ پانچسو سال تک صبر کریں گے۔ مگر صبر سے بھی نفع نہ ہوگا۔ اس وقت کہیں گے کہ ہم سب کے حق میں دونوں صورتیں برابر ہیں خواہ ہم پریشان ہوں خواہ ضبط کریں۔ ہمارے چھٹکارہ کی کوئی صورت نہیں۔

ایک جگہ جنت اور اہل جنت کا ذکر کر کے کس مؤثر عنوان سے اس کی جانب ترغیب اور تشویق فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ○ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ○ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ○ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ○ خِتَامُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ○ وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ○ عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ○

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ○ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ○ وَإِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انقَلَبُوا فَكِهِينَ ○ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ○ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ○ فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ○ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ○ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○ (سورۃ التطفیف)

نیک لوگ بڑی آسائش میں ہونگے۔ مسہریوں پر بیٹھے بہشت کے عجائبات دیکھتے ہونگے۔ اے مخاطب تو انکے چہروں سے آسائش کی بشاشت پہچانے گا۔ ان کو پینے کے لئے شراب خالص سر بمہر جس پر مشک کی مہر ہوگی ملے گی اور حرص کرنے والوں کو ایسی ہی چیز کی حرص کرنا چاہئے اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہوگی یعنی ایک ایسا چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے۔

جو لوگ مجرم تھے وہ ایمان والوں سے ہنسا کرتے تھے اور جب ان کے سامنے سے ہوکر گذرتے تھے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے اور جب اپنے گھروں کو جاتے تھے تو دل لگیاں کرتے اور جب ان کو دیکھتے تو یوں کہا کرتے کہ یہ لوگ یقیناً غلطی میں ہیں حالانکہ یہ لوگ ان پر نگرانی کرنے والے کرکے نہیں بھیجے گئے۔ سو آج ایمان والے کافروں پر ہنستے ہونگے مسہریوں پر (بیٹھے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے۔ واقعی کافروں کو ان کے کئے کا خوب بدلہ ملا۔ (بیان القرآن)

ایک جگہ منکرین کی تعذیب کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح پرشوکت انداز میں کلام

فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ:۔

وَالْفَجْرِ ٥ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ٥ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ٥ وَاللَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ٥ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ٥ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ٥ لا اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ٥ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ٥ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ٥ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ٥ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ٥ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ٥

(سورۃ الفجر)

قسم ہے فجر کی اور دس راتوں کی اور جفت اور طاق کی اور رات کی جب وہ چلنے لگے۔ کیونکہ اس میں عقلمند کے واسطے کافی قسم بھی ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے پروردگار نے قوم عاد یعنی قوم ارم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جن کے قدوقامت ستون جیسے تھے جن کے برابر شہروں میں کوئی شخص نہیں پیدا کیا گیا۔ اور قوم ثمود کے ساتھ جو وادی القریٰ میں پتھروں کو تراشا کرتے تھے اور میخوں والے فرعون کے ساتھ جنھوں نے شہروں میں سر اٹھا رکھا تھا اور ان میں فساد مچا رکھا تھا، سو آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔ بیشک آپکا رب گھات میں ہے۔ (بیان القرآن)

میں یہی آپ سے کہنا چاہتا تھا، کہ واعظ اور مذکر کا جو وظیفہ ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کو علیٰ وجہ لا مزید علیہ بیان فرما دیا ہے۔ انھیں چیزوں کی کچھ تفصیل حدیث شریف میں آئی ہے۔ مثلاً قرآن شریف میں حوض کوثر نہر، باغ، محل وغیرہ کا ذکر ہے اور حدیث میں اس کی وسعت اس کے دروازے جنت کے برتنوں اور پیالوں کی تعداد وغیرہ کا بیان ہے جس سے مزید معلومات تو ضرور ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ سب مقاصدِ قرآن نہیں ہیں۔ جتنا حصہ بیان سے مقاصد قرآن میں سے تھا وہ پورا پورا قرآن شریف میں مذکور ہے اور یہ اس لئے کہ قرآن کریم شاہی قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور بادشاہوں کا کلام مجمل ہی ہوتا

ہے۔ اس کی شرح وزرار فرماتے ہیں۔

میں کہنا چاہتا ہوں کہ قرآن شریف سے وعظ کہنا اور اس کا وعظ کہنا آج لوگوں نے بالکل چھوڑ ہی دیا ہے۔ حالانکہ سلف صالحین اس کی ایک ایک آیت سے متاثر ہوتے تھے اور دوسروں کو متاثر کرتے تھے اور لوگ شب کی تنہائی میں جس چیز سے اپنا غم غلط کرتے تھے وہ تلاوت قرآن ہی ہوتی تھی صحابۂ کرام تہجد کی فرضیت منسوخ ہوجانے کے بعد بھی شب کو اٹھتے تھے اور ذکر و تلاوت میں مشغول ہوتے تھے۔ اس کے متعلق چند آیتیں سنئے اور پھر اس کی تفسیر بھی سنئے:۔

ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ
وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ۝ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

اور آپ خدائے قادر رحیم پر توکل رکھئے جو آپ کو جس وقت آپ کھڑے ہوتے ہیں اور نمازیوں کے ساتھ آپ کی نشست و برخاست کو دیکھتا ہے وہ خوب سننے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (بیان القرآن)

اس کے تحت صاحب کشاف لکھتے ہیں:۔

(عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ) على الذى يقهر اعداءك بعزته وينصرك عليهم برحمته۔ ثم اتبع كونه رحيما على رسوله ما هو من اسباب الرحمة وهو ذكر ما كان يفعله فى جوف الليل من قيامه للتهجد وتقلبه فى تصفح احوال المتهجدين من اصحابه يطلع عليهم من حيث لا يشعرون ويستبطن اسرارهم وكيف يعبدون الله وكيف يعملون لآخرتهم كما يحكى انه حين نسخ فرض قيام الليل طاف تلك الليلة بيوت اصحابه لينظر ما يصنعون لحرصه عليهم وعلى ما يوجد منهم من فعل الطاعات وتكثر الحسنات فوجدها كبيوت الزنابير لما سمع منها من دبدبتهم بذكر الله والتلاوة (كشاف ج ۳ ص ۱۳۷)

آپ توکل کیجئے عزیز رحیم پر۔ یعنی اس ذات پر جس نے کہ آپ کو عزت دے کر آپ کے دشمنوں کو مقہور و مغلوب کر دیا اور اپنی رحمت سے آپ کی ان کے مقابلہ میں نصرت فرمائی، اپنے رسول پر اپنا رحیم ہونا بیان کر کے پھر اسباب رحمت کو بیان فرمایا۔ یعنی اس چیز کا ذکر فرمایا جو آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی عادت شریفہ تھی یعنی تہجد کے لئے آپ کا شب میں قیام فرمانا اور اپنے تہجد پڑھنے والے اصحاب کے تفتیش احوال کے لئے ادھر ادھر آنا جانا تاکہ وہ تو نہ جانیں اور آپ ان کے (ظاہری حالات سے ان کے) قلبی حالات اور کیفیت عبادت معلوم فرمالیں نیز یہ دیکھیں کہ یہ لوگ خدا اور آخرت کے لئے کیسا عمل کرتے ہیں جیسا کہ مروی ہے کہ جب کہ قیام لیل کی فرضیت منسوخ ہوگئی تو اسی شب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے حجروں اور اُنکے گھروں کا چکر لگایا تاکہ آپ دیکھیں اب یہ لوگ کیا کرتے ہیں (یعنی فرضیت تہجد منسوخ ہونے کی وجہ سے اب اس کو ترک کر دیتے ہیں یا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور محبت نیز ذکر اللہ سے اُنس ہوجانے کی وجہ سے اب بھی پڑھتے ہیں) اور یہ اسلئے کہ آپ ان سب پر، ان کے طاعات کرنے پر اور ان کی تکثیر حسنات پر حریص تھے (چاہتے تھے کہ لوگ یہ سب کام زیادہ سے زیادہ کریں) چنانچہ آپ نے ان کے حجروں اور گھروں کو بھڑوں کے چھتوں کے مانند پایا۔ یعنی یہ کہ ان میں سے آہستہ آہستہ ذکر اللہ اور قرآن کی تلاوت کرنے کی وجہ سے آواز کی گنگناہٹ سنائی دے رہی تھی جو بھڑوں کی بھنبھناہٹ کے مشابہ تھی۔

نیز اس کے آگے کی آیتیں سنیئے، ارشاد فرماتے ہیں:-

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ۝ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ۝ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانتَصَرُوا مِن بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ ۝

کیا میں تم کو بتلاؤں کہ کس پر شیاطین اُترا کرتے ہیں۔ ایسے شخصوں پر اُترا کرتے ہیں جو دروغ گفتار بدکردار ہوں اور جو کان لگاتے ہیں اور بکثرت جھوٹ بولتے ہیں اور شاعروں کی راہ تو بے راہ لوگ چلا کرتے ہیں، اے مخاطب کیا تم کو معلوم نہیں کہ وہ ہر میدان میں حیران پھرا کرتے ہیں اور زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہاں مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور انھوں نے کثرت سے اللہ کا ذکر کیا اور انھوں نے بعد اس کے کہ ان پر ظلم ہو چکا ہے بدلہ لیا اور عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ انکو لوٹ کر جانا ہے۔ (بیان القرآن)

اس آخری آیت کے متعلق کشاف میں ہے کہ۔

ومعناها ان الذين ظلموا يطمعون ان ينفلتوا من عذاب الله وسيعلمون ان ليس لهم وجه من وجوه الانفلات وهو النجاة اللهم اجعلنا ممن جعل هذه الآية بين عينيه فلم يغفل عنها۔

معنی اس کے یہ ہیں کہ وہ لوگ جنھوں نے ظلم کیا ہے ان کی خواہش تو یہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھوٹ جائیں حالانکہ عنقریب وہ لوگ جان لیں گے کہ چھٹکارے اور نجات کے اسباب میں سے ان کے پاس کوئی بھی سبب نہ ہوگا۔ اے اللہ تو ہمیں بھی ان لوگوں میں سے کر دے جنھوں نے اس آیت کو اس طرح سے اپنی نگاہوں کے سامنے رکھ لیا ہے کہ ذرا دیر کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہوتے۔

نیز لکھتے ہیں:۔

ختم السورة بآية ناطقة بما لا شئ اهيب منه واهول ولا انكى لقلوب المتاملين ولا اصدع لاكباد المتدبرين وذلك قوله (وسيعلم) وما فيه من الوعيد البليغ وقوله

(الذین ظلموا) واطلاقه و قوله (ای منقلب ینقلبون) وابهامه وقد تلاها ابوبکرؓ لعمرؓ حین عهد الیه وکان السلف الصالح یتواعظون بہا ویتناذرون شدتہا۔

(کشاف ص ۱۳۱ ج ۳)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو ایسی آیت پر ختم کیا جس کا مضمون ایسا ہے کہ کوئی شے اس سے بڑھ کر ہول اور خوف کی نہیں ہے اور نہ غور و فکر اور تدبر کرنے والوں کے قلب وجگر کو رنج والم دینے والی، بلکہ اس کو پاش پاش کرنے والی ہے اور اس مضمون کو سیعلم کے وعید بلیغ اور الذین ظلموا کے اطلاق اور ای منقلب ینقلبون کے ابہام کے ذریعہ ادا فرمایا گیا ہے اور اسی آیت کو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بوقت سپردگی خلافت حضرت عمرؓ کے روبرو تلاوت فرمایا تھا اور سلف صالحین کا اس کے ذریعہ سے باہم وعظ فرمانا اور ایک دوسرے کو ڈرانا ہمیشہ سے معمول رہا ہے۔

دیکھئے اس آیت کو مصنفؒ تمام آیات سے زیادہ اھیب۔ اھول۔ انکی لقلوب المتاملین اور اصدع لاکباد المتدبرین فرمارہے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ اسلاف اسی کا وعظ کہتے تھے اور اس کی شدت سے ایک دوسرے کو ڈراتے تھے، چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متقی شخص کو حضرت صدیقؓ نے خلافت سپرد فرمائی ہے تو اسوقت یہ آیت بھی تلاوت فرمائی۔

میں نے بھی جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی کتاب میں دیکھا کہ ایک شاگرد خاص نور اللہ نامی کی اولاً بہت تعریف فرمائی چنانچہ یہ فرمایا ؎

لقد بلوتك فی سلم وفی عتب | فما وجدتك الاخالص الذهب
ولم تسم بنور اللہ الا انه | عما قلیل تکون النور فارتقب

تحقیق میں نے تم کو صلح اور نرمی میں بھی آزمایا اور غصہ اور عتاب میں بھی آزمایا لیکن بہرحال تم کو خالص سونا ہی پایا یعنی ہر امتحان میں تم پورے اُترے

اور تمہارا نام جو نور اللہ ہے تو یہ اسی لئے ہے کہ
عنقریب تم نور ہو جاؤ گے (انشاء اللہ) وقت کا انتظار کرو۔
(تفہیمات۔ ج ۱)

اور پھر انکو اجازت بھی دی لیکن آخر میں یہ بھی فرما دیا کہ۔
فان وفی بالشرط فذلك ظنی به وان نکث فسیعلم الذین
ظلموا ای منقلب ینقلبون ٥ (تفہیمات ج ۱)

پس اگر انھوں نے سب شرائط کو پورا کیا تو (سبحان اللہ) اور مجھے ان سے یہی توقع بھی ہے اور اگر (خدانخواستہ) میرے عہد کو توڑا تو عنقریب انکو معلوم ہو جائے گا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ انکو لوٹ کر جانا ہے۔

تو مجھے تعجب ہوا کہ ایسے شخص کے بارے میں شاہ صاحب یہ کیا فرما رہے ہیں۔ مگر اس روایت کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ سنت صدیقی ہے۔

بہر حال سلف صالحین کے نزدیک جو آیت' اس درجہ اہتمام کی تھی اور وہ حضرات اسکا اتنا اثر لیتے تھے۔ آج ہم اس پر سے کس طرح گذر جاتے ہیں۔ ہم بھی اسکو پڑھتے ہیں' مگر قلب پر ذرا بھی اثر نہیں ہوتا۔ بس اسی کی ضرورت ہے کہ پہلے حضرات اہل علم آیات قرآنیہ سے خود متاثر ہوں اور اس کی تلاوت کو اپنا وظیفہ بنائیں اس کے بعد جب دوسروں کو سنائیں گے تب ان پر بھی اثر ہوگا۔ مگر اپنی اس خامی کو یہ لوگ محسوس کرتے ہیں، اسی لئے جب اپنی تقریر کا دوسروں پر اثر ہوتا نہیں دیکھتے تو اشعار وغیرہ پڑھ کر اس کو مؤثر بنانا چاہتے ہیں۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کے قلب میں قرآن شریف سے اثر قبول کرنے کی استعداد اور اس کا مادہ پیدا فرما دے تو اس کا آیات قرآنیہ کا سیدھا سادا پڑھ دینا وعظ سننے والوں میں اثر پیدا کر دے جیسا کہ ہونا چاہئے۔

اسی طرح موت اور ما بعد الموت کے بیان میں ایک حدیث نقل کرتا ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ اس زمانے میں ایسے ہی مضامین کے بیان کرنے کی

ضرورت ہے۔

(عن ابی سعید الخدریؓ) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اذا وضعت الجنازة فاحتملها الرجال علی اعناقهم فان کانت صالحة قالت قدمونی وان کانت غیر ذالک قالت لاهلها یا ویلها این یذهبون بها یسمع صوتها کل شیء الا الانسان ولو سمع الانسان لصعق۔ (رواه البخاری)

(باب قول المیت وهو علی الجنازة قدمونی)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جب میت کو تابوت میں رکھا جاتا ہے اور لوگ اس کو کاندھوں پر اٹھا کر (قبرستان کی جانب) لے چلتے ہیں تو اگر وہ مردہ صالح ہوا تو کہتا ہے کہ مجھے جلدی لے چلو، اور اگر ایسا نہ ہوا تو اپنے رشتہ داروں سے کہتا ہے، ہلاکت ہو میرے لئے یہ تم لوگ مجھ کو کہاں لئے جارہے ہو (اور) اس کی اس آواز کو تمام چیزیں سنتی ہیں، سوا انسان کے اور اگر انسان بھی کہیں سن لے تو بیہوش ہو کر گر جائے۔

آخر میں جی چاہتا ہے کہ علم اور علماء کی فضیلت سے متعلق بخاری شریف کا ایک ترجمہ الباب اور فتح الباری سے اس کے بعض حصص کی شرح لکھدوں جو مضمون ہذا سے غیر مربوط بھی نہیں ہے اس لئے اسکا بیان بے محل نہ ہوگا۔ وهو هذا۔

باب العلم قبل القول والعمل لقول اللہ تعالی فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فبدأ بالعلم وان العلماء ورثة الانبیاء ورثوا العلم من اخذه اخذ بحظ وافر ومن سلك طریقا یطلب به علما سهل اللہ له طریقا الی الجنّة۔ وقال جل ذکره اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا وقال وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ وقال هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یرد اللہ به خیراً یفقهه

فی الدین وانما العلم بالتعلم۔ الخ (بخاری شریف ج ۱)

باب اسمیں کہ علم قول اور عمل سے پہلے ہوتاہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ اور اس میں ابتداء علم ہی سے فرمائی ہے اور یہ کہ علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں اور یہ کہ انبیاء علم ہی کا وارث بناتے ہیں سو جس شخص نے اسکو لیا اس نے بڑا حصہ پایا۔ اور یہ کہ جو شخص کسی ایسے راستہ پر چلا جس کے ذریعہ سے علم طلب کرنا چاہتاہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ سہل فرمادیں گے، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اس سے خشیت رکھتے ہیں اور فرمایا کہ انکو نہیں سمجھ سکتے مگر علماء۔ اور فرمایا کہ یہ کفار کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو ہم اہلِ دوزخ میں سے نہ ہوتے، نیز فرمایا کہ کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے۔ اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو دین میں تفقہ مرحمت فرمادیتے ہیں اور علم تو تعلم یعنی سیکھنے ہی سے حاصل ہوتاہے ـــــ آگے فتح الباری سے اس کی تشریح ملاحظہ فرمائی جائے۔

(قولہ باب العلم قبل القول والعمل) قال ابن المنیر اراد بہ ان العلم شرط فی صحۃ القول والعمل ولا یعتبران الا بہ فھو متقدم علیھا لانہ مصحح للنیۃ المصححۃ للعمل فنبہ المصنف علی ذالک حتی لا یسبق الی الذھن من قولھم ان العلم لا ینفع الا بالعمل بتھوین امر العلم والتساھل فی طلبہ۔

(قولہ وما یعقلھا) ای الامثال المضروبۃ (قولہ لوکنا نسمع) ای سمع من یعی ویفھم (قولہ او نعقل) عقل من یمیز وھذہ اوصاف اھل العلم فالمعنی لوکنا من اھل العلم لعلمنا ما یجب علینا فعملنا بہ فنجونا۔

(فتح الباری ص۱۴۱ ج ۱)

مصنفؒ نے یہ جو فرمایا کہ علم کا درجہ قول اور عمل سے پہلے ہے، تو ابن منیرؒ فرماتے ہیں کہ بخاریؒ کی مراد اس سے یہ ہے کہ قول اور عمل کی صحت کے لئے علم شرط ہے۔ یعنی یہ

دونوں بدون اس کے معتبر ہی نہیں ہیں لہذا علم ان دونوں سے مقدم ہوا اس لئے کہ وہی نیت کو صحیح کرنے والا ہے جو کہ عمل کو درست کرنے والی ہے۔ پس مصنفؒ نے اس پر اس لئے تنبیہ فرمائی کہ مبادا لوگوں کے اس مقولہ سے کہ علم بدون عمل کے نافع ہی نہیں ہوتا۔ علم کی ناقدری یا اسکے طلب میں سستی کا خیال کسی کے ذہن میں راہ نہ پا جائے۔

اور نہیں سمجھتے ان کو یعنی ان امثال کو جو کہ بیان کی جاتی ہیں۔ "کاش کہ ہم سنتے" یعنی سن کر بات کر اسکو سمجھنے اور محفوظ رکھنے والوں کا سا سننا سنتے۔ اور یہ جو فرمایا کہ "کاش ہم سمجھتے" یعنی سمجھنا اس شخص جیسا جو اشیاء کے نیک وبد کی تمیز بھی کرتا ہو اور یہ دونوں چونکہ اہل علم کے اوصاف میں سے ہیں لہذا مطلب یہ ہوا کہ کاش ہم بھی اہل علم میں سے ہوتے تو اپنے ذمہ جو امور واجبہ تھے ان کو جانتے اور عمل کرتے تاکہ نجات پاتے۔

حضرت بخاریؒ نے تو یہاں صرف سورۂ ملک کی ایک ہی آیت لی ہے۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِىْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ

یعنی اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے اور سمجھتے تو ہم اہلِ دوزخ میں سے نہ ہوتے۔

لیکن اس کے آگے فرماتے ہیں کہ:۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ

یعنی۔ غرض اپنے جرم کا اقرار کریں گے سو اہلِ دوزخ پر لعنت ہے۔

ان میں دوزخیوں کا بیان ہے کہ دوزخ میں جاکر اقرار کریں گے کہ دنیا میں ہم نے سماع قبول نہیں کیا تھا اور عقل وفہم سے کام نہیں لیا تھا اور اب یہاں اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے اور وہاں اپنے کئے پر نادم ہوں گے۔ حیث لا ینفعہم الندم۔

اس کے بعد والی آیت میں مومنین کا بیان ہے کہ

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ

یعنی۔ بے شک جو لوگ اپنے پروردگار سے بے دیکھے ڈرتے ہیں ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

اس میں انکی جزاء یعنی مغفرت اور اجر کبیر کو ان کی دنیاوی خشیت پر مرتب فرمایا

ہے۔ یعنی آخرت میں انکو مغفرت اور اجر کبیر اس لئے ملیگا کہ وہ دنیا میں خشیت خداوندی کے ساتھ متصف تھے۔ یہ تو فریقین کا الگ الگ حال بیان ہوا۔ یہاں سے میں یہ کہتا ہوں کہ قرینۂ تقابل سے معلوم ہوا کہ کفار نے جس طرح سے دنیا میں سمع اور عقل سے کام نہیں لیا تھا، اسی طرح انکو دنیا میں خشیت بھی نہ تھی اور اسی کے نہ ہونے کی وجہ سے اعتراف بالذنب بھی ان کو نہ تھا اور مومن کو چونکہ دنیا میں خشیت حاصل ہوتی ہے اسلئے وہ اسکے مقدمات یعنی سمع وعقل سے بھی متصف ہوتے ہیں اور ان کو دنیا ہی میں اعتراف بالذنب بھی حاصل ہوتا ہے۔

اب ان دونوں آیتوں کو ملانے سے مومن کامل کے اوصاف معلوم ہوئے کہ سمع وعقل، خشیت اور اعتراف بالذنب یہ سب مومن کی صفات ہیں۔

اسی طرح سے ایک اور جگہ اہل دنیا اور اہل علم کے اوصاف کا ذکر اس طرح سے فرمایا ہے۔ سورۂ قصص میں قارون کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ:۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝ (سورۂ قصص)

پھر وہ اپنی آرائش سے اپنی برادری کے سامنے نکلا۔ جو لوگ دنیا کے طالب تھے کہنے لگے کیا خوب ہوتا کہ ہم کو بھی وہ ساز وسامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے۔ واقعی وہ بڑا صاحب نصیب ہے۔ (بیان القرآن)

یہ تو دنیا داروں کا قول نقل فرمایا جس سے انکا وصف معلوم ہوا کہ دوسرے کی نعمتِ عاجلہ دیکھ کر ریجھ پڑتے ہیں اور اس کے بعد اہل علم کا جواب نقل فرماتے ہیں۔ سنئے! فرماتے ہیں:۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ ۝ (سورۂ قصص)

اور جن کو فہم عطا ہوئی تھی وہ کہنے لگے، ارے تمہارا ناس ہو اللہ تعالیٰ کے گھر کا ثواب ہزار درجہ بہتر ہے۔ جو ایسے شخص کو ملتا ہے کہ ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ ان ہی کو

دیا جاتا ہے جو صبر کرنے والے ہیں۔ (بیان القرآن)

اس سے معلوم ہوا کہ اہل علم کی یہ شان ہے کہ ہر وقت ان کی نظر اللہ تعالیٰ کے ثواب پر اور آخرت پر ہوتی ہے۔ یہ بھی عالم کا ایک مخصوص وصف ہے۔

عالم کے جن اوصاف کا یہاں تک ذکر ہوا یعنی سماع، عقل، خشیت، اعتراف بذنبہم، اور نظر بر ثوابِ آخرت ان سب کے ذکر کی حیثیت تو ترغیب کی سی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب بعض امور بطور ترہیب کے بھی بیان کردئے جائیں تاکہ ترغیب اور ترہیب دونوں کے مجموعہ سے تاثر قوی پیدا ہو کہ یہی مقصود بیان ہے۔

اس سلسلہ میں ترمذی شریف کے ابواب الزہد کی ایک روایت نقل کرتا ہوں۔

حدثنا سوید بن نصر قال حدثنا عبد اللہ بن المبارک نا حیوۃ بن شریح نا الولید بن ابی الولید ابو عثمان المدائنی ان عقبہ بن مسلم حدثہ انہ دخل المدینۃ فاذا ھو برجل قد اجتمع علیہ الناس فقال من ھذا فقالوا ابو ھریرۃ فدنوت منہ حتّٰی قعدت بین یدیہ وھو یحدث الناس فلما سکت وخلا قلت لہ اسئلک بحق وبحق لما حدثتنی حدیثاً سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقلتہ وعلمتہ فقال ابو ھریرۃ افعل لاحدثنک حدیثاً حدثنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عقلتہ وعلمتہ ثم نشغ ابو ھریرۃ نشغۃً فمکث قلیلاً ثم افاق فقال لاحدثنک حدیثاً حدثنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا البیت مامعنا احد غیری وغیرہ ثم نشغ ابو ھریرۃ نشغۃً شدیدۃً ثم افاق ومسح وجہہ وقال افعل لاحدثنک حدیثاً حدثنیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا وھو فی ھذا البیت ما معنا احد غیری وغیرہ ثم نشغ نشغۃً شدیدۃً ثم مال خارّاً علی وجہہ فاسندتہ طویلاً ثم افاق فقال حدثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ اذا کان یوم القیٰمۃ ینزل

الی العباد لیقضی بینہم وکل أمۃ جاثیۃ فاول من ید عوبہ رجل جمع القرآن ورجل قتل فی سبیل اللہ ورجل کثیر المال فیقول اللہ للقاری الم اعلمک ما انزلت علی رسولی قال بلی یارب قال فماذا عملت فیما علمت قال کنت اقوم بہ آناء اللیل وآناء النہار فیقول اللہ لہ کذبت وتقول الملائکۃ لہ کذبت ویقول اللہ لہ بل اردت ان یقال فلان قاری۔

ویؤتی لصاحب المال فیقول اللہ لہ الم اوسع علیک حتی لم ادعک تحتاج الی احدٍ قال بلی یارب قال فماذا عملت فیما آتیتک قال کنت اصل الرحم واتصدق فیقول اللہ لہ کذبت وتقول الملائکۃ کذبت ویقول اللہ بل اردت ان یقال فلان جواد وقد قیل ذالک۔

ویؤتی بالذی قتل فی سبیل اللہ فیقول اللہ لہ فیماذا قتلت فیقول امرت بالجہاد فی سبیلک فقاتلت حتی قتلت فیقول اللہ لہ کذبت وتقول الملائکۃ کذبت ویقول اللہ بل اردت ان یقال فلان جریئی فقد قیل ذالک۔

ثم ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی رکبتی فقال یا ابا ھریرۃ اولئک الثلاثۃ اول خلق اللہ تسعر بہم النار یوم القیامۃ۔

قال الولید ابوعثمان المدائنی فاخبرنی عقبۃ ان شفیّا ھو الذی دخل علی معاویۃ فاخبرہ بھذا قال ابوعثمان وحدثنی العلاء ابن ابی حکیم انہ کان سیافا لمعاویۃ قال فدخل علیہ فاخبرہ بھذا عن ابی ھریرۃ فقال معاویہ قد فعل بہولاء ھذا فکیف بمن بقی من الناس ثم بکی معاویۃ بکاءً شدیداً حتی ظننا إنہ ھالک وقلنا قد جاءنا

هذا الرجل لبشر ثم افاق معاوية ومسح عن وجهه وقال صدق الله ورسوله مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ هذا حديثٌ حسنٌ غريبٌ

(ترمذی شریف صلا ج ۲)

حدیث بیان کی ہم سے سوید بن نصر نے کہا حدیث بیان فرمائی ہم سے عبداللہ بن مبارک نے انھوں نے فرمایا کہ حدیث بیان کی ہم سے شریح نے انھوں نے فرمایا کہ ہم سے بیان کیا ولید بن ابی الولید ابوعثمان مدائنی نے کہ عقبہ بن مسلم نے ان سے بیان کیا کہ جب وہ مدینہ میں داخل ہوئے تو وہاں دیکھا کہ ایک بزرگ بیٹھے ہیں اور انکے ارد گرد لوگوں کا ایک مجمع ہے حضرت عقبہ بن مسلم نے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ حضرت ابوہریرہؓ ہیں (کہتے ہیں کہ) پھر میں انکے قریب گیا وہ لوگوں سے حدیث بیان فرمارہے تھے۔ میں بالکل ان کے سامنے جاکر بیٹھ گیا جب وہ خاموش ہوئے اور تنہا رہ گئے تو میں نے عرض کیا کہ آپ سے حق کے واسطہ سے اور پھر حق کے واسطہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ مجھ سے ضرور بالضرور ایک ایسی حدیث بیان فرمائیں جس کو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور سمجھا ہو اور سیکھا ہو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایسا کروں گا اور تم سے ضرور ایسی ہی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہے اور میں نے اُسے سیکھا اور سمجھا ہے۔

یہ کہہ کر ابوہریرہ بیہوش ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو پھر فرمایا کہ میں تم سے ایسی ہی حدیث بیان کروں گا جو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی حجرہ میں بیان فرمائی تھی کہ میں تھا اور حضورؐ تھے اور ہمارے علاوہ کوئی تیسرا نہ تھا یہ کہا اور پھر (دوبارہ) سخت بیہوش ہوگئے۔ پھر جب ہوش آیا تو اپنا چہرہ وغیرہ صاف کرکے فرمایا کہ میں یہ کام کروں گا یعنی تم سے ایسی حدیث ضرور بیان کروں گا جس کو مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا دراں حالیکہ میں اور آپؐ اسی گھر میں تھے۔

اور ہمارے ساتھ کوئی اور نہ تھا (تیسری بار) پھر سخت دورہ غشی کا پڑا اور منہ کے بل گرنے لگے تو میں نے اپنی گود میں آپ کو ٹیک لیا پھر جب بہت دیر کے بعد افاقہ ہوا تو پھر ارشاد فرمایا کہ حدیث بیان فرمائی مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بروز قیامت جب اللہ تبارک و تعالیٰ بندوں کا فیصلہ فرمانے کے لئے نزول فرمائیں گے اور سب کے سب لوگ زانو کے بل پڑے ہوں گے تو سب سے پہلے جن کو بلایا جائے گا (وہ تین قسم کے لوگ ہوں گے) ایک تو وہ ہوگا جو قاری یعنی عالم بالقرآن ہوگا۔ دوسرا وہ ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا ہوگا اور تیسرا وہ شخص ہوگا جو دنیا میں مالدار ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ اس عالم قرآن سے سوال فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھ کو اس کتاب کا عالم نہیں بنایا تھا جو میں نے اپنے رسول پر نازل فرمایا تھا؟

وہ کہے گا بیشک اے میرے پروردگار ایسا ہی تھا، ارشاد ہوگا کہ پھر تو نے اپنے علم پر کیا عمل کیا؟ کہے گا میں اس کی رات اور دن کی گھڑیوں میں تلاوت کرتا تھا اللہ تعالیٰ اس سے کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ تو یہ چاہتا تھا کہ تجھ کو قاری اور عالم کہہ کر پکارا جائے (سو دنیا میں تو کہا جا چکا)۔

اسی طرح صاحبِ مال لایا جائے گا۔ اللہ اس سے بھی فرمائیں گے کہ کیا میں نے تجھ پر وسعت نہیں کی تھی؟ یہاں تک کہ دنیا میں تجھ کو کسی کا محتاج نہیں رکھا تھا۔

وہ کہے گا کہ بیشک اے میرے پروردگار ایسا ہی تھا، فرمائیں گے کہ پھر میری اس نعمت کو پاکر تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا کہ میں صلہ رحمی کرتا تھا۔ صدقہ و خیرات دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ سن کر فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور اللہ تعالیٰ فرمائینگے کہ یہ بات نہیں تھی بلکہ تو نے یہ سب اس لئے کیا تھا کہ کہا جائے کہ فلاں شخص بڑا سخی ہے سو دنیا میں یہ کہا جا چکا۔

پھر شہید کو پیش کیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو کیوں اور کس سلسلہ میں مارا گیا۔ وہ عرض کریگا کہ یارب آپنے اپنی راہ میں جہاد کا حکم فرمایا تھا اس لئے میں نے قتال کیا یہانتک کہ تیری راہ میں کام آگیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے اور فرشتے بھی کہیں گے

کہ تو جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ تو نے اسلئے قتال کیا تھا کہ لوگ کہیں کہ فلاں شخص بڑا جری اور بہادر ہے۔ چنانچہ تیرے متعلق یہ خوب کہا جاچکا۔

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ اے ابوہریرہ یہی ہیں وہ تین شخص کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے پہلے جہنم میں یہی لوگ ڈالے جائیں گے اور دوزخ انھیں سے روشن کی جائیگی۔

حضرت ولید ابوعثمان مدائنی کہتے ہیں کہ مجھ کو عقبہ نے یہ خبر دی کہ شفیا ہی وہ شخص ہیں جو کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان کو اس حدیث کی خبر دی۔

ابوعثمان کہتے ہیں کہ علاء ابن ابی حکیم نے یہ بھی فرمایا کہ وہ حضرت معاویہ کے سیاف تھے تو جب وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کو اس حدیث کی خبر دی کہ ابوہریرہؓ ایسا ایسا بیان فرماتے ہیں۔ تو حضرت معاویہ نے فرمایا کہ ان مذکورہ اشخاص کے ساتھ تو یہ معاملہ ہوگا پھر ان کے علاوہ اور جو لوگ ہونگے ان کا کیا حشر ہوگا؟ یہ کہہ کر حضرت معاویہ بہت روئے یہاں تک کہ ہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ ان کی جان ہی نکل جائے گی اور ہم نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ کہاں سے یہ برا شخص یہ خبر لایا۔ جب پھر حضرت معاویہ کو افاقہ ہوا تو انھوں نے اپنا چہرہ وغیرہ صاف کیا اور فرمایا کہ سچ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول نے۔ (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ) جو شخص محض حیات دنیوی اور اس کی رونق چاہتا ہے تو ہم ان لوگوں کے اعمال ان کو دنیا ہی میں پورے طور پر بھگتا دیتے ہیں اور ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں اور انھوں نے جو کچھ کیا تھا وہ آخرت میں سب ناکارہ ہوگا اور جو کچھ کر رہے ہیں وہ بے اثر ہے۔ (یہ حدیث حسن غریب ہے)

نیز ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے کہ:۔

عن جابر بن عبد اللہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تعلموا العلم لتباھوا بہ العلماء ولا لتماروا بہ السفہاء ولا تخیروا المجالس فمن فعل ذالک فالنار النار (ابن ماجہ صـ۲۲)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم اس لئے نہ سیکھو کہ اس کے ذریعہ سے علماء پر بڑائی چاہو اور نہ اس لئے کہ اس کے ذریعہ سے بے وقوفوں سے جھگڑا کیا کرو اور نہ اس لئے کہ مجلس میں اس کی وجہ سے صدر مقام حاصل کرو پس جس شخص نے ایسا کیا وہ جہنم سے ڈرے اور دوزخ کا خوف کرے۔

قولہ ولا تحیزوا کے تحت حاشیہ میں حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب محدث دہلویؒ نے نقل فرمایا ہے کہ

والتحیز التمکن والتقرر المراد منه لا تمکنوا فی قلوب الناس لتکونوا صدراً للمجالس فانه من اشد اغراض الدنیا لان آخر ما یخرج من قلوب الصدیقین حب الجاه وهذه عقبة کئودة للعلماء لا ینجو منه الا المخلصون۔ انتہی (حاشیہ ابن ماجہ شریف)

تحیز کے معنی تمکن اور تقرر کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ علم سے یہ نہ مقصود ہو کہ لوگوں کے دل میں جگہ حاصل کرو تاکہ ہر جگہ صدر مقام ہی پر بٹھائے جاؤ۔ (اور یہ اس لئے بُرا ہے کہ) یہ چیز اغراض دنیویہ میں سب سے سخت ترین ہے کیونکہ صدیقین کے قلوب سے سب سے آخر میں جو شئے نکلتی ہے وہ حب جاہ ہی ہے اور علماء کے لئے یہ ایک سخت اور دشوار گذار گھاٹی ہے جس سے مخلصین ہی نجات پاتے ہیں۔

دیکھئے ترمذی شریف کی اُس حدیث میں اور ابن ماجہ شریف کی اس حدیث اور اسکی شرح میں جو حاشیہ پر ہے کس قدر مؤثر ترہیب ہے۔ علماء کے لئے کہ اگر آج اسی قسم کی احادیث ہمارے پیش نظر ہو جائیں تو اخلاص پیدا کرنے کے لئے یہی اتنا کافی ہے۔ اہل علم کے ایک مجمع میں یہ بات آئی کہ آج علماء میں جو غفلت ہے اسکا سبب ان کا پڑھنا پڑھانا ہے۔ چنانچہ جو لوگ یہ کام کرتے ہیں ان میں غفلت ہو جاتی ہے۔ پھر کسی نے کہا کہ بھائی حدیث کی کتابوں میں کتاب الرقاق اور کتاب الزہد بھی تو ہے (جن میں ایسی ایسی روایات بھی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں) پس غفلت کا سبب تعلیم و تعلم نہیں ہے بلکہ ان ابواب کا پیش نظر نہ ہونا ہے لہٰذا ضرورت ہے کہ آج علماء ان ابواب کو اور اس قسم کی روایات کو پیش نظر رکھیں اس سے

غفلت زائل ہو گی۔ بس اسی پر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے۔

والسلام

حضرت مصلح الامتؒ کا مضمون "وعظ بالقرآن" جو بصورت خط حضرت علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کے نام گیا تھا۔ ختم ہوا۔ اس کے جواب میں مولانا علی میاں صاحب نے جن تاثرات کا اظہار فرمایا تھا وہ مضمون سے قبل والے ان کے خط میں ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں لکھا تھا کہ ــــ مضمون کی تکمیل ہوگئی۔ حقیقۃً مضمون باوجود عبارت آرائی اور تکلفات سے دور ہونے کے نہایت موثر اور مفید ہے۔ انتہی

اس کے بعد ایک مرتبہ مولانا ندوی مدظلہ الٰہ آباد، جلسۂ اصلاح المسلمین میں تشریف لائے لیکن قیام حضرتؒ ہی کے یہاں فرمایا۔ اور یہ فرمایا کہ آجکل کے ان رسمی جلسوں میں شرکت تقریباً ختم کر دی ہے لیکن یہاں کی حاضری اس لالچ سے منظور کر لی کہ حضرت سے ملاقات ہو جائیگی چنانچہ یہیں اترا ہوں یہیں سے جلسہ گاہ جاؤں گا اور واپس ہو کر یہیں سے روانگی ہو گی۔ واپس جا کر حضرت والا کے نام یہ عریضہ لکھا۔

(حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کا خط)

مشفق محترم مخدوم و معظم دامت برکاتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ حضرت والا کے مزاج گرامی بخیر ہونگے۔ جناب والا سے رخصت ہو کر اور جلسہ سے فراغت کر کے بخیریت و براحت اپنے وطن رائے بریلی آیا۔ راستہ بھر جناب کی شفقتوں اور ارشادات عالیہ کا مزہ لیتا رہا اور التفات خاص سے اپنے شکستہ دل کو تسلی دیتا رہا۔ متعنا اللہ بفیوضکم چند رسائل گرامی ساتھ لایا تھا ان کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ جی چاہا کہ جناب والا کی خدمت میں عرض کروں کہ وصیۃ الاخلاص کے نام سے بھی ایک رسالہ تحریر فرمایا جاوے خاص طور پر یہ خیال اسکا داعی اور محرک ہے کہ مدارس عربیہ میں پڑھنے پڑھانے والوں کی

بڑی تعداد اخلاص فی التعلیم واخلاص فی التعلم سے نہ صرف بے بہرہ بلکہ بے حس ہے اسکا نتیجہ ہے۔ کہ اس کے روحانی واخلاقی ثمرات مرتب نہیں ہورہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ آخرت میں سخت مایوسی اور شرمندگی ہوگی اگر تعلیم وتعلم کے فضائل احادیث صحیحہ سے اور اُس کے متعلق اپنی تشریحات وتطبیقات قلمبند فرمادی جائیں تو ہم اہل مدارس کے لئے بہت نافع ہوں گی۔

شوال کا مہینہ مدارس دینیہ عربیہ کے افتتاح کا ہوتا ہے اُس وقت اس رسالہ کی اشاعت نہایت مفید ہوگی۔ اگر یہ معروضات ناپسند نہ فرمائی جائیں تو ضرور اس اہم موضوع کی طرف توجہ فرمائی جاوے اور التذکیر بالقرآن کی صورت میں ہو یا مستقل رسالہ ہو انشاءاللہ مفید اور نہایت باعث برکت ہوگا۔ واللہ الموفق المستعان۔ والسّلام

طالب دعا وتوجہ

ابوالحسن علی

(جواب حضرت مصلح الامتؒ)

محبی ومحبی سلمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ موجب مسرت ہوا آپ کے تاثرات اور موجب مسرت ہوئے جس امر کا آپ نے مشورہ دیا ہے۔ ہے تو میری حیثیت سے باہر۔ مگر آپ کی توجہ اور خلوص سے شاید کچھ کام ہوسکے اور اس موضوع پر قلم اُٹھا سکوں۔ خاص کر اہل علم حضرات سے تخاطب اور پھر اخلاص کی بحث اور اُن سے اخلاص کا مطالبہ اور اُن کو اِس کی ترغیب وتشویق اور اُس کے خلاف سے ترہیب وتنفیر بڑا مشکل کام اور پُرخطر امر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ جس پر آسان کرے اُس پر آسان ہے ؎

بے عنایات حق وخاصان حق گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

بہرحال جس موضوع پر کچھ لکھنے کے لئے خواہش ظاہر فرمائی گئی ہے وہ تو میرا موضوع بحث ہی ہے اور اب آپ نے بھی توجہ فرمائی ہے تو ارادہ میں مزید تقویت

ہوگئی۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو ضرور کچھ لکھوں گا مگر اس کے ساتھ ساتھ آپ سے بھی یہ درخواست ہے کہ اس معاملہ میں دعا سے میری مدد فرمائیں۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ

حضرت مصلح الامۃؒ کی صاحبزادیوں کے سانحۂ ارتحال پر

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کے تعزیت نامے

حضرت مصلح الامت کے نام

(۱)

جناب والا کی خدمت میں درخواست دعا کا عریضہ بھیج چکا تھا کہ اگلے روز محترمی شاکر حسین خاں صاحب کے خط سے صاحبزادی صاحبہ کے انتقال کی اطلاع ملی حادثہ قدرتی طور پر باعث حزن و قلق ہے لیکن اس ماہ مبارک میں موت اور اپنے شفیق و مخدوم و مرشد والد اطال اللہ بقاءہ کے ہاتھوں اپنے مستقر پر پہونچنا اور ان کی دعائیں لینا مستحق تبرک و تہنیت اور لائق رشک و غبطہ ہے اللہ تعالیٰ اس مرحومہ کے درجے بلند فرمائے اور جناب والا اور سب اعزاء کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

(۲)

مخدومنا المعظم دامت برکاتہ والطافہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ گرامی نامہ سے نیز شاکر حسین خاں صاحب کے عنایت نامے سے ایک حادثہ کی اطلاع ملی تھی چند روز بعد سیاست جدید کانپور سے دوسرے حادثہ کی اطلاع ملی اور معلوم ہوا کہ دو صاحبزادیوں نے داغ مفارقت دیا۔ کئی روز تک تو شبہ رہا کہ اخباری اطلاع ہے۔ تصدیق طلب ہے مگر اہل تعلق سے اس کی تصدیق ہوئی تو بڑا قلق ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

جی چاہا کہ ایک روز کے لئے حاضر ہو جاؤں اور فریضہ تعزیت ادا کروں مگر ادھر چند روز سے زبان میں ایک زخم کی وجہ سے تکلیف رہی۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت والا خاص الہ آباد میں نہیں بمرولی میں مقیم ہیں اور آنے جانے میں زحمت ہے۔ خدا کرے کسی بہتر موقعہ سے حاضری کا شرف حاصل ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ دونوں کی مغفرت فرمائے۔

جناب والا کے لئے یہ مجاہدات اضطراری باعث رفع درجات اور اجور جزیلہ ہوئے اللہ تعالیٰ اب ان احزان و اکدار سے محفوظ رکھے اور سب متعلقین کو سلامت و باکرامت رکھے

طالب دعا ابوالحسن علی

(۵ رشوال ۱۳۷۹ھ)

جواب

مولانا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

واقعات جو آپ نے سنے صحیح ہیں آپ اس وقت تشریف لائے ہوتے تو میرے تقویت قلب کے لئے ایک امر پیدا ہو جاتا۔ جی ہاں بمرولی میں قیام ہے اور الہ آباد سے دور ہے۔ مغفرت کے لئے دعا فرماتے رہئے۔ مجاہدہ اضطراریہ میں شک نہیں خدا کرے صبر حاصل ہو جو اختیاری مجاہدہ ہے۔ دعا فرماتے رہئے کہ اللہ تعالیٰ احزان و اکدار سے محفوظ رکھے اور سب متعلقین کو سلامت رکھے۔ آمین۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کے وصال پر

حضرت مرشدی مصلح الامۃ کا تعزیت نامہ مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کے نام

بخدمت مولانا علی میاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پرملال کی خبر معلوم ہوئی ہم پسماندگان کے لئے بڑا سانحہ ہے۔ میں آپ کو کیا تسلی دوں مجھ کو خود رنج ہے۔ بیماری میں حاضر نہ ہو سکا کہ زیارت ہو جاتی اور نہ اس وقت حاضر ہو سکا۔ معلوم ہی نہ ہو سکا ورنہ شاید ہمت کر جاتا۔ بہر کیف میں

آپ لوگوں کے ساتھ رنج میں شریک ہوں ہر فرد کو میری طرف سے صبر کی تلقین فرمائیے مرحوم صفات برگزیدہ کے حامل تھے اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے خاص جوار رحمت میں جگہ دے۔ میں برابر ان کے لئے خلوص کے ساتھ دعا کرتا رہوں گا اور ایصال ثواب بھی انکا حق اپنے اوپر سمجھتا ہوں میرے بزرگ تھے اب آپ سے کیا کہوں۔

حضرت ابن عباسؓ کو حضرت عباسؓ کی وفات کے بعد ایک بدوی نے ایک عجیب غریب تعزیت پیش کی تھی وہی پیش کرتا ہوں ؎

اِصبر نکن بك صابرین فانما — صبر الرعیۃ بعد صبر الراس

خیر من العباس اجرك بعدہٗ — واللہ خیر منك للعباس

انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔

ایک آدھ روز کی تاخیر سے جواب جارہا ہے اس کی معافی چاہتا ہوں دل برابر آپ کی طرف متوجہ رہا ہے۔ بے اعتنائی نہیں برتی گئی۔ مولانا محمد منظور صاحب سلمہ کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ مولانا عبدالباری صاحب کا بھی خط آیا ہے بڑے رنج وغم کا اظہار فرمایا ہے۔ بعینہٖ یہ خط انکی خدمت میں بھی پیش کر دیجئے اور میری طرف آپ حضرات توجہ فرمائیں۔

والسّلام

وصی اللہ عفی عنہ

خط مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہٗ

سراپا شفقت والطاف دامت برکاتہ وزیدت الطافہ — السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا جناب کے بیش قیمت اور بابرکت اوقات میں خلل ڈالنا مقصود نہیں، یہ عریضہ صرف اس مقصد کیلئے ارسال خدمت کیا جارہا ہے کہ رمضان المبارک کے اس اخیر عشرہ میں جناب والا سے دعا کی درخواست کی جائے خاص طور سے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ ع "بر کریماں کارہا دشوار نیست" باوجود اپنی مکمل نااہلی اور بے بضاعتی کے عرصہ سے اپنے بزرگوں میں جناب والا کیلئے دعا کرنیکا معمول ہے اور اسکو اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ والسّلام

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

مولانا المحترم دامت برکاتکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ والا نامہ نے عزت بخشی۔ جناب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ میں نے تمہارے لئے دعا کا معمول بنا لیا ہے اس سے زیادہ میرے لئے مسرت کا کیا باعث ہوسکتا ہے۔ آپکی خیر خواہی اور محبت کا پورا اور بیّن ثبوت ہے۔ اس سے زیادہ لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ والسلام وصی اللہ عفی عنہ

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ کے مابین یہاں تک کی مراسلت مسلسل ملی اس کے بعد جو خطوط ہم کو دستیاب ہوسکے وہ کچھ وقفہ وقفہ سے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہی ہوگی کہ کبھی مولانا ندوی کو بیرون ملک کے اسفار پیش آتے رہے اور ادھر خود حضرت مصلح الامتؒ پر بھی فالج کا اچانک پہلا حملہ ہوگیا جس کی وجہ سے علاج معالجہ اور پھر اس کے بعد ضعف و نقاہت کا سلسلہ عرصہ تک چلا۔ اسی درمیان میں حضرتؒ بغرض علاج لکھنؤ بھی تشریف لے گئے اور جناب سید مظفر حسین صاحب وزیر نقل وحمل کے بنگلہ میں قیام رہا اور شمس الحکماء جناب حکیم شمس الدین احمد صاحب کے زیر علاج رہے۔ پھر اسکے بعد ہی وہیں سے بعد صحت برائے تبدیلیِ آب و ہوا بمبئی تشریف لے گئے۔ یہ سارے واقعات اوائل ۱۹۶۵ء کے ہیں۔

اور اس کو ایک سال نہ گذرا تھا کہ حضرت اقدس پر دوسرا حملہ بشکل رُعاف ۲۶ فروری ۶۶ء کو پیش آگیا اور اس کا سلسلہ بھی بہت دنوں تک چلا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں فہم اور محبت دونوں کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت والا کی خیریت مزاج تو بالا بالا دریافت کی جائے لیکن خود حضرت اقدس کو جواب کے بارے بھی گرانبار نہ کیا جائے

احقر کے فہم ناقص میں یہی وجہ تاخیر مکاتبت کی آتی ہے۔

لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت مولانا ندوی مدظلہ کو حضرت والاؒ سے ایک خاص قلبی لگاؤ اور روحانی تعلق تھا جس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ ایک مرتبہ بیرون ملک کا ایک سفر درپیش آگیا جس کی وجہ سے اس سال الہ آباد کے جلسہ میں مولانا ندوی مدظلہ تشریف نہ لاسکے اور حضرت والا کی زیارت و ملاقات کا جو موقعہ مل جاتا تھا وہ فوت ہوگیا اس پر جس تاسف اور تاثر کا اظہار فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

تحریر فرماتے ہیں کہ

مجھے اپنی اس محرومی پر افسوس ہے کہ ۲۱۔ ۲۲ر اپریل کے جلسہ میں حاضر نہ ہوسکا ورنہ جناب والا کی زیارت وارشادات سے مشرف ہوتا۔ الہ آباد حاضر ہونے کا یہی فائدہ اور کشش ہوتی ہے۔ یہ ناچیز انھیں تاریخوں میں سہارنپور سے واپس ہوا تھا۔ صحت بھی متاثر تھی اور ایک طویل اور اچانک سفر کی تیاری بھی تھی اسی کی اطلاع اور دعا کی درخواست کے لئے یہ عریضہ پیش خدمت ہے۔

شاہ سعود کی طرف سے جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کی مجلس مشاورت کی رکنیت کی اطلاع اور اس کی مجلس منعقدہ ۲۰ر ذی الحجہ میں شرکت کی دعوت موصول ہوئی۔ سب احباب اور بزرگوں کا مشورہ ہوا کہ اس کو قبول کر لیا جائے چنانچہ آج یکم مئی کو دہلی اور وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ روانگی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

دعا کی مخلصانہ وعاجزانہ درخواست ہے۔ ع

"بر کریماں کارہا دشوار نیست"

جناب والا کی جو شفقت اس ناچیز پر ہے اس سے امید ہے کہ دعا سے مدد فرمائی جائے گی۔ والسلام۔ ناچیز ابوالحسن علی

یکم مئی۔ لکھنؤ

جن دنوں حضرت والا کا قیام بغرض علاج لکھنؤ میں تھا اُسوقت وہاں کے پندرہ روزہ

رسالہ "تعمیر حیات" میں ایک اطلاع شائع ہوئی اس کی نقل موجود ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ آئندہ خطوط کے مضامین کے سمجھنے میں ہو سکتا ہے کہ اس سے کچھ مدد مل جائے۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری لکھنؤ میں

مارچ کے آخر میں مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوری کی تشریف آوری لکھنؤ میں بغرض علاج ہوئی چند دنوں پہلے حضرت مولانا کو اثنا مجلس الٰہ آباد میں بلڈ پریشر کا دورہ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اطباء نے مکمل آرام اور علاج کا مشورہ دیا تھا۔ لکھنؤ میں علاج کی سہولت کے پیش نظر حضرت مولانا یہاں تشریف لائے اور سید مظفر حسین صاحب وزیر حکومت یو۔پی کی مخلصانہ دعوت اور اصرار پر انکے بنگلہ کے ایک حصہ میں قیام فرمایا۔

اب الحمدللہ حضرت مولانا کا علاج مکمل ہوچکا ہے اور صحت تقریباً معمول پر آگئی ہے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ جلد ہی حضرت مولانا کی مجلسوں اور مواعظ کا سلسلہ بھی شروع ہوجائیگا۔ موجودہ دور میں حضرت والا کے ذریعہ مسلمانوں کو جو فائدہ پہونچ رہا ہے اس سے زمانہ کی ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہو رہی ہے

شرک و بدعت کے استیصال میں حضرت مولانا کا طریقہ اور ترویج سنت کے لئے انکی کوششیں بیحد مثمر ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ حضرت مولانا کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور ان کے ذریعہ دین کی خدمت کے سلسلہ کو اور زیادہ دراز کرے اور انکے فیوض و برکات سے امت کو دیر تک متمتع ہونے کا موقعہ بخشے ع

"ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

(ادارہ)

(از رسالہ تعمیر حیات لکھنؤ ۲۵ اپریل ۶۵ء ۲۲ ذی الحجہ ۸۴ھ)

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

(دورۂ رعاف کے بعد)

مخدومنا المعظم مشفقنا المحترم دامت برکاتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ جناب والا کا مزاج بعافیت ہوگا۔ علالت طبع نے ہم خدام ومحبین کو برابر تشویش میں رکھا لیکن احباب کرام کے ذریعہ جو الہ آباد حاضر ہوئے یا جو ٹیلیفون پر خیرت دریافت کرتے رہتے ہیں یہ معلوم کرکے اطمینان ہوتا رہا کہ مزاج رو بہ صحت ہے پھر بھی دل لگا ہوا ہے اور خیریت وحالات کا برابر انتظار رہتا ہے۔ اس زمانہ علالت کے دوران بھی جناب والا کی توجہات کا علم ہوتا رہا اور مختلف احباب کے ذریعہ نوازش فرماتے رہے اللہ تعالیٰ ان شفقتوں کی جزا عطا فرمائے۔

آج صبح کرمی .... صاحب سے ملاقات ہوئی اُن سے یہ معلوم کرکے بڑی مسرت ہوئی کہ بعض مخلصین کی خواہش اور تجویز ہے کہ جناب والا بغرض علاج وراحت لکھنؤ تشریف لے آئیں۔ مجھ ناچیز کو بھی اس رائے سے بالکل اتفاق ہے۔ یہاں علاج کی سہولتیں یقیناً الہ آباد سے زیادہ ہیں۔ شفاء الملک حکیم شمس الدین احمد صاحب بھی مشورہ میں شریک ہوسکتے ہیں جن کو پچھلے علاج کا تجربہ ہے۔ اگر جناب والا نے اس درخواست کو ازراہ کرم وشفقت منظور فرمالیں تو پھر میری مخلصانہ اور باصرار گذارش ہے کہ قیام دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں ہو جس کو متعدد خصوصیتیں حاصل ہیں۔ وہاں جناب کے متعدد خدام اور محبین موجود ہیں سکون اور یکسوئی بھی ہے۔ ہم جنس لوگ ہیں۔ شہر سے الگ ہے اور کچھ زیادہ فاصلہ بھی نہیں مجھے بھی اپنی معذوری کی بناء پر حاضری اور خدمت کا موقعہ زیادہ ملے گا مسجد بالکل متصل ہے۔ امید ہے کہ اس درخواست کو شرف پذیرائی بخشا جائے گا اور ہم خدام کو سرفراز فرمایا جائے گا۔

والسلام

ناچیز ابوالحسن علی

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رفع انتظار کے لئے آپ کے خط کا جواب تار سے دیدیا. موصول ہوا ہوگا۔ اس سلسلہ میں مزید کہنا چاہتا ہوں کہ اب ان حالات میں میرے لئے کہیں کا سفر بہت مشکل ہوگیا ہے. علاج کے لئے اگر کہیں جاتا ہوں تو یہاں لڑکیاں پریشان ہوجاتی ہیں. شب و روز رونے ہی میں گذریگا اور اگر سب کو لے کر آؤں تو یہ اس سے زیادہ مشکل ہے. پھر یہ کہ گذشتہ بار علاج کے لئے آپ کے یہاں آچکا ہوں. عوام کے ہجوم واژدہام کی وجہ سے طبیعت پریشان ہوگئی اور یہ کچھ آپ ہی کے یہاں کا نہیں سب جگہ کا حال یہی ہوگیا ہے کسی سے عقیدت اور محبت کے معنی ہی انکے نزدیک بدن پر گرنے کے ہیں. اب اگر لوگوں سے نہ ملوں تو بداخلاقی سمجھی جائے اور ہروقت ملوں تو قویٰ اس کے متحمل نہیں کوئی نظم مقرر کردوں تو لوگوں کو ناگوار گذرے۔ غرض عوام الناس کا معاملہ اختیار سے باہر ہے اس لئے اسلم صورت یہی ہے کہ انسان جہاں ہے وہیں پڑا رہے۔

انھیں حالات کی بناء پر کہیں آنے جانے کی اب ہمت نہیں پڑتی. یوں اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم کچھ ایسا ہوا کہ اس مرتبہ بھی یہاں بہت سے مخلصین اطباء جمع ہو گئے. حکیم مسعود احمد صاحب اجمیری بمبئی سے تشریف لائے. حکیم افہام اللہ صاحب علیگڈھ سے اور حکیم محمد عمر صاحب دیوبند سے تشریف لائے اور آپ کے حکیم منظور احمد صاحب جونپور سے آئے اور کئی بار آئے ہوشیار آدمی ہیں. انکی گفتگو اور تجویز سے اطمینان بھی ہوا سب حضرات نے نہایت مستعدی اور توجہ سے علاج کیا جس سے بحمداللہ نفع ہوا. اب کئی دنوں سے خون بھی بند ہے. نیز نیند وغیرہ بھی آرہی ہے. اب سب حضرات نے بالاتفاق یہ بھی کہا ہے کہ اب کسی خاص علاج کی ضرورت نہیں. غذا ہی سے انشاء اللہ تعالیٰ قوت آجائے گی اور کسر پوری ہوجائیگی. آپ حضرات کو اس درمیان میں مختلف خبریں جو آپ کو ملتی رہیں تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ رعاف کے دورے ہوتے تھے جس دن خون آجاتا تھا لوگ دیکھ کر گھبراجاتے تھے اور کہتے تھے کہ

طبیعت زیادہ خراب ہے اور جب بند رہتا تو بجز کسی قدر ضعف کے اور کوئی بات قابل تشویش نہ تھی۔ اسی لئے میں نے عرض کیا ہے کہ اب علاج کے لئے شاید آنے کی ضرورت نہ پڑے البتہ آپ کی عیادت بھی ایک مستقل مقصد ہوسکتا ہے اس لئے قوت آنے پر طبیبوں کے سفر کی اجازت پر جی چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات کروں۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

(مارچ ۱۹۶۶ء)

حضرت اقدسؒ نے آخر میں یہ جو تحریر فرمایا کہ —— البتہ آپ کی عیادت بھی ایک مستقل مقصد ہوسکتا ہے اسلئے قوت آنے پر طبیبوں کے سفر کی اجازت پر جی چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات کروں۔

اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ حضرت والا کی علالت اور نقاہت اور پھر صحت وغیرہ کا سلسلہ تو چل ہی رہا تھا۔ اس درمیان میں مولانا علی میاں صاحب نے بھی آنکھوں کا آپریشن کرایا اور اس کی وجہ سے انکو سخت تکلیف ہوگئی۔ بینائی پر کافی اثر پڑ گیا۔ سخت درد رہنے لگا۔ حضرت والا کو بھی اس کی اطلاع فرمائی۔ حضرت کو مولانا کی اس تکلیف سے بیحد رنج ہوا چنانچہ مولانا ندوی کو لکھا کہ میرے قلب میں یہ آتا ہے کہ آپ اپنے اس مرض کا علاج کسی ہوشیار اور ماہر ہومیو پیتھ سے کرائیے۔

مولانا ندوی نے حضرت اقدس کے اس مشورہ کو قبول فرمایا اور ہومیو پیتھک علاج کیا جس سے الحمد للہ نفع ہوا لیکن آنکھوں میں اثر چونکہ سخت ہوچکا تھا اس لئے خاطر خواہ روشنی نہ آسکی یہی وجہ ہے کہ مولانا خط وغیرہ کا جواب لکھوانے میں کسی کاتب (معین) کے محتاج ہوگئے جس کا تذکرہ بعد کے خطوط میں خود مولانا نے بھی کیا ہے اور یہی وہ سلسلۂ علالت تھا جس کی عیادت کے لئے حضرت اقدس نے انھیں لکھا اور اپنے اسی مرض سے صحت اور افاقہ کے اضافہ کو مولانا ندوی نے رائے بریلی کے قیام میں حضرت کے خط میں ارقام فرمایا ہے۔

حضرت مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

مخدومنا المعظم مشفقنا المحترم دامت برکاتہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شفقت نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ جواب میں کسی لکھنے والے کے نہ ملنے کی وجہ سے تاخیر ہوئی۔ آجکل اپنے وطن رائے بریلی آیا ہوا ہوں۔ الحمدللہ یہاں کے قیام سے صحت کو بہت فائدہ اور ترقی ہے۔

خدا کرے بمبئی کا قیام صحت کی روز افزوں بحالی اور ترقی کا باعث ہو اور گرمی کا یہ موسم بعافیت ختم ہو کر اپنے مرکز ارشاد و تربیت مع الخیر واپسی ہو۔ میرے لئے یہ بات بڑی تقویت و طمانیت کا موجب ہے کہ حضرت والا کی توجہ اس طرف مبذول ہے اور دعاؤں میں فراموش نہیں فرماتے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

طالب دعا۔ ابو الحسن علی

۱۳ مئی ۶۶ء

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

(از بمبئی)

محبی و محبی دام مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بخیریت ہوں۔ بڑا اچھا کیا جو آپ نے رائے بریلی تشریف لے گئے۔ یہاں سکون بھی ہوگا اور آب و ہوا بھی اچھی ہوگی۔ چنانچہ آپ نے لکھا ہے کہ مزید صحت حاصل ہو رہی ہے بڑی مسرت ہوئی آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کامل صحت عطا فرمائے میں بھی یہاں بحمداللہ نفع محسوس کر رہا ہوں۔ صحت میں نمایاں فرق دیکھ رہا ہوں آب و ہوا اور موسم معتدل ہے۔ باقی یہاں کا آنا تو ادھر کی گرمی ہی کے خیال سے ہوا ہے کیونکہ ڈر معلوم ہوا کہ شدت گرمی کی وجہ سے رعاف کا مرض عود نہ کر جائے۔ اس لئے موسم

بدل جانے پر انشاء اللہ فوراً الٰہ آباد جاؤنگا اور گو یہاں ہوں لیکن دل آپ لوگوں ہی میں لگا ہوا ہے اس پر یہ پڑھنے کو جس کو ایک طالب نے آج ہی لکھا ہے جی چاہتا ہے ؎

این قالب فرسودہ گر از کوئے تو دور است
والقلب علی بابک لیلاً و نہاراً

دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ صحت کامل عطا فرمائے۔ کام کا بڑا حرج ہوا۔ اب سے کچھ کام کر سکوں اور اس کی بھی دعا کیجئے کہ جب یہاں آگیا ہوں تو اللہ تعالیٰ یہاں بھی کچھ کام لے لے۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ۔ (مئی ۶۶ء)

مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

مخدومنا المحترم و مشفقنا المعظم دامت برکاتہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شفقت نامہ باعث سرفرازی ہوا تھا جو عزیز میرے خطوط لکھا کرتے ہیں وہ سفر پر گئے ہوئے تھے اسلئے جواب میں تاخیر ہوئی حضرت کی صحت کی ترقی ہم سب خدام و محبین کے لئے مستوجب حمد و شکر ہے اللہ تعالیٰ شکر و قدر کی توفیق عطا فرمائے۔ یہاں کے قیام میں اسکا قوی تقاضا پیدا ہوا کہ ایکبار یہاں قدم رنجہ فرمانے کی درخواست کروں۔ ع

میرے ویرانہ میں بھی ہو جائے دم بھر چاندنی

موسم اچھا ہو اور حضرت کی صحت متحمل ہو تو ایک دو روز کے لئے تشریف لائیں الٰہ آباد سے سیدھا راستہ ہے۔ انشاء اللہ کوئی زحمت نہ ہوگی، اب خاص بستی تک سواری آنے لگی ہے دروازہ تک کار آسکتی ہے، خدا وہ مبارک دن لائے۔ امید ہے کہ وہاں کے مخلصین و طالبین ضرور مستفید ہو رہے ہونگے ؎

منعم بہ کوہ و دشت و بیاباں غریب نیست
ہر جا کہ رفت خیمہ زد و بارگاہ ساخت

دارہ شاہ علم اللہ
رائے بریلی

والسلام طالب دعا
ابوالحسن علی

بقلم ثناء الحق۔ ۲ر جون ۶۶ء

جواب حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ

حبی و محبی سلمہ اللہ تعالیٰ ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ ملا۔ حالات سے مطلع ہوا۔ آپ نے رائے بریلی آنے کے لئے فرمایا ہے۔ وہاں کے لئے تو میں بہت دنوں سے خود ہی ارادہ کر رہا تھا لیکن کوئی نہ کوئی مانع ہوتا گیا ادھر بیماری سے کچھ اچھا ہوا اور قوت آنے لگی تھی تو رعاف کا دورہ پڑ گیا اور پھر گرمی کی شدت کی وجہ سے یہاں چلا آیا۔

بہرحال میرا ارادہ خود ہی ہے۔ رہا یہ کہ کب ؟ تو اسکے متعلق ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا باقی ایک بڑی وجہ ہم جیسے لوگوں کے لئے کہیں آنے جانے سے جو مانع بنتی ہے وہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو کسی کے حالات اور تعلقات کا تو علم ہوتا نہیں اس لئے وہ ایک جگہ پر قیاس کر کے دوسری جگہوں کے لئے دعوت دینا شروع کر دیں گے۔

دیوبند کے لوگ تیار بیٹھے ہیں۔ میرے حالات موانع کو ہرگز لحاظ نہ کرینگے پھر یہ کہ سفر میں کرونگا اور اہل علم حضرات مجھے لکھ کر بھیجدیں گے کہ تمھارا فلاں سفر میرے ذوق کے خلاف ہوا۔ سفر میرا اور ذوق اُنکا اب میں کس کس کے ذوق کی رعایت کروں۔

ان تمام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب اس مسئلہ میں محتاط ہونا ضروری سمجھتا ہوں آپ کے یہاں پر قیاس کب کرسکتے ہیں مگر بدذوقی کو کیا کیجئے۔ ابھی چند روز ہوئے آپ کے مولانا...... صاحب کا خط آیا تھا کہ ———— اس میں تو مضائقہ نہیں معلوم ہوتا کہ جس طرح گرمی کا موسم صحت ہی کے لئے بمبئی کا مناسب تصور فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح غالباً سردی کا موسم اسی غرض سے لکھنؤ کی سعادت کے لئے اختیار فرمایا جاسکتا ہے۔ انتہی

میں یہ مضمون دیکھ کر بہت ہنسا کہ مولانا نے خوب قیاس فرمایا۔ یہاں (بمبئی میں) تو گرمی معتدل ہے لیکن سردی کے اعتبار سے تو الہ آباد اور لکھنؤ دونوں برابر ہیں پھر سردی کو سفر میں کیا ترجیح۔ جب کہ میرا مرض سردی ہی کا ہے۔ اس موسم میں زیادہ

احتیاط کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ آپ کو اس پر سنایا کہ ہم جیسے لوگوں پر عوام و خواص سب کی کڑی نگاہ رہتی ہے اس لئے بہت سوچ سمجھ کر اور احباب سے صلاح و مشورہ کے بعد ہی کوئی رائے قائم کرتا ہوں۔ تاہم آپ کے خط سے بہت مسرت ہوئی اور آپ سے کہتا ہوں کہ ارادہ تھا اور اب بھی ہے۔ دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ صحت عاجلہ کاملہ عطا فرمائیں اور کچھ دین کا کام لے لیں۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

(جون ۶۶ء)

حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کا خط

شفیق محترم مخدوم معظم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب والا سے رخصت ہو کر اور جلسہ سے فراغت کر کے شب میں دو بجے الٰہ آباد سے روانہ ہوا اور راحت و سہولت کے ساتھ تقریباً ۱۲ بجے صبح رائے بریلی پہونچ گیا۔ یوں تو جب کبھی اللہ تعالیٰ نے خدمت بابرکت میں حاضری کی سعادت نصیب فرمائی جناب والا نے اپنی شفقتوں سے سرفراز فرمایا لیکن اس سفر میں خصوصی طور پر عجیب نوازشیں رہیں اور جن کا لطف اور جن کی حلاوت ابھی تک محسوس ہوتی ہے اور عرصہ تک انشاء اللہ تعالیٰ باقی رہے گی باوجود اس کے کہ ہم ناقدروں سے حاضری میں ہمیشہ کوتاہی اور استفادہ میں تقصیر ہوتی ہے لیکن جناب والا کی نظر عنایت اور توجہات قلبی میں کوئی فرق نہیں۔ اللہ تعالیٰ جناب کا سایہ ہم سب پر تادیر سلامت رکھے اس سے بڑی تقویت اور تسکین ہوئی کہ حالات حاضرہ سے قلب مبارک بہت بےچین اور مضطرب ہے ہم سب کے لئے یہ بات موجب طمانینت اور باعث تقویت ہے۔

طالب دعا

نیازمند ابوالحسن علی ندوی

حضرت مصلح الامتہ کا جواب

محب مکرم دام حبکم　　　السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرامت نامہ مملو از محبت وحلاوت صادر ہوا۔ جواباً عرض ہے کہ میرا دل اس بار آپ سے لگ گیا بہت کچھ امید کام کی ہوگئی ورنہ سخت اضطراب میں تھا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء واحسنہ۔

یہ بھی دعا کرتا ہوں کہ روز بروز اس حلاوت میں ترقی ہوتی رہے اور یہ دوسروں میں بھی سرایت کرے کہ امت محمدیہ کا کام بن جائے آنکھیں کام کا انتظار کر رہی ہیں یہی وقت کام کا ہے۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہٗ

اس کے بعد مولانا ندوی مدظلہ کا جو خط آیا اس خط کا شانِ ورود یہ تھا کہ ان دنوں حضرت ؒ نے ادعیۂ مسنونہ پر گفتگو شروع فرما رکھی تھی (جس کا کچھ حصہ رسالہ مفتاح الرحمۃ اور راہِ صفا میں شائع ہو چکا ہے) عام لوگوں نے کیا اہل علم اور کیا عوام سب نے اسے پسند کیا۔ چنانچہ اس قسم کی بعض مجالس میں حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی بھی شریک ہوئے انھوں نے ادعیۂ مسنونہ پر حضرت اقدس کی تقریر اور توضیح کو بہت ہی پسند کیا اور خواہش ظاہر کی کہ اس پر حضرت والا جو گفتگو فرما رہے ہیں وہ ضبط کر کے اگر شائع کر دی جائے تو مسلمانوں کے لئے ایک بہت کام کی چیز ہو جائے گی۔

مولانا کی اس فرمائش سے متاثر ہو کر حضرت والاؒ نے حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی سے بھی دریافت فرمایا کہ مولانا تو یہ فرما رہے ہیں۔ آپکا اس کے متعلق کیا خیال ہے اور نمونہ کے طور پر چند ادعیہ اور ان کی توضیح نقل کرا کے مولانا ندوی کے پاس بھیجی۔ اس کے جواب میں مولانا ندوی کا یہ خط آیا۔

(پشت پر ملاحظہ ہو)

مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہٗ کا خط

مشفق المعظم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ادعیۂ ماثورہ سے متعلق جو نہج اختیار فرمایا گیا ہے۔ اس کے لئے ضرورت تھی کہ ان ادعیہ کے اسرار و حکم پر نظر رکھنے والے اور انسانی حالات وضروریات کا وسیع وعمیق مطالعہ رکھنے والے کسی عارف کی زبان سے ان کی تشریح و تطبیق ہو۔ الحمد للہ یہ کام شروع ہوگیا خدا تکمیل کو پہونچائے ضرور اس کو مکمل فرمایا جائے۔ والسلام

ابوالحسن علی

نیز حضرت والا کے مکتوب بالا کے ہمراہ حضرت ہی کے حکم سے ایک اور تحریر بھی گئی تھی وھو ھذا

حضرت نے فرمایا ہے کہ میں گذشتہ دنوں بمبئی آنے سے قبل لکھنؤ گیا تھا آپ موجود نہ تھے صرف دو ہی دن ٹھہر کے بعض ضروریات کی بنا پر جلد واپس آنا پڑ گیا۔ اسوقت لوگوں سے یہ کہا تھا کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ علی گڈھ اور لکھنؤ خود سے حاضر ہوجایا کرونگا۔ چونکہ اب آئندہ ہفتہ الہ آباد آرہا ہوں اس لئے خیال پیدا ہوا کہ آپ سے دریافت کروں کہ علی گڈھ کے لوگوں نے تو بہت کچھ قریب ہونے کا ثبوت دیا۔ معلوم ہوا ہے کہ ہفتہ میں جمع ہوتے ہیں اور میرے رسائل سنتے سناتے ہیں اور وہاں کوئی دینی ادارہ بھی نہیں ہے اس لئے وہ لوگ دین کے محتاج ہیں مگر لکھنؤ میں تو ماشاء اللہ علماء اور فضلاء کی ایک جماعت موجود ہے جو کام کررہی ہے۔ مدارس عربیہ موجود ہیں۔ دین کا کام ہورہا ہے۔ اس لئے میرے آنے کی ضرورت مجھے نہیں سمجھ میں آتی تو میں وہاں کیوں آؤں؟

الحمد للہ صحت گو اب اچھی ہے تاہم سفر وغیرہ سے تعب ہوتا ہی ہے۔ ضرورت اور نفع سے تو اس کی تلافی ہوسکتی ہے باقی جہاں ضرورت نہ ہو کام ہورہا ہو وہاں خواہ مخواہ کے لئے اس قدر تعب برداشت کرکے آنا جانا یہ میرے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے

اس کے متعلق آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں کچھ ارشاد فرمائیے۔

والسلام خیر ختام

بحکم حضرت والا۔ بقلم یکے از خدام

اس تحریر کے جواب میں حضرت مولانا ندوی کا یہ خط آیا۔

مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا خط

تکیہ کلاں رائے بریلی

۱۰-۶-۸۷ھ

مشفقنا المحترم مخدومنا المعظم دامت کاتہ والطافہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ جناب والا بعافیت الہ آباد تشریف لے آئے ہوں گے اللہ تبارک وتعالیٰ مسعود ومبارک فرمائے اور اہل الہ آباد کو اس نعمت کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

جناب والا نے لکھنؤ تشریف آوری سے متعلق استفسار فرمایا ہے۔

گذارش ہے کہ لکھنؤ بہت سی خصوصیات کی بنا پر اسکا مستحق ہے کہ جناب والا کبھی کبھی تشریف لایا کریں اور چند روز قیام فرمایا کریں۔ البتہ فوری تشریف آوری کی میری رائے نہیں ہے اس لئے کہ ابھی سفر کا تعب بھی ہے۔ اور بارش کا تسلسل بھی ابتداء سرما میں اگر تشریف آوری ہو تو بہت اچھا ہو۔ انشاء اللہ کام کرنے والوں کی تقویت ہوگی اور ان کے کام میں برکت۔

والسلام مع الاکرام

طالب دعاء ابو الحسن علی ندوی بقلم نثار الحق

۱۸ر جولائی ۶۷ء

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

محبی سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپکا گرامی نامہ ملا جس سے حالات معلوم ہوئے بمبئی میں کچھ دنوں سے بہت اچھا کام

ہو رہا ہے جس کی وجہ سے وہاں کچھ قیام زیادہ رہنے لگا ہے مگر اپنے دیار اور خاص طور پر الہ آباد، علیگڑھ، لکھنؤ اور جونپور وغیرہ کے دوستوں کے تعلق اور اصرار کی وجہ سے کچھ ضروری کام چھوڑ کر ان کی خدمت کے لئے یہاں چلا آیا اور یہ خیال ہوا کہ یہاں آگیا ہوں تو مختصر مدت میں ان حضرات کی جتنی بھی خدمت ہو سکے وہ کردوں اور پھر بمبئی چلا جاؤں تاکہ وہاں جو کام شروع ہو چکے ہیں وہ خراب نہ ہونے پائیں۔

آپ نے اپنی محبت سے میرے لکھنؤ آنے کے لئے موسم سرما کا ابتدائی بہتر زمانہ منتخب فرمایا ہے مگر ان دنوں شاید یہاں نہ رہوں اس لئے اس وقت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے موقع نصیب فرمایا تو پھر آپ حضرات کی خدمت کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ حضرات کے ذریعہ لوگوں کو دینی نفع پہنچائے۔ فقط

والسلام، وصی اللہ عفی عنہ

۱۲ اربیع ۸۷ھ

رائے بریلی

۷ راگست ۶۷ء

دعوت نامہ

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کا آخری خط

حضرت مصلح الامت کے نام

مخدومنا المعظم و مشفق محترم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ مورخہ ۱۲ اربیع الثانی مجھے ۲۶ ربیع الثانی کو رائے بریلی آنے پر ملا۔ میں دو ہفتے

رائے بریلی سے باہر رہا اس لئے مکتوب گرامی تاخیر سے ملا۔
میں نے جناب والا کے سفر کے تعب اور بارش کے موسم کا خیال کر کے لکھدیا تھا لکھنؤ میں مشتاق صاحب سے ملاقات ہوئی معلوم ہوا کہ ان مخلصین و محبین نے ایک مکان بھی تجویز کر لیا ہے۔ مولانا منظور صاحب نے بھی مکتوب گرامی دکھایا اب میری ناچیز رائے ہے کہ حضرت اسی موسم میں تشریف لے آئیں۔ معلوم نہیں کیا موانع پیش آجائیں انشاء اللہ ہر طرح خیر و برکت ہوگی۔ اور کام کرنے والوں کو بھی تقویت اور سرپرستی حاصل ہوگی میں بھی داعیوں کی دعوت میں شریک اور موید ہوں۔ امید ہے کہ سب کی درخواست قبول فرمائی جائے گی۔

والسلام مع الاکرام
طالب دعا
ابو الحسن علی

حضرت مصلح الامتؒ کا جواب

محبی دامت عنایتکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں ۲۴ جولائی ۶۷ء کو جونپور گیا تھا۔ پھر وہاں سے واپس ہو کر الہ آباد آیا چند یوم کے بعد کوپاگنج چلا گیا۔ وہاں سے واپسی پر مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کا خط ملا کہ

"۱۰ اگست بروز جمعرات ہم دونوں کو دہلی جانا ہوگا اور اسکا امکان ہے کہ وہاں سے بیرون ملک ایک طویل سفر کرنا پڑ جائے" انتہی

چونکہ اپنے ان اسفار کے بعد کچھ آرام کرنا بھی ضروری تھا اس لئے فوراً تیسرا سفر مناسب نہیں معلوم ہوا۔ اب آپکا دعوت نامہ ملا۔ ادھر ۲۰ اگست کو بمبئی کے لئے روانگی کا ٹکٹ لے لیا گیا ہے۔ تاہم آپ اگر فارغ ہوں تو تشریف لا دیں کہ آپ ہی کے ہمراہ لکھنؤ چلنے کا ارادہ کروں۔
یا آپ اگر نہ آسکیں تو یہ فرمادیں کہ ادھر آپ کا قیام لکھنؤ میں رہیگا یا نہیں

تاکہ میں ہی آجاؤں۔

بہرحال وقت تو کم ہے مگر آپ کی خاطر عزیز ہے اس لئے جو فرمائیے گا کروں گا۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

شنبہ ۱۲ر اگست سنہ ۶۷ء

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کا لکھوایا ہوا مذکورہ بالا جواب ایک کارڈ پر تھا جو کہ کاغذات میں بعینہٖ محفوظ ملا۔

اس لئے اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا اس کی کوئی نقل مولانا ندوی کی خدمت میں دستی طور سے بھیجی گئی یا حضرت کی رائے ہی بدل گئی اور جواب مولانا کی خدمت میں روانہ ہی نہیں کیا گیا۔

بہرحال حضرت والاؒ نے لکھنؤ جانے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور خواہش تھی کہ وہاں تشریف لے جائیں لیکن حالات اور اسباب کچھ ایسے پیش آتے گئے کہ جانا نہیں ہوا۔

حالانکہ اسکے بعد خود علی میاں مدظلہ نے بھی دعوت دی لیکن معاملہ ؏

شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

ہی کے سامنے آکر رہا۔ باقی یوں اصل سبب تو ہر معاملہ میں مشیت الٰہی ہی جو ہر شے پر غالب ہے۔

بایں ہمہ ہر دو بزرگوں کے خط سے ناظرین نے اندازہ فرمایا ہوگا کہ ان حضرات میں کس قدر محبت اور قلبی ربط تھا جسکی وجہ سے ہر ایک بزرگ دوسرے سے ملاقات کیلئے بےچین سے رہتے تھے اور اسمیں شک نہیں کہ مخلصین کے تعلقات اسی طرح کے ہوتے ہیں اور صحیح الفت اور حقیقی محبت کا لطف بھی کچھ اسی میں ہے کہ ؏

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

اللہ تعالیٰ ان مخلصین کی برکت سے ہم کو بھی اخلاص کا کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آمین۔

(باقی آئندہ)

جس طرح سے کہ علم کی تکمیل عمل سے ہوتی ہے اسی طرح سے کسی بزرگ سے محبت اور عقیدت کا بھی تکملہ یہ ہے کہ جب کسی انسان کو چشمۂ شیریں کے کسی عمدہ گھاٹ کا پتہ چلے تو اس کو چاہئے کہ وہ اپنے دوسرے ابنائے جنس کو بھی اُسکا پتہ بتادے اور اس کی جانب رہنمائی کردے تاکہ اور لوگ بھی اُس سے سیراب ہوکر اپنی تشنگی بجھائیں اور جہل ولاعلمی ان کے لئے سبب محرومی نہ بنے۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے بھی اسی پاکیزہ اُصول کے ماتحت جب حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ اور اُن کے کمالات سے روشناس ہوئے تو پھر اور لوگوں کو بھی بیانگ دُہل حضرتؒ کی جانب متوجہ فرمایا۔

چنانچہ ایک مرتبہ مئو کے ایک عربی مدرسہ کے خصوصی اجتماع میں جس میں اکثر وبیشتر طلبہ اور اہل علم موجود تھے۔ آپ نے اپنی ایک تقریر کے ضمن میں حضرت والاؒ کے کمالات کا اجمالاً ذکر فرماکر عام مسلمانوں کو عموماً اور حضرات علماء وطلبہ کو خصوصاً حضرت اقدسؒ سے استفاضہ اور استفادہ پر آمادہ فرمایا اور روحانیت پیدا کرنے پر نہایت ہی شدومد کے ساتھ اُبھارا۔

مولانا کے اُس بیان کو چند حضرات نے اپنی فہم واستعداد کے موافق قلمبند کرکے یہاں بھیجا تھا۔ اولاً تو یہ جی چاہا کہ اُن میں سے کسی ایک کا انتخاب کرکے اُسی تحریر کو پیش کردوں لیکن پھر طبیعت نہ مانی اور دوسرے مخلصین کے بیانات کے ترک کو جی نہ چاہا اس لئے وہ سب ہی بیانات پیش کرتا ہوں۔ ؏

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتیم

ایک مولوی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ

مورخہ ۲۲ر فروری کو دارالعلوم مئو کے لوگوں نے مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی کو اپنے یہاں مدعو کیا تھا جہاں بعد نماز عشاء انھوں نے تقریر فرمائی۔ ۲۳ر فروری کو صبح کے وقت مفتاح العلوم کے مہتمم صاحب نے ان کو اپنے مدرسہ میں ناشتہ کی دعوت دی۔ ناشتہ کے بعد اہل مدرسہ کی فرمائش پر شاہی جامع مسجد میں جہاں مولانا صاحب مفتاح العلوم

کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ مئو کے مختلف مدارس کے مدرسین، طلبہ اور دیگر عمائدین شہر موجود تھے۔ انھوں نے ایک مختصر مگر جامع تقریر فرمائی۔

انھوں نے فرمایا ــــــ" زمانہ بدلتا رہتا ہے لیکن کچھ قدریں دائمی ہوتی ہیں جن پر زمانہ کے تغیر و تبدل کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جو حضرات ان قدروں کے حامل ہوتے ہیں تغیرات زمانہ سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ وہ اہل زمانہ پر اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنے اندر روحانیت پیدا کیجئے۔ روحانیت کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ اس سے میرا مطلب یہ ہے آپ اخلاص، تقویٰ، زہد و استغنا اور تعلق مع اللہ پیدا کیجئے۔

مختلف تاریخی حوالوں سے انھوں نے یہ ثابت کیا کہ جس زمانہ میں کوئی ایسی ہستی پیدا ہوئی جو روحانیت اور اعلیٰ قابلیت کی حامل رہی ہے۔ اہل زمانہ ہمیشہ اس کے سامنے جھک گئے ہیں۔ اسی سلسلہ میں انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ آخر کوئی بات تو ہے کہ ہندوستان کے بڑے بڑے علماء اور دوسرے اہل علم حضرات مولانا وصی اللہ صاحب کے یہاں جاتے ہیں جب کہ وہ لچھے دار تقریر بھی نہیں کرتے اور یوں یوں بھی کرتے ہیں (یعنی لوگوں کا سر اور مونڈھا پکڑ کر ہلا دیتے ہیں۔

ان کی تقریر ختم ہونے کے بعد مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی نے انکی تقریر کی تعریف کی اور انکی آمد کا شکریہ ادا کیا۔

دوسرے ایک اور مولوی صاحب نے لکھا کہ:۔

مولانا ابوالحسن صاحب ندوی نے کٹرہ کی جامع مسجد میں طلبہ و مدرسین کے سامنے جو تقریر کی اس میں سچی روحانیت اور نمایاں قابلیت پیدا کرنے کی طرف زیادہ زور دیا بالخصوص مدرسین کو کہ انکا اثر طلبہ پر پڑتا ہے۔

سلسلہ تقریر میں سچی روحانیت کا تذکرہ کرتے ہوئے بزرگوں کا بھی تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ دور کیوں جاتے ہو ہمارے اطراف میں حضرت مولانا مدظلہ کا نام نامی لے کر فرمایا کہ الٰہ آباد جاکر دیکھو کہ وہاں اور مقررین کی طرح نہ لچھے دار الفاظ ہیں

اور نہ بندشیں۔ بس سیدھی سادھی باتیں فرماتے ہیں۔ کبھی اِدھر کسی کا سر پکڑ کر ہلا دیا اور کبھی اُدھر کسی کا ہلا دیا۔ مگر چونکہ سچی روحانیت ہے۔ چاروں طرف سے لوگ کھنچے چلے آرہے ہیں۔ انتہی

تیسرے ایک اور بڑے مولانا صاحب نے تحریر فرمایا کہ

(تحریر مولانا قاری صاحب)

(خلاصۂ جزو تقریر جناب مولانا علی میاں صاحب ندوی

در جامع مسجد شاہی۔ مئو

بموجودگی طلبہ و اکابر علماء مثل صدرین مفتاح العلوم مئو و مدرس اول فیض عام مئو)

زمانہ کا تغیر ہر چیز کو متاثر کرتا ہے مگر سچی روحانیت اور نمایاں قابلیت پر انقلاب زمانہ کا اثر نہیں پڑتا۔ ان کے سامنے اہل زمانہ کو جھکنا پڑتا ہے اور ان کی مخالفت مضر ہوتی ہے جیسے فلاں فلاں "متعدد اکابر اصحاب روحانیت کا نام لینے کے بعد آخر میں مزہ لیتے ہوئے محبت کے ساتھ کہا" اور جیسے مولانا وصی اللہ صاحب مدظلہ جن کی مجلس میں ناآشنا آدمی کچھ ایسی بات بھی دیکھتا ہے جس کو نہیں سمجھ پاتا۔ ان کے پاس تمام اکابر جانے کے لئے مجبور ہیں۔

ایک چوتھے صاحب جو کہ ایک ہائی اسکول کے ماسٹر تھے اُن کے حوالہ سے ایک مولوی صاحب نے لکھا کہ ماسٹر صاحب سے ملاقات ہوئی کہنے لگے کہ علی میاں نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ

تم لوگ علم دین پڑھ رہے ہو اور نائب رسول بننا چاہتے ہو اور اسی لئے آئے ہو یہ سب ٹھیک ہے اور مبارک ہو مگر یاد رکھو کہ جب تک اپنے اندر روحانیت نہیں پیدا کرو گے اور اپنے ظاہری و باطنی اخلاق درست نہیں کرو گے اس وقت تک تم دین اور قوم کا کوئی کام نہیں کر سکتے اور تم سے دین اور قوم کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا آدمی خواہ

کتنا ہی علم حاصل کرلے اور کتنی ہی لمبی لمبی تقریریں وتحریریں کرنے لگے اور خواہ کتنے ہی بڑے بڑے اور وزنی لفظ بولنے لگے مگر جب تک اپنے اندر روحانی کمالات نہیں پیدا کرے گا اس کو نیابت رسول نہیں مل سکتی اور نہ وہ نائب رسول کہلانے کا مستحق ہو سکتا اور نہ اس سے دین وقوم کو فائدہ ہی پہنچ سکتا ہے۔ ہر زمانہ میں ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ ہر زمانہ کے علماء وصلحاء کو دیکھ لو کہ وہ روحانیت ہی کے کمال کے بعد کچھ کر سکے ہیں روحانیت ہی کے کمال کے بعد باتوں میں اثر ہوتا ہے۔

دیکھو فلاں بزرگ فلاں بزرگ کے حالات ہیں ان کی باتوں میں کتنا اثر تھا اور نام بہت سے بزرگوں کے لئے۔ آخر میں کہا کہ دور کیوں جاتے ہو اسی اطراف کے ایک بزرگ حضرت مولانا فلاں مدظلہ العالی جو الہ آباد میں رونق افروز ہیں جاکر دیکھ لو آپ لوگ بھی انھیں جانتے ہونگے ان کی باتوں میں کتنا اثر ہے۔ ہر طبقہ کے بڑے بڑے چوٹی کے لوگ پروانہ وار گرتے ہیں اور ان سے فائدہ لیتے ہیں اور ان کی باتوں سے نفع واثر لیتے ہیں آخر کیا بات ہے۔ حالانکہ ظاہر میں وہاں بعض باتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک احمق اور ظاہر بیں اس سے کچھ متوحش بھی ہو سکتا ہے۔ مگر ان کے علمی اور باطنی کمالات اور ان کی باطن کی گہرائی ایسی ہے کہ اس کے سامنے سب کو جھکنا پڑتا ہے۔

بڑے بڑے چوٹی کے علماء وامراء سب ہی جھک رہے ہیں اور ان سب کو جھکنا ضروری ہے ورنہ نقصان اٹھائیں گے۔ یہ سب کیوں محض اس لئے کہ ان میں روحانی و باطنی کمالات کما حقہ حاصل ہیں جو دین وشریعت کی اساس ہیں۔ انتہیٰ

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ اور حضرت مصلح الامتؒ کی مکاتبت کا سلسلہ کچھ طویل ضرور ہو گیا ہے ایسا کہ ہو سکتا ہے کہ بعض ناظرین پر اتنا طول بارِ خاطر ہوا ہو۔ ہم ان حضرات سے معذرت طلب کرتے ہوئے اس امر میں یوں معذور ہیں کہ حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ نے انھیں مولانا ندوی مدظلہ العالی کو تحریر فرمایا تھا ـــــ کہ جو حضرات میرے پاس آمدورفت فرماتے ہیں ان میں غالباً سب سے زیادہ قلب کا رجحان جناب کی

طرف ہوتا ہے اس لئے "ومحبوب الی قلبی حبیب حبیبی" کی رو سے حضرت مولانا کے جتنے بھی خطوط نقل کئے جائیں کم ہیں تاہم جس قدر خطوط ہمیں دستیاب ہوسکے وہ پیش کئے جاچکے اور آخر میں مولانا کی ایک تقریر بھی ہم نے نقل کر دی۔ اس طور پر حضرت مولاناؒ اور مولانا ندوی مدظلہ العالی کے مابین مکتوبات کا سلسلہ یہاں پر ختم ہوتا ہے لیکن چلتے چلاتے ایک بات اور یاد آگئی جو بمبئی کی ایک گفتگو ہے جو حضرت مولاناؒ اور مولانا ندوی کے مابین ہوئی اور یہ راقم ہی اس میں واسطہ تھا۔

ناظرین کو یہ تو معلوم ہوچکا کہ حضرت اقدسؒ کا رسالہ "التذکیر بالقرآن" حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کے نام حضرتؒ کا ایک خط ہی تھا۔ علاوہ ازیں حضرت والاؒ کی ایک دوسری کتاب "وصیۃ الاخلاص" کے محرک بھی درصل مولانا ندوی ہی تھے انھیں کی فرمائش پر یہ رسالہ حضرتؒ نے تالیف فرمایا تھا۔ یہ بھی ناظرین کو معلوم ہوچکا لیکن حضرت اقدسؒ کا ایک عظیم الشان رسالہ جو ابتک شائع نہیں ہوسکا ہے۔

یعنی "نسبت صوفیہ" کا حصہ دوم۔ اس کی تالیف کے بھی موید مولانا ندوی ہی تھے۔ پورا رسالہ معرفت حق میں عنقریب شائع ہونے والا ہے۔ ناظرین کے ملاحظہ سے گذرے گا۔ یہاں صرف اس سلسلہ میں مولانا ندوی سے جو گفتگو ہوئی اسے نقل کرتا ہوں۔

ربط کے لئے اتنا اور سمجھ لیجئے کہ تصوف اور نسبت صوفیہ کے نام سے حضرت اقدسؒ کا نہایت معرکتہ الآرا رسالہ علٰحدہ سے کتابی شکل میں جو شائع ہوا تو وہ بھی مولانا ندوی مدظلہ ہی کی فرمائش پر شائع ہوا اور ابتداءً رسالہ معرفت حق میں جب وہ طبع ہوا تو حسن اتفاق کہ انھیں ایام میں حضرت مولانا ندوی الٰہ آباد کسی جلسہ میں تشریف لائے اور حضرتؒ ہی کے یہاں قیام فرمایا۔ بعد ظہر حضرت والاؒ نے راقم سے فرمایا کہ وہ مضمون جو مولانا منظور صاحب نے بہت پسند کیا ہے اور جس کے متعلق تم کو لکھا ہے وہ علی میاں کو بھی سناؤ اور پوچھو کہ مولانا منظور صاحب نعمانی نے

تو اسے بہت پسند کیا ہے آپ کی کیا رائے ہے؟

مولانا کو ان دنوں آنکھوں کی تکلیف تھی اس لئے دھوپ سے احتیاط فرماتے تھے۔ راقم جب ان کے کمرہ میں پہنچا تو نماز کے لئے وضو فرمانے جا رہے تھے۔ میں نے حاضری کی غرض بیان کی اور عرض کیا کہ حضرت والا نے مجھے بھیجا ہے آپ نماز سے فارغ ہو لیں تو ایک مضمون سناؤں۔ فرمایا کہ دیر ہو گی حضرت منتظر رہیں گے لہٰذا تم سنانا شروع کر دو میں وضو کر رہا ہوں اور جو رہ جائیگا وہ نماز کے بعد سنا دینا۔

چنانچہ میں نے سنانا شروع کیا مولانا سنتے رہے اور محظوظ ہوتے رہے اور کچھ حصہ سننے کے بعد فرمایا کہ کیا بتائیں ابھی ابھی فلاں مولوی صاحب (جماعت اسلامی کے ایک مولوی صاحب کا نام لیا) ملنے آئے تھے ابھی واپس گئے یہ اُن کے بڑے کام کی چیز تھی مجھے افسوس ہوتا ہے کہ کاش وہ سنتے تو بہت مستفید ہوتے۔

اس کے بعد نماز سے فارغ ہو کر پورا مضمون سنا اور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایسے مضامین کتاب کی صورت میں ہونا چاہئے۔ رسالہ کے اندر مضمون کی اتنی وقعت نہیں ہوتی جتنی مستقل کتاب سے ہوتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر مستقبل قریب میں یہ کتاب یہاں سے شائع ہو تو مجھے بھی چند نسخے ارسال فرمائیے گا میں اپنے احباب کو تحفۃً پیش کروں گا۔ یہ اتنا واقعہ کتاب کے سلسلہ میں الہ آباد میں پیش آچکا تھا۔

چنانچہ بمبئی میں ایک بار جب علی میاں تشریف لے گئے تو حضرت والا کا قیام بھی وہاں تھا مولانا ندوی ملاقات کے لئے تشریف لائے اور پھر اپنے مستقر پر واپس تشریف لے گئے اس وقت حضرت نے راقم الحروف کی زبانی ان کے پاس یہ پیغام کہلا بھیجا۔

چونکہ آپ کو میری کتاب "نسبت صوفیہ" بہت پسند ہے اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ فرمائیں تو اسی نسبت صوفیہ کی دوسری قسط پیش کروں اور وہ ہو گی "نفس کی بحث" اس لئے کہ تمام مشائخ جو مشائخ ہوئے تو اسی سے کہ انھوں نے اپنے نفس کو مارا ہے۔ اور اس کو رام کیا لہٰذا ان حضرات کے یہاں کی یہ خاص بحث ہے۔ اللہ تعالیٰ سے

نسبت حاصل ہی نہیں ہو سکتی جب تک کہ آدمی کو اپنے نفس سے نسبت باقی رہتی ہے۔

آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔ اس کی بحث چھیڑوں یا نہیں۔

حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ العالی نے راقم سے فرمایا کہ حضرت سے میرا سلام عرض کیجئے گا اور کہئے گا کہ حضرت ضرور اس کی بحث فرمادیں اس زمانہ میں اسی کی تو بحث نہیں رہ گئی ہے۔ یا تو ماضی بعید میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی شد و مد کے ساتھ اس کی بحث فرمائی تھی جس پر انکی تصانیف بالخصوص احیاء العلوم دال ہے اور یہ انکے اخلاص ہی کی برکت ہے کہ آج تک ان کی کتاب اصل سلوک کے لئے مشعل راہ بنی ہوئی ہے۔ یا پھر ادھر بھی ماضی قریب میں حضرت مولانا تھانویؒ نے اس کی بحث فرمائی ہے اور اصلاح کی ہے اور اب حضرت کی ذات مغتنمات وقت میں سے ہے کہ نفس کی بحث فرما رہے ہیں۔ اور اصلاح کر رہے ہیں۔ اس لئے میری تو رائے ہے کہ اس کی بحث تو ضرور ہونی چاہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حالاتِ زمانہ اور اہلِ زمانہ کے مطابق ہوگی اور سبھی لوگوں کو مفید ہوگی خاص کر طلبہ اور علماء کو اس سے بہت نفع پہونچے گا۔

دیکھئے جس طرح حضرت مولانا ندوی نے مئو کے اُس جلسہ میں علماء اور طلباء کو روحانیت حاصل کرنے پر آمادہ کیا تھا اور اس کے لئے مشائخ کی صحبت کو ناگزیر بتایا تھا اور اسی سلسلہ میں حضرت مصلح الامت کی جانب بھی متوجہ فرمایا تھا اسی طرح یہاں بھی مصلح الامت سے درخواست فرما رہے ہیں کہ وہ نسبت صوفیہ کی قسط دوئم ضرور تالیف فرمائیں اس سے انشاء اللہ تعالیٰ طلبہ اور علماء کو نفع پہونچے گا۔

اس بیان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا ندوی بھی اس کی ضرورت محسوس فرما رہے تھے کہ طلبہ اور علماء کو تحصیل نسبت کی فکر کرنی چاہئے اور یہ بھی سمجھ رہے تھے کہ اس کے حصول کے لئے اس زمانہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اکسیر ہے اور حضرت کی

تصانیف اور تالیفات میں ایک طالب حق کے لئے کافی سامان موجود ہے۔

بہرحال خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھوں نے حضرت کا زمانہ پایا اور صحبت سے مستفید ہوئے اور جن حضرات کو یہ شرف نہ حاصل ہوسکا اُن کے لئے حضرت والا کی تصانیف اور ارشادات بھی اس مقصد کے حصول کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کافی و وافی ہیں اور بحمد للہ تعالیٰ آج بھی موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے مطالعہ کی اور اُس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ کی مکاتبت یہاں ختم ہوئی۔

اب اس کے بعد اپنے بعض احباب کے اصرار سے جامع معقول و منقول استاذ الاساتذہ حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مصلح الامۃ نوراللہ مرقدہ کے مابین جو مکاتبت ہوئی ہیں اس کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہوں اور اس میں شک نہیں کہ حالات کا یہ حصہ بھی بڑا ہی دلچسپ اور نہایت پُرلطف ہے اور گوناگوں افادات و افاضات پر مشتمل ہے اس کے ساتھ ساتھ ایک طالب کے لئے اس میں عبرت و نصیحت کا خاصا سامان موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بھی اس مجمع البحرین تک رسائی کو حصول مقصد کا (یعنی معرفت حق) کا ذریعہ بنادے۔ آمین

شیخ المعقول والمنقول حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ اور حضرت مصلح الامۃؒ

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا فتحپوری نور اللہ مرقدہٗ کو جن خصوصیات سے نوازا تھا۔ اُن کے منجملہ ایک خاص چیز جو حضرت کے ساتھ پیش آئی وہ یہ تھی کہ ایک ایسی شخصیت جس کا ابتداءً حضرت والاؒ کے اساتذہ میں سے شمار ہوتا تھا وہ انتہاءً حضرت اقدس کے مجازین اور خلفاء کے زمرہ میں شمار کی جانے لگی۔

اس طرح سے دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جو کبھی طالب تھا وہ مطلوب ہو گیا اور جو مطلوب تھا وہ طالب نظر آنے لگا ع

"اِنَّ ھٰذَا مِنْ اَعَاجِیْبِ الزَّمَنِ"

دنیا میں اس نوع کے واقعات چونکہ شاذ و نادر ہی ہوا کرتے ہیں اس لئے میں نے اسکو خصوصیت کے عنوان سے تعبیر کیا۔ اب جو حضرات کہ حقیقتِ حال سے واقف نہ ہونگے انھیں شاید اول وہلہ میں یہ سنکر تعجب بھی ہو کہ حضرت علامہ بلیاویؒ حضرت مولانا فتحپوریؒ کے مجاز اور خلیفہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ بات تو بلاشبہہ استعجاب کی ہے لیکن واقعہ یوں ہی ہے اب اسکو کیا کیجئے گا پیش کردہ مکاتبت کے مطالعہ سے انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا یہ استعجاب دور اور حیرت کافور ہو جائے گی نیز حضرت فتحپوریؒ کے مرتبہ اور مقام سے بھی آپکو ایسی واقفیت ہو جائے گی۔ جو

شاید اس سے قبل آپ کو نہ رہی ہو اور گو حضرت ہم سے دور ہو گئے ہیں لیکن انشاء اللہ تعالیٰ ان حالات کے پڑھنے کے بعد ناظرین، حضرت نور اللہ مرقدہٗ سے اپنے آپ کو پہلے سے زیادہ قریب پائیں گے۔ بشرطیکہ حضرت علامہؒ نے جو سبق اپنے ان مکتوبات میں ہمیں دیا ہے ہم اس کو سمجھیں اور اس پر دل سے غور کریں ورنہ تو سرسری طور سے ان پر گذر جانے سے اول تو بات ہی سمجھ میں نہیں آتی اور اگر آ بھی جاتی ہے تو نفس و شیطان اپنی تزویر و تسویل سے اس کو ھذہٖ خصوص واقعۃٍ لا عموم لہا کہہ کر ادھر سے انسان کو ہٹا دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ تو کامیاب ہو جاتا ہے اور ہم محروم رہ جاتے ہیں اور بقول حضرتؒ اسکا مصداق ہو جاتے ہیں کہ ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

اللہ تعالیٰ نفس و شیطان کے مکائد سے ہمیں محفوظ رکھے اور بزرگوں کے فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے۔ آمین

حضرت مصلح الامۃؒ کا گرامی نامہ جو حضرت العلامہ کی تشریف آوری پر بطور تشکر ان کے نام ارسال فرمایا

بخدمت حضرت استاذی المکرم والمعظم دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

میں قدوم میمنت لزوم کے شکر کے طور پر کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کی تشریف آوری میرے لئے باعث کمال فخر بنی نیز اس سے بہت بہت خیرات و برکات کا ورود و نزول ہوا منجملہ انکے ایک بہت بڑا نفع مجھے یہ ہوا کہ میرے قلب کو بہت ہی تقویت پہنچی ورنہ ان دنوں خود کو بہت ہی زیادہ ضعیف اور کمزور پاتا تھا اور یہ ضعف خارجی آثار کے اعتبار

سے تھا یعنی حالاتِ زمانہ نے مجھے کمزور و ناتواں بنادیا تھا۔ اصلی و ایمانی ضعف نہ تھا بلکہ خارجی و عارضی تھا۔

صاحب روح المعانی آیت وَمِنَ النَّاسِ مَن يَعْبُدُ اللهَ عَلَىٰ حَرْفٍ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ کی تفسیر میں اطمینان سے اطمینان ظاہری مراد لیتے ہیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ مومنین جب اطمینان کے ساتھ متصف ہوتے ہیں وہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی تیز و تند ہوا بھی اس کو حرکت نہیں دے سکتی اور نہ کوئی موڑنے والی چیز اس کو موڑ سکتی ہے چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ فرماتے ہیں کہ

قوله تعالى۔ اطمأن به۔ اے ثبت على ما كان عليه ظاهرا لا انه اطمأن به اطمينان المومنين الذين لا يزحزحهم عاصف ولا يثنيهم عاطف۔

بہرحال آپکی ملاقات سے اپنا عارضی ضعف بھی مبدل بقوت ہوگیا اور جناب کی تشریف آوری سے مجھے جس قدر مسرت ہوئی اس کو میں بیان نہیں کرسکتا چونکہ میں تو آپ ہی کا ہوں آپ میرے بزرگ اور بڑے ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑائی عطا فرمائی ہے کہ ایک بڑی جگہ پر فائز ہیں ظاہر ہے کہ آپ کو میری کسی امر میں احتیاج نہیں تاہم آپ نے اس کبرسنی میں اسقدر طول و طویل اور دشوار گذار سفر جو اختیار فرمایا اس کی بڑی قدر ہوئی کیونکہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اسمیں ایک معاصر دوسرے معاصر سے ملنے کا روادار نہیں اور عقیدت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے لیکن آپ کا اکابر میں سے ہوکر بھی اپنے اصاغر کے ساتھ حسن ظن قائم فرما کر یہاں اس طرح سے تشریف لانا بلاشبہ آپ کی کرامت ہے۔ اور غایت درجہ تواضع اور انکسار کا نمونہ اور مثال قائم کرنا ہے۔

یہ میں آپ کی تعریف نہیں کررہا ہوں بلکہ اُس مرکز کی تعریف کررہا ہوں جس کے اسلاف کی سنت کے ساتھ آپ کو متصف دیکھ رہا ہوں۔ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تواضع اپنے حضرات میں ضرب المثل تھی پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اس دور میں اس ادارے کی ممتاز شخصیت کو حضرت کا یہ فیض نہ پہونچتا۔ یہی چیز اپنے اکابر کا طغرائے امتیاز

تھی اور اسی نے انکو تمام عالم میں چمکایا تھا۔ لیکن اب اس زمانہ میں اگر یہ مفقود ہو گئی تھی تاہم الحمد للہ کہ پھر اس کی ابتدا ہوئی اور اپنے مرکز ہی سے ہوئی جو چیز جہاں کی ہوتی ہے وہیں سے ملتی ہے۔

بڑی خوشی اس امر کی ہوئی کہ آنجناب نے اصل کام کی طرف توجہ کرنے کو فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ بزرگوں کا یہی کام تھا جس کی جانب جناب نے توجہ فرمائی ہے۔ یوں بعض دوسرے حضرات نے بھی مجھ سے وہاں کی اصلاح کے متعلق کچھ فرمایا تھا اور اسکا مجھ پر اثر بھی ہوا تھا مگر جس انداز سے آپ نے فرمایا اُس طرح کسی نے نہیں کہا' اس لئے آپ کے فرمانے سے میں بہت ہی متاثر ہوا۔ بہرحال آپ کے پیش نظر اس وقت چونکہ محض دین اور بزرگوں کا طریق ہے چنانچہ اسی کے لئے آپ نے یہ تکلیف اُٹھائی تو آپ نے تو اخلاص پر قدم رکھ ہی دیا۔

میں بھی اخلاص پر قدم رکھدوں پھر تو دو ہی آدمی بہت کچھ کام کر سکتے ہیں اگر ایک دل ہو جائیں آپ اندر سے کام کریں اور میں باہر سے تو بس پھر کسی اور کی طرف نظر کرنے کی ضرورت نہیں بس اسی طرح کام شروع کر دیا جائے تو بھی انشاء اللہ تعالیٰ کثیر نفع متوقع ہے اب طریق کار کے متعلق عرض کر رہا ہوں۔

ہمارے اکابر سب کامل صوفی تھے اور جامع شریعت و طریقت تھے اور ہر دور میں انھیں حضرات سے اصلی خدمت دین کی ظہور میں آئی ہے چنانچہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک طویل مکتوب میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ وھذا نصہ۔

(۱) الحمد للہ الذی انعم فاجزل واعطی فافضل نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیّات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ

وبارک وسلم۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

(۳) وقال تعالیٰ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ کُلِّ فِرْقَۃٍ مِّنْھُمْ طَائِفَۃٌ لِّیَتَفَقَّھُوا فِی الدِّیْنِ وَلِیُنْذِرُوا قَوْمَھُمْ اِذَا رَجَعُوا اِلَیْھِمْ لَعَلَّھُمْ یَحْذَرُوْنَ۔

(۴) وقال اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عَاھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝

ترجمہ۔ (۱) تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے انعام فرمایا اور بڑے بڑے انعامات سے نوازا۔ عطا فرمایا اور خوب ہی خوب بخششوں سے سرفراز فرمایا ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اُسی سے استعانت اور مغفرت طلب کرتے ہیں اور اُسی کی پناہ چاہتے ہیں اپنے نفس کے شر سے اور اپنے اعمال کی بُرائیوں سے جس کو خدا ہدایت بخشے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو گمراہ کرنا خدا تعالیٰ ہی کو منظور ہو اسکو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

اور میں گواہی دیتا ہوں اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ ذاتِ واحد ہے اسکا کوئی سہیم وشریک نہیں، اور گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں اللہ تعالیٰ کا اُن پر صلوٰۃ وسلام ہو اور برکتیں نازل ہوں اور اُن کے تمام آل اور اصحاب پر بھی۔

(۲) اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی جانب وسیلہ اختیار کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔ ہوسکتا ہے کہ تم فلاح پاجاؤ۔

عہ اصل خط میں عربی عبارت تھی عام افادہ کے لئے یہاں اسکا ترجمہ بھی کردیا گیا ہے۔

(۳) نیز فرمایا کہ کیوں ایسا نہیں ہوتا کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی سی جماعت سفر کیا کرے تاکہ دین کا علم حاصل کرے اور جب بڑی جماعت کے پاس واپس آوے تو یہاں آکر انکو بھی اپنے حاصل کردہ علم کے ذریعہ ڈراوے (یعنی وعظ و تبلیغ کرکے انہیں خوف و خشیت خداوندی پیدا کرے) شاید یہ لوگ بھی ڈر جائیں۔ (اور دین کے راستہ پر لگ جائیں)۔

(۴) نیز فرمایا کہ جو لوگ (اے رسول) آپ سے بیعت کرتے ہیں (در اصل) وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ان سب کے ہاتھوں کے اوپر ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس بیعت سے باخبر ہے اور ان کے اس عہد پر شاہد ہے) لہٰذا جو شخص اپنے عہد کو توڑے گا وہ اپنا ہی کچھ نقصان کریگا۔ اور جو شخص اپنے اللہ سے کئے ہوئے وعدہ اور عہد کا پاس و لحاظ رکھے گا اور اسکو پورا کر دکھائے گا تو عنقریب اللہ تعالیٰ اسکو اس پر اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

---

١. اما بعد فيقول خادم العلماء والصوفية والمتمسك بأذيالهم العلية ولي الله بن عبد الرحيم عاملهما الله تعالى بفضله العظيم ان من اجل نعم الله تعالى التي لا يستطيع العبادُ شكرها ان بعث الانبياء مترجمين عن الغيب هادين الى طرق التقرب الى الله تعالى ليهلك من هلك عن بيّنة ويحيى من حيّ عن بيّنة ثم جعل لهم ورثة يقومون بعلمهم بين الناس ويحيون سنّتهم ويدعون الى رشدهم.

٢. ومعظّم ما دعت الى اقامته الرسل امورٌ ثلثة تصحيح العقائد في المبداء والمعاد والمجازاة وغيرها وقد تكفل بهذا الفن اهل الاصول من علماء الامة شكر الله تعالى مساعيهم وتصحيح العمل في الطاعات المقربة والارتفاقات الضرورية على وفق السنة وقد تكفل بهذا الفن فقهاء الامة

نهدى الله بهم كثيرين واقام بهم فرقه عوجاء وتصحيح الاخلاص والاحسان الذين هما اصلا الدين الحنيفى الذى ارتضاه الله لعباده۔ قال تبارك وتعالى وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ۔ ط

٣۔ وقال ان المتقين فى جنتٍ وعيون آخذين ما آتاهم ربهم انهم كانوا قبل ذالك محسنين كانوا قليلاً من الليل مايهجعون وبالاسحارهم يستغفرون وفى اموالهم حق للسائل والمحروم وفى الارض آيات للموقنين وفى انفسكم افلا تبصرون۔

٤۔ وقال رسول الله صلى الله عليه وسلم انما الاعمال بالنيات وقال فى جواب جبرئيل الاحسان ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك۔ والذى نفسى بيده هذا الثالث ادق المقاصد الشرعية ماخذاً واعمقها محتداً وهو بالنسبة الى سائر الشرائع بمنزلة الروح من الجسد وبمنزلة المعنى من اللفظ وقد تكفل به الصوفية رضوان الله عليهم اجمعين فاهتدوا وهدوا واستقوا وسقوا وفازوا بالسعادة القصوى وحازوا السهم الاعلى فلله درهم ما اعم نفعهم واتم نورهم۔

٥۔ ولما كان رضاء الحق ان علماء الامة ان يسعوا فى بقاء النور الماخوذ من الانبياء صلوات الله عليهم واشاعته وحمل الناس على الاهتداء به كما قال فلولا نفر من كل فرقةٍ۔ الآية۔

وقال ولكن كونوا ربانيين بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون توارثوا النصب الخلفاء وبعث الدعاة عصراً بعد عصر وطبقةً بعد طبقة لتكون كلمة الله هى العلياء وليتحقق على ايديهم

ما وعد اللہ فی محکم کتابہ حیث قال وانا لہ لحافظون۔

۶۔ والخلافۃ ظاہرۃ وباطنۃ فالخلافۃ الظاہرۃ اقامۃ الجہاد والقضاء والحدود والجبایۃ والعشور والخراج وقسمتہا علی مستحقیہا وقد حمل اعباء ہا العادلون من ملوک الاسلام والخلافۃ الباطنۃ تعلیم الکتاب والحکمۃ وتزکیہم بالنور الباطن بقوارع الوعظ وجواذب الصحبۃ۔ کما قال عز من قائل لقد منّ اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولا من انفسہم یتلو علیہم ایاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ ط وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین وفیہم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم العلماء ورثۃ الانبیاء وقال فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم ولا یکون الخلیفۃ الا من جمع المقاصد الثلاثۃ التی ذکرناہا وحفظ الکتاب والسنۃ وتدرب فی قوانین السلوک وتربیۃ السالکین۔

اما الدعاۃ فلا یشترط فیہم الا العدالۃ والسمت الصالح والوفاء لشرط الخلیفۃ الباعث فیما ائتمنہ وقد جرت السنۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بکل ذالک کما فصلنا ذالک فی موضعہ[1]

(تفہیمات الٰہیہ ص۱۳ ج ۱)

ترجمہ:۔ ۱۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے حضرات علماء اور صوفیاء کرام کا یہ خادم جو کہ ان حضرات کے بلند و مقدس دامنوں سے لپٹا اور چمٹا ہوا ہے یعنی ولی اللہ بن عبدالرحیم (اللہ تعالیٰ ان باپ بیٹے دونوں کے ساتھ اپنے فضل عظیم اور لطف عمیم کا معاملہ فرمائے) عرض پرداز ہے کہ منجملہ حق تعالیٰ کی اُن بڑی بڑی نعمتوں کے کہ بندے جن کا شکر ادا کرنے سے عاجز و قاصر ہیں ایک نعمت حضرات انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمانا بھی ہے۔ جو کہ غیب کے ترجمان اور تقرب الی اللہ کے راستوں کی جانب رہنمائی فرمانے والے ہیں (۔یعنی انھوں نے غیب کی ترجمانی اور راہ حق کی جانب رہنمائی فرمادی) تاکہ اب اسکے بعد جو ہلاک ہو

---

[1] ترجمہ اصل میں نہیں تھا اب افادۂ عوام کے لئے کیا جا رہا ہے۔

وہ دلیل وبرہان دیکھنے کے باوجود ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ علی وجہ البصیرت دلائل اور شواہد حق کی روشنی میں زندہ ہے۔

پھر انبیاء کے بعد حق تعالیٰ نے اُن کے ورثہ بھی بنائے تاکہ وہ لوگوں کو انبیاء کی تعلیمات بتائیں اور اُن کا طریقہ سکھلائیں اور اُن کی ھدایات کی جانب رہنمائی فرمائیں۔

۲۔ (جاننا کہ) انبیاء علیہم السلام نے جن اُمور کے قائم کرنے کی جانب دعوت دی ہے اُن میں چوٹی کی تین چیزیں ہیں ایک تو مبداء ومعاد اور مجازاۃ وغیرہ (یعنی پیدائش قیامت اور آخرت کی جزا وسزا) کے متعلق عقائد کی تصحیح۔ چنانچہ علماء امت میں سے اس فن کی تکمیل کی کفالت حضرات علماء اصول نے فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن حضرات کی سعی مشکور فرمائے۔

دوسری چیز یہ کہ اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والی طاعات اور دیگر دنیوی ضروریات سے متعلق جو افعال واعمال کرنے ہوں انکا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اس سلسلہ میں صحیح طریق کار بیان کرنا۔ چنانچہ اس فن کی کفالت فقہاء امت نے فرمائی جن سے اللہ تعالیٰ نے ایک کثیر جماعت کو ہدایت یاب فرمایا اور بہت سے کج رو فرقے راہ راست پر آگئے۔

(فجزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء)

تیسری اہم چیز جن کی جانب حضرات انبیاء علیہم السلام نے دعوت دی ہے۔ وہ احسان اور اخلاص کی تصحیح تھی۔ جو کہ دین حنیفی کی جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے اصل ہیں۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔ یہ لوگ نہیں حکم دئے گئے تھے مگر اسکا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح سے کریں کہ طاعت کو اسی کے لئے خالص کرنے والے ہوں یعنی اخلاص کے ساتھ عبادت کریں۔ شرک سے اجتناب کریں اور تمام ادیان باطلہ سے رخ پھیر کر صرف اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی جانب رخ کریں اور نمازیں قائم کریں۔ زکوٰۃ ادا کریں۔

اور یہی مستحکم اور پسندیدہ دین ہے۔

۳- نیز فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ بیشک متقی لوگ باغات اور چشموں میں ہونگے اور اُن کو ان کے لئے آپ نے جو کچھ مرحمت فرمایا ہوگا اُس سے لطف اندوز ہو رہے ہونگے۔ (یہ صلہ ہے اسکا کہ) یہ لوگ اس سے قبل یعنی دنیا میں نیکو کار یعنی مخلص تھے۔ راتوں کو کم سوتے تھے اور آخر شب یعنی سحر کے وقت استغفار کیا کرتے تھے اور انکے اموال میں سوالی اور غیر سوالی سب کا حق ہوتا تھا۔ اس میں یقین کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں بلکہ خود تمھارے نفس کے اندر بھی نشانیاں موجود ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے۔

۴- اور فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ کے سوال کے جواب میں فرمایا تھا کہ :- احسان یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح سے کرو گویا کہ تم اسکو دیکھ رہے ہو اور تم کو اگر یہ درجہ نہ حاصل ہو تو کم از کم اس تصور کے ساتھ عبادت کیا کرو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔

اور قسم ہے اس ذات کی کہ میری جان جس کے قبضہ میں ہے یہی تیسرا مقصد بعثت انبیاء کا جملہ مقاصد شرعیہ میں دقیق ہے ماخذ کے اعتبار سے اور گہرا ہے جڑ کے اعتبار سے اور بمنزلہ روح کے ہے۔ بدن کے اعتبار سے اور یہ بمنزلہ معنی کے ہے اور سب لفظ ہیں چنانچہ اس فن کی کفالت حضرات صوفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ چنانچہ یہ حضرات خود بھی ہدایت یاب ہوئے اور دوسروں کو ہدایت یاب فرمایا۔ خود پیا اور دوسروں کو بھی پلایا اور سعادت قصویٰ کے ساتھ کامیاب ہوئے اور اسکے بڑے حصہ کو سمیٹا۔ پس اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ ان کی خوبی۔ کیا ہی عام ہوا ان کا نفع اور تام ہوا انکا نور۔

۵- اور جب کہ منظور نظر حق تعالیٰ کو یہی بات تھی کہ اس اُمت کے علماء اس نور کے

تحفظ اور بقاء میں کوشش کریں جو کہ حضرات انبیاء سے ماخوذ تھا اور اس کی خوب اشاعت کریں اور اس کے ساتھ مہتدی ہونے پر لوگوں کو ابھاریں جیسا کہ فلولا نفر من کل فرقة الخ سے ظاہر ہے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ تم لوگ اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب کو پڑھتے پڑھاتے ہو اور اسکا درس دیتے ہو (تو ان آیات سے منشاء خداوندی کے ماتحت) علماء ربانی اور صوفیائے حقانی سے خلیفہ بنانے کا طریقہ جاری کیا اور ہر زمانہ اور ہر طبقہ میں واعظین اور دعاۃ بھیجنے کا دستور ایجاد کیا۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند رہو اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں اسکی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا (یعنی وانا لہ لحافظون) وہ ان کے ہاتھوں پر پورا فرمائے۔

۶۔ (پھر یہ سمجھو کہ) خلافت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ خلافت ظاہری میں جہاد و قضاء یعنی (فیصلہ خصومات) کا بندوبست حدود و قصاص کا قیام عشر و خراج کی وصولی اور مستحقین پر اس کے تقسیم کا نظم یہ سب امور انجام دئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان سب کی مشقت کو عادل سلاطین اسلام نے برداشت کیا۔

اور خلافت کی دوسری قسم یعنی باطنی میں یہ امور داخل ہیں۔ کتاب وحکمۃ کی تعلیم۔ لوگوں کا تزکیہ نور باطنی کے ساتھ اور ایسے مواعظ کے ساتھ جو قلوب کو ہلا دینے والے ہوں اور ان صحبتوں کے ذریعہ جو قلوب کو جذب کر لینے والی ہوں۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ۔ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین پر احسان فرمایا جو ان میں انھیں کے جنس سے ایک رسول بھیجا جو ان کو آیات پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور انکے نفوس کا تزکیہ فرماتے تھے اور انھیں علم و حکمت کی باتیں سکھلاتے تھے اور بلاشبہ یہ لوگ آپ کی بعثت سے پہلے صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

اسی قسم کی خلافت والوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علماء انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں اور فرمایا کہ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے

جیسی میری فضیلت تم میں سے کسی ادنی شخص پر۔

پس خلیفہ وہی شخص ہوسکتا ہے جو کہ مذکورہ بالا مقاصد ثلٰثہ کا جامع ہو اور اسکے ساتھ ساتھ کتاب و سنت کا حافظ (عالم) ہو اور سالکین کی تربیت اور سلوک کے قواعد جو درجہ بدرجہ سالک پر برتے جاتے ہیں ان سے واقف اور تجربہ کار ہو۔

یہ تو خلیفہ کے اوصاف کا بیان ہوا باقی رہے دُعاۃ اور مبلغین تو اُن میں صرف عدالت اور حسن خلق کے ساتھ اتصاف اور خلیفۂ وقت کی شرطوں کا وفا کرنا جن امُور میں کہ انھوں نے ان پر اطمینان کیا ہے اور جن کا ان کو امین بنایا ہے انکو پورا کرنا بس یہی شرط ہے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارکہ سے لے کر تا ایں زمانہ ان دونوں قسموں کی خلافت اور دُعاۃ کا سلسلہ چلا آرہا ہے جیسا کہ میں نے اپنے مقام پر اس کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔

(تفہیمات صـ۱۳ ج ۱)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ [۵] اس میں یہ فرمارہے ہیں کہ چونکہ رضائے حق علماء امُت کے لئے اس میں تھی کہ وہ سعی کریں۔ اس نور کے باقی رکھنے میں جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ماخوذ چلا آرہا ہے جیسا کہ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ الآیۃ اور کُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے اس بناء پر عصراً بعد عصرٍ اور طبقۃً بعد طبقۃٍ خلفاً عن سلفٍ سب نے توارث کرلیا۔ خلفاء کے نصب کرنے کا اور دُعاۃ کے بھیجنے کا اکناف واطراف میں۔

یہ تھا مسنون طریقۂ کار اپنے بعد والوں کیلئے اور یہ تھی حفاظت دین اس سے بڑھ کر اسکا کوئی طریق تھا ہی نہیں۔

چنانچہ شاہ صاحب فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں جو وعدہ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ کا فرمایا تھا وہ ان خلفاء کے ہاتھوں پر پورا کیا گیا۔ کیا ہی مبارک ہیں

---

[۵] یہ خط کا مضمون ہے۔

وہ لوگ جن کے ہاتھوں دین کی اصلی حفاظت کا وعدہ پورا ہوا۔ زہے سعادت زہے نصیب مگر یہ خلفاء وہ ہیں جو کہ کتاب وسنت کے حامل ہوں اور ان کے پورے متبع اور اس کے ترجمان ہوں۔ یا تو خلفاء ہی کے ہاتھوں دین کا اتنا بڑا کام ہوا یا اب ہم دیکھتے ہیں کہ انھیں کے ہاتھوں یہ کام بگڑ رہا ہے اور پوری طرح یہ مثل صادق آتی ہے۔ ع

"اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"

غرض جو طریق کار تھا وہ ہی بگڑ گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں یہ کہہ رہا تھا کہ کام یوں چلا آرہا ہے جب کہ اہل کے ہاتھ میں تھا اور یہ لوگ اس کے حامل تھے اور جب نااہل کے ہاتھ میں جائے گا فساد اس کا دھرا ہوا ہے۔ چنانچہ مشاہد ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرما رہے ہیں کہ ولا یکون الخلیفۃ الامن جمع المقاصد الثلاثۃ التی ذکرناھا (ای تصحیح العقائد فی المبداء والمعاد وتصحیح العمل فی الطاعات المقربۃ وتصحیح الاخلاص والاحسان وحفظ الکتاب والسنۃ وتدرب فی قوانین السلوک و وتربیۃ السالکین۔)

اور آج حال یہ ہے کہ ان شرائط میں کس قدر اخلال ہوگیا ہے بلکہ مطلقاً ان کا اہمال ہی ہوگیا ہے کہ نہ کتاب وسنت ہی کا علم ہے نہ قوانین سلوک کا تجربہ ہے اور نہ سالکین کی تربیت کا ڈھنگ اور سلیقہ ہے اور ہیں خلیفہ۔ ع

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا"

اب ظاہر ہے کہ جب حالات یہ ہوں تو یہ لوگ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا کا کیا مصداق ہو سکتے ہیں اور ان کی سعی کیونکر مشکور ہو سکتی ہے آخرت میں تو کیا مبرو مشکور ہوتی دنیا میں بھی ان لوگوں کی سعی نامشکور ہی رہتی ہے۔

آگے شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

وان اخانا الصالح الراغب فی اتباع حبیب اللہ صلوات اللہ علیہ و سلامہ المستھتر بذکر اللہ والتفکر فی الآء اللہ الشیخ محمد عابد

بن علاء الدين بن سيف الله زاد الله فی توفیقه صحب سیدی
الوالد وجدی لامی قدس اسرارهما واخذ عنهما اشغال
الطرق الثلاث۔
النقشبندیه والجیلانیة والچشتیه وعمل بها مدة طویله
وصحب بعدهما هذا الفقیر عفا الله عنه والحقه بسلفه
وحصل السکینة الباطنة والیادداشت علی ما احب۔
ثم انه شرح الله صدری ان اختاره داعیا الی اشغال الطرق
الثلاث وارتضیه مزکیا بفیض صحبة الموفقین من عباد الله
والهمنی انه حقیق بان یوخذ عنه الاشغال ویستفیئ بنور صحبته
السالکون وان الله جاعل فی صحبته للناس خیرا فها انا اجیزه
لتبلیغ الاشغال والاوراد التی سمع منی ومن سیدی المذکورین
وعمل بها ورای اثارها الی من توسم فیه الخیر من الناس
کما اجازنی السید الوالد قدس سره بسنده المتصل بالنبی
صلی الله علیه وسلم صحبةً وتلقیا للاحسان بل اجازة ایضا ان شاء الله تعالی
فیداه کیدی واره کاری۔
واوصیه فی خاصة نفسه بتقوی الله ومجانبة الهوی وترک صحبة الملوک
والامراء والقیام بالاذکار وکظم الغضب الا فی الله ولزوم جادة السنة
فی المکره والمنشط وترک السوال من الناس وان یعتقد فی المحدثین
والفقهاء خیراً وان یحبس نفسه عن الشطح وکل ما یکرهه
الشرع ما استطاع واوصیه بمن معه ان یامرهم بالمعروف
وینهاهم عن المنکر ویحضهم علی طاعة الله ویجهد فی اصلاح امرهم
والشفقة علیهم۔
ویامر کل من بایعه بالاذکار المسنونة ویخص المستعدین

منهم على الاشغال القلبية والمراقبة۔
واوصيه فى حق نفسه ان يدعو الله لى دينا صحنى و يفعل
بمشائخى مثل ذالك فان وفى بالشرط فذالك ظنى به وان نكث
فسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون۔
(تفہیمات ص۱۵ ج ۱)

ترجمہ: بیشک میرے نیک وصالح بھائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں رغبت کرنے والے ہیں اور ذکر اللہ کے عاشق نیز تفکر فی آلاء اللہ کے شیدائی ہیں۔ محمد عابد بن علاء الدین بن سیف اللہ اللہ تعالیٰ ان کی توفیق میں اضافہ فرمائے میرے والدؒ اور ناناؒ کی صحبت میں رہے اور دونوں بزرگوں سے تینوں سلسلے یعنی نقشبندیہ قادریہ اور چشتیہ کے اشغال اخذ کئے اور ایک طویل مدت تک اس پر عامل رہے پھر ان دونوں حضرات کے بعد اس فقیر کی صحبت میں رہے (اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور اپنے اسلاف کے ساتھ لاحق فرمائے) اور سکینہ باطنہ اور نسبت یادداشت میری صوابدید کے مطابق حاصل کیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے میرے سینہ کو اسباب کے لئے کھول دیا کہ میں ان کو طریق ثلاثہ کے لئے داعی منتخب کروں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے فیض صحبت کے لئے اُن کو مزکی بناؤں اور اللہ تعالے نے مجھے یہ الہام فرمایا کہ بیشک یہ اس کے لائق ہیں کہ ان سے اشغال اخذ کئے جائیں اور سالکین انکے نور صحبت سے روشنی حاصل کریں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کی صحبت میں لوگوں کے لئے بھلائی کرنے والے ہیں۔ لہذا میں ان کو اجازت دیتا ہوں کہ جن لوگوں میں خیر کے آثار دیکھیں ان کو وہ اشغال واوراد تعلیم کردیں جو انھوں نے مجھ سے اور میرے والد صاحبؒ اور ناناؒ سے سنا ہے اور اُن پر عمل کیا ہے اور ان کے آثار کو دیکھا ہے۔ جیسا کہ مجھ کو میرے والد صاحبؒ نے اجازت دی اپنی اُس سند کے ساتھ جو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل ہے۔ میں ان کو

صحبت نیز احسان کے تلقی کی اجازت دیتا ہوں بلکہ دوسروں کو اجازت دینے کی بھی۔
پس انکا ہاتھ میرا ہاتھ ہے اور انکا فرمان میرا فرمان ہے۔

اور میں ان کو ان کے متعلق وصیت کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی اور ہوی سے مجانبت کی اور امراء و سلاطین کی صحبت سے پرہیز کرنے کی اور اذکار کے التزام کی اور سوائے غضب فی اللہ کے غصہ کو ضبط کرنے کی اور مکروہ اور منشط میں سنت کے طریق کو لازم پکڑنے کی۔ اور لوگوں سے سوال ترک کرنے کی نیز یہ وصیت کرتا ہوں کہ محدثین اور فقہاء کے بارے میں اچھا گمان رکھیں اور اپنے نفس کو حتی الوسع شطحیات اور ہر اس چیز سے محفوظ رکھیں جو کہ شرعاً مکروہ ہو۔

اور جو لوگ ان کے ساتھ رہیں اور ان کے بارے میں انھیں یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا کریں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ان کو ابھاریں اور ان کے حال کی اصلاح اور ان پر شفقت کرنے میں پوری کوشش کریں اور جو لوگ کہ ان سے بیعت کریں ان کو اذکار مسنونہ کا حکم کریں اور ان میں سے جو لوگ مستعد ہوں ان کو اشغال قلبیہ کی تلقین کریں۔

اور خود اپنے بارے میں ان کو یہ وصیت کرتا ہوں کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں اور میرے حق میں خیر خواہی کیا کریں۔ اور میرے مشائخ کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رکھیں۔

پس اگر انھوں نے یہ شرط (بیعت) پوری کی تو خیر ان سے مجھے یہی توقع بھی ہے اور اگر (خدا نخواستہ) انھوں نے عہد کے خلاف کام کیا۔ تو عنقریب ان لوگوں کو معلوم ہو جائے گا۔ جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے کہ کیسی جگہ انھیں لوٹ کر جانا ہے۔

حضرت شاہ صاحب ان ساری تفصیلات و تحقیقات کے بعد ایک شخص کو خلافت نامہ تحریر فرما رہے ہیں اور بہت سے وصایا و نصائح سے اس کو مزین فرما رہے ہیں جو قابل حرزجان بنانے کے ہے ہیں اس کی تفصیل لکھنا نہیں چاہتا اس کے بعد بھی آخر میں یہ فرما رہے ہیں کہ۔

فان دفی بالشرط فذالك ظنی به وان نکث فَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۔

اس پر اس کو ختم فرما رہے ہیں اسکا حاصل یہ ہے کہ جو نکث کرے ان عہود وصایا کا وہ ظالم ہوگا اور اس کو اس کے ظلم کی سزا ملے گی۔

یہ تھی اکابر کی خدمت دین جزاھم اللہ تعالیٰ خیرالجزاء۔

آخر میں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ کی مشہور و معروف کتاب ارشاد الطالبین سے ایک نہایت ضروری مضمون جو علماء کے لئے حرزجان بنانے کے قابل ہے نقل کرتا ہوں وھو ھذا۔

دلیل چہارم آنکہ جماعت بے نہایت کہ اتفاق شان را بر کذب عقل محال می داند و آں جماعتے بقسمے است کہ ہر ہر فرد شاں بسبب تقوی و علم بقسمے است کہ تہمت کذب بروے روانہ باشد بزبانِ قلم و قلمِ زبان خبری دہند کہ مارا بسبب صحبت مشائخ کہ سلسلہ صحبت شاں برسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم می رسد درباطن حالت پیدا آمدہ سوائے عقائد و فقہ کہ قبل از صحبت شاں بداں متحلی بودند و ازیں حالت کہ حاصل شدہ محبت با خدا و دوستانِ خدا و اعمال صالحہ و توفیقات حسنات و رسوخ در اعتقادات حقہ زندہ شدہ و ایں حالت کہ البتہ کمال است و موجب..... کمالات است۔

سبحان اللہ حضرت قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مضمون کے ذریعہ تصوف کو زندہ فرما دیا۔ چنانچہ جو یہ فرمایا کہ در باطن حالتے پیدا آمدہ سوائے عقائد و فقہ اس سے معلوم ہوا کہ متکلم و فقیہ ہونے کے باوجود باطن کی اس حالت کے خلو کے سبب یہ لوگ ابھی ناقص ہی ہیں۔ چنانچہ حضرات مشائخ کی زبان سے یہ جو سنا جاتا ہے کہ وہ کسی کو خشک اور کبھی کورا فرمایا کرتے ہیں تو اس سے انکی مراد اسی نقص پر تنبیہ کرنا ہوتا ہے اسی طرح سے حضرت قاضی صاحب نے یہ جو فرمایا واین حالت کہ البتہ کمال است و موجب کمالات است۔ اس سے شیخ کے کامل و مکمّل ہونے کا مطلب واضح ہوا۔

یعنی یہ کہ یہ ایسی حالت ہے کہ ایک جانب تو خود اپنے صاحب کے لئے دیگر کمالات کے حصول کا موجب بنتی ہے اور دوسری جانب اسی کے ذریعہ دوسرے لوگوں میں بھی اس کمال کا تعدیہ ہو کر ان کی بھی تکمیل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسی لحاظ سے شیخ کو مکمل بھی کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے دوسروں کے حالات کی بھی تکمیل ہوتی ہے۔

والسلام خیر ختام خویدکم وصی اللہ عفی عنہ
یکم ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ ۔ الہ آباد
۱۵ر اپریل ۶۴ء

گرامی نامہ استاذ الاساتذہ جامع علوم عقلیہ امام منطق و فلسفہ حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین مدرسہ عربیہ دار العلوم ۔ دیوبند

بجواب تشکر نامہ حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ

مخدومنا المحترم دامت برکاتہم۔

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ مزاج مبارک۔ کرمت نامہ کئی ہفتہ ہوئے ملا تھا۔

طبیعت کی نادرستگی کی وجہ سے تفصیلی جواب نہ دے سکا۔ البتہ مختصر رسید حاضر خدمت کرچکا ہوں جو غالباً جناب کو مل گئی ہوگی۔

مخدوما! خانقاہ تھانہ بھون ورائے پور اور گنگوہ کی ویرانی کے بعد طبیعت بہت افسردہ رہتی تھی البتہ آپ کے احوال و کوائف سن کر یہ مایوسی مبدل بہ توقعات و مسرت ہوجاتی تھی اور سمجھ میں آتا تھا کہ وقت کی عام مایوسیاں مستثنیات سے خالی نہیں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ سے ملاقات کے وسائل بہم پہونچائے اور میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی آپ سے ملاقات کے بعد مسرت کی بے پایانی میں برابر اضافہ ہوتا گیا۔ ملاقات کی مدت اگرچہ بہت مختصر تھی مگر اس ملاقات سے جو تاثرات مرتب ہوئے وہ بہت دیرپا اور بے پایاں ثابت ہوئے۔ اب بھی اس ملاقات کی مسرتیں اور سرشاریاں میرے دل میں بحالہ باقی ہیں۔

آنمحترم کو میں نے کمال صلاح و اصلاح سے متصف پایا اور آپ کے طریق اصلاح کو اس آیت کا پورا نمونہ پایا۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔ الآیۃ۔ تم انکے معبودوں کو برا مت کہو مبادا وہ جہالت کی وجہ سے خدا کو برا کہنے لگیں۔

اس نفاق اور سلب کمال کے زمانہ میں غیروں کو اپنانا اور اپنوں کو گلے لگانا وہ جنس گرانمایہ ہے۔ جس کا کم از کم اس زمانہ میں ملنا دشوار ہے۔ آپ کا انداز اصلاح مدعیان تصوف کو بلا کسی جنگ و جدل و حیلہ و تدبیر کے شکست فاش دے چکا ہے۔

اور یہ شعر آپ کی اصلاحی مساعی پر پوری طرح صادق آتا ہے ؎

گر ایں مدعی دوست بشناختے
بہ پیکار دشمن نپرداختے

کیوں نہ ہو آپ نسبت محمدی کے مظہر کامل ہیں۔ اس نسبت کے حاملین کی جو خصوصیات ہوتی ہیں وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

محترما! آپ نے تکمیل کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے اور اسکی اہمیت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے تو مجھے بھی اس کی اثریت اور اہمیت سے انکار نہیں ہے بلکہ میں تکمیل کو

فی زمانہ اہم واجبات دینی سے سمجھتا ہوں اور ممکن حد تک اس کے لئے کوشاں ہوں۔ ہاں یہ عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ میں اس درجہ کی تکمیل جس سے سلف صالحین متصف تھے پایا جانا بہت مشکل ہے جس کے چند وجوہ ہیں۔

۱۔ اثرات ملکی میں ضعف جسے صوفیاء نے بھی مؤثرات میں شمار کیا ہے۔

۲۔ بشری استعداد کا ضعف دکمی۔

۳۔ عام اقتصادی بدحالی۔

۴۔ حلال مطلق کی ہر منزل میں نایابی۔

یہ چیز بھی نظر میں ہے کہ آخر قیامت کا برپا ہونا یقینی ہے اور اس کے لئے سلب کمال بھی ضروری ہے تاکہ باری تعالیٰ کا غضب کائنات کو اپنی زد میں لے سکے۔ اگر تکمیل علی اثرہ ہوتی رہی تو سلب کمال کب ہوگا جو اسباب موجبۂ قیامت میں سے ہے۔ بہرحال ہمیں حسب مقدور صلاح و تکمیل کی سعی کرنی ہے۔ ان موانع متذکرہ بالا کے علاوہ ایک اور مانع جو اس..... کو اپنی سخت گرفت میں لئے ہوئے ہے وہ موجودہ ڈپلومیسی کے جراثیم ہیں

ان حالات میں ہمیں کام کرنا ہے ہاں طلباء میں ابھی ایسے افراد موجود ہیں جنہیں اسلامی قدروں کی حفاظت کی تڑپ موجود ہے اگر صرف انھیں ہی راہ پر لگا دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ ایک وقت آجائے گا جب کہ اساتذہ و اراکین بھی اپنے حالات بدلنے پر مجبور ہوں گے۔

میں اپنی مساعی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرونگا کہ اساتذہ کو مناسب راہ پر لگا دوں۔ مگر اس عام بے راہ روی کے زمانہ میں کسی کو اپنا ہمنوا نہیں پاتا۔ ان حالات میں آپ کی توجہات کا زیادہ سے زیادہ محتاج ہوں۔ آخر میں اپنی اس خواہش کا پھر اعادہ کر رہا ہوں کہ آپ اپنے اسی انداز بہ پیکار دشمن کے ساتھ کبھی کبھی زحمت گوارا فرمائیں

اور سال میں چند مواعظ ہو جائیں تو طلباء جن کے بارے میں پُرامید ہوں اور جوانی ملداری کی وجہ سے الٰہ آباد حاضری کی سکت نہیں رکھتے مستفید ہو جاتے اور ممکن ہے کہ اساتذہ بھی آپ کی تاثیر صحبت سے متاثر ہوتے۔ امید ہے کہ جناب کے مزاج بخیر ہونگے آپکی توجہات عالیہ اور دعوات صالحہ کا ہر وقت محتاج ہوں۔

محمد ابراہیم بلیاوی

مورخہ ۲۲ رذی الحجہ ۱۳۸۳ھ۔ دیوبند

نوٹ۔ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ کے خط کے بارے میں حضرت والا نے چند مقیمین علماء سے استفسار فرمایا کہ آپ لوگوں نے مولانا کے اس خط سے کیا سمجھا؟

چنانچہ ان حضرات نے اپنے اپنے تاثرات تحریر فرمائے جو کہ حضرت والا نے پسند فرمائے ان میں سے دو خطوط یہاں نقل کئے جا رہے ہیں۔

خط نمبر ۱

سیدی وسندی مرشدی ومولائی حضرت والا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی کے گرامی نامہ سے اس ناکارہ کی ناقص فہم میں جو باتیں آئی ہیں عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائے۔

۱۔ کسی صاحب فضل وکمال وصاحب علم کا اسقدر جھکنا اور اعتقاد محبت وخلوص کا اظہار کرنا اس دور فاسد میں بہت بڑا کمال ہے جو کمال تواضع سے ناشی ہے اور اپنے کو فنا کر دینا ہے اور طریق میں اول قدم ہے اسی سے تمام کمالات کی راہیں کھلتی ہیں حضرت والا سے اکثر سنا ہے ع

نیستی بگزیں گر ابلہ نیستی

اور اس سے حضرت والا کی معرفت میں مزید بصیرت نصیب ہوئی آخر ایسے ایسے

صاحب فضل و کمال کا جھکنا اور حضرت والا کے درجہ و کمالات کا اعتراف کرنا بے معنی نہیں۔

انھوں نے اس دورِ فاسد و جہالت میں حضرت والا کی ذات مبارک کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ رضوان اللہ اجمعین اور سلف صالحین کا کامل نمونہ پایا ہر حضرت والا کی ذات نسبت محمدیہ کی حامل کتاب وسنت کی سچی ترجمان اور حضور علیہ السلام کے مکارم اخلاق کا سچا نمونہ ہے۔

۲۔ اور یہ سمجھ میں آیا کہ اگر آدمی میں فہم سلیم اور اعتقاد صادق وخلوص و تواضع ہو تو مرشد کامل کی تھوڑی سی بھی صحبت کیمیا کا اثر رکھتی ہے اور فی الحال بصورت طلا بنادیتی ہے ورنہ فہم و اعتقاد کی کمی سے آدمی برسہا برس بلکہ ساری زندگی اکتساب فیض سے محروم رہتاہے۔ العیاذ باللہ۔

۳۔ اگر علم صحیح ہو تو وہ کبھی حجاب نہیں بنتا بلکہ اس سے راہ کھلتی ہے۔

۴۔ یہ بھی سمجھ میں آیا کہ مولانا موصوف نے حضرت والا کے طریقۂ اصلاح و تربیت کو جو اس نازک دور میں خاص حضرت والا کا طرۂ امتیاز ہے یعنی اغیار کو بُلانا اپنوں کو گلے لگانا جو حقیقت میں کتاب وسنت کی صحیح ترجمانی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال اتباع سے ہے۔ خوب سمجھاہے اور سراہاہے سچ تو یہ ہے کہ اس دورِ پُرفتن میں طریقہ اصلاح اسی میں منحصر ہے جس کے اثرات و برکات روز روشن کی طرح سب کے سامنے ہیں۔

حقیقت میں حضرت والا کی ذات وصفات اس دورِ فاسد میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس میں بیک وقت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی شیخ اکبر۔ امام تیمیہ وغزالی۔ وشاہ ولی اللہ صاحب کی روح اور حضرت جنید وشبلی وحضرات سلسلۂ اربعہ کا فیض کارفرماہے۔ مگر اس کے لئے دیدۂ بینا کی ضرورت ہے ؎

زمغربی نظرے دام کن بدوست نگر کہ تا بدیدۂ کامل کمال او بینی

مجھ جیسا بدفہم اور کوڑ مغز کیا عرض کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرتِ والا کے طفیل میری باطنی آنکھیں کھول دیں۔

اور فہم سلیم و اتباع کامل کی توفیق عطا فرمائیں۔

اور حضرت والا کے طفیل میں ایمان کامل وحسن خاتمہ نصیب فرمائیں۔

فقط والسلام

یکے از حاضرین خانقاہ

خط نمبر ۲

سیدی وسندی حضرتِ والا دامت برکاتہم ودیفیوضھم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حال۔ گذارش خدمت اقدس میں یہ ہے کہ مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہٗ صدر مدرس دیوبند کے طالبانہ وعقیدت مندانہ مکرمت نامہ پر احقر کے بعض احباب ذی استعداد نے اپنے اپنے تاثرات پیش کئے ہیں جو نظر سے گذرے ان حضرات کے گلستان سخن فہمی سے گل چینی تو نہ ہوسکی مگر ان ہی لوگوں کی قلم فرمائی کے خاکہ پر قلم چلانے کی کوشش کی ہے یہ بھی اسلئے جراٴت ہوئی ہے تاکہ نافرمانوں کی صف سے نکل کر فرمانبرداروں کی صف میں پیچھے ہی سہی اپنے آپ کو کھڑا ہوا پاؤں۔

تحقیق۔ مبارک ہو فرمانبرداروں کی صف میں قیام اور کیا کہنا اس صف کا اور اس صف کے قیام کا۔

حال۔ عرض ہے کہ حضرت جیسی جو ذات کہ جس قدر عالیقدر و بلند منزلت ہوتی ہے وہ اپنی معرفت اور صحیح حقیقت پہچنوانے کے لئے اسی درجہ دل سوزی اور فکر کی بلند پروازی چاہتی ہے۔

تحقیق۔ سچ کہتے ہو مگر حضرت رومی فرماتے ہیں۔ ع

درنیابد حال پختہ ہیچ خام

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے ہی رسائی ہوتی ہے مشائخ محض سبب ہیں۔

حال۔ یوں تو ہر شخص اپنے اپنے گمان میں سمجھتا اور خیال کرتا ہے کہ میں سمجھ رہا ہوں مگر حقیقی اور صحیح معرفت سے بہت کم لوگوں کو حصہ ملتا ہے۔ ؎

در رہ عشق نہ شد کس بے یقین محرم راز
ہر کسے بر حسب فہم گمانے دارد

تحقیق۔ یہ بہت اونچا مقام ہے اسی لئے کہا گیا ہے ؎

ہر کسے از ظن خود شد یارِ من　　واز درونِ من نجست اسرارِ من

حال۔ ایسی صورت میں اس ذاتِ گرامی کے ساتھ اس زمانہ کے اہل فضل وکمال کے برتاؤ کو دیکھ کر سراغ لگانا آسان ------------ ہو جاتا ہے۔

تحقیق۔ سچ کہتے ہو۔ ہر زمانہ میں لوگوں نے اسی طرح پہچانا ہے۔

حال۔ اس زمانہ میں اہل فضل وکمال جو کہ اپنے اپنے اداروں اور مرکز کے مایہ ناز اور مستقل ہیں ان میں سے بعض کا دمِ قدم اور بعض کا دم قلم سے حضرت والا کی ذات گرامی اور حضرت کی تعلیم وتربیت کی تائید کرنا اور سراہنا اور حضرت والا کے روبرو اپنے آپ کو ایک مشت خاک سمجھنا اس زمانہ میں بہت بڑی بات ہے۔ بالخصوص مولانا موصوف کا اپنے آپ کو اس طرح پیش کرنا بہت ہی خاکساری اور تواضع کی دلیل ہے اور جس مرکز میں جس منصب پر کہ فائز ہیں وہاں کے اسلاف کی سنتوں کو زندہ کرنا ہے۔

تحقیق۔ اس سے علم کی فضیلت نکلی کہ علم حقیقت تک پہنچاتا ہے اگر صحیح ہو۔ میں نے ٹھان لیا تھا کہ نااہل کو اجازت نہ دونگا تو اللہ تعالیٰ نے ایک اہل کو بھیجا جس سے میرے کام کی ابتدا ہوئی۔

(باقی آئندہ)

حال۔ ان متدین حضرات کا اس طرح پیش آنا یہ پتہ دیتا ہے کہ علم وفضل کے علاوہ کوئی اور چیز ہے جس کے یہ حضرات متلاشی ہیں کہیں نہیں پاتے مگر حضرت والا کے ضمیر منیر میں بدرجہ اتم پاتے ہیں۔

تحقیق۔ بھائی میں کیا چیز ہوں طلب مجبور کرتی ہے۔

حال۔ اور وہی چند لوگوں کو جھکنے پر مجبور کرتی ہے اور یہ خاصیت نسبت محمدی واخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے۔ جو بدرجہ اتم حضرت والا کو منجانب اللہ عنایت کی گئی ہے۔

تحقیق۔ میرے لئے کس قدر سعادت ہے اس کا سننا باقی آپ لوگ جانتے ہیں کہ یہ مقام کس قدر بلند ہے۔

حال۔ اللہ تعالیٰ کو جن سے دین متین کا کام لینا ہوتا ہے اس کے قلب میں یہ دولت جس کے صوفیائے کرام حامل ہوتے ہیں بدرجہ اتم القاء و مودع کر دیتا ہے یہی حضرات سچے نائب رسول ہوتے ہیں۔

تحقیق۔ یہ سچ ہے۔

حال۔ جو شخص ان حضرات کی تعلیم و تربیت سے موافقت کرتا ہے اور اس کو اپناتا ہے وہ دین و دنیا کی سعادت پاتا ہے اور جو انکار کرتا ہے اور اس سے ٹکر لیتا ہے وہ ٹھوکر کھاتا ہے اور شقاوت خریدتا ہے۔

تحقیق۔ سچ کہتے ہو۔

حال۔ اس قسم کی مرجوعات مسرت خیز اپنے دامن میں تازیانہ عبرت مخفی رکھتی ہیں۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ اور بآواز دہل ہم جیسے نااہلوں اور کور باطنوں کو غیرت دلاتی ہیں۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ اور اس بات پر اُبھارتی ہیں۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ کہ ہمیں خواب غفلت سے بیدار ہونا چاہیئے۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ اور جو ہوا سو ہوا اب سے اپنے ماحصل زندگی کا جائزہ لینا چاہیئے اور اس میں ایک نئی زندگی اور اپنے ارادے میں ایک ذوق و شوق اور دھن پیدا کرنا چاہیئے۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ اور حضرت والا کی ذات گرامی جس دولت کی حامل ہے اس کے حصول میں سعی بلیغ کرنا چاہیئے۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ حسب استطاعت جتنا بھی دامن میں آجائے کم ہے۔

تحقیق۔ بیشک۔

حال۔ اور یہ واقعات ہم جیسے بدفہموں کو درجہ یقین تک پہنچاتے ہیں کہ یہ راستہ جس قدر آسانی سے بذریعہ تواضع و انکساری طے ہوتا ہے۔ فہم و ادراک سے نہیں۔

تحقیق۔ یہ عطر تصوف ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　　جز شکستہ کس نگیرد فضل شاہ

حال۔ بالخصوص ہم جیسے بدفہموں کند ذہنوں کے لئے تو یہی راستہ متعین ہے۔

تحقیق۔ بھائی راستہ سب کے لئے ایک ہی ہے غبی ہو یا ذکی ؎

بلندیت باید تواضع گزیں　　　کہ ایں بام را نیست سلم ازیں

فرق یہ ہے کہ عقل سے عقل والے چوں وچرا کر سکتے ہیں اور جس کو یہ نہیں وہ اندھے کی طرح کسی کی لاٹھی کے سہارے چلے اس کے لئے یہ آسان ہے مگر عقل والے کو بھی اسی طرح چلنا ہوگا ورنہ یہ راستہ دشوار ہو جائے گا۔

حال۔ کہ اپنی ذات اپنے عزم و ارادے اور خواہشات کو حضرت والا کی مرضیات میں فنا کردے تو انشاء اللہ ضرور اپنے کو کامیاب پائے گا۔

تحقیق۔ فنا تو کرنا ہی ہوگا سب نے یہی کیا ہے یہی والذین جاھدوا فینا ہے اس لئے
کہ لنھدینّھم سبلنا ہے والذین جاھدوا فینا کے بعد

حال۔ دستت نمی رسد کہ بچینی گلے زشاخ بارے بپائے گلبن ایشاں گیاہ باش

تحقیق۔ یہ فضل الٰہی کی علتِ تامہ ہے۔

حال۔ حضرتِ والا دُعا فرمائیں۔

تحقیق۔ دعا کرتا ہوں۔

حال۔ کہ اللہ تعالیٰ اس بدفہم کو حضرت کی معرفت سے نوازیں اور صحیح راستہ پر لگا دیں اور اپنی
نسبت اور محبت سے بہرہ ور فرمائیں۔

تحقیق۔ آمین۔

والسلام طالب دعا
یکے از حاضرین خانقاہ

حضرت مصلح الامتہؒ کا خط بجواب گرامی نامہ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ

بجناب حضرت استاذی مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

والانامہ مفصل نے آج شرف سعادت بخشا۔ اس سے پہلے اجمالی خط بطور رسید مکرمت بخش ہو کر مسرت بخش ہوا تھا۔ میرے متعلق جناب گرامی نے جو تحسینی کلمات ارشاد فرمائے ہیں اس کے بارے میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ ع

ہر عیب کہ سلطان بپسندد ہنر است

اور یہ محبت پر بھی محمول ہو سکتا ہے کہ میں آپ ہی کا ہوں اور اپنی اولاد کا کمال ہر شخص کو بالطبع پسند ہی ہوتا ہے۔ بایں ہمہ جناب کی یہ تحریر میرے لئے طغرائے کمال ہے میں اس پر جتنا بھی فخر کروں کم ہے۔

چار نکات جو ارشاد فرمائے گئے ہیں نہایت اصولی بات ہے۔ کمالات ایمانی و عملی

ابتدائے نبوت سے اب تک متفاوت ہوتے رہے ہیں انھیں میں سے نسبتِ صوفیہ بھی ہے یہ بھی منحط ہوتی رہی ہے مگر ہے وہی چیز۔ ایک ہی چیز چلی آرہی ہے تفاوت استعداد سے متفاوت ہے۔

جس طرح سے قرآن وسنت بھی ہر دور میں اصل رہیگی اگرچہ ان پر ایمان متفاوت رہا اور رہیگا۔ اکابر کے طرز کو جناب والا نے جس طرح عقیدۃً وعملاً پکڑا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ومحبوب ہے۔ باقی جناب والا نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ زمانہ کی ڈپلومیسی کے جرائم ہیں۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ بالکل بجا ارشاد فرمارہے ہیں اور میں نے اپنے تجربہ سے اسکو بہت مضر پایا ہے۔ بالخصوص دین کے حق میں تو یہ مہلک ہی ہے۔ اور اس زمانہ میں یہ مرض عام طور پر پیدا ہوگیا ہے حتیٰ کہ ہر طبقہ میں ہوگیا ہے۔ مولویوں میں بھی گھس گیا ہے یہانتک کہ جو لوگ مشائخ کے پاس آمد ورفت رکھتے ہیں ان کے اندر بھی راہ پاگیا ہے۔

چنانچہ بعض لوگ بہت دنوں تک (بزرگوں) کے پاس رہے ان سے بھی یہ مرض گیا نہیں بس اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے اس سے بچنا ممکن ہے۔ کوئی ادارہ کوئی خاص جگہ ان سے خالی ہو یہ ممکن نہیں۔ اب صرف اسی سے لوگوں کو نکالنے کے لئے اور یہ بتلانے کے لئے کہ یہ مرض ہے اور برا ہے ایک مدت چاہئے۔ یہ اس زمانہ والوں کا حال ہوگیا ہے اسی لئے کام ترقی نہیں کررہا ہے کہ ترقی خلوص سے ہوتی ہے اور یہ طرز خلوص کے خلاف ہے۔ اسی چیز نے علماء ربانی ومشائخ حقانی پر سے بھی عوام کا اعتبار اُٹھادیا ہے۔ اور آنے جانے والوں پر اعتماد کرنے کا بھی سدّباب کردیا ہے حالانکہ کام کے لئے اعتبار اور اعتماد ضروری ہے۔

اسی طرح جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ کبھی کبھی زحمت فرمائیں اور سال میں چند مواعظ ہوجائیں تو اُمید ہے کہ طلبہ اور اساتذہ مستفید اور متأثر ہوں اس کے متعلق میں یہ سمجھتا ہوں کہ دو چار بار نہیں اگر آٹھ دس بار بھی آیا جائے تب بھی کوئی معتد بہ فائدہ عامہ تامہ نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مقامی شخص وہاں رہے اور ہر وقت انکی ظاہری وباطنی نگرانی کرتا رہے تب فائدہ متوقعہ کی اُمید کی جاسکتی ہے اور اسکا مجھ کو تجربہ بھی ہوا کہ الہ آباد میں جو لوگوں کو نفع ہوا تو اس کی سب سے بڑی وجہ میرا یہاں مستقل قیام ہے۔ میں نے ایک

دین بھی دوسری جگہ جانا گوارا نہیں کیا اس لئے کہ شیطان بیچ میں آجاتا ہے یہ سب معروضات تدبیرِ ظاہری کے بارے میں کہہ رہا ہوں باقی یوں تو مسبب الاسباب کی تدبیر حقیقی اور اصلی تدبیر ہے سب انبیاء اور اولیاء اسی تدبیر سے کامیاب ہوئے ہیں۔

اب بھی اس سے نا اُمیدی جائز نہیں۔ دعا اور توجہ باطنی یہ بھی باطنی تدبیر میں داخل ہے جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو اہل اللہ کو اس طرف متوجہ فرما دیتے ہیں ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء۔

ایک بات اور مسئلہ کے طور پر کہہ رہا ہوں کہ مسلمانوں کا کوئی بڑا ادارہ جو مسلمانوں کی خدمتِ دینیہ کے لئے موضوع ہوا ہے اس میں ایسے صلحاء یا صالح کا رہنا ضروری ہے جو لوگوں کو حقیقی اصلاح اور حقیقی دین کی طرف متوجہ کرتا رہے تاکہ کسی دور میں وہاں خلو وخلاء نہ ہوجائے۔ ظاہری خدمت کی طرح یہ بھی ضروری ہے۔

میں نے گذشتہ عریضہ میں عرض کیا تھا کہ جناب والا اندر سے کام شروع کریں اور میں باہر سے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بہت کچھ کام ہونے کی توقع ہے۔ الحمد للہ کہ آپ نے کام شروع فرما دیا میں نے بھی جناب والا کا ارشاد پہلے بھی بسمع قبول سنا تھا اور اب بھی اسی طرح سن رہا ہوں امدادِ غیبی منجانب اللہ اور امدادِ باطنی روحانی منجانب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسکا طالب ہوں۔

چنانچہ مدرسہ کے لئے دُعاؤں تو وظیفہ میں داخل ہی تھی تاہم اب خصوصی توجہ کے ساتھ کام شروع کر دیا۔

ایک بات اور عرض کرتا ہوں وہ یہ کہ اُصولی اور بنیادی کام سے ابتدا کرتا ہوں ایسا اقدام ٹھوس اور پختہ ہوتا ہے اور اب تو اسی اُصول پر عقلاء زمانہ بھی آرہے ہیں۔ یہ اُصولی اور بنیادی اُمور بہت ہیں سر دست جس کے ذکر کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ میں اربابِ اہتمام کے ساتھ مزاحمت پسند نہیں کرتا یا کوئی ایسا عمل جس کو وہ اپنے اہتمام کے خلاف تصور کریں بلکہ تجربہ سے اس کو سخت مضر سمجھتا ہوں اسکے تلخ تجربوں کا مشاہدہ کر چکا ہوں اس کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ مدرسہ کے لئے خلاف سمجھتا ہوں ہاں کام کرنے کے لئے راضی ہوں اور

دل سے خدمت کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

"اجازت نامہ"

ابھی میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ضرورت ہے وہاں کوئی مقامی شخص ظاہری و باطنی نگرانی رکھے اس سے کام ہو سکتا ہے تو اس سلسلہ میں ابھی منجانب اللہ یہ بات قلب میں آئی کہ کیوں نہ آپ ہی کے سپرد اس کام کو کر دوں اس لئے کہ کام جب بھی ہوا ہے کسی مخلص ہی سے ہوا ہے اور میں نے آپ کے اندر جس قدر اخلاص پایا کسی دوسرے کے اندر نہیں پایا بلکہ خود اپنے اندر بھی ویسا نہیں پایا۔ جو درد مدرسہ کا آپ کو ہے میں نے کسی دوسرے کے اندر ویسا نہیں دیکھا نہ کسی مدرس میں نہ اور کسی میں۔ اس لئے وہاں کے کام کے لئے زیادہ اہل آپ ہی ہیں۔ اب کام وجود میں آئے یا نہ آئے ہم اس کے مکلف بھی نہیں ہاں اس کے مکلف ہیں کہ کوئی کام ہو اسکے اہل کے حوالہ کیا جائے۔

اہلیت کی شرط اولین اخلاص ہے جو کہ آپ کے اندر بدرجہ اتم موجود ہے ؎

ہر کہ باخلاص قدم می زند عیسیٰ وقت است کہ دم می زند

چنانچہ منجانب اللہ آپ کو توکلاً علی اللہ بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں اور بصیرت سے کہہ رہا ہوں کہ آپ وہاں کام شروع کر دیں یعنی لوگوں کو بیعت کریں اور انکو تعلیم و تلقین فرمائیں۔ اور حضرتؒ کی تصانیف و مواعظ و ملفوظات طلبہ و مدرسین کو سنایا کریں اور آپکی اجازت گویا کہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کی جانب سے ہوگی۔

الحمد للہ کہ آپ میں علماً و عملاً ہر طرح سے صلاحیت و اہلیت موجود ہے جو بنیاد اجازت بنتی ہے آپ میری اس تحریر کو طلبہ و مدرسین کو سنا دیں۔ اُمید ہے کہ مدرسہ کی کایا پلٹ ہو جائیگی اور بزرگان دین کی ارواح خوش ہونگی اور اس باب میں چونکہ مجھے بہت مسرت ہوئی اس لئے آپکی مٹھائی کے لئے ایک حقیر سی رقم مرسل ہے۔

والسلام خوید کم وصی اللہ عفی عنہ۔ الٰہ آباد

۲۷ ذی الحجہ ۸۳ھ

گرامی نامہ استاذ الاساتذہ حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مدظلہ صدر المدرسین دار العلوم ۔ دیوبند

مخدومنا المحترم! دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج شریف

اعزاز نامہ نظر نواز ہوا بلکہ دلنواز ہوا ۔ محترما! میں نے آں محترم کے بارے میں جن جذبات وخیالات کا اظہار کیا ہے وہ کسی تصنع اور بناوٹ کی باتیں نہیں ہیں بلکہ وہ حقائق ہیں جن کا اعتراف کرنا میں اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں ۔ ان خیالات کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ قلبی تاثرات ہیں ۔

میں نے اکابر کی پیروی کو ہمیشہ سے سرمایہ کامرانی دارین سمجھ رکھا ہے اور اس پر مشاہدات وتجربات بھی شہادت دے رہے ہیں کہ سعادت ازلی انھیں اکابر کی پیروی میں مضمر ہے دعا کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ استقامت عطا فرمائیں ۔

مکرما! مجھ جیسے نااہل اور بے مایہ کو آپ نے جس عزت سے نوازا ہے اس کے لئے میرے پاس زبان نہیں کہ اسکا شکریہ ادا کرسکوں ہاں اس سلسلہ میں اپنی چند کمزوریاں آں محترم کے سامنے رکھنا نہایت ضروری سمجھتا ہوں ۔

پہلی چیز جو مجھے اس کام کے عموم سے روکتی ہے وہ تدریسی مشاغل ہیں ۔

دوسرے میں خود کو صفت صلاح سے متصف نہیں پاتا ہوں ۔

تیسری بات طبعی وفطری ہے وہ یہ کہ ہجوم واجتماع سے بہت گھبراتا ہوں ۔ ابتدا سے لیکر آج تک اس مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکی ۔ خلاف مزاج اجنبی لوگوں کی نشست وبرخاست طبیعت پر ایسی گراں گزرتی ہے کہ بارہا تجربہ میں آیا ہے کہ اگر کوئی اجنبی میرے پاس دیر تک بیٹھ جائے تو میری طبیعت مکدر ہوجاتی ہے اور مجھے بخار ودیگر تکلیف جسمانی شروع ہوجاتی ہیں جس کے لئے مجھے ہفتوں تکلیف اٹھانی پڑتی ہے ۔ اس کام میں لوگوں کے ساتھ جن مراحل سے گذرنا ہوتا ہے وہ حضرت والا سے مخفی نہیں ۔ بڑی بڑی ناگواریاں انگیز کرنی ہونگی

ہیں اس کے لئے بھی تیار ہوں مگر اس کبرسنی کے باعث اضمحلال قوت کے دور میں سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکوں گا۔ ہاں چند ایسے لوگوں کو جو بڑے اخفا سے کام لیتے ہیں تعلیم وتلقین کا سلسلہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی اجازت سے جاری رکھتا ہوں مگر عموم جو حضرت کی خواہش ہے اس کے لئے دعا کی ضرورت ہے کہ طبیعت جو اجتماع سے متوحش ہوتی ہے اس کی خوگر ہو جائے۔ اور حکم فرمودہ پر عام طور سے کام کرنے لگوں ان تمام مشکلات کے باوجود میں خود کو کام کرنے پر آمادہ پاتا ہوں۔ یہ آمادگی آپ کی توجہات ودعا کے سہارے ہی قائم رہ سکتی ہے۔

آں محترم کو یاد ہوگا کہ مولانا حبیب الرحمٰنؒ اور حافظ احمدؒ جیسے فاضلین وباہمت حضرات بھی حضرت شیخ الہندؒ کی رہنمائی کے محتاج تھے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد حضرت تھانویؒ گاہے ماہے تشریف لاکر ان حضرات کی پشت پناہی کرتے تھے۔ جب ایسے گرامی حضرات بھی ان اکابر کی توجہ ودعا اور تشریف آوری سے تازہ دم اور مضبوط ہو جاتے تھے تو میں اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود حضرت گرامی سے بالکل ایسی ہی توقعات کیوں نہ رکھوں۔

آخر میں ایک بات اور عرض کروں گا کہ میرا (کسی) سے کسی طرح کا منافشہ نہیں ہے۔ ہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو...... پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور نکتہ چینی اور رخنہ اندازی ان کا شیوہ ہے اس لئے جیسا کہ سابق میں کام کرنے والوں کو ان سے نپٹنا پڑا۔ اسی طرح مجھے بھی اندیشہ ہے کہ کہیں ایسی باتیں جو غیر ارادی طور پر ان لوگوں کے خلاف پڑ جائیں اس سے میرے کام میں رخنہ اندازی نہ ہو جائے۔ اس لئے آپ کی توجہات ودعا کا محتاج ہوں۔

ان سطور میں اپنی کمزوریوں کے پیش خدمت رکھنے کا مقصد صرف آگاہی اور جناب کی بے پناہ بصیرت وحسن تدبیر سے فائدہ اٹھانا ہے اُمید ہے کہ آپ کی توجہات سے پوری طرح نوازا جاؤں گا۔ جس حقیر ہدیہ کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ آپ کی حیثیت سے یقیناً حقیر ہوگا مگر میری نسبت سے وہ خطیر وفراواں ہے۔

والسلام محمد ابراہیم بلیاوی۔ دیوبند ۲۳ محرم ۸۴ھ

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا جواب

بخدمت گرامی جناب حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ بخیریت ہوں گرامی نامہ آج ہی ملا جو بہت مضامین پر مشتمل تھا بہت محظوظ ومسرور ہوا پورے خط کے جواب میں صرف ایک بات لکھنا چاہتا ہوں کہ جب خدا نے یہ کام جناب کے سپرد فرمایا ہے اس کی طرف سے آپ کی اعانت اور امداد بھی ہوگی۔

جو کوئی سامنے آئیگا اپنے منہ کی کھائے گا اب کسی کی مزاحمت چل نہیں سکتی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ طبیعت میں قوت وہمت بیش از بیش عطا فرمائے اور اسی قوت کی برکت سے وہ توحش بھی رفع ہوجائے جو اغیار کی وجہ سے ہوتا ہے بلکہ انشاء اللہ تعالیٰ اغیار بھی اب یار ہی نظر آئیں گے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بھروسہ سے لکھ رہا ہوں وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔

اور ایک بات اس سلسلہ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ توحش کچھ بُرا بھی نہیں ہے بلکہ حال محمود ہے اور آپ کا مذاق اس باب میں الحمد للہ حضرت حاجی صاحبؒ کے مذاق سے متحد ہے امداد المشتاق میں ہے کہ

" فرمایا جب تک کہ اپنے جنس کے لوگ رہتے ہیں طبیعت منبسط اور خوش رہتی ہے اور جب کوئی غیر آجاتا ہے منقبض اور سست ہوجاتی ہے اور چاہتی ہے کہ جلد اسکو رخصت کیجئے۔ انتہیٰ۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

ایک تم سے کیا محبت ہوگئی ساری دنیا ہی سے وحشت ہوگئی

مخلوق سے وحشت خالق سے تعلق کی علامت ہے۔ نیز حضرت سعدیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ " دانا کو نادان سے وحشت ہوتی ہے اور نادان کو دانا سے نفرت "

اس خط میں آپ نے مشاغل تدریسی کو منجملہ عوائق کے فرمایا ہے تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ابتداء میں چونکہ یہ مشغولی تعلق مع اللہ میں خلل ڈالتی ہے اس لئے اس سے وحشت ہوتی ہے لیکن بعد حصول نسبت مع اللہ کے یہ بھی اور اعمال کی طرح مثمر برکات ہوجاتی ہے۔ خلوت در انجمن اسکا حال ہوجاتا ہے آپ بھی اب حالات بدلے ہوئے دیکھیں گے اب تدریس بھی دوسری نوع کی ہوجائے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ سے اب اللہ تعالیٰ مجلس تدریس میں بھی وہ کام لیگا جو مسند ارشاد سے ہوا کرتا ہے۔

آپ کے جواب کا شدت کے ساتھ منتظر اس لئے بھی رہا کہ مجھے یہ فکر تھی کہ شاید بعض مضمون بار خاطر نہ ہوا ہو لیکن آپ کے مکتوب گرامی کے ان جملوں کو دیکھ کر کہ "ناگواریاں انگیز کرنی ہونگی میں اس کے لئے بھی تیار ہوں" نیز یہ کہ "ان تمام مشکلات کے باوجود میں خود کو کام کرنے پر آمادہ پاتا ہوں" بہت مطمئن ہوا۔ جزاکم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء واحسنہ۔

اور بہت مسرت ہوئی یہ معلوم کر کے کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے بھی جناب کو اس کام کے لئے منتخب فرمایا تھا الحمد للہ اپنے وجدان کی تائید حضرت قدس سرہٗ کے قول سے بھی ہوئی اس لئے اور اطمینان بڑھا اور منجانب اللہ ہونے کا یقین ہوا۔

جب اکابر موجود ہوتے ہیں تو آدمی اپنی ذمہ داری نہیں محسوس کرتا اور بعد میں تو یہ ذمہ داری اپنے اوپر عائد ہوتی ہے اس لئے ہر طرح کام کرنا ہے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کامل عطا فرمائے اور اب انجکشن کی ضرورت ہی باقی نہ رہے۔ بات یہی ہے کہ اس کی ایک عادت ہی سی ہوگئی ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ شئے حقیر کو جو عظیم فرمایا تو اس کے متعلق یہی کہہ سکتا ہوں کہ:-

جناب والا نے اس کو شرف قبولیت بخشا یہی انتہائی کرم ہے ورنہ میں کیا اور میری چیز کیا ؏

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی — منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

فقط والسلام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

۲۹ر محرم ۸۴ھ

(اس جواب کے ہمراہ یہ تحریر بھی گئی)

رد بدعات میں ایک مصری عالم شیخ علی محفوظ کی کتاب "الابداع" نظر سے گذری اس میں تہاون بامور الدین کو بھی منجملہ بدع مذمومہ کے شمار فرمایا ہے اچھا مضمون ہے اسے نقل کر کے روانہ کر رہا ہوں اُمید کہ آپ محظوظ ہوں گے۔

ومن البدع المذمومة التهاون بامور الدين حتى اصبح الوسط مختلا والمدرسة الاجتماعية اليوم تعلم النشء فنون الفساد وضروب الضلال (ومن شب على شئ شاب عليه) فاستعصى الداء على المرشدين ولم يفلحوا في تقويم المعوج من اخلاق الامة وتطهيرها من درن الرذائل حتى استولى عليهم اليأس من الاصلاح فاهملوا نصح الامة وتعليمها امر دينها وانضم الى ذلك تلك البدع المشئومة (بدعة حرية الاديان) فكانت من اكبر معاول الهدم لبناء هذا الدين الحنيف فساء الحال وصار كل انسان يرى كل مفعول جائزا لا ادب يمنعه ولا دين يردعه وتمكن اعداء الدين من تضليل العامة باغوائهم بكل ما يستهوى قلوب البسطاء فوضعوا لهم الشباك واحكموها والناس من كل حدب تنسل اليها وهم يعلمون انها ما نصبت الا لاغتيالهم ولكن عدم المبالاة بالدين جعلهم كالانعام بل هم اضل۔

(الابداع ص ۱۰۳)

(ترجمہ برائے ناظرین معرفت) منجملہ اُن بدعات مذمومہ کے جو اس زمانہ میں شائع ہیں

ایک یہ کہ کلاموردین میں لوگ نہایت ہی سست اور لاپروا ہوگئے ہیں یہاں تک کہ شرفاء میں بھی چالبازی آگئی ہے اور ہمارے ادارے اور سوسائٹیاں نوجوانوں کو طرح طرح کے فسادات اور نوع بنوع کی گمراہیاں تعلیم کر رہی ہیں اور ظاہر ہے کہ جو شخص جس حصلت پر پروان چڑھے گا اسی پر بوڑھا ہوگا۔ ان حالات پر ایک مصلح و مرشد پر اُن کی بیماری لاعلاج ہوکر رہ گئی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ اُمت سے اس کی کجی کے دور کرنے میں اور انکو اخلاق رزیلہ کے میل سے پاک وصاف کرنے میں کامیاب نہ ہوئے یہانتک کہ ان کی اصلاح سے مایوس ہوکر انھوں نے اُمت کو نصیحت کرنا اور انکو دین سکھلانا ہی چھوڑ دیا پھر اس بدعت کے ساتھ ایک اور بدعت شنیعہ مل گئی اور وہ ہے مذہب اور دین سے آزادی کی لعنت (یعنی شیطان کا یہ نعرہ کہ آج مذہب ہی ترقی سے مانع ہے اگر دنیا کی ترقی چاہتے ہو تو دین سے آزادی حاصل کرو) چنانچہ اس دین حنیف یعنی اسلام کے قصر کے منہدم کرنے کا سب سے بڑا پھاوڑا یہی ثابت ہوا۔ لوگوں نے اس کی جانب کان لگایا اور سب کا حال تباہ ہوگیا۔ اس کی وجہ سے ہر انسان نے اپنے ہر فعل کو جائز اور مستحسن سمجھا اس لئے جو جی چاہا کیا نہ کوئی ادب انکو اس سے روک سکا اور نہ کوئی دین اس سے باز رکھ سکا ادھر دین کے دشمنوں کو عوام کالانعام کے بھڑکانے کا خوب موقعہ مل گیا اور انھوں نے ہر وہ چیز پھیلانے کی کوشش کی جس کو عوام کا نفس پسند کرتا تھا۔ چنانچہ ان کو پھانسنے کے لئے انھوں نے نہایت خوشنما اور مضبوط جال پھیلائے اور لوگ ہر جانب سے دوڑ دوڑ کر اس کی طرف گرنے لگے۔ حالانکہ وہ (عوام) اس کو بھی خوب سمجھتے تھے کہ یہ ان کو ہی پھانسنے کے لئے بچھایا گیا ہے، لیکن دین سے لاپرواہی اور بے فکری نے ان کو بالکل جانور بنا دیا تھا کہ عقل کی رہنمائی سے قاصر رہے بلکہ ان سے بھی بدتر اور گمراہ تر۔ کیونکہ جانور بھی کبھی جال کو جال سمجھ کر بھڑک جاتا ہے مگر یہ احمق جانتے اور سمجھتے ہوئے ہلاکت میں پڑ گئے۔

(خط علامہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ)

مخدومنا المحترم دامت برکاتہم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی

والانامہ ایک ہفتہ سے زائد ہوا ملا کر سکون وطمانینت کا سبب بنا شوریٰ کی مشغولیت کی بنا پر جواب حاضر خدمت کرنے میں تاخیر ہوئی معذرت خواہ ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کی توجہ کی برکت سے ہمہ گیر نفع دیکھ رہا ہوں شوریٰ میں بھی پہلے کی بہ نسبت میری باتوں کو زیادہ توجہ سے سنا اور قبول کیا اب طبیعت کی وحشت میں بھی ایک گونہ کمی پاتا ہوں صحت بھی الحمدللہ پہلے کی بہ نسبت بہت بہتر ہے۔ جس انجکشن کی ضرورت ہوا کرتی تھی اُسے ابتک استعمال میں نہیں لایا ہوں مگر اسکے نہ لگنے سے طبیعت میں کسی قسم کی گرانی نہیں پاتا۔

شیخ علی محفوظ کی عبارت سے محظوظ ہوا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں تھا دن سے بری ہوں البتہ اختلاف طبع کی بنا پر ممکن ہے کہ سستی ہو جاتی ہو دعا فرمایئے کہ یہ بھی نہ رہے اور اللہ تعالیٰ تمام مراحل میں آسانی وکامیابی عطا فرمائے۔

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ غیر ملکی تمدن نے حریت ادیان کی دبا عام کر دی ہے اور دین سے واقف طبقہ بھی اس کی لپیٹ میں بری طرح آگیا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے۔

والسلام

دعوات صالحہ کا محتاج محمد ابراہیم

۱۲؍صفر ۸۱ھ

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا جواب بقلم خاص

بشرف ملاحظہ عالیجناب مولانا صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمدللہ بخیریت ہوں الحمدللہ کہ میرا خط سکون وطمانینت کا سبب بنا اللہ تعالیٰ

روز بروز بلکہ آناً فاناً اس سکون و اطمینان میں قوت و کیف عطا فرماتا ہے۔

جناب والا نے جو تحریر فرمایا ہے کہ ہمہ گیر نفع دیکھ رہا ہوں مسرت کی لہر تمام رگ و ریشہ میں دوڑ گئی اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں ؎

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

شورہی کی حالت بدلنے سے اور مسرت ہوئی ؎

ایکہ دُر ساختہ قطرۂ بارانی را
می توانی کہ دہی اشک مرا حسن قبول

طبیعت کے رنگ میں بھی تبدیلی اسی حسن قبول کا اثر ہے۔ صحت سے بھی بہت بہت مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ کامل صحت کے ساتھ رکھے اور تائید غیبی شامل حال رہے۔ دیگر مضامین جو یہاں سے گئے تھے قبول ہوئے اطمینان ہوا انشاء اللہ تعالیٰ حالات روز بروز اچھے ہی ہوتے جائیں گے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

ایک بات لکھنے سے رہ گئی۔ کچھ احباب بیٹھے تھے اثنائے کلام میں میں نے کہا کہ (کسی کام کے لئے بھی) تین چیزوں کی ضرورت ہے۔ اخلاص۔ اخلاق اور نظم چونکہ لوگوں نے پسند کیا اس لئے لکھتا ہوں شاید قبول خاطر اقدس ہو۔

خورد مکرم۔ وصی اللہ عفی عنہ
الہ آباد

اواخر صفر ۷۴ھ

ایک مولوی صاحب کا خط حضرت والا کے نام جس سے حضرت علامہؒ اور حضرت مصلح الامۃؒ کے باہمی تعلقات پر مزید روشنی پڑتی ہے

حال۔ حضرت والا کے ذمودات میں نے علامہ مدظلہ تک پہونچا دئے بڑے غور سے سنا اور فرمایا کہ جواب میں ایک کارڈ لکھدو مگر تاہنوز ان سے ایسی ملاقات نہ ہو سکی جس میں انشراح ہو اور مضمون مکتوب بتا دیں کہ میں اسے لکھوں۔ آج بھی صبح گیا تھا مگر

ملاقات نہ ہو سکی۔

تحقیق۔ مکتوب آ گیا اور مسرت بخش تھا۔

حال۔ ویسے حضرت والا کی قدر و عزت اُن کے دل میں پوری طرح ہے۔

تحقیق۔ بے شک ہے اللہ تعالیٰ انکو عزت و قدر دے۔

حال۔ اور کسی بات کو لکھتے اور کہتے ڈرتے ہیں کہ کہیں کوئی بات خلاف مزاج نہ ہو جائے۔ اور تکدر کا باعث نہ ہو۔

تحقیق۔ یہ محبت ہے۔

حال۔-------- اُن کے کلام کا انداز اخفاء و تستر ہے۔

تحقیق۔ ان اللہ تعالیٰ اوحیٰ الی موسیٰ قُل لبنی اسرائیل تخفوا لی اعمالھم وعلیّ ان اظہرھا

یہ مذاق اس حدیث کے موافق ہے۔

حال۔ چاہتے ہیں کہ حضرت والا کے حکم کے مطابق کام شروع کریں مگر مکتوب میں جس بات کا اظہار کر چکے ہیں وہی بات ان کو طبعی طور پر ابھی اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔

تحقیق۔ اس کے متعلق لکھ چکا ہوں۔ آپ لکھ رہے ہیں اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے یہ بے ادبی ہے آپ کو یہ کہنے کا کیا حق ہے میں نے ان کو اجازت دی ہے۔

حال۔ کہہ رہے تھے کہ بھائی ان کی توجہ کی برکت سے ہر چیز میں نفع معلوم ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ابھی آپ نے کیا دیکھا ہے انکا تعلق آپ پر جو نعمتیں باقی رہ گئی ہیں انکی موسلا دھار بارش کا سبب بنے گا۔

تحقیق۔ سچ کہتے ہو۔

حضرت علامہ کا ایک خط اور اس کا جواب

(اس درمیان میں حضرت علامہؒ کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی تھی شب میں بخار ہونے لگا۔ حضرت والاؒ کو مطلع فرمایا اور تفصیلی جواب سے معذرت چاہی اور دعا کی درخواست کی۔

حضرت اقدسؒ کی جانب سے جواب گیا کہ۔)

یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ عریضہ مسرت بخش وفرح نواز ہوا۔ جب اطمینان اور انشراح ہو۔ بہتر ہے اسی وقت جواب مرحمت فرمایا جائے۔

شب میں بخار آنے کا حال معلوم کرکے تردد ہوا۔ ضعف پیرانہ سالی اور دن کے مشاغل شاید اسکا باعث ہوتے ہوں۔ دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ صحت کاملہ اور پوری قوت کام کرنے کی عطا فرمائے۔

ایک عرض یہ ہے کہ چونکہ جناب والا کو مسرت ہوئی لہٰذا بندہ کو اس مسرت سے مسرت ہوئی۔ مزید مسرت کے حصول کے خیال سے ایک حقیر رقم ہدیۃً ارسال خدمتِ والا ہے قبول فرماکر ممنون فرمادیں۔

والسلام خیر ختام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

۱۱ ربیع الاول ۸۴ھ

اس کے جواب میں علامہؒ کا یہ خط آیا

عریضہ کے ارسال کے ساتھ ہی بخار میں کمی ہوگئی اور الحمدللہ آپ کی دعا و توجہ کی برکت سے بالکل تندرست ہوگیا ہوں۔ میں حضرت والا سے صرف توجہ و دعا کا محتاج ہوں اور اسی کو اپنے لئے خیر دنیا و آخرت نیز سعادتِ ازلی کا سامان سمجھتا ہوں۔

گرانمایہ ہدیہ کے لئے گرانبار ہوں اس سے اظہار حالات میں خدانخواستہ حجاب نہ پیدا ہوجائے۔ بہرحال آپ کی مسرت وخوشنودی مقدم سمجھتا ہوں۔ جوبات قلب پر وارد ہوئی اس کا اظہار کردیا۔

حضرت والا کے مکتوب کا مفصل جواب انشاء اللہ جلد ہی بھیجوں گا۔

والسلام۔ محمد ابراہیم

حضرت مصلح الامتہ رح کا جواب

بخدمت حضرت استاذی المکرم والمعظم دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بعافیت ہوں آپ کی صحت کی خبر سے بیحد مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ مزید قوت کے ساتھ تندرست رکھے آمین۔ یہ دعا تو گویا اپنے وظیفہ ہی میں شامل ہے میرے پیش نظر تو آپ سے تعلق کی وہی حیثیت تلمذ ہے اور آپ کو جو تعلق مجھ سے ہوا اس کو تو بس اللہ تعالیٰ کا فضل اور انکی مہربانی ہی سمجھتا ہوں اور اپنے لئے باعثِ سعادت تصور کرتا ہوں اسی نسبت کے تقاضے پر کبھی کوئی عمل بھی ہو جاتا ہے۔ باقی جناب والا کی قلب کی گرانباری و حجاب کا ضرور خیال رکھوں گا اور اس کی صدق دل سے معافی مانگتا ہوں۔ خط کا انتظار ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت اور انشراح کے ساتھ تکمیل کا موقعہ عطا فرماویں۔

والسلام خیر ختام خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

۱۹ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ۔ الہ آباد

خط حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب رح

مخدومنا المحترم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ عزت اور مسرت کا سبب بنا۔ جناب والا کی توجہ اور برکات کے اثرات مجھے روز روشن کی طرح نظر آرہے ہیں اور مجھے جناب محترم کی عظمت و قوت نسبت کا پوری طرح اعتراف ہے اس لئے چاہتا ہوں کہ جہاں جناب محترم کی توجہ سے اس ادارہ میں

خاطرخواہ اصلاح و تبدیلی ظہور پذیر ہوگی وہیں مجھے اپنی صلاح دنیا وآخرت کی بھی سخت ضرورت محسوس ہورہی ہے۔

اب جب کہ زندگی کے گنے چنے چند دن باقی رہ گئے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپکی توجہ اور دعا کی برکت سے میرا معاملہ خدا کے ساتھ مزید استوار ہوجائے اور اس کی پختگی کی راہیں نکل آئیں اور اخروی زندگی جو حقیقی زندگی ہے اس کی بہتری کی مزید راہیں کھل جائیں۔

جناب والا کی ہدایت اور منشا کے مطابق اخفا کو کسی قدر اظہار میں تبدیل کرنے میں کامیاب ہوگیا ہوں اور اب فرض کے علاوہ سنتیں بھی بسا اوقات مسجد ہی میں ادا کرلیتا ہوں لیکن ابھی وحشت میں خاطر خواہ تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

چونکہ ہماری جماعت کے شیوخ میں سے اکثر نے وہ راہ اختیار کرلی ہے جس کے خلاف سنت وطریقت ہونے میں ذرا بھی تامل نہیں ہے اور عوام کا مزاج خرافاتی باتوں اور پیروں میں اعتقاد رکھتا ہے اس لئے مسلک دیوبند جیسے اکابر نے سنت و طریقت کو اُجاگر کرنے کے لئے اختیار کیا تھا۔ خود نام نہاد اختلاف کے ہاتھوں تباہ ہورہا ہے.......... مجھے یقین ہے کہ مشائخ کی غلط بیں و غلط روی کی بیخ کنی کے لئے اور ہمارے اسلاف کے طریقہ کو پھر سے واضح کرنے کے لئے باری تعالیٰ نے آپکو چنا ہے اور اس کی عنایات آپ پر اس سلسلہ میں بے پناہ ہیں اس لئے دعا اور توجہ کے ساتھ ساتھ ظاہری تدبیر کے لئے بھی جناب محترم کی ہدایات و رہنمائی کی درخواست کروں گا تاکہ بدنام کنندگان نکو نامے چند کا پوری طرح قلع قمع ہوسکے اور پھر وہی سنت خالصہ کا طریقہ مسلمانوں میں رائج اور پسندیدہ ہوجائے۔

حضرت گرامی کی اجازت سے پہلے جو اجازت ملی تھی وہ صرف سلسلہ چشتیہ میں ہے یہ بات واضح نہ ہوسکی کہ آنجناب کی طرف سے جو اجازت ہے وہ سلاسل اربعہ میں ہے یا صرف سلسلہ چشتیہ میں ہے۔

بعض اوقات بعضے حضرات نقشبندی طریقہ میں بیعت چاہتے ہیں اس لئے وضاحت

اور اطمینان کے لئے یہ سطریں ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ میرے متعلقین خصوصاً پوتوں کی صلاح و اصلاح کے لئے حضرت والا کی توجہ کی ضرورت ہے تاکہ وہ بھی اس خیر کثیر سے آپ کی برکت سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ امید کہ حضرت گرامی کا مزاج معہ متعلقین بخیر ہوگا دعا و توجہ کا طالب ہوں۔

والسلام

محمد ابراہیم

اوائل ربیع الثانی ۸۴ھ

نوٹ:۔ ہنوز حضرت والاؒ کی جانب سے اس کا جواب نہ گیا تھا کہ تیسرے دن حضرت علامہؒ کا ایک دوسرا خط بھی ملا۔

حضرت علامہ محمد ابراہیمؒ کا دوسرا خط

پرسوں ایک عریضہ برائے رفع تشویش خاطر حاضر کر چکا ہوں اور آنمحترم کی عظمت اور قوت نسبت کا پوری طرح معترف ہوں۔ مدرسہ کے حالات تدریجی طور سے روبہ صلاح ہیں اور یہ تدریجی ترقی ہی کامیابی کی ضمانت ہے بقول حضرت شیخ الہندؒ گلے کا گھٹا ہوا ارام آہستہ آہستہ ہی نکلتا ہے۔ حالات بہت بگڑ چکے ہیں اس لئے اس میں تدریجی اصلاح ہی سے کام چلے گا میرے حالات بھی اچھے ہیں اور سارے تغیرات خواہ مجھ میں ہوں یا مدرسہ میں صرف آپ کی توجہ اور دعا کی برکت سے ہو رہے ہیں۔ میری زندگی کا پورا حصہ ع "اے کہ عمرت گذشت در خوابی" کا صحیح مصداق ہے اس لئے ان دنوں میں جب کہ عمل میں کسل پیدا ہو جاتا ہے۔ آپکی توجہ مزید و دعا مزید کا زیادہ سے زیادہ محتاج ہوں۔ ابھی تک آخرت کے لئے کچھ نہیں ہو سکا ہے امید ہے کہ آپ کی برکت سے۔ ع "شاید ایں چند روز دریابی" کا مصداق ہو جاؤں۔

جو تین اصول حضرت والا نے تحریر فرمائے ہیں وہی حقیقت میں ہر کام کی بنیاد ہیں اُن کے بغیر کوئی کام انجام تک نہیں پہنچتا۔ اگرچہ ان میں باہم ترتیب ہے۔ اخلاص

اعمال کی بنیاد ہے جہاں یہ چیز ملی بنیاد سنگین پڑ گئی۔ اخلاص کے بعد سب سے زیادہ ضروری چیز اخلاق ہے جس سے اس کی دیوار تعمیر ہوتی ہے اور نظم بمنزلہ چھت کے ہے۔ غرض کوئی عمل بغیر ان تینوں اُصول کو اپنائے تمام ہی نہیں ہوتا اسلئے حضرتِ والا کا یہ فرمانا بجا ہے کہ ان تینوں چیزوں کی ضرورت ہے۔

اپنی صلاح و فلاح کے ساتھ میں اپنے خاندان کے ہر فرد کی صلاح و اصلاح کی سخت ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ حضرت والا اُن کے لئے بھی دعا فرمائیں کہ انکا حال بھی بدل جائے اور پوری طرح دینداری ان میں بھی آجائے۔

والسلام۔ محمد ابراہیم

(تخمیناً) ۷ ربیع الثانی ۸۴ھ

حضرت مصلح الامتہؒ کا جواب

حضرت مولانا دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ آج لفافہ ملا دو روز قبل کارڈ صادر ہوا تھا۔ خیریت مزاج والا سے خوشی ہوئی۔ مدرسہ کے حالات کی اصلاح سے بھی خوشی ہوئی ترقی بتدریج ہی پائیدار ہوتی ہے۔ میں نے اصول جو لکھے تھے ان کی خوب شرح فرمائی۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

میری نسبت جو کلمات مدحیہ ارشاد فرمائے ہیں ان کو فال نیک سمجھ کر خوش ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اسکی دعا جناب والا کیلئے کرتا ہوں میں نے اجازت چاروں سلسلوں میں دی ہے صرف چشتیہ یا نقشبندیہ میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی برکات نصیب فرمائے اور سب خاندان حضرت والا کے لئے دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ سب کو دیندار بنادے۔ آمین

والسلام خیر ختام خویدکم

وصی اللہ عفی عنہ ۱۰ ربیع ۲ ۸۴ھ

لگا ہے تو اب اس کے مفہوم اور مصداق کے بھی سمجھنے کی فکر ہوگی اور جب یہ فکر بڑھے گی تو زبان سے قلب میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ اتر ہی جائے گا۔

دین کے لئے اخلاص نہایت ضروری چیز ہے عمل بغیر اس کے مقبول ہی نہیں لیکن علماء طریق نے فرمایا ہے کہ جس طرح یہ ہوسکتا ہے کہ علم ہو عمل نہ ہو اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علم وعمل دونوں ہی ہوں مگر اخلاص نہ ہو چنانچہ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ

سئل محمد بن فضل ما علامة الشقاوة فقال ثلاثة اشياء يرزق العلم ويحرم العمل ويرزق العمل ويحرم الاخلاص ويرزق صحبة الصالحين ولا يحترم لهم ـــــ وسمعت محمد بن فضل يقول ذهاب الاسلام من اربعة لا يعملون بما يعلمون ويعملون بما لا يعلمون ولا يتعلمون بما لا يعلمون ولا يمنعون الناس من التعلم (قشيريه)

ان امور ثلثہ اخلاص، اخلاق، نظم کے متعلق اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انمیں سے اخلاص تو سب کی اصل ہی ہے حتیٰ کہ ایمان واسلام کی قبولیت بھی اسی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ احسان انکی قبولیت کی اصل ہے۔

صاحب مرقاۃ لکھتے ہیں کہ

الاحسان قيل اراد به الاخلاص فانه شرط فى صحة الاسلام والايمان۔

اور علامہ نووی نے اپنی کتاب الاذکار میں فصل فى الامر بالاخلاص وحسن النيات میں آیۃ لن ينال الله لحومها ولا دماءها ولكن يناله التقوى منكم اسی کو لائے ہیں اور اس کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

معناه ولكن يناله النيات منكم۔ اور اس کے بعد حدیث انما الاعمال

(دوسرے ہی دن تفصیلی خط)

حضرت علامہ رحؒ کے نام گیا

مکرمی و محترمی جناب حضرت مولانا دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ہی عریضہ ارسال کرچکا ہوں لیکن بعض اُمور بعد میں ذہن میں آئے، اس لئے انھیں عرض کرتا ہوں۔

میں نے گذشتہ عریضہ میں جو کام کرنے کے اصول ثلثہ عرض کئے تھے یعنی اخلاص اخلاق اور نظم اور آنجناب نے اپنے گرامی نامہ میں اس کی پسندیدگی کا بھی اظہار فرمایا تو اس کی وجہ سے بہت قوت آجاتی ہے اور کام کی ہمت بندھ جاتی ہے۔ ورنہ یہی خیال لگا رہتا ہے کہ معلوم نہیں بات ٹھیک بھی سمجھ میں آئی یا نہیں اور جب کسی بزرگ کی تائید مل جاتی ہے تو پھر کامل انشراح ہوجاتا ہے اور کچھ عرض کرنے کی بھی جراءت ہوتی ہے۔

ایک بات اس وقت عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میں نے جہانتک لوگوں کے حالات میں اس بات پر غور کیا ہے کہ آخر ہمارا کام کہاں سے خراب ہوا تو اس نتیجہ پر پہونچا کہ بزرگوں کے پاس جو لوگ جمع رہتے ہیں ان میں بالعموم مخلص بہت ہی کم ہوتے ہیں اسکا بزرگوں کے یہاں بھی مشاہدہ کیا اور اب تو خود اپنا تجربہ بھی ایسا ہی پایا، یعنی یہ لوگ بزرگوں کو صرف اپنے ظاہر سے خوش رکھتے ہیں اور دل سے انکے معتقد تک نہیں ہوتے بلکہ بعض کو تو انکا بالکل مخالف تک دیکھا گیا۔ جب اسکو دیکھتے دیکھتے طبیعت عاجز ہوگئی تو پھر میں نے بھی اپنے یہاں اخلاص اخلاص کہنا شروع کردیا اور یہ سمجھتا تھا کہ اسکا مصداق اور اسکا معنی قلب میں اُتارنا آسان نہیں ہے تاہم اسکا یہ نفع بھی دیکھا کہ جہاں لوگوں نے اسکو بالکل ہی فراموش کردیا تھا وہاں اب انکی زبانوں پر اسکا نام آنے لگا اس سے امید ہوئی کہ جب زبان پر آنے

بالنیات لائے ہیں اور اس کے متعلق فرمایا ہے کہ

هذا الحديث صحيح متفق على صحته مجمع على عظم موقعه وجلالته وهذا احد الاحاديث التى عليها مدار الاسلام۔ وكان السلف وتابعوهم من الخلف رحمهم الله يستحبون استفتاح المصنفات بهذا الحديث تنبيهاً للمطالع على حسن النية واهتمامه بذالك والاعتناء به۔ پھر کچھ آگے فرمایا ہے کہ

وبلغنا عن ابن عباس رضی قال انما يحفظ الرجل على قدر نيته وقال غيره انما يعطى الناس على قدر نياتهم۔

اور اخلاق کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس کے اصل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ

قول معروف ومغفرة خير من صدقة يتبعها اذىً

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

انكم لا تسعون الناس باموالكم ولكن ليسعهم منكم بسط الوجه وحسن الخلق۔

اور میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ جس طرح مال کا درجہ حسن خلق سے کم ہے اسی طرح علم سے بھی اسکا درجہ کم ہے۔ حدیث میں ہے کہ مثل علم لا ينتفع به كمثل كنز لا ينفق منه فى سبيل الله اس سے نکلا کہ مثل علم ينتفع به كمثل كنز ينفق منه فى سبيل الله۔ اور یہ ظاہر ہے کہ علم میں جس قدر وسعت اور عموم ہے وہ مال میں متصور نہیں۔

حضرت سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ کیونکہ حسن خلق اور تمام اعمال نافلہ سے افضل ہے۔ مثل مشہور ہے کہ

اذا لم تسع الناس بمالك فسع الناس بخلقك۔

اور تنظم کے اصل ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نہایت ہی بانظم تھے۔

شمیم الحبیب میں ہے کہ لکل حال عندہ عتاد۔ یعنی ہر حالت کا آپ کے یہاں ایک خاص اہتمام تھا معتدل الامر غیر مختلف آپ کا ہر معمول نہایت اعتدال کے ساتھ ہوتا تھا اس میں بدانتظامی نہیں ہوتی تھی۔ آپ کے انتظام کا تو یہ حال تھا لیکن باوجود اس کے کہ منتظم آدمی ذرا سخت مشہور ہوجاتا ہے۔ حضرات صحابہ کو آپ سے کوئی شکایت نہ تھی بلکہ سب کے سب آپ کے اخلاق کے مداح اور آپ سے بہت خوش تھے آپکا یہ انتہائی کمال تھا کہ آپ کامل النظم ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کے حسن الخلق بھی تھے جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ انك لعلی خلق عظیم اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہے کان خلقہ القرآن اور آپ کے اخلاص کو تو پوچھنا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ سے آپ کا اخلاص جیساکچھ تھا اس کا تو اندازہ بھی مشکل ہے۔ ولنعم ماقال حسان رضؓ ؎

لہٗ ھمم لا منتھیٰ لکبارھا — وھمتہ الصغریٰ اجل من الدھر

لہٗ راحتہ لوان قطرۃ وجودھا — علی البرکان البرا مدیٰ من البحر

دوسری گذارش یہ ہے کہ جناب والا نے حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی جانب سے بھی اجازت کا جو تذکرہ فرمایا تھا تو اب جی یہ چاہتا ہے کہ حضرت اس اجازت کو اب سب لوگوں پر ظاہر فرمادیں اور اس کے بعد یہ بھی فرمادیں کہ فلاں کے واسطے سے گویا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اجازت ہوگئی ہے۔ مجھے تو امید قوی ہے کہ اسکا بین نفع علی روس الاشھاد ملاحظہ فرمائیں گے۔

ایک بات یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انسان کو جتنا زیادہ بزرگوں سے تعلق ہوتا ہے اسی قدر زیادہ وہ ان بزرگ کے فیوض کا مورد ہوگا۔ چنانچہ میں نے چاروں سلسلہ میں جو اجازت دی ہے تو اس لئے کہ سب بزرگوں سے نسبت اور تعلق ہونے کی وجہ سے سب کے فیوض وبرکات حاصل ہوں۔

———

(حضرت مصلح الامۃؒ کے جواب کا بقیہ)

جناب والا نے اپنے خاندان والوں کے متعلق جس فکر کا اظہار فرمایا ہے اُس سے بہت ہی زیادہ مسرت ہوئی اس لئے کہ اس زمانہ میں اس چیز کی کمی دیکھ رہا ہوں ۔ لوگ دوسروں کے بارے میں تو چاہتے ہیں کہ دیندار ہو جائیں چنانچہ اس کے لئے بہت بہت سعی بھی کرتے ہیں مگر اپنے گھر والوں کو دیندار بنانے کی اتنی فکر نہیں ہوتی ورنہ تو اگر فکر ہو تو اُن کی بھی کچھ نہ کچھ اصلاح ہو ہی جائے ۔ مگر بات وہی ہے کہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے خیال کرتے ہیں کہ اپنے گھر کے لوگوں سے تو تعریف وغیرہ کچھ ملتی ملاتی ہے نہیں اس لئے اُنکی کیا فکر کریں اور کیوں بلا وجہ مفت کی دردسری مول لیں ۔ چونکہ حالات کچھ اس طرح کے مشاہد ہیں اس لئے جناب والا کے ارشاد کی بڑی قدر ہوئی سب کے لئے دعا کرتا ہوں ۔ اللہ تعالیٰ اپنی مرضیات پر سب کو چلائے اور آپ کے لئے اُنکو قرۃ العین بنائے ۔

اور جب کہ آپکو ان کی اصلاح کی فکر ہو گئی ہے تو اُن کی اصلاح بھی انشاء اللہ تعالیٰ ہو ہی جائے گی ۔ اس سلسلہ میں اتنا اور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مدرسہ میں بھی الحمدللہ کام ہو رہا ہے آپ نے توجہ فرما دی ہے اس لئے اور زیادہ کام کی اُمید ہے عرض یہ کرنا ہے کہ مدرسہ بیس پچیس برس سے بزرگوں کی توجہ سے خالی تھا اور گویا کہ ایک طرح بگڑ ہی چکا تھا اگر آپ کی توجہ عالیہ سے سدھر سنور گیا اور اسکا بگاڑ مبدل بہ بناؤ ہو گیا تو اس میں شک نہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ اور دیگر اکابر کی روح آپ سے خوش ہی ہو جائے گی اور یہ آپ کا ایک ایسا کارنامہ ہوگا جو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو سرخروئی کا ذریعہ بنے گا انشاء اللہ تعالیٰ ۔

خط میں جناب والا نے یہ شعر جو تحریر فرمایا ہے ؎

ایکہ عمرت گذشت درخوابی   شاید این چند روز دریابی

بہت ہی لطف دے گیا اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ تمام بزرگوں کو یہ حال پیش آتا ہے یعنی جب حق تعالیٰ سے صحیح نسبت کے بعد یہ حضرات اپنے گذرے ہوئے اوقات کا جائزہ لیتے ہیں تو اپنی سابق غفلت پر بہت ہی زیادہ نادم اور پشیمان ہوتے ہیں اور انتہائی رنج اور افسوس کے ساتھ یہی کہتے ہیں کہ ع

ایکہ عمرت گذشت درخوابی

اسی بنا پر حضرت مشائخ کا یہ ارشاد ہے کہ

من استوی یوماہ فھو مغبونٌ۔

والسلام کمسک الختام خیر ختام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

(۱۳؍ ربیع ۲ ۷۴ھ ہجری - الہ آباد)

ناظرین کرام حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ اور حضرت مصلح الامت رحؒ کی مکاتبت سے خوب لطف اندوز ہو رہے ہونگے لیکن افسوس کہ آپ کے تسلسل مطالعہ میں کچھ رخنہ پڑ جائے گا جس کے بغیر چارہ نہیں۔ بات یہ ہوئی نقل خطوط کے رجسٹر اور مسودات کے ذخیرہ میں دو تین خطوط بعض دوسرے حضرات کے نظر سے گذرے جو بظاہر نام سے تو دوسروں کے تھے لیکن مضامین اُس کے حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ ہی سے متعلق تھے۔ موقعہ اُنکا گذر چکا تھا لہٰذا اب اس کی دو ہی صورت تھی ایک تو یہ کہ ختم مراسلات پر اس کو ضمیمہ بنادیا جاتا یا یہ کہ اسی وقت درمیان میں اُسکو بھی پیش کر دیا جائے چنانچہ یہی دوسری صورت انسب معلوم ہوئی کیونکہ یہ سب خطوط گذشتہ مکتوب سے ۲ یا ۳ ہی ماہ قبل کے ہیں اس لئے بہت زیادہ بے ربطی بھی نہ ہوگی۔

جب حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علامہؒ کو بیعت و تلقین سے متعلق اجازت نامہ ارسال فرمایا جو کہ سال رواں کے ماہ فروری کے صفحہ ۳۰ پر درج ہے تو اس کے فوراً ہی بعد ایک ہدایت نامہ اپنے ایک خادم کے نام (جو کہ حضرت

علامہؒ کے شاگرد رشید بھی ہیں) راقم سے لکھوایا جس میں انھیں ہدایت فرمائی کہ اسے حضرت علامہ کو بھی سنا دیں. پس اسکا صحیح مقام تو اجازت نامہ والے مکتوب کے بعد ہی تھا کہ اُس کی اور اسکی تاریخیں قریب قریب ایک ہی ہیں لیکن اس بھول کی وجہ سے اب اس کو یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

ھدایت نامہ

عنایت فرمائے من۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا مدظلہ العالی نے فرمایا ہے کہ:۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی کے خط کا جواب ......رجسٹری سے جارہا ہے مولانا آپ کو سنائیں گے ہی. آپ سے یہ کہنا ہے کہ حضرت والا دامت برکاتہم نے مولانا موصوف کو بیعت وتلقین کی اجازت مرحمت فرمائی اسکا ذکر آپ بھی اپنے حلقۂ احباب میں کردیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے اور اس امر کی تشہیر ہوجائے اور حسب موقعہ حضرت مولانا کے گوش گذار اِن اُمور مذکورہ ذیل کو فرمادیں تاکہ بصیرت کا سبب بنے۔

۱۔ حضرت والا مدظلہ نے فرمایا ہے کہ مجھے معلوم ہے کہ وہاں کے تقریباً سب ہی مدرسین بیعت فرماتے ہیں اور مولانا باین فضل وکمال اور عظمت ومقبولیت کے جو اُنکو حاصل ہے ابتک اس سے علیحدہ رہے۔ یہ مولانا کی غایت تواضع تھی۔ بہرحال اب طریقہ بدل دیں اور خوب بیعت کریں اور ذکر واذکار کی تلقین کریں۔ اس کو وہاں کی اصلاح کا مقدمہ اور پیش خیمہ سمجھتا ہوں۔ اب اس سلسلہ میں تواضع سے کام نہ لیں۔

۲۔ موقع سے حضرت والا کا طریقہ بیان فرمادیجئے کہ فتنہ وفساد سے برابر الگ رہتے

ہیں چنانچہ ترک وطن بھی اسی کے نتائج میں سے تھا۔

۳۔ حضرت والا مدظلہ نے فرمایا ہے کہ میں نے گو اُصول یہ طے کر رکھا ہے کہ ہر جگہ کے عظیم المرتبت لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھوں تاہم یہ بھی تجربہ میں بار بار آیا ہے کہ جہاں اور جس جگہ حضرت نے کام کا ارادہ کیا ابلیس نے اپنی پوری ذریت کے ساتھ ردِ عمل کے لئے اپنا پورا زور صرف کیا۔ یہی اپنے وطن میں دیکھا۔ گورکھپور میں دیکھا اور آپ کے وطن میں دیکھا اور ابتدائً یہاں بھی دیکھا اور حوادث اور واقعات سے چونکہ نصیحت لیتا ہوں اور اسی پر اپنے کام کی بناء رکھتا ہوں اس لئے کسی نئی جگہ جانے سے بہت گھبراتا ہوں کہ خدا معلوم کہاں کیا ہو جائے۔ خیر یہ باتیں تو آپ کو یاد دلائیں کہ ایام ماضیہ بھی ذہن میں رہیں۔ اب تو کام کی نوعیت ہی دوسری ہو گئی ہے آپ وقتاً فوقتاً اس کو عمل میں بھی لانے کے متعلق عرض کرتے رہئے گا۔

۴۔ انشاء اللہ تعالیٰ اتصال سلسلہ کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری توجہ اور مشائخ سلسلہ کی جانب سے بھی امداد باطنی حاصل ہو کر مولانا کے لئے سبب تقویت بنے گی۔ مولانا نے جس تواضع کا ثبوت دیا اب اس کے بعد کونسی حالت منتظرہ باقی رہجاتی ہے اور اس قسم کے حضرات بھی اگر کام نہ کر سکیں گے تو کام آخر چلے گا کیسے؛ نہ تو فرشتے ہی آدیں گے اور نہ اب انحطاط زمانہ کی وجہ سے اس سے زیادہ اکمل حضرات کے ملنے کی توقع بجز کام کیسے ہوگا۔ لامحالہ انھیں حضرات کو کام سنبھالنا ہے۔

۵۔ آپ حضرت مولانا کے گوش گذار یہ بات بھی ضرور فرمادیں کہ سابق معاملات سے بھی اور حالیہ مکتوب میں طرزِ خطاب سے مجھے اندازہ ہوا کہ مولانا کو مجھ سے کس درجہ عقیدت ہے۔ ایسی تو میں نے کسی میں دیکھی ہی نہیں۔ اس لئے اس سے مجھ کو نفسانی نہیں بلکہ روحانی مسرت ہوئی اور میں نے یہ سمجھا کہ مجھے ضرور اجازت دینی چاہئے ورنہ تو اجازت وغیرہ کے باب میں میں بہت بخیل ہوں جلدی سے کسی کو اجازت دیتا نہیں مگر مولانا کا حال یہ دیکھا تو دیانتہً یہ ضروری معلوم ہوا کہ جس امانت کا مجھے بزرگوں نے حامل بنایا ہے میں

بھی اسکا تعدیہ کردوں اور اہل کے حوالہ کردوں چنانچہ یہ خیال کرکے دو بالا خوشی محسوس کررہا ہوں کہ اجازت برمحل ہوئی کیونکہ اس کی ابتداء مولانا ہی سے ہوئی اور دیوبند جیسی جگہ سے ہوئی۔ یوں نفع پہونچانے والے حق تعالیٰ ہیں اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے اور جانبین کے لئے اس کو موجب سعادت بنادے۔ آپ اس مضمون کو حضرت مولانا کو ضرور سنادیں والسلام بقلم یکے از خدام

(اواخر ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ)

یہی وہ خط ہے جو حضرت والا کے ایک خادم کے توسط سے حضرت علامہؒ کے ایک شاگرد (جو مدرسہ کے مدرس بھی ہیں ان کے) نام گیا جس میں حضرت علامہ کو بھی سنادینے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہؒ مدرسہ میں پیش آنے والے بعض ناخوشگوار واقعات سے متاثر ہوئے اور اپنے تاثرات کا اظہار حضرت مصلح الامۃؒ سے بھی فرمایا۔ حضرتؒ نے پھر انھیں مولوی صاحب کے نام خط لکھوایا جس کا تمامتر مضمون حضرت علامہؒ ہی سے متعلق تھا۔ وھو ھذا

عنایت نامہ

مکرمی جناب مولوی .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا بلیاوی مدظلہ العالی کے تفصیلی خط کا انتظار ہی تھا کہ ایک کارڈ پھر ملا۔ حالات کا علم ہوا آپ حضرت مولانا سے مل کر یہ کہدیں کہ آنجناب نے جو تاثرات ارقام فرمائے ہیں ان سے مجھے بھی رنج ہوا۔ میں بھی اگر آپ کی جگہ ہوتا تو اس سے کم متاثر ومغموم نہ ہوتا۔ مگر اس قسم کا تاثر مذموم نہیں ہے بلکہ یہ طریق اصلاح کا عقبہ ہے جس سے ہر مصلح کو گذرنا ناگزیر ہوتا ہے۔ حالانکہ سید المصلحین صلی اللہ علیہ وسلم تک کو یہ پیش آیا ہے۔ اس لئے بعد میں آنیوالے تمام مصلحین امت کے لئے یہ سنت ہی

قائم ہوگئی ہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس قسم کا تاثر ہوتا تھا۔ چنانچہ بعض دفعہ کسی کو یہ تحریر فرمادیتے تھے کہ اپنے کو آپ سے ملاقات میں معذور پاتا ہوں۔ اسی طرح مجھے بھی اپنے کام کے سلسلہ میں برابر یہی پیش آتا رہتا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں اسی قسم کی ایک بات پیش آئی کہ میں یہاں سے ناخوش ہوکر قریب کے ایک دیہات میں چلاگیا مگر کام کرتے کرتے لوگوں کو اس حد تک لایا ہوں کہ کوئی اب میرے اس قسم کے فعل پر انکار یا اعتراض نہیں کرتا بلکہ یہ معلوم کرکے کہ کس کی وجہ سے یہ صورت پیش آئی ہے اُسی کو لوگ اسقدر لعنت و ملامت کرتے ہیں کہ وہ معافی چاہنے اور معاملہ صاف کرانے پر مجبور ہو جاتا ہے لیکن یہ ماحول اور ایسی فضا بنتے بنتے بنی ہے یہی حال وطن میں بھی تھا گو مجھے اس کے بنانے میں اول اول تعب و مشقت برداشت کرنی پڑی مگر بالآخر میں ہی کامیاب ہوا۔ اور اصلاح کے لئے زمین ہموار ہی کرلی۔

ان تجربات کی روشنی میں عرض ہے کہ آپ اپنا کام کرتے جائیں۔ اہل اہتمام سے تعرض نہ کریں صرف طلبہ و مدرسین سے کام کی ابتدا کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد مدرسہ کو اسی راہ پر دیکھیں گے جس پر آپ اُسے دیکھنا چاہتے ہیں باقی یہ ضرور ہے کہ ایک اثر جو قائم ہو چکتا ہے اُس کے زائل ہونے اور اُس کی جگہ دوسرے اثر کے قائم ہونے میں کچھ مدت لگتی ہے۔ غرض ہو سکتا ہے کہ طلبہ و مدرسین سے متجاوز ہوکر اور دوسرے حضرات پر بھی اثر پڑ جاوے اور اگر بالفرض نہ بھی پڑا تو اپنے ارادہ اور نیت صحیحہ کے باعث اصلاح کا اجر آخرت اور حصول رضاء مولیٰ کے تو آپ مستحق ہو ہی جائیں گے۔ اسمیں تو کچھ اشکال ہی نہیں۔

اتنا جواب لکھا تھا کہ آج کی ڈاک سے قاری محمد نعمان[۵۰] صاحب کا خط (حضرت والا کے نام) آیا جو سراپا بشارت اور مبارکباد ہی ثابت ہوا اس لئے (حضرت والا نے فرمایا کہ) آپ حضرت مولانا سے یہ بھی فرمادیں کہ آپ کے تاثرات سے رنج ضرور ہوا تاہم قاری

---

۵۰ حضرت علامہ بلیاوی کے صاحبزادے اور دارالعلوم دیوبند کے درجۂ قرأت کے مدرس۔

نعمان صاحب سلمہ کے خط سے خوشی بھی ہوئی اس لئے کہ معلوم ہوا کہ الحمدللہ کام شروع ہوگیا ہے۔ رہیں دشواریاں اور تعب تو وہ تو سب کام ہی میں ہوتا ہے اور ہر کام کرنے والے کو برداشت ہی کرنا پڑتا ہے خاص کر دین کے کام میں انسان جیسا کہ مصائب ہوتا ہے۔ (یعنی اس کو اس سلسلہ میں جس قدر مشقت اٹھانی پڑتی ہے اُس پر ......

.... تاریخ انبیاء و اولیا شاہد ہے لیکن اُس پر اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تثبیت قلب حضرات انبیاء علیہم السلام کے قصص کے ذریعہ اسی لئے فرمائی گئی کہ یہ منزل سخت تھی۔ مولانا سے یہ بھی فرما دیجئے کہ آپ کہاں جائیے گا۔ مجھے اسکا بھی خوب تجربہ ہے۔ ع

ہر زمیں کہ رسیدیم آسماں پیداست

پھر ہم کام کو تو ترک کر نہیں سکتے صرف مقام ہی ترک کیا جا سکتا ہے۔ لہذا جب کام ہی کرنا ہے تو پھر وہیں جم کر کیوں نہ کیا جائے۔ مخلص کے اخلاص کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتے۔ انھیں مشکلات میں سے راہ بھی نکل آئے گی بلکہ کام تو شروع بھی ہو گیا ہے۔

والسلام

بقلم یکے از خدام

۱۷ر محرم الحرام ۸۱ھ

چونکہ اس خط میں جناب قاری محمد نعمان صاحب ابن حضرت علامہ بلیاوی کے خط کا بھی ذکر آگیا ہے۔ لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا خط اور حضرت اقدس کا جواب بھی یہاں نقل کر دوں۔

نقل عریضہ جناب قاری محمد نعمان صاحب بلیاوی مدظلہ

محترم عالیجناب قطب العالم حضرت مولانا وصی اللہ صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم مزاج گرامی

جب سے حضرت والا سے ملاقات ہوئی اُس وقت سے لے کر برابر آنجناب کی طرف

دل لگا رہتا ہے۔ حضرت والا نے فرمایا تھا کہ میں دل سے شادی کے ہر محاذ پر شریک ہوں تو اتنی بات بغیر تصنع میں عرض کرتا ہوں کہ الحمدللہ ہر کام آپ کی دعاؤں کی بدولت پورا ہوتا ہی چلا گیا۔ اب پھر دلی خواہش یہ ہے کہ دوبارہ حضرت کی مجلس میں شرکت کا موقعہ ہوتا اور کچھ دیر صحبت کے بعد روحانیت کا فیضان ہوتا۔ خدا کا شکر ہے کہ دارالعلوم میں اکثر مدرسین آنجناب کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں بس آپ کی دعا شامل حال رہیں تو انشاء اللہ واجب الوجود یقیناً آپ جیسے بزرگوں کی راہ یقیناً اختیار کرائیں گے۔

منتظر جواب

احقر محمد نعمان بلیاوی

(وسط محرم ۸۴ھ)

جواب حضرت مصلح الامۃ رح

مکرمی جناب قاری محمد نعمان صاحب سلمکم اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے خط سے بہت خوشی ہوئی اُس کے ہر ہر لفظ سے اطمینان حاصل ہوا۔ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی تشریف آوری کو میں اپنی سعادت اور اُن کی کرامت ہی سمجھتا ہوں اور وہاں کے جو حالات آپ نے لکھے ہیں اُس کو مولانا ہی کے خلوص کی برکت تصور کرتا ہوں اور آپ کے بیان کو ایک بشارت خیال کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس میں یوماً فیوماً ترقی عطا فرمائے اور آپ حضرات کو دارین میں اجر جزیل سے نوازے آمین۔ اور حضرت مولانا کے عزائم کو باحسن وجوہ معرض وجود میں ظاہر فرمادے۔ حضرت مولانا مدظلہ کی خدمت میں سلام مسنون عرض فرمادیں۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

(وسط محرم ۸۴ھ)

الحمد للہ کہ جملہ معترضہ کا سلسلہ یہاں ختم ہوا اب آگے پھر حضرت علامہؒ اور حضرت مصلح الامتہؒ کے درمیان مکاتبت کا سلسلہ شروع کرتا ہوں لیکن حضرت علامہؒ کے اگلے ہی خط میں بعض باتیں ایسی ہیں کہ انکے سمجھنے کے لئے تمہیداً ایک مولوی صاحب کا خط اور حضرت والا کا جواب نقل کر دینا ضروری معلوم ہوا اس لئے پہلے اسے ہی پیش کرتا ہوں۔

واقعہ یہ ہوا کہ حضرتؒ کے خدام میں سے ایک مولوی صاحب نے جن کا قیام دیوبند ہی میں تھا حضرت والا کو ایک خط لکھا۔ اُس کے جواب میں حضرت والاؒ نے انھیں تحریر فرمایا کہ :-

"حضرت والا کا مکتوب گرامی ان مولوی صاحب کے نام"

عزیزم سلمہ — السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

آپ کے اس خط کا مضمون مدح سے تعلق رکھتا تھا اس لئے اس پر مفصل بحث کر دی جو آپ کے افادہ کے لئے روانہ ہے احباب کو بھی سنا دیجئے اور مناسب سمجھئے تو حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مدظلہ کو بھی سنا دیجئے گا امید کہ پسند فرمائینگے اور تحریر فرمایا کہ :-

کتاب الاعتصام جو ابی اسحٰق الشاطبی کی تصنیف ہے جن کی الموافقات بھی ہے مجھے بیحد پسند ہے۔ علامہ شاطبی تصوف کے قائل ہیں اور صوفیاء کے حامی ہیں۔ اس جماعت کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے تصوف کے مسائل کو کتاب و سنت پر اس طرح سے مطابق کرتے ہیں کہ بس لطف آجاتا ہے اور جن مسائل میں بوجہ غلبہ حال کے حضرات صوفیہ کا طریق کتاب و سنت سے کچھ مختلف دیکھا ہے تو نہایت ہی ادب سے اسکا منشاء و محمل اور توجیہ و تاویل اسطرح بیان فرمائی ہے کہ کتاب و سنت کا مقام بھی ملحوظ رہے اور صوفیائے کرام کا احترام بھی فوت نہ ہو۔ میں نے اس ادب اور

اس طرز سے مسائل تصوف اور شریعت کا امتزاج نہیں دیکھا اس لئے جی چاہتا ہے کہ تصوف کے ایک ایک مسئلہ کو لے کر ان کے انداز بیان کے مطابق کتاب و سنت پر پیش کیا جائے اور اس امر کو دلیل کے ساتھ واضح کیا جائے کہ حضرات مشائخ جو کچھ فرماتے ہیں وہ کسی نہ کسی عنوان سے شریعت میں موجود ہے اس طرح گویا طریقت خلافِ شریعت کوئی چیز نہیں ہے۔

آج یہ ایک مغالطہ عظیم ہے جس کی وجہ سے شریعت کو فروغ نہیں ہو رہا ہے اور لوگوں کے قلوب میں اسکا انکار پیدا ہو گیا ہے چنانچہ اس پر سے کشف غطاء کرنا چاہتا ہوں لہٰذا آپ سے کہتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں اس کو پیش کر کے استمزاج تو کیجئے کہ حضرت مولانا کا اس کے متعلق کیا مشورہ ہے۔ یہ بات کچھ خدا تعالیٰ کی جانب سے قلب میں آ رہی ہے اور اس میں کچھ خیر اور نفع کی اُمید ہے یا ایک بے ضرورت کام ہو گا جس سے چنداں نفع نہیں۔

وَالسَّلام

نیز اُن مولوی صاحب کے پاس اس خط کے ہمراہ مدح کے متعلق یہ مضمون بھی گیا۔ وھو ھذا۔

(مضمون متعلق مدح)

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ

مدح کے بارے میں روایات مختلف آئی ہیں۔ بعض سے انتہائی مذمت ثابت ہوتی ہے جس سے عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ مطلقاً منع ہے۔ مگر بعض روایات مدح کی بھی وارد ہیں اس سے اطلاق منع جو سمجھا گیا تھا صحیح نہ نکلا لہٰذا اس میں تفصیل ہے۔

بعض حالات میں بعض لوگوں کے لئے یہ منع نہیں ہے۔ اس سے نصوص سب جمع ہو جاتی ہیں۔ عام طور پر جن میں تقویٰ میں رسوخ و کمال فہم و معرفت نہ

ہو یا ریاضت نفس کرکے کبر و عجب سے جو خلاصی نہ پاچکے ہوں بلکہ مدح سے اُن کے نفس کے بگڑنے کا اندیشہ ہو اُن کے لئے مدح کا سننا اور دوسروں کو اُن کی مدح کرنا یہ دونوں منع و حرام ہیں۔ ممانعت کی احادیث کا یہی مطلب ہے۔

اور جو اصحاب کہ ریاضت نفوس کرکے رذائل نفس سے خلاصی پاچکے ہوں۔ اور معرفت نفس کی اور معرفت اللہ تعالیٰ کی حاصل کرچکے ہوں۔ اس لئے اُس سے متاثر نہ ہوتے ہوں اور اُس کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے سمجھتے ہوں تو دوسروں کا انکی مدح کرنا اور خود اُنکا سننا دونوں اچھا ہے۔

حدیث شریف۔ اذا مدح المومن فی وجهه ربی الایمان فی قلبه کا یہی مطلب ہے۔

(یعنی جب مومن کے منہ پر اُسکی تعریف کیجاتی ہے تو اس کی وجہ سے اُسکے قلب میں ایمان بڑھتا ہے)۔

اسکا حاصل یہ ہوا کہ عوام کے لئے تو جائز نہیں ہے نہ کسی کا اُنکی مدح اُن کے منہ پر کرنا اور نہ اُنکا سننا۔ اور خواص بلکہ اخص الخواص کے لئے جائز ہے یعنی کسی کا اُنکی مدح کرنا بھی اور خود اُنکا سننا اور اُس پر فرح شکر کے طور پر خوش ہونا بھی۔ البتہ فرح بطر تو یہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سے مشائخ جب مسترشدین کے متعلق یہ سمجھتے ہوں کہ اُنکی مدح کردینے کی وجہ سے اُنکو اپنے معمولات میں نشاط ہوجائے گا یا اضافہ ہوجائے گا یا اُس پر مداومت اُس کے لئے آسان ہوگی یا وہ اقتدا کریگا تو ان صورتوں میں باوجود اُس کی تکمیل نہ ہونے کے بھی مدح کیجاسکتی ہے۔ مگر یہ مشائخ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ عوام کے لئے جائز نہیں اور مشائخ ہی کی رائے پر موقوف ہے اس لئے کہ مریدین کے حالات اور اُنکی اصلاحی مصالح سے وہی حضرات واقف ہوتے ہیں۔ یہی تفصیل اس مسئلہ کی علامہ نووی نے شرح مسلم میں بھی لکھی ہے۔ وھذا القصۃ۔

(باب النهي عن المدح اذا كان فيه افراط وخيف منه فتنة على الممدوح)۔

قال النووي ذكر مسلم في هذا الباب الاحاديث الواردة في النهي عن المدح وقد جاءت احاديث كثيرة في الصحيحين بالمدح في الوجه قال العلماء وطريق الجمع بينها ان النهي محمول على المجازفة في المدح والزيادة في الاوصاف او على من يخاف عليه فتنته من اعجاب ونحوه اذا سمع المدح۔

باب۔ مدح کی ممانعت میں جبکہ اسمیں حد سے تجاوز ہو جائے

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ مسلم نے اس باب میں ان احادیث کو بیان کیا ہے جن میں مدح سے ممانعت وارد ہے لیکن صحیحین ہی میں اور دوسری بہت سی احادیث آتی ہیں جن سے منہ پر تعریف کا جواز بھی نکلتا ہے۔ علماء نے فرمایا کہ ان میں جمع کی یہ صورت ہے کہ جن روایات میں ممانعت آئی ہے وہاں وہ مدح مراد ہو جو یونہی بے تکی اور اٹکل پچو ہو یا اس میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہو یا اس شخص کی تعریف کی گئی ہو جس کے فتنہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔ یعنی اپنی تعریف سن کر اس کے اعجاب وغیرہ میں پڑ جانے کا خطرہ ہو۔

واما من لا يخاف عليه ذالك لكمال تقواه ورسوخ عقله ومعرفته فلا نهي في مدحه في وجهه اذا لم يكن فيه مجازفة بل ان كان يحصل بذلك مصلحته كنشطه للخير والازدياد منه اوالدوام عليه اوالاقتداء به كان مستحبا۔

وايضاً قال رحمه الله تحت قوله صلى الله عليه وسلم (قطعت عنق صاحبك) وفي رواية قطعتم ظهر الرجل معناه اهلكتموه وهذه استعارة من قطع العنق الذي هو القتل لاشتراكهما في الهلاك لكن هلاك هذا الممدوح في دينه وقد يكون من جهة الدنيا لما يشتبه

علیہ من حالہ بالاعجاب۔ (شرح مسلم للنووی)

لیکن جو شخص کہ ایسا نہ ہو بایں وجہ کہ وہ کمال تقویٰ کے ساتھ متصف ہے اور کامل العقل والمعرفتہ ہے تو اس کے منہ پر اس کی تعریف کرنا منع نہیں ہے۔ بشرطیکہ وہ تعریف جھوٹی نہ ہو اور نہ یونہی اٹکل پچو ہی ہو۔ (اور ایسی تعریف نہ صرف یہ کہ منع نہیں ہے) بلکہ اس سے اگر مرید کو کوئی مصلحت حاصل ہو رہی ہو مثلاً اُمور خیر میں اسکو نشاط حاصل ہونا۔ یا اس کام کو اور زیادہ کرنا یا علی الدوام کرتے رہنا۔ یا دوسروں کا اس کی اقتداء کرنا وغیرہ وغیرہ تو یہ تعریف مستحسن ہو جائے گی۔

نیز شارحؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد قطعت عنق صاحبک کے تحت فرمایا ہے کہ ایک روایت میں ہے قطعتم ظھر الرجل۔ یعنی تم نے تو اس شخص کی پشت توڑ دی۔ مطلب یہ کہ اسکو ہلاک ہی کر ڈالا۔ قطع عنق یعنی گردن کے جدا کرنے کو اس سے استعارہ کیا ہے اس لئے کہ یہ دونوں ہلاکت کے مفہوم میں مشترک ہیں۔

مگر یہ کہ اس ممدوح کی ہلاکت اس کے دین میں ہوتی ہے اور کبھی دنیوی اعتبار سے بھی ہو جاتی ہے اس لئے کہ خود اس پر اسکا حال بوجہ عجب میں مبتلا ہونے کے مشتبہ رہتا ہے۔

پس جن احادیث سے مدح کی ادجہ کی ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ انہی لوگوں کے متعلق ہے جو ناقص ہیں خواہ سالکین مریدین میں سے ہوں یا مشائخ میں سے اس لئے کہ ہلاکت کا اندیشہ انہی کے لئے ہوتا ہے کیونکہ یہ لوگ جب ناقص ہیں تو گویا مریض ہیں۔ اب اگر کسی مریض جسمانی سے طبیب یہ کہے کہ تم تندرست ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی وجہ سے وہ کبھی بھی صحتیاب نہ ہوگا۔

اسی طرح سے جب ناقص کی مدح کی جائے گی تو اس پر بھی اپنا امر مشتبہ ہو جائے گا یعنی وہ خود کو کامل سمجھ لے گا اور پھر اُس کی اصلاح کبھی نہ ہو سکے گی۔ باقی کاملین جو نفس سے چھوٹ چکے ہیں، ان روایات میں وہ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ حضرات اُن احادیث کے

مصداق ہیں جن میں جواز مدح وارد ہے ۔ یہ تفصیل تو روایات کو دیکھتے ہوئے لازم ہے باقی حضرات صوفیا چونکہ نفس سے ہی بحث فرماتے ہیں اور اصلاح نفس پر زیادہ زور دیتے ہیں اسلئے احتیاط کا پہلو اختیار کرتے ہوئے مدح کئے جانے اور اُس کے سننے کو پسند نہیں فرماتے بلکہ سالکین اور مشائخ اسکو مہلکہ ہی تصور کرتے ہیں تاہم روایات مدح پر نظر کرتے ہوئے اُن کے اطلاق کو مقید کرنا ناگزیر ہوگا اور یہی کہا جائے گا کہ یہ حکم مبتدی اور ناقصین کا ہے ۔ جیسا کہ مولانا رومؒ مثنوی میں فرماتے ہیں :-

تعظیم خلق و انگشت نما شدن

تن قفس شکل است وزاں شد خار جاں   از فریب داخلان و خارجاں
اینش گوید من شوم ہمراز تو   وانش گوید نے منم انباز تو
آنش گوید ہر دو عالم آن تست   جملہ جانہا طفیل جان تست
اینش گوید گاہ عیش و خرمی   آتش گوید گاہ نوش و ہمدمی
او چوں بیند خلق را سرمست خویش   از تکبر می رود از دست خویش
او نداند کہ ہزاراں را چوں او   دیو افگندست اندر آب جو
لطف سالوس جہاں خوش لقمہ است   کم ترش خور او پر آتش لقمہ است
آتشش پنہاں و ذوقش آشکار   دود او ظاہر شود پایان کار

ترجمہ۔ تن قفس کے مثل ہے اسی وجہ سے وہ جان اور روح کے لئے مثل خار ہو رہا ہے اور یہ آمد و رفت کرنے والوں کے فریب و اغوا سے ہو رہا ہے۔

ایک کہہ رہا ہے میں آپ کا ہمراز ہوں۔ دوسرا کہتا ہے نہیں میں آپ کا شریک حال ہوں۔ ایک کہتا ہے کہ تمھارے مثل تو دنیا بھر میں کوئی نہیں کمال میں بھی اور فضیلت میں بھی اور احسان وجود میں بھی۔

ایک کہتا ہے کہ دونوں عالم حضور ہی کی ملک ہیں۔ ہماری سب کی جانیں آپ ہی کا طفیل ہے۔

ایک کہتا ہے کہ آپ تو گویا زمانہ عیش وخرمی ہیں۔ دوسرا کہتا ہے کہ آپ زمانہ حلاوت وہمدمی ہیں۔ وہ شخص بیچارہ جب ایک مخلوق کو اپنا سرمست دیکھتا ہے۔ پس تکبر کی وجہ سے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ اس کو اتنی خبر نہیں کہ اس جیسے ہزاروں کو شیطان نے دریا میں ڈال دیا اور غرقاب کردیا یہ دنیا والوں کا لطف اور تملق ایک لذیذ لقمہ ہے۔ اسے ذرا کم کھاؤ کہ یہ پُر آتش لقمہ ہے اس لقمہ کی آتش پنہاں ہے۔ اسکا ذوق ظاہر ہے لیکن اسکا بخار آخر میں نکلتا ہے۔

پھر ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں کہ

نفس ازبس مدحہا فرعون شد — کُن ذلیل النفس ھوناً لاتسُد
تا توانی بندہ شو سلطاں مباش — زخم کش چو گوئے شو چوگاں مباش

یعنی یہ نفس زیادہ تعریفوں ہی کی وجہ سے فرعون یعنی گمراہ ہو گیا ہے لہٰذا تم اپنے نفس کو ذلیل اور پست اور مُہان ہی رکھو سرداری مت اختیار کرو۔ جہانتک تم سے ہوسکے غلام بنو حاکم اور سلطان مت بنو اور گیند کی مانند زخم برداشت کرو اور چوگان (بلے) کی مانند مت ہونا۔ مطلب یہ کہ ظالم ہونے سے مظلوم ہونا بہتر ہے۔

سبحان اللہ یہ حضرات عارف باللہ بھی ہیں اور معرفت نفس کے بھی امام ہیں۔ مجال نہیں کہ نفس کو کسی راستہ سے چوری کا موقعہ دیدیں باقی خود مولانا کے کلام میں ایسے اشارات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ناقصین ہی کو کہہ رہے ہیں کاملین کو نہیں اور یہی صحیح ہے۔ اس لئے کہ جس امر کی اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ہوچکی ہو اس کو یہ حضرات کیسے منع کر سکتے ہیں۔ (مضمون مدح ختم ہوا)

اس خط کے جواب میں اُن مولوی صاحب کا یہ خط حضرت والاؒ کے نام آیا۔ چونکہ مضمون ہذا سے وہ خود بھی نیز ان کے احباب اور حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ سب ہی بہت ہی زیادہ خوش اور محظوظ ہوئے اس لئے اس کا عنوان مسرت نامہ مناسب معلوم ہوا۔

مسرّت نامہ

سیدی ومطاعی حجت اللہ فی الارض متعنا اللہ بطول بقائہ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی وسامی۔ والانامہ اور اُس کے ہمراہ مضمون مبارک کے مطالعہ سے سعادت حاصل ہوئی اُس کے مطالعہ سے جو کیفیت گذری وہ بیان زبان وقلم سے باہر ہے۔ ع

دل مرا جانتا ہے دل کا خدا جانتا ہے

حضرت علامہ مدظلہٗ نے بھی بغور سنا اور اُس کے ایک ایک حرف سے اتفاق فرمایا بلکہ مزید تائید میں مجھے لکھنے کے لئے فرمایا کہ شارحین حدیث نے اس حدیث کو جو ترمذی میں باب المدحۃ والمداحین کے تحت بیان کیا ہے وہ حدیث یہ ہے کہ:۔

امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحثوا التراب علی وجہ المادحین۔

اور اس کی شرح میں یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد پیشہ ورانہ مدح کی نہی و مذمت ہے۔ دوسرے وہ مدحین جو درباروارانہ مزاج رکھتے ہیں اس لئے یہاں عام مدح کی نہی مراد ہی نہیں ہے اور نہی مطلق کسی طرح سے ثابت نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا فاروق صاحب چریاکوٹیؒ کا ایک کلیہ بیان کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ قضیہ مطلقہ عامّہ کے تحت آتا ہے اس میں تعین جہت نہیں ہے اس لئے نہی کی جہت جو اکابر صحابہ تابعین اور مشائخ نے متعین کی ہے وہی مراد لی جائے گی۔ یعنی جو مستحقین مدح وستائش ہیں اُن کی مدح کرنا جائز ہے خواہ یہ مدح اُن کے روبرو ہی کیوں نہ ہو بلکہ بعض مواقع ایسے ہیں کہ اُس موقعہ پر مدح واجب ہوجاتی ہے۔

علاوہ ازیں حضرت علیہ السلام کی مدح حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُسے سنتے تھے اور سن کر خوش ہوتے اور دعائیں دیتے تھے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وارثین انبیاء کی مدح کرنا بھی سنت ہے مادحین کو وہی ثواب ملیگا جو خود اصل کی مدح کرنے والوں کو ملتا ہے اس لئے کہ یہ براہ راست نہیں بالواسطہ نبی علیہ السلام کی مدح ہوئی جیسا کہ حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے قصیدہ کو جو حضرت میاں جی قدس سرہٗ کو پیش کرنا چاہتے تھے اس کی اجازت کے موقعہ پر میانجی صاحب نے فرمایا کہ میری مدح کیا کرتے ہو اللہ اور رسول کی مدح کرو اسکا جو جواب حضرت حاجی صاحب نے میانجی رحمۃ اللہ علیہ کو دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ (عرض کیا کہ) میری کیا مجال کہ میں اللہ اور رسول کے علاوہ کسی دوسرے کی تعریف کروں اور حضرت کی مدح کو میں اللہ اور رسول ہی کی مدح سمجھتا ہوں۔

حضرت میانجی نور اللہ مرقدہٗ اس جواب سے مسرور ہوئے اور قصیدہ سن کر دو سرخ جوڑے (خلعت) عطا فرمائے۔ جب ہمارے سرگروہ اس کو اسی طرح سمجھ چکے ہیں پھر ہمیں اس بات کو اس انداز سے سمجھنے میں کوئی زحمت نہیں معلوم ہوتی۔

کتاب الاعتصام کے بارے میں فرمایا کہ شاطبی معتدل مزاج ہیں — الموافقات اُنکے فقہی مسائل میں اُنکے اعتدال کی دلیل ہے اور الاعتصام میں طریق صوفیہ و محدثین میں راہ اعتدال کی جانب رہنمائی ہے۔ اُن کی کتاب سے انھیں لوگوں کو مناسبت ہوگی جو معتدل المزاج ہونگے۔ چونکہ حضرت والا مصلح الامت ہیں اسلئے ایک مصلح کو دوسرے مصلح سے مناسبت ہونا بالکل قرینۂ عقل و دیانت ہے۔ دوسرے لوگ مثلاً اساتذہ و طلباء جو مانوس تھے

اُس کے (یعنی مضمون کے) مطالعہ کی سعادت اُنکو بھی حاصل ہوئی اور اُس سے وہ متاثر اور نفع اندوز بھی ہوئے۔

میں آجکل آپ کی دعاؤں کی برکت سے تندرست ہوں اور اسباق میں مشغول رہتا ہوں نیز حضرت مولانا بلیاوی کے خطوط علمی وغیرہ کا جواب بھی لکھتا ہوں۔ حضرت علامہ بہت مسرور آئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمھاری کوشش سے بجے اللہ نے وہاں تک پہونچا دیا واقعی تم نے میری بڑی مدد کی۔ حضرت کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔

والسّلام

کمترین خدام --------

۱۰ $\frac{6}{84}$ ھ

حضرت اقدسؒ نے چونکہ ان مولوی صاحب کو لکھا تھا کہ اگر مناسب سمجھے تو (اس مضمون کو) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کو بھی سنا دیجئے چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے حضرت علامہؒ کو سنایا اور انکی تائید وتحسین کو اپنے خط میں بھی نقل کیا ـــــ لیکن اس کے بعد تقریباً انھیں تاریخوں میں خود حضرت علامہؒ کا بھی خط جب حضرت مصلح الامۃ کے نام آیا تو اسمیں بھی انھوں نے اس مضمون پر اپنے تاثر کا اظہار فرمایا۔ اسی کے ربط کے لئے مضمون مدح کا بیان بطور تمہید وقوع میں آیا۔

اب آگے حضرت علامہؒ کا مکتوب گرامی ملاحظہ ہو۔

گرامی نامہ حضرت علامہؒ معروف بہ "پہلا عریضہ"

مخدومی و محترمی حضرت مولانا دام مجدکم العالی

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ادھر کچھ مصروفیتیں ایسی رہیں کہ تفصیلی خط لکھنے کا ابھی تک موقعہ نہیں نکال سکا لیکن تعلق خاص کا لحاظ کرکے یہ عریضہ اپنی خیریت وصحت کے بارے

یں آنمحترم کو اطلاع دینے کے لئے لکھ رہا ہوں تاکہ حضرت گرامی کو کسی قسم کی تشویش نہ ہو۔ یں آپ کی دعا و توجہ کی برکت سے اسوقت اچھا ہوں اور خود کوئی شکایت نہیں پاتا۔ مدرسہ کے معاملات بھی درست جارہے ہیں۔ معمولی سی تشویش ہوگئی تھی یعنی لڑکوں نے کچھ گڑبڑی ایک اُستاد کی واقعی غلط روش پر مچائی تھی جس پر آپ کی توجہ کی برکت سے فوراً قابو پالیا گیا۔ اب حالات بالکل بہتر ہیں۔ سردی کے موسم میں طبیعت مزید توانائی و بہتری کی خواہاں ہے۔ اسی لئے درخواست ہے کہ توجہات مرکوز فرمائیں اُس کی برکت سے مجھے ہر طرح کا خیر نصیب ہونے کی توقع ہے۔

مولوی عزیز الرحمٰن صاحب نے مضمون متعلقہ مدحت۔ ممدوح و مداحین سنایا سن کر آپ کے ذوق بلند کی سنت و کتاب سے مناسبت بے پایاں کا حال معلوم ہوا۔ واقعی اسی ذوق سے جستجوئے سنت اور اتباع کتاب و سنت کی ضرورت ہے۔ تفصیلات کی طرف میں نے رہنمائی کردی ہے۔ اُمید کہ امروز فردا میں اُسے لکھکر وہ حضرت والا کی خدمت میں روانہ کرینگے۔ گھر کے لوگوں و متعلقین کے لئے دعا کا خواستگار ہوں۔

والسلام

محمد ابراہیم

۱۰ رجمادی الثانیہ ۸۷ھ

ہنوز حضرت مصلح الامۃؒ کے یہاں سے اس خط کا جواب نہ گیا تھا کہ حضرت علامہؒ نے ایک اور خط غالباً "تسلسل بایدش" کے جذبہ سے متاثر ہوکر پھر حضرت مصلح الامۃؒ کو لکھا۔ پہلے دوسرا خط اور اسکا جواب ملاحظہ فرمایئے پھر پہلے خط کا جواب پیش کروں گا۔

(گرامی نامہ حضرت علامہ بلیاوی جس کو آئندہ خط میں دوسرا عریضہ فرمایا گیا ہے)

مخدومنا المحترم دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آجکل چونکہ طبیعت کا حال لشتم پشتم ہے اس لئے سردست تفصیلی جواب میں دیر ہوگی۔ شام کو روزانہ تبخیر میں اضافہ ہوکر اضمحلال بڑھ جاتا ہے اور حرارت سی ہوجاتی ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ حضرت والا کو اطلاع دیدوں۔ درحقیقت میرا حال اُس ٹٹو کی طرح کا ہے جو بغیر ایڑ لگائے ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ اس لئے میرے حال کی بہتری آنمحترم کی توجہ کی مرہون ہے۔ جتنی توجہ زیادہ ہوتی ہے اُتنی ہی جستی اور کام میں برکت محسوس ہوتی ہے۔

آجکل جو حالات ہیں اُن سے مجھے احساس ہوا کہ کہیں آنمحترم کی توجہ میں کچھ کمی تو نہیں ہوگئی ہے۔ اس لئے یہ عریضہ ارسال کررہا ہوں کہ آپ کی توجہ اور دعا کا پوری طرح محتاج ہوں۔

والسلام
محمد ابراہیم

اس خط کا جواب حضرت مصلح الامتؒ نے ارسال فرمایا لیکن وہ حضرت علامہؒ کو ملا نہیں اُسی کے متعلق حضرت علامہؒ نے اپنے اگلے خط میں تحریر فرمایا ہے کہ میرا دوسرا عریضہ غالباً ابھی ملاحظہ سے نہیں گذرا حالانکہ وہ گذرا تھا اور اسکا یہ جواب بھی گیا تھا۔

حضرت مصلح الامت کا جواب

عنایت نامہ ابھی ملا۔ ناسازیٔ مزاج کی تفصیل معلوم ہوئی میں توجہ کررہا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ پھر طبیعت تازہ ہوجائے گی۔ اس پیرانہ سالی کے ساتھ یہ

مشاغل آپ ہی کی ہمت ہے۔ اس عمر میں معمولی سا محرک بھی طبیعت کو اعتدال سے ہٹانے کے لئے کافی ہوجاتا ہے تاہم آپ کی صحت و قوت کے لئے دل سے دُعا کررہا ہوں اور احباب سے بھی کہتا ہوں۔

والسّلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ

اب اسکے بعد حضرت علامہؒ کے پہلے مکتوب کا جواب جو حضرت مصلح الامۃ نے مرحمت فرمایا ملاحظہ ہو۔

(حضرت مصلح الامتؒ کا جواب حضرت علاّمہ کے پہلے عریضہ کا)

مخدومی و محترمی حضرت مولانا دامت مجدکم العالی
السّلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ

آپ کا خط عین انتظار ہی میں ملا۔ الحمدللہ کہ مزاج گرامی بخیر ہے۔ مولوی عزیزالرحمٰن صاحب سلمہٗ کے خط سے جو جامی صاحب کے نام آیا تھا۔ مدرسہ کے حالیہ واقعہ کا علم ہوا تھا جس کی وجہ سے تردد بھی تھا۔ الحمدللہ کہ بخیر وخوبی معاملہ رفع دفع ہوگیا۔ آج مولوی عزیزالرحمٰن صاحب کا خط میرے نام بھی آیا مضمون مدح کی پسندیدگی سے بہت مسرت ہوئی۔ اکابر کی تائید سے بڑی تقویت اور طمانینت حاصل ہوجاتی ہے میں نے اُس پر ذرا طویل کلام اس لئے بھی کیا کہ دیکھا کہ مولانا رومؒ نے مثلاً مدح کی مذمت میں بہت کچھ لکھا ہے۔ چنانچہ مثنوی میں ایک مقام پر تو بہت دور تک اس پر کہتے ہی چلے گئے ہیں۔ لیکن علماء ظاہر اور شراح حدیث نے اس موقعہ پر جو کچھ لکھا ہے وہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے بہت سے مسائل میں دیکھا کہ صوفیہ ایک مضمون کو بیان کرتے ہیں اور اس میں شک

نہیں کہ خوب ہی خوب بیان کرتے ہیں یعنی بیان کا حق ادا کر دیتے ہیں مگر جب علماء محققین اس پر قلم اُٹھاتے ہیں تو ان حضرات سے کچھ پیچھے نہیں رہتے بلکہ زیادہ ہی لکھتے ہیں۔

چنانچہ میں نے اپنی تحریر و تقریر میں اسکا اہتمام کر لیا ہے کہ ایسے مواقع پر علماء ظاہر یعنی فقہا و محدثین کے اقوال بالقصد اس لئے بیان کرتا ہوں تاکہ تصوف مستقل نہ ہونے پائے کتاب وسنت کے تابع ہی رہے کیونکہ فی زمانہ دیکھ رہا ہوں کہ لوگ اسکو مستقل کر دینا چاہتے ہیں جس کے متعلق میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہی فساد کا سرچشمہ ہے۔ چنانچہ تحریر کے علاوہ مجلس کی تقریروں میں بھی کتاب وسنت ہی سے کلام شروع کرتا ہوں اور سیر اسلاف نیز بزرگان دین کے اقوال کو بطور تائید کے بعد میں بیان کرتا ہوں۔ اور یہ طریقہ حضرت مولانا (تھانوی) رحمۃ اللہ علیہ کے مسائل السلوک ماخوذ ہے کہ حضرت نے بھی مسائل سلوکیہ آیات سے مستنبط فرمائے ہیں۔ اس لئے میرا جی چاہتا ہے کہ تصوف کے ایک ایک مسئلہ کو لے کر کتاب و سنت سے اُسکو ثابت کیا جائے اور یہ دکھایا جائے کہ محققین صوفیہ جو فرماتے ہیں کتاب اللہ کی اس آیت میں اُسکا بیان ہے اور سنت میں اس جگہ اُسکا ذکر ہے چونکہ اس طریقہ سے خود مجھے بہت نفع پہونچا ہے اس لئے اُمید کرتا ہوں کہ شاید دوسروں کو بھی فائدہ پہونچے۔ ایک نفع تو یہی ہوگا کہ کتاب وسنت کا علم ہو جائے گا اور جب یہ ذہن نشین ہوگا کہ اصل مُطاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تو طریق سنت کے مطابق طے کرنے کا شوق ہوگا اور اس کے جو برکات ہونگے ظاہر ہے۔ نیز تصوف میں خلاف سنت جو چیزیں داخل ہوگئی ہیں اُن کا علم ہو جائے گا اور اُس کی وجہ سے عوام ایک بڑی گمراہی سے بچ جائیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفہیمات میں فرماتے ہیں:۔

ہر کسے کہ برائے دعوت خلق اللہ بجائے نشست و مردم بجانب وے متوجہ شدند وے راہمان باید کرد کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام زیرا کہ وے دریں

مقام مقلد وپس رو ایشان است الخ۔

اسی چیز کو نمایاں کرنا چاہتا ہوں کہ مشائخ مستقل نہیں ہیں بلکہ مقلد محض اور پس رو ہیں۔

اسی طرح سے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ

"اُمت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات برکتاب وسنت استغناء حاصل نیست"

اسمیں شاہ صاحبؒ امت کے لئے اپنے علم وعمل کو شریعت پر تطبیق دینے کو فرما رہے ہیں کیونکہ محک ومعیار ایں کار کتاب وسنت ہی ہے۔

"وچیزے کہ از شان شیخی مخالف معیار است آں فاسد وباطل"

لہذا جس طرح سے علماء ظاہر اور فقہاء امت عرض بر شریعت کے محتاج ہیں اسی طرح سے علماء باطن بھی تطبیق کے محتاج ہیں یہی راہ سلامتی کی ہے آپ سے اس لئے عرض کیا کہ دُعا فرمائیں کہ اس ارادے میں کامیاب ہو جائیں۔

والسلام مع الاکرام

وصی اللہ عفی عنہ

(وسط جمادی الثانیہ ۸۴ھ)

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت علامہ بلیاویؒ نے حضرتؒ کا "مضمون مدح منکر" اس کی کسقدر تحسین فرمائی۔ حضرت مصلح الامۃؒ نے اس کے جواب میں جب مذکورہ بالا خط حضرت علامہؒ کو تحریر فرمایا تو اس سے حضرت علامہ بہت ہی محظوظ اور متاثر ہوئے جیسا کہ ان کے خط سے ظاہر ہے۔ ملاحظہ فرمائیے کہ جواب کے لفظ لفظ سے ان کے قلبی لذت کی چاشنی نمایاں ہے۔

(خط حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ)

(۱)

کل والا نامہ انتہائی شدید انتظار میں اسوقت ملا جب میں تلاوت میں مشغول ہونے

والا تھا۔ ملتے ہی میں نے اسے مطالعہ کیا جس سے بے انتہا نشاط و کیف حاصل ہوا۔ اسے اپنے قریب ہی رکھ کر تلاوت میں مصروف ہوگیا۔ نشاط و کیف میں معتاد مقدار سے زیادہ تلاوت جاری رہی۔ اس سے فراغ کے بعد دوبارہ چاہا کہ اسے پڑھوں مگر اتفاق سے اسی اثناء میں گھر میں سے کوئی بچہ آیا اور اُٹھالے گیا۔ مجھے اسکا قطعاً خیال نہ رہا۔ والا نامہ ڈھونڈنے پر نہیں ملا تو سخت تشویش ہوئی۔ یہ حالت آج تک قائم رہی۔ صبح کو والا نامہ مل گیا تو سکون کامل نصیب ہوا۔

چونکہ ابکی بار والا نامہ کے ملنے میں دیر ہوگئی تھی اسلئے اضطراب و بےچینی پیدا ہوگئی تھی اب الحمدللہ کہ وہ بےچینی و کرب دور ہوگیا۔ البتہ والا نامہ کے جواب سے مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرے پہلے عریضہ کا جواب ہے۔ دوسرا عریضہ جس میں میں نے اپنی مثال ایک عادی بھبنر ٹٹو سے دی تھی غالباً ابھی ملاحظہ سے نہیں گذرا۔

حضرت والا کی دعاء و توجہات کا محتاج ہوں۔ نیز متعلقین خصوصاً اپنے پوتوں کی صلاح و فلاح کے لئے بھی آپ سے ملتمس ہوں

والسّلام
ابراہیم

اس خط کا حضرت مصلح الامتؒ کے یہاں سے کیا جواب مرحمت فرمایا گیا۔ باوجود تلاش کے وہ ہم کو نہ مل سکا۔ تاہم اس کے بعد حضرت علامہؒ کا ایک اور خط آیا۔

حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب کا ایک اور خط
(۲)

مکرمی و محترمی زیدت عنایتہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہٗ۔

ادھر تقریباً دو سال سے میری صحت کافی گرگئی ہے۔ اسمیں کچھ عمر طبعی کے تقاضے بھی شامل ہیں مگر زیادہ حصہ بیماری کا ہے۔ میں نے مولوی عزیز الرحمٰن صاحب کے ذریعہ آپکے پاس دعا کے لئے کہلا بھیجا تھا جواب میں دعا سے نوازا گیا۔ الحمدللہ آپکی دعا کا اثر خاص محسوس ہو رہا ہے مگر میں مسلسل اور متواتر دعا کا محتاج ہوں اس لئے آپ میرے لئے دعا فرمائیں اور مجھے نہ بھولیں۔ اُمید کہ آپ کا مزاج اچھا ہوگا۔

والسلام
ابراہیم

حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب
(بخط خاص)

حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ سامی نامہ نے شرف فرمایا۔ مولوی صاحب کے ذریعہ برابر حالات معلوم ہوتے رہے اور آپ کی عنایت کا حال جو اس احقر پر ہے معلوم ہوتا رہا۔ صدق دل سے دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا کہ جناب والا کو اللہ تعالیٰ صحت کے ساتھ رکھیں۔ اور خدمات دینیہ برابر ہوتی رہیں اور اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ اپنے لئے بھی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

حضرت العلامہؒ کے مذکورہ بالا دو خطوط اور حضرت والاؒ کا جواب ناظرین نے ملاحظہ فرمایا۔ خود اس راقم الحروف کو حضرت علامہ بلیاویؒ کو قریب سے دیکھنے کا موقعہ نصیب نہیں ہوا اس لئے مجھے حضرت علامہؒ کے مزاج اور عادات سے چنداں واقفیت بھی نہیں تاہم اپنے احباب اور حضرت علامہؒ کو بہت قریب سے دیکھنے والوں سے جو کچھ علامہؒ کے متعلق سُنا اس سے ضرور ذہن میں یہ نقشہ کھنچا ہوا ہے کہ حضرت علامہؒ ایک جید عالم۔ فاضل۔ انسان۔ بیمثل ذہین۔ حساس طبع۔ نہایت درجہ متواضع اور خوش طبع۔ خوددار۔ خوشامد اور خوشامد پسندی سے بہت دور۔ اور نہایت ہی آن بان کے ایک نرالی ہی شان والے بزرگ تھے۔

اگر یہ صحیح ہے اور انشاء اللہ بالکل صحیح ہے تو اب ایک جانب حضرت علامہ جیسی شخصیت کو سامنے رکھئے اور دوسری جانب اُن کا پہلا خط پھر سے پڑھئے اور اس کے لفظ لفظ پر غور فرمائیے۔ اور دیکھئے کہ اللہ اکبر اس اُستاد نے اپنے شاگرد کو کیسا مان کر دکھا دیا۔

اپنے عریضہ میں فرماتے ہیں کہ

والا نامہ کا شدید انتظار ـــــ اس کے مطالعہ ہی سے انتہائی نشاط و کیف کا حصول ـــــ اور اس کے سبب سے معتاد مقدار سے زیادہ تلاوت کر جانا ـــــ پھر دوبارہ خط کے پڑھنے کا شوق ہونا ـــــ اور وقتی طور پر اس کے نہ ملنے سے سخت تشویش کا ہو جانا ـــــ اور اس کی وجہ سے کئی دن تک فقدان سکون ـــــ پھر خط ملنے پر حصولِ سکون ـــــ اور تاخیر خط سے قلبی اضطراب و بے چینی ـــــ اور وصول نامہ کا باعثِ دفع کرب ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ

اب کوئی محب صادق اپنے مرشد کو اس سے زیادہ اور کیا لکھ سکتا ہے۔ سچ کہا گیا ہے کہ ع

قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

بہرحال مشائخ نے لکھا ہے کہ کسی بزرگ کی شناخت کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں یا تو اللہ تعالیٰ خود کسی کو چشم بصیرت سے نواز دے اور اس سے وہ کسی کو پہچان لے یا اس کو سمعِ قبول سے نوازے کہ کوئی حقیقت بین اگر اس کو خبر دے تو اسی کی تصدیق کر لے۔ ولنعم ما قیل ؎

واذا لم تری الھلال فسلم لاُناس راٗوہ بالابصار

یعنی اگر تم نے چاند کو آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے تو اب اس کی صورت یہی ہے کہ جنھوں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھا ہے ان کی ہی تصدیق کر لو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان دونوں ہی اسباب ہدایت سے نوازے۔ آمین

خط حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ

گرامی نامہ کئی روز ہوئے ملا جس سے مسرت میں اضافہ ہوا۔ مزید براں کل رات کو حضرت گرامی اور حضرت شیخ الہندؒ ہر دو کی زیارت سے مشرف ہوا۔ مگر آنمحترم کو بالکل قریب دائیں شانہ سے ملا ہوا دیکھا اور حضرتؒ کو سامنے ذرا دور قبلہ کی طرف۔

آپ کی زیارت سے طبیعت بہت مسرور تھی اور ہے اس لئے اطلاعاً یہ عریضہ حاضر خدمت کر رہا ہوں امید کہ دعا و توجہاتِ عالیہ سے نوازا جاتا رہونگا۔ متوقع ہوں کہ حضرت والا کو بھی اس سے مسرت ہوگی۔ والسلام

محمد ابراہیم۔ جمادی الثانیہ ۸۴ھ

حضرت اقدس مصلح الامۃ کا جواب

الحمدللہ بخیریت ہوں والا نامہ مبشر بن کر صادر ہوا۔ بہت زیادہ مسرت ہوئی پیرا ۱۸ المومن او تری لہ دونوں ہی کا مصداق ہوا۔ الحمدللہ خوشی اس کی ہوئی کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ تعلق وہاں مقبول ہوگیا اللہ تعالیٰ اسکی برکات سے جانبین کو حظ وافر نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت تھانویؒ کی طرح حضرت اقدس دیوبندیؒ سے میرا تعلق روحانی تھا اس لئے میں اور آپ شاگرد او رمقتدی کی طرح نظر آئے۔ یہ ہمارے لئے بشارت ہے۔

والسلام خیر ختام خویدکم

وصی اللہ عفی عنہ ۲۷ رجمادی الثانیہ ۱۳۸۴ھ

حضرت علامہؒ کا ایک اور خط

اس کے بعد حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کا ایک اور خط آیا جس کی نقل ہمیں دستیاب نہ ہوسکی۔ تاہم حضرت اقدس نوراللہ مرقدہٗ کے جواب سے اس کے مضمون کا کسی قدر اندازہ لگ جاتا ہے۔ حضرت کا جواب ملاحظہ ہو۔

حضرت مصلح الامۃ رحؒ کا جواب

گرامی نامہ موصول ہوکر کاشف حالات ہوا۔ مولوی ارشاد صاحب تشریف لائے

اور حسب الحکم میرے ہی پاس قیام کیا الحمدللہ بہت خوش رہے اور مجھے بھی اُن سے تفصیلی ملاقات کا موقعہ ملا بہت مسرور ہوا۔ اُن ہی کے سامنے سفر بمبئی پیش آگیا۔ بمبئی میں الحمدللہ نہایت ہی سکون رہا حضرت والا کو بھی آرام ملا اور اہل بمبئی کو بھی استفادہ کا خوب موقعہ ملا۔ کل ہی واپس ہوا ہوں۔ غم غلط کرنے کے لئے قاری مبین صاحب سلمہٗ کو بھی ہمراہ لے گیا تھا۔ آپ نے حضرت معاذؓ کے نام جو تعزیت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) تحریر فرمایا ہے بڑے ہی موقعہ کی حدیث سامنے آئی بہت خوشی ہوئی میں نے اس کو نقل کرا لیا ہے۔

بیشک ان دنوں امتحان کی مشغولیاں ہونگی۔ تاخیر جواب کچھ مضر نہ ہوئی کہ میں خود یہاں موجود نہ تھا۔ آپ کی صحت و عافیت کے لئے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے بھی صحت اور کچھ کام ہو جانے کی دعا کی درخواست کرتا ہوں۔ والسلام مع الاکرام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

حضرت والاؒ نے اپنے اس مکتوب میں سفر بمبئی کا تذکرہ فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ غم غلط کرنے کے لئے قاری مبین سلمہٗ کو ہمراہ لے گیا تھا۔ اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ اُن ہی دنوں جناب قاری صاحب موصوف کا ایک نوزائیدہ بچہ چند ہی یوم زندہ رہ کر فوت ہو گیا تھا جس کا قاری صاحب موصوف پر خاصا اثر تھا ادھر حضرت کو ان ہی دنوں بمبئی جانا تھا تو قاری صاحب کا غم غلط کرنے کے لئے حضرت والاؒ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے گئے۔

اور مولوی ارشاد صاحب کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے۔ تو یہ مولوی سید ارشاد احمد صاحب وہی ہیں جو اس وقت دارالعلوم دیوبند کے مبلغ ہیں۔ اس سے قبل ایک بار حضرت علامہؒ کی رفاقت اور معیت میں بھی تشریف لا چکے تھے اور اب دوبارہ حضرت علامہ کے حکم کے بموجب حضرت اقدس ہی کے یہاں قیام فرمایا اور الحمدللہ کہ حضرت اقدس کی صحبت سے متاثر ہوئے چنانچہ انکی خوشی اور اپنی مسرت کا ذکر خود حضرت والا ہی نے فرمایا ہے۔

بے محل نہ ہوگا اگر اس مقام پر اپنے احباب میں سے ایک صاحب کا وہ خط نقل کردوں

جو انھوں نے حضرت والاؒ کو اسوقت لکھا تھا جب کہ حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ اور اُنکے ہمراہ یہی مولانا سید ارشاد احمد صاحب مدظلہ الہ آباد تشریف لاکر یہاں سے دیوبند واپس جاچکے تھے۔

دیکھئے اس میں حضرت اقدسؒ سے ان دونوں بزرگوں کی کیسی عقیدت ظاہر ہوتی ہے اور حضرت والا نے ان حضرات کے متعلق جو لکھا ہے وہ تو قربان ہوجانے کے لائق ہے۔ بالخصوص مولوی ارشاد صاحب کے متعلق جو فرمایا وہ لائق صد رشک ہے۔

یہ صاحب مکتوب بھی حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے یہاں سے دیوبند واپس ہوکر حضرت کو لکھا کہ :۔

حال۔ حضرت گرامی کی فیض بار صحبت یعنی بھری برسات سے جدا ہوکر یہاں پہونچنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے اچانک لو کے شعلوں میں داخل ہوگیا ہوں وہ شگفتگی وہ شادابی اور وہ سکون و طمانیت یہاں دور دور میسّر نہیں جو حضرت کے پاس رہ کر ہر لحہ وہر آن میسر رہی۔

تحقیق۔ مبارک ہو۔ سچ لکھتے ہو۔ یہ فرق اہل احساس کرتے ہیں۔ سچ کہتے ہو۔

حال۔ حضرت علامہ مدظلہ اور اُن کے رفقاء بیحد متاثر ہوئے اور آنے کے بعد سے آپ کا ذکر مجلس بعد العصر میں اکثر کیا کرتے ہیں۔ وہاں کی پُرسکون نماز اور دیندار حواریین قاری صاحب کی روح افزا تجوید۔ غرض در و دیوار ہر طرز و ہر ادا پسند آئی۔

تحقیق۔ ماشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ کمال عشق پر دال ہے کہ اُس کے بعد ہی یہ کیفیت ہوتی ہے اس سے ہماری ہمت افزائی ہوئی اور اُنکی غریب نوازی۔

حال۔ حضرت والا کے تواضع اور شوکت ربانی دونوں کے بھرپور قائل ہوگئے ہیں۔

تحقیق۔ یہ کمال معرفت کی دلیل ہے نیز اہل صلاح و تقویٰ ایسا ہی خیال کیا کرتے ہیں۔

حال۔ مولوی ارشاد احمد تو کہنے لگے کہ " بھئی مجھے تو وہ جگہ ایسی معلوم ہوئی جیسے قدیم مشائخ عظام کی جگہ — وہی انداز۔ وہی سلیقہ۔ جی چاہتا ہے کہ تھوڑے دنوں اپنی

وللناس فیما یعشقون مذاھبٌ   ومن دینہ فی حب الدیار لاھلہا

اصلاح کے لئے ان کی نورانی مجلسوں اور پاکیزہ صحبتوں میں جاکر قیام کروں اور حضرت کے فیوض و برکات سے مستفید ہوں۔

تحقیق۔ بڑے اچھے آدمی ہیں یہ خود اُن کے اچھے ہونیکی دلیل ہے۔ بہت خوش ہوا اللہ تعالےٰ اکابر کے فیوض و برکات سے اُنکو مستفید فرمائے۔

حال۔ (یہ بھی کہاکہ) مجھے اس حالیہ حاضری کے موقعہ پر اپنے اُس خواب کی تعبیر پوری طرح سمجھ میں آئی جس میں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ مجھے دیکھنے کی تمنا ہے تو (حضرت والا کا نام لے کر فرمایا کہ) انھیں دیکھو یعنی حضرت گرامی مجددیت پر فائز ہیں اور حضرت کا طریق تجدید دین و طریق موجودہ۔ آئندہ نسل کے مشائخ کے لئے مشعل راہ و کامل رہنمائی کا سامان ہے۔

تحقیق۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے۔

حال۔ مجھے افسوس ہے کہ حضرت گرامی جیسی نور بار صحبت میں رہنے کے باوجود دلِ دیوانے کی بے راہ روی ابھی قائم ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اپنے بندوں میں بنالے اور سعادتِ حقیقی میرا نصیب بنجائے اور میں اور میری اولاد محبت الٰہی سے سرشار رہے۔

تحقیق۔ بہت اچھے ہو۔ دعا کرتا ہوں۔

خط حضرت علامہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

والانامہ کئی روز ہوئے ملکر سعادت میں اضافہ کا باعث ہوا۔ آپکی واپسی بخیریت پر (از بمبئی) بہت زیادہ مسرت ہوئی خدا تعالیٰ آپ کی صحت اور دوسرے اُمور کی پوری طرح حفاظت فرمائیں اور ہم لوگوں کو سعادت ذخیر اندوزی کے مواقع نصیب ہوں۔ جواب میں تاخیر کا باعث امتحان سالانہ کی مشغولیت اور سردی کی زیادتی رہی۔ ایک مختصر سفر میرٹھ تک کا جس میں حکیم عزیز الرحمان سلمہ بھی ہمراہ تھے ہو گیا تھا۔

شعبان کا ہفتہ شروع ہونے سے پہلے شوریٰ کا اجلاس ہوا۔ الحمدللہ کہ آپ کی توجہات عالیہ کی برکت سے لوگوں نے میری بات مانی اور اکثر باتیں قبول کیں۔

ادھر انظر سلمہٗ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کے ذریعہ حالات کا علم ہوا اور آپ کا ارسال کردہ محبوب تحفہ سامان بہبود (یعنی) امرود ملا۔ مسرت ہوئی موسم ناسازگار ہونے کے باوجود میں نے بھی کھایا۔ خدا کا شکر ہے کہ کوئی ضرر نہیں پہونچا بلکہ نفع ہوا۔ اور ماشاء اللہ میٹھے سے میٹھا تھا۔ اس کے لئے تو دل سے شکر گذار ہوں۔

آپ کی توجہات اور دعاؤں کا ہر آن محتاج ہوں۔ الحمدللہ صحت بھی اچھی ہے۔

والسلام - ابراہیم

حضرت والاؒ کا جواب

آپ کی مصروفیت کا حال معلوم ہوا۔ اس بات سے خوشی ہوئی کہ الحمدللہ وہاں بھی کام ہو رہا ہے اور اس سے زیادہ مسرت آپ کے اس تحریر فرمانے سے ہوئی کہ اہل شوریٰ نے جناب کی باتوں کو توجہ کے ساتھ سنا انشاء اللہ تعالیٰ اب کام ہوگا اور فائدہ روز بروز بڑھتا ہی جائے گا۔

آپ نے تحفہ اور اس کی مٹھاس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہ کیا میٹھا ہے اللہ تعالیٰ آپکو ایمان کی حلاوت نصیب فرماوے۔

آپ کے لئے برابر دعا کرتا ہوں اور خود اپنے لئے طالب دعا ہوں کہ صحت وقوت قائم رہے اور شر و فتن سے امن رہے تاکہ کچھ کام کرسکوں۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ

خط حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب

کل ہی ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ آج عزیزم حکیم صاحب سلمہٗ جا رہے ہیں ان کے ذریعہ یہ مختصر ہدیہ جو آپ کی عظمت اور دربار کی شوکت کے سامنے تو بالکل ہی

بے حقیقت ہے مگر اُس ضعیفہ کی حیثیت سے جو کہ خریداران یوسف میں اپنے کو شمار کرانا چاہتی تھی جیسے حضرت جامیؒ نے یوں ذکر فرمایا ہے ؎

ہمیں بس گرچہ من کاسد قماشم
کہ در سلک خریدارانش باشم

اس مختصر و حقیر چیز کو نذر کر رہا ہوں۔ اُمید کہ قبول فرما کر مشرف و ممنون فرمائیں گے

دعا و توجہات کا محتاج

محمد ابراہیم عفی عنہ

حضرت اقدس علیہ الرحمۃ کا جواب

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ مولوی عزیز الرحمان سلمہ آئے۔ مرسلہ ہدیہ سے جو کہ میرے لئے بصد سعادت کا مُظہر و مُخبر ہوا۔ بہرہ ور ہوا۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء فی الدارین۔

جناب والا نے حضرت جامی رحمۃ اللہ علیہ کا جو شعر تحریر فرمایا ہے وہ تو آپ کی غایت تواضع ہے۔ یہ خریداری اُس کا تو نہیں البتہ اِس کا مصداق ضرور ہو سکتی ہے کہ ؎

داغ غلامیت کرد پایۂ خسرو بلند
میر ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید

اللہ تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات کو عام و تام فرمائے۔ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور خود اپنے لئے بھی ازدیاد صحت و برکتِ اوقات کی دُعا کا طالب ہوں۔

والسلام مع الاکرام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃؒ کے جواب کی برجستگی اور اس کی لطافت لوگ تو کہتے ہیں کہ حضرت پر جذب کا اثر غالب تھا۔ کہیں مجذوب بھی اتنا حاضر جواب اور ایسا باہوش ہوتا ہے۔ خیال فرمائیے کہ ایک انسان کھویا ہوا اور گم بھی ہو اور اس قدر بیدار مغز اور مستحضر العلم بھی ہو ایسا امتزاج یا تو ممکن ہی نہیں اور یا نہیں تو پھر اس میں بھی شک نہیں کہ ہے نہایت ہی عجیب و غریب جامعیت و ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

دیکھئے حضرت علامہؒ نے اپنے کو، عارف جامی کے اس شعر کا مصداق قرار دیا کہ جس طرح سے اس بڑھیا نے خریداران یوسفؑ کی فہرست میں اپنے نام لکھا دینے ہی کو اپنے لئے ذریعہ شرف جانا اسی طرح سے حضرت علامہؒ نے بھی حضرتؒ کی خدمت میں ہدیہ پیش کر کے اسی حیثیت اور مقام میں خود کو ظاہر فرمایا ـــــ اور اس میں شک نہیں کہ یہ فرما کر حضرت علامہؒ نے اپنی انتہائی تواضع اور کسر نفسی کا ثبوت دیا جو کہ حق تعالےٰ کا خاص ہی عطیہ ہے جسے وہ اپنے کسی ہی بندے کو عطا فرماتے ہیں ؎

یہ رتبۂ عظیم ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

اب اسکے جواب میں حضرت مصلح الامتؒ نے جو کچھ فرمایا۔ بلاشبہ وہ بھی حضرتؒ ہی کا حق تھا۔ تواضع کا جواب تو تواضع سے دیا ہی۔ خریداری کا جواب بھی خریداری ہی سے مرحمت فرمایا۔ یعنی یہ فرمایا کہ آپ کی نفس خریداری تو مسلّم مگر نہ ویسی، جیسی کہ آپ نے ظاہر فرمائی ہے اور عارف جامی کے شعر سے اس کا اثبات فرمایا ہو بلکہ وہ خریداری ایسی ہے جس کا ذکر امیر خسروؒ نے اپنے شعر میں فرمایا ہے کہ جس طرح سے کوئی بادشاہ ہو اور وہ کوئی غلام خریدے تو اس کی وجہ سے خود غلام میں شرف آجاتا ہے۔ ایسا ہی شرف مجھے آپ کی نسبت سے حاصل ہوا ؎

داغِ غلامیت کرد پایۂ خسرو بلند میر ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید

سبحان اللہ۔ کیا ہی عمدہ مضمون ہے اور کیا خوب انطباق ہے۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ اللہ تعالےٰ ان اکابر کے خلق سے ہمیں بھی کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آمین

(خط حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رح)

بقلم خاص

مخدومی دامت برکاتہم ۔ سلام مسنون ۔

جذبۂ قلبی نے مجبور کر دیا ہے جس کی وجہ سے یہ عریضہ پیش کر رہا ہوں ورنہ ضعف کی وجہ سے ہاتھ کی انگلیوں میں رعشہ ہے مگر باوجود اس کے کچھ عرض کرتا ہوں۔

اول یہ کہ ایک حقیر در حقیر ہدیہ عزیزم حکیم عزیز الرحمان سلمہ کی وساطت سے خدمتِ اقدس میں روانہ کر دیا تھا اور وجہ اس کی وہ روایت ہے جس کو قاضی شوکانی رح نے نیل میں حضرت عائشہ سے بایں الفاظ تخریج کی ہے تہادوا تزدادوا حُبًّا۔

احقر کو آنجناب سے محبت اور اُنسیت پہلے سے تھی لیکن پچھلے سال کی ملاقات کے بعد سے وہ کیفیت بڑھ گئی ہے اور میں اس کو اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتا ہوں۔

دوم یہ کہ دار العلوم میں کام اچھا ہو رہا ہے۔ لیکن اصلاح کی رفتار دھیمی ہے اگر آنجناب کی توجہ کامل رہی تو اُمید ہے کہ کچھ رفتار بڑھے۔

تیسری گذارش یہ ہے کہ دار العلوم کے کچھ حضرات جناب کی طرف مائل ہو گئے ہیں۔ احقر کی تمنا ہے کہ انکی طرف خصوصی توجہ سے کام لیں۔ انشاء اللہ پندرہ سولہ رمضان شریف کو مکرمی مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دار العلوم۔ الہ آباد جناب کی زیارت کے لئے روانہ ہو جائیں گے ۔موصوف کی وجہ سے احقر کو بہت کچھ سہارا ملتا ہے۔ اُن کے بعد ممکن ہے کہ اور حضرات بھی کسی وقت حاضر خدمت ہوں۔

جی بہت چاہتا ہے کہ کچھ اور لکھوں مگر ہاتھ کام نہیں دیتا اور عزیزم حکیم عزیز الرحمان صاحب پاس نہیں کہ اُن سے لکھواؤں۔ اتنا ہی پر اکتفاء کرتا ہوں اور مزید توجہ کی درخواست پیش خدمت ہے۔ فقط والسلام

ابراہیم

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا جواب

حضرت مخدومی و محترمی جناب مولانا دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کے دست مبارک کا لکھا ہوا خط دیکھ کر بہت مسرت ہوئی۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رعشہ کی تکلیف کو بھی ختم فرمادے اور آپ خود کام کرسکیں۔

مولوی عزیز الرحمن کے بدست جناب والا کا تبرک ملا تھا اور اس سے متبرک ہوا۔ میں نے گذشتہ خط میں شاید اسکا تذکرہ نہیں کیا۔ الحمد للہ کہ وہاں کام ہو رہا ہے۔ خیر رفتار سست ہی سہی انشاء اللہ تعالیٰ رفتار تیز بھی ہوجائے گی۔

مولانا مولوی ارشاد احمد صاحب اور مولوی انظر شاہ صاحب وغیرہ کے آنے کی اطلاع ملی اُمید ہے کہ یہ نوجوان طبقہ جناب کے لئے دست و پا ثابت ہوگا۔ آپ کی صحت و قوت کے لئے برابر دعائیں کرتا ہوں۔ والسلام خیر ختام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ۔

۱۵ رمضان المبارک ۸۴ھ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت العلامہؒ کا یہ مکتوب گرامی ـــــ ہم لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ایک استاذ بلکہ استاذ الاساتذہ نے کس طرح اپنے ایک شاگرد کے ساتھ اس طرح کا نیازمندانہ معاملہ فرمایا۔ لیکن انکشاف یہ ہوا کہ یہ تعلق کچھ جدید نہ تھا بلکہ دیرینہ اور قدیم تھا۔ یعنی حضرت علامہؒ کی دور رس نگاہوں نے زمانہ طالب علمی ہی میں تاڑ لیا تھا کہ انکا مستقبل ایسا تابناک ہونے والا ہے لیکن وہ وقت چونکہ دوسرا ہی تھا اس لئے دل کی تمنا دل ہی میں لئے رہے لیکن الہ آباد کی ملاقات کے بعد بالآخر وہ دبی ہوئی چنگاری اُبھری اور قلبی محبت قلب سے چھلک کر زبان پر آہی گئی چنانچہ فرمایا کہ ـــــ جذبۂ قلبی نے مجبور کردیا جس کی وجہ سے یہ عریضہ پیش ہے ـــــ اور یہ فرمایا کہ ـــــ احقر کو آنجناب سے محبت اور انسیت پہلے سے تھی لیکن گذشتہ سال کی ملاقات کے بعد سے

وہ کیفیت بڑھ گئی ہے ـــــــ حضرت علامہ کی اس محبت اور تعلق کا اندازہ شاید آپکو بھی اس سے قبل نہ ہوا ہوگا۔ اور اس میں شک نہیں کہ محبوب جب غائب ہو اُسوقت کی حالت اور جب وہ نظروں کے سامنے آجائے اُسوقت کے حالات میں فرق ہوا ہی کرتا ہے، گو ادب مانع ہو رہا ہے تاہم اس موقعہ پر یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

سامنے نظروں کے جب وہ دِلرُبا آجائے ہے
تھامتا ہوں دل کو اپنے پر وہ نکلا جائے ہے

دیکھئے حضرت علامہؒ نے اپنے مافی الضمیر کو ظاہر فرمادیا اور ببانگ دُہل یہ اعلان فرمادیا کہ ـــــــ مجھ کو آپ سے محبت تھی اور ہے اور ملاقات الہ آباد کے بعد سے اس میں اضافہ ہے اور ـــــــ "میں اسکو اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتا ہوں"

یہ وہ الفاظ ہیں جو حضرت علامہ کے خود اپنے تحریر کردہ ہیں۔ کتابت غیر یا روایت بالمعنی نہیں ہے کہ اسکو ناقل کی خوش عقیدگی پر محمول کر لیا جائے۔ بس اُن حضرات پر حضرت علامہؒ کا یہ فرمان حجت ہے جو حضرت علامہؒ سے محبت فرماتے ہیں اور جس طرح حضرت علامہ کی سلّم اور صدرا کی تقریر آج طلبہ کے لئے باعثِ فخر ہے۔ اسی طرح سے حضرت علامہؒ کا یہ ارشاد بھی طالبین کے لئے قابل تقلید و لائق عمل ہے یعنی ہمارے لئے اسمیں کم از کم اتنا تو سبق موجود ہی ہے کہ جامع معقول و منقول ہونے کے بعد بھی تکمیل باطنی کا ایک درجہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ کسی اللہ والے سے تعلق پیدا کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ بھروسہ کئے جانے کے لئے یہ علوم ظاہری نہیں ہیں۔ ہاں اگر کسی درجہ میں کسی چیز پر اتکال کیا جا سکتا ہے تو وہ۔ بزرگوں کی محبت اور اللہ والوں سے نسبت ہے۔

یہ بھی ایک سبق تھا اور اس میں شک نہیں کہ بہت بڑا سبق تھا جو حضرت علامہ بلیاویؒ نے ہمیں دیا اور اب دیکھنا چاہئے کہ کسے اس کے مطالعہ۔ اور تکرار کی توفیق ہوتی ہے۔ اللھم وفقنا ؎

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

نیز آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمایا کہ حضرت علامہ علیہ الرحمۃ کو مدرسہ اور اہلِ مدرسہ کی اصلاح کی کسقدر فکر دامنگیر رہتی تھی چنانچہ حضرت اقدسؒ کو برابر اسکے لئے دُعا کی جانب متوجہ فرماتے رہتے اور اپنے رفقاء وخدام میں سے جو بھی حضرت کی جانب ذرا بھی متوجہ ہوتا تو اس بات سے کتنے مسرور ہوتے اور اگر اُسکا خیال حاضری کا ہوجاتا تو حضرت والا سے کیسی سفارش فرماتے تھے۔ بایں ہمہ خود سے کسی کو اسکی ترغیب نہ فرماتے۔ ہر شخص کو اس بات میں آزاد رکھتے تھے۔

ان حضرات میں سے جن کا ذکر خط میں ہے مولوی ارشاد احمد صاحب تو متعدد بار تشریف لائے اور حضرت والا سے انکا خصوصی تعلق بھی ہوگیا۔ چنانچہ انکے بعض تاثرات گذشتہ خط کے تحت ملاحظہ سے بھی گذر چکے ہیں۔ اس خط میں مولانا انظر ابن شاہ انور علیہ الرحمۃ کا بھی ذکر ہے۔ مولانا موصوف بھی حضرت والا سے متعدد بار ملے لیکن پہلی ملاقات کا اپنا جو تاثر دیوبند واپس ہونے کے بعد انھوں نے حضرتؒ کو لکھا ہے اس میں شک نہیں کہ وہ حضرت اقدس کے متعلقین ومنتسبین کو آج بھی حضرت کی یاد دلاکر بیچین کردینے والا ہے اور اُن حضرات کے لئے جو حضرت کا زمانہ پانے کے باوجود حضرت سے نہ مل سکے اُنکی حسرت و یاس کو اور بڑھا دینے والا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اور ذکر حبیب سے وصل حبیب کا لطف حاصل کیجئے۔

حضرت والا سے ملاقات پر حضرت مولانا انظر ابن شاہ انورؒ کے تاثرات

دیوبند سے روانگی سے ایک ہفتہ قبل خواب دیکھا تھا کہ آسمان پر پہلی تاریخ کا چاند نمایاں ہے اور کوئی کہتا ہے کہ یہ شعبان کا چاند ہے میں بوقت حاضری یہ خواب حضرت والا کو نہ سُنا سکا اس وقت تعبیر سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن اب معلوم ہوا کہ شعبان کے ماہ میں درِ اقدس پر حاضری مقدر تھی جس کے فوائد دینی اور دنیوی حضرت والا کے ذات اقدس سے وابستہ ہیں۔

دس سال کے بعد حاضری پر جہاں افسوس ہے وہاں یہ مسرت بھی کچھ کم نہیں بلکہ

زیادہ ہی ہے کہ اپنے ناقص شعور و بیداری احساس کے ساتھ درِ اقدس پر حاضری ہوئی اس عمر و سن میں حضرت اقدس کے کمالات علمیہ و عملیہ کا مکمل نہیں تو ایک ہلکا سا جائزہ خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل رحمت سے کرا دیا، بے شعوری کے دور میں حاضری اس درجہ اثر انگیز نہ ہوتی۔

اللہ اکبر حضرت ذیشان کی معصومیت، اخلاص، شفقت، والہانہ تعلق، بے ریا حیات، قدسی پاکیزہ نفوس عالم میں انشاء اللہ اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ لوگوں سے سنا ہے کہ عام طور پر اہل علم کہتے ہیں کہ اگر ہم حضرت مولانا انور شاہؒ کو نہ دیکھتے تو حفاظِ حدیث کے حیرت زا حفظ و یادداشت کے واقعات و حکایات پر یقین نہ آتا اب یہ خاکسار عرض کرتا ہے کہ الحمد للہ بارہ سال سے دارالعلوم میں قرآن کریم کا درس زیر درس ہے ہمیشہ یہ آیت زیر مطالعہ آئی لعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یومنوا بھذا الحدیث اسفاً لیکن سمجھ میں نہ آتا کہ ایک انسان پر دوسروں کے فلاح و بہبود کا اس قدر غلبہ ہو سکتا ہے کہ اس کی جان پاک کا خطرہ ہو جائے۔ سو اللہ کا شکر ہے کہ اس مرتبہ حضرت عالی مرتبت کا معاملہ دیکھ کر یقین آگیا کہ نفوس قدسیہ انسانوں کی ہدایت و رہنمائی اصلاح میں یوں بیقرار و بے چین سراپا سوز ہوتے ہیں۔

والد مرحوم کے متعلق سنا ہے کہ درس میں ہمیشہ فرماتے کہ ہم کشمیر سے دیوبند آئے تو ہم نے دین حضرت گنگوہیؒ کے یہاں پایا۔ پھر حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں۔ اور اب جس کو دین دیکھنا ہو وہ تھانہ بھون چلا جائے او کما قال ــــــ میں عرض کرتا ہوں کہ اب جس کو دین دیکھنا ہو وہ الہ آباد ہمارے حضرت گرامی مرتبت (یعنی حضرت مصلح الامۃؒ) کے یہاں پہونچ جائے انشاء اللہ دین اپنے صحیح مکمل اور جامع صورت میں مل جائے گا۔

میں حضرت والا سے سچ عرض کرتا ہوں کہ ہندوستان اور پاکستان کے تمام ہی بزرگوں سے الحمد للہ نیاز کا موقع ملا مگر خود اپنے لئے یہ محبت شفقت اخلاص سوز و تعلق

خدا کی قسم میں نے کہیں نہیں پایا۔ اب ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم حضرت اقدس سے کچھ حاصل نہ کرسکیں ورنہ دریا، دریائے فیوض سے تشنگان کام ودین کے لئے سیرابی کے سامان پوری فیاضی سے بہم پہونچا دے۔

بس مختصر یوں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت شیخ الہند رحؒ نے جس پر نظر ڈالی علامہ بنادیا اور حضرت حکیم الامت رحؒ نے جس پر ہاتھ رکھا، انسان بنادیا اور یہ آخری کام بہت مشکل ہے

بس کہ مشکل ہے ہر اک کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا

سبحان اللہ ادائیگی حقوق میں خالص شفقت کا منظر اختیار کرلینا۔ اعزّا واقارب کے ساتھ صلہ رحمی، خدام کی پرسش و نگہداشت، واردین وصادرین کی خبرگیری دُور و قریب کے روابط اور ان کی رعایت، بہ معرفت وسلوک، مکارم اخلاق اور گرم گستری کے عنوانات اپنے طویل مضامین کے ساتھ کہاں نظر آئیں گے؟ اصلاح خلق کا یہ سراپا سوز محض کا شانۂ نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کی میراث اور اتباع سنت کا یہ ذوق مشکوٰۃ نبوت کی وراثت ہے۔ چہرہ پر انوار الٰہی کے جلوؤں میں محبوبیت نمایاں۔ حرکات وسکنات میں سُنّت کی سنجیدگی۔ کلام میں حکمت کے بہتے دریا۔ ملفوظات میں اخلاص وشفقت کا تموج، محبت میں اثر، عنایت میں گرفت، خلوص میں بندش، لفظوں میں ایجاز لیکن معنی میں لطافت کی مکمل روانی۔

اگر حکیم الامت رحؒ کا تصوّف متن ہے تو حضرت والا اس کے شارح ہیں۔ اگر وہ تعبیر واسلوب ہیں تو حضرت والا اس کے ترجمان اور ماشاء اللہ ترجمانی متن کی لطافت کشش اور جاذبیت میں بہ ہزار گونہ فائق۔

اے اللہ آپ کی شانِ کریمی کے تصدق۔ اپنے بندے ظلوم وجہول کو یعنی.....
..... بدنام کنندۂ نکونامے چند انظر کو ہمیشہ خود ہی دنیا ودین کا علم دیا۔ تدریس کی خدمت عنایت فرمائی اور اپنے رحمت کے صدقے وصی الامت خود آگاہ، مرد درویش، عابد و زاہد رئیس الاتقیاء مدظلہٗ العالی کے یہاں پہونچا دیا۔ الحمد للہ اب حضرت والا کے ارشاد

عالی کے بموجب وہ کام شروع کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ اس ذرہ بے مقدار کو آفتاب ہدایت کی ضیا پاشی سے محرومی نہ ہو۔ رفیق سفر مولوی ظہور الباری تمام سفر میں حضرت والا کا والہانہ تذکرہ کرتے رہے اور قلباً متاثر اور ذہناً صید سعادت ہو گئے اور والدہ صاحبہ تو عنایات کا تذکرہ سُن کر اسی وقت سے مصر ہیں کہ جا جلد الہ آباد پہونچ۔ کچھ حاصل کر لے تاکہ میں بھی خدا تعالیٰ اور شاہ صاحب مرحوم کو سرخروئی کے ساتھ منہ دکھا سکوں۔ انشاء اللہ بعد سفر.... درِ اقدس پر حاضری ہونی ہے۔

والسلام

(حضرت اقدسؒ کا جواب)

جناب شاہ صاحب دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ نے اپنے تاثرات خوب لکھے ہیں۔ یہ سب صحیح ہیں باقی میں اپنے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں آپ حضرات کا حسن ظن میرے نجات کے لئے کافی ذریعہ ہے۔ اس سے زیادہ لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

والسلام وصی اللہ عفی عنہ

مولانا انظر شاہ صاحب ظلہٗ کی تشریف آوری اور حضرت والاؒ کی خدمت میں دوبارہ عزم حاضری کی مناسبت سے اپنے ایک محترم دوست کا خط نقل کرتا ہوں جو انھوں نے دیوبند سے حضرتؒ کو لکھا اس میں بھی اسی کا تذکرہ ہے لکھتے ہیں کہ

حال۔ حضرت گرامی کے سفر بمبئی سے واپسی کا حال معلوم ہوا۔ اہلِ بمبئی کا آپ کی جُدائی پر بیچینی اور اضطراب کا حال حکیم مختار احمد صاحب اصلاحی سے تفصیل کے ساتھ معلوم ہوا۔

تحقیق۔ خوب

حال۔ بڑی مسرت ہوئی اور بمبئی والوں کی قسمت پر رشک ہوا

حال۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کا فیض تمام اکناف و اطراف عالم میں یکساں طور پر پھیلادے اور بیسویں صدی آپ کی برکات کا معمورہ بن جائے۔

تحقیق۔ آمین۔

حال۔ مولانا انظر شاہ واپس ہوئے اور آتے ہی انھوں نے وہ مکتوب رقم کیا جو حاضری الہ آباد کے تاثر کا نتیجہ ہے اور حضرت والا کی خدمت میں باریاب ہو چکا ہوگا۔

تحقیق۔ ہو چکا۔ جواب گیا۔

حال۔ کہنے لگے کہ میں اخیر عشرۂ رمضان میں حاضری دونگا۔ تم رہوگے یا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ میرا تو وہی گھر ہے۔ اگر کہیں جاؤنگا بھی تو کچھ دنوں کے لئے پھر وہی در ہوگا اور میرا سر ہوگا۔

تحقیق۔ خوب جواب دیا۔

درمیان کے یہ چند صفحات جو جملۂ معترضہ کے طور پر گذرے خدا کرے اس نے آپکے لطف کو کرکرا نہ کیا ہو۔ ۱۵ ار رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ کو جو والا نامہ حضرت اقدس کا حضرت علامہؒ کے نام گیا تو اسکا ۷ ر شوال کو یہ جواب آیا۔

خط حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ بلیاوی

شکر ہے بفضل ایزدی و بدعائے آنجناب احقر عافیت سے ہے اور قدرے بدن میں، روح میں طاقت بھی محسوس ہو رہی ہے۔ ہاتھ کا رعشہ بھی کم ہے۔ یہ عریضہ خود ہی لکھ رہا ہوں۔ چونکہ کوئی بیس پچیس سال سے گوناگوں امور میں مبتلا ہونے کی وجہ سے امر آخرت مبہم ہوگیا ہے۔ بدیں وجہ بعض وقت قلب کی حالت دگرگوں

ہو جاتی ہے۔ ضرورت ہے کہ آنجناب اس طرف قوت سے متوجہ ہوں ورنہ آپکا یہ کبیر السن بے مایہ استاد تباہ ہو جائے گا۔ مدرسہ کا کام خدا کے فضل اور آنجناب کی توجہ باطنی اور دعا کی وجہ سے اچھا ہو رہا ہے اور آنجناب کا تذکرہ بھی دار العلوم میں باحسن طریق ہو رہا ہے مگر طلباء کے طعام کی طرف پوری توجہ کی ضرورت معلوم ہو رہی ہے۔ کیونکہ حکومت غلہ کے انتظام میں ناکام ہو رہی اور بازار میں غلہ کا نرخ ایسا ہو گیا ہے کہ طلبہ کے (تین چار سو ہی کے قریب) طعام کا انتظام مدرسہ کر پائے گا اور ایسا ہونا مدرسہ کے وقار پر بہت برا اثر پڑیگا۔

جناب کا ملفوف والا نامہ موصول ہوا ہے۔ پڑھا۔ سینہ سے لگایا جس سے قلب کو بہت کچھ سکون ہوا۔

والسلام

محمد ابراہیم ۱۷ر شوال ۸۴ھ

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا جواب

عنایت نامہ ملا۔ کاشف حالات ہوا۔ جناب والا نے اس دفعہ جس تواضع کا اظہار فرمایا ہے اور اپنے متعلق جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں ان سے بیحد متاثر ہوا۔ آپ کے اطمینان اور تسلئ خاطر عاطر کے لئے عرض کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ایسا نہ ہوگا بلکہ اب روز بروز آپ حالات میں ترقی ہی فرماتے جائیں گے اور نہایت عمدہ حالات میں اللہ تعالیٰ سے ملیں گے جس کے آثار یوماً فیوماً آپ خود بھی محسوس کریں گے اور آپکا یہ اُمید و بیم کا حال عین مومن کامل کی شان ہے اللہ تعالیٰ اس کو اضعافاً مضاعفۃ فرمائے۔

مدرسہ کے لئے بھی دعا کر رہا ہوں۔ حالات تو صبر آزما بلاشبہ ہیں تاہم انشاء اللہ تعالیٰ مدرسہ کو نقصان نہ ہوگا۔ غیب سے اسباب راحت پیدا ہوں گے۔ حالات مدرسہ سن کر مسرت ہوئی۔ بزرگوں کی جگہ رہ چکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کی روحانی توجہ

اپنے اس دینی مرکز کی طرف پورے طور سے ہوگئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مشائخ کی تمنا کے مطابق دین کا سرچشمہ اور سنن نبوی کا مصدر بنادے۔ آمین

آپ کے لئے ہر طرح کی ترقی کی دعا کرتا ہوں اور خود اپنے لئے طالب دعا ہوں۔

والسلام خیر ختام

خویدِ مُہم وصی اللہ عفی عنہ

۹ر شوال المکرم ۸۴ھ

دیکھا آپ نے حضرت علامہؒ نے اپنے اس خط میں بھی جس تواضع کسرنفس اور انقیادِ شیخ کا ثبوت دیا ہے وہ بلاشبہ انھیں کا حصہ تھا۔ ایسا لکھ دیا اور اس طرح سے لکھدیا کہ حضرت مصلح الامۃؒ بھی اسے پڑھ کر بلبلا ہی تو اُٹھے اور پھر حضرت نے جس دل سے انکے لئے دعا فرمائی ہوگی اسے کون جان سکتا ہے تاہم اُمید توی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قبول ہی فرمایا ہوگا کیونکہ دل کی یہی حالت تو تصوف کی روح ہے اور ایسا ہی قلب فضل الٰہی کا مورد ہوا کرتا ہے اور یہ حال چونکہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کما قال عند المنکرۃ قلوبھم (میں شکستہ دلوں کے پاس ہوتا ہوں) اسلئے اہل اللہ کو بھی پسند ہے۔ چنانچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بیاض میں ایک مقام پر یہ اشعار نقل کئے ہوئے ملے اور یہ ظاہر ہے کہ صفحۂ قرطاس پر آنے سے پہلے اس مضمون نے قلبِ صافی میں جگہ پائی ہوگی ؎

رہے نہ دل کے لئے کوئی مستقل مرکز　　یہی ہے عقل تو دل اس سے دور ہی اچھا

لبھالیا مجھے اے شیخ چشم ساقی نے　　غرورِ زہد سے مے کا سرور ہی اچھا

دلِ شکستہ میں رہتا ہے بادۂ عرفاں
سنا ہے میں نے کہ یہ شیشہ چور ہی اچھا

حضرت علامہؒ کا علوم ظاہری میں عروج اور تفوق محتاج بیان نہیں اسکو ایک دنیا جانتی ہے لیکن طریق اور راہ باطن میں بھی انکا مقام کیا تھا؟ ہوسکتا ہے کہ بہت سوں پر یہ مخفی رہا ہو۔ نیز موصوف کی مجالس علمیہ اس کی تحقیقات اور اس کے لطائف۔ حضرت علامہ کی بذلہ سنجی نکتہ رسی اور حاضر جوابی۔ نیز ظرافت اور خوش مزاجی کے ملفوظات بھی آپ نے بہت سنے ہونگے۔ لیکن انکے قلب گریاں اور نفس باکی کی حکایت شاید اس سے قبل سننے میں نہ آئی ہو۔ یہی حال اہل کمال کا ہوا کرتا ہے کہ ظاہر میں لوگوں سے ملنا جلنا۔ ہنسنا بولنا سبھی کچھ ہوتا ہے لیکن قلب کسی اور ہی غم کا حامل ہوتا ہے اسی کو کہا گیا ہے ؎

تو اے آزردہ دل زاہد کیے در بزم رنداں شو
کہ بینی خندہ برلبہا و آتش پارہ در دلہا

حضرت علامہؒ کا ایک اور خط

والا نامہ کئی ہفتے ہوئے ملا تھا جس سے سکون تام نصیب ہوا۔ الحمد للہ جن خلجانوں کا ذکر میں نے اپنے عریضہ میں کیا تھا وہ حضرت والا کی توجہ کی برکت سے جاتے رہے۔ جس دن مکتوب گرامی مجھے ملا اسی دن حکومت یو.پی کی طرف سے چھ سو من ماہانہ کا کوٹہ مدرسہ کے لئے مقرر ہوگیا۔ اور دوسرا خلجان بھی قریب قریب دفع کے ہے۔

البتہ ایک دوسری بات یہ پیدا ہوگئی ہے کہ بعض وقت موت کا تصور اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ موت کا یقین ہو جاتا ہے۔ اگر نماز میں رہتا ہوں تو اس کی ادائیگی میں خلل ہوتا نظر آتا ہے اتنا قوی تصور پھر نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے حضرت والا کے گوش گزار کر رہا ہوں۔ الحمد للہ ہر طرح سکون و عافیت نصیب ہوتا جا رہا ہے۔

والانامہ کا جواب فوری دینے کا ارادہ تھا مگر آنمحترم کی علیگڈھ تشریف فرمائی اس میں حارج رہی اس لئے کہ قیام گاہ علیگڈھ کا مجھے پتہ معلوم نہ تھا ورنہ فوراً مکتوب لکھتا۔ دعائے عالی و توجہات کا میں ہر وقت محتاج ہوں۔

والسلام محمد ابراہیم

(اوائل ذیقعدہ ۸۴ھ)

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا جواب

آپ کے گزشتہ خط سے جن پریشانیوں کا علم ہوا تھا ان سے فکر مند تھا الحمدللہ کہ اس خط سے فکر رفع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ طلبہ کے لئے طعام کا پورا پورا انتظام فرماوے۔

آپ نے تصور موت کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔ الحمدللہ یہ اچھا حال ہے اکثروا ذکر ھاذم اللذات سے تو اس تصور کو بالقصد والاختیار طاری کرنے کا مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے۔ الحمدللہ کہ آپ کو اضطراراً یہ کیفیت نصیب ہے اور ان کیفیات کے محمود ہونے کی سب سے بڑی علامت ان کا نماز میں طاری ہونا ہے۔

علیگڈھ کے حالات کا علم تو مولوی ارشاد احمد سلمہ کی زبانی ہوا ہوگا۔ الحمدللہ سفر بہت کامیاب رہا۔ لوگوں کو طالب دین پایا۔ نفع بھی ہوا اور الحمدللہ میں وہاں سے مسرور آیا۔

جناب والا کی صحت و قوت کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ وہاں کے لوگوں کو آپ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق عطا فرماویں۔

والسلام خیر ختام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

ذیقعدہ ۸۴ھ (اوائل مارچ ۱۹۶۵ء)

نوٹ۔ اس کے بعد حضرت علامہؒ کا ایک اور خط حضرت والا کے نام آیا جس پر دیوبند کے ارادہ سفر پر مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔ اس کے مضامین کا ربط چونکہ حالات مدرسہ سے زیادہ قریبی معلوم ہوا اس لئے (مکاتبت حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامتہ) جس کا بیان حضرت علامہؒ کے بعد ہی آرہا ہے۔ وہاں اس کو نقل کیا جائے گا۔ (مرتب)

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کا خط

آنمحترم کے حالات برابر معلوم ہوتے رہے مگر یہ ساری اطلاعیں بالواسطہ رہیں اس سے سکون و طمانیت تو ہو جاتی ہے مگر وہ توجہ بالمشافہ و براہ راست مکاتبت و گفتگو سے ہوتا ہے وہ نصیب نہیں۔ تقریباً ڈیڑھ سال کے بعد دل کی وہ تکلیف جو پہلے ہو جایا کرتی تھی ہو گئی تھی۔ اگرچہ اس دورہ کا وقت کم نہ تھا مگر تکلیف میں کمی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ تکلیف کا اعادہ کیوں ہوا۔ کیا عقیدت میں ضعف پیدا ہو گیا ہے یا توجہ میں کوئی کمی آگئی ہے۔

بہرحال آپ کے التفات کا زیادہ سے زیادہ محتاج ہوں۔ ایک مکتوب آج کی ڈاک سے بھیج چکا ہوں امید کہ اس خط کے بعد باریاب ہو جائے گا۔

والسلام

محمد ابراہیم ۲/۸۵ھ

حضرت والاؒ کا جواب بنام مولوی حکیم عزیز الرحمن صاحب

مولوی عزیز الرحمن صاحب سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا کا ایک خط پہلے ملا تھا جس کا جواب میں نے خود اپنے قلم سے لکھا تھا آج مولانا کے دو کارڈ ایک ساتھ موصول ہوئے جن سے معلوم ہوا کہ جواب ابھی

تک نہیں ملا۔

مولانا نے اس خط میں تحریر فرمایا ہے کہ گذشتہ تکلیف عود کر آئی اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اسکا اعادہ کیوں ہوا؟ عقیدت میں ضعف پیدا ہوگیا ہے یا توجہ میں کوئی کمی آگئی ہے ــــــ اس کے متعلق آپ سے کہتا ہوں کہ کسی موقعہ سے مولانا سے فرمادیں کہ یہ بات نہیں ہے بلکہ کوئی اور سبب پیش آگیا ہوگا۔ حالات میں غور فرمائیں تو سمجھ میں بھی آجائے گا۔ میرے سامنے تو تفصیلی حالات ہیں نہیں تاہم اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت مولانا کی پیرانہ سالی ہے کام زیادہ ہے کچھ محنت زیادہ پڑگئی ہوگی یا کھانے پینے کے نظام میں کچھ گڑبڑی ہوگئی ہوگی یا اسی قسم کا کوئی عارض پیش آگیا ہوگا جس کے سبب سے ایسا ہوا۔ انشاءاللہ تعالیٰ جاتا رہیگا۔

والسلام

خط حضرت علامہ بلیاوی رح

حضرت المخدوم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تحریر سامی درود لاکر باعث سرور ہوا اور قلب کو منور کیا۔ الحمد للہ علی ذلک عزیزم ارشاد سلمہ کی صحت سے بہت مسرت ہوئی خداوند تعالیٰ عزیز موصوف کو مدام اپنی حفاظت میں رکھیں۔

سردست جی میں یہ آیا کہ ترمذی شریف کی حدیث جو حسن بن علی رض سے بایں الفاظ مروی ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحفۃ الصائم الدهن والمجمر (ص۱۱۱ ج۱) کے پیش نظر آنجناب کی خدمت اقدس میں کچھ اگر کی بتیاں اور ایک شیشی شمامۃ العنبر کی پیش کردوں۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خصوصی توجہ اور دعا کی سخت ضرورت ہے۔ والسلام

محمد ابراہیم عفی عنہ

(۱۲ رمضان ۸۵ھ)

حضرت مصلح الامۃ کا جواب اوّل

(ڈاک سے)

مخدومی و محترمی حضرت دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حکیم صاحب سلمہٗ کے ذریعہ ہدیۂ سنیہ موصول ہوا۔ ایک تو ہدیہ خود سنت دوسرے حدیث کی اتباع منضم ہوکر نورٌ علیٰ نور کا مصداق ہوا۔ میں اب اس پر اُتارو (یعنی آمادہ و مستعد) ہوگیا ہوں کہ ہر امر میں لوگوں کو اتباع سنت سکھاؤں آپکے ہدیہ سے بہت مسرت ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ والسلام خیر ختام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

حضرت والا کا دوسرا جواب

(دستی)

مخدومی و محترمی حضرت مولانا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حکیم صاحب سے جناب والا کا ہدیہ موصول ہوا۔ اس سلسلہ میں عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں اُمید کہ موصول ہوا ہوگا۔

حدیث شریف میں مال کے متعلق آتا ہے کہ من اخذہ بحقہٖ فنعم المعونۃ ھو نیز ایک روایت میں ہے۔ نعما المال الصالح للرجل الصالح۔ اور حضرت سعید بن جبیرؓ کا ارشاد صاحب روح المعانی نے اس کے بارے میں نقل فرمایا ہے کہ نعم المتاع

ونعم الوسیلۃ۔
بناءً علیہ ایک حقیر رقم ہدیۃً ارسال خدمت ہے اُمید کہ قبول فرمائی جائے گی۔
حسن اتفاق کہ واسطہ بھی رجل صالح کا ہے۔ والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ،

سبحان اللہ۔ پہلا جواب تو وصولیٔ ہدیہ کی گویا رسید تھی اور لسانِ قلم سے ادائے شکر تھا۔ اور دوسرے خط سے معلوم ہوا کہ ایک فعل حسن کا جواب فعل حسن سے بھی دیا گیا اور اس میں شک نہیں کہ کامل شکر تو یہی ہے کہ ہر ہر ادا سے اس کا اظہار ہو۔ بقول قائل ؎

افادتکم النعماء منی ثلثۃً یدای ولسانی والضمیر المحجبا

اور جس طرح سے اُس جانب ھدیۂ خاص کے انتخاب میں سنت کی روشنی سے اعانت حاصل کی گئی۔ اسی طرح ادھر سے بھی عروسِ ہدیہ کو احادیث ہی کے زیور سے آراستہ کیا گیا۔ اور تھادوا تزدادوا حُبّاً تو بہرحال دونوں ہی جانب مشترک تھا۔ سبحان اللہ سبحان اللہ الفت و محبت کے یہ راز دیکھنے کو شاید اب نہ صرف ہندوستان بلکہ زمین و آسمان ترس جائے۔

یہی تھیں وہ شمیم انگیزیاں عطرِ محبت کی
کہ جن سے بوستانِ ہند برسوں تک معطر تھا

خط حضرت علامہ بلیاوی رح

محمد ابراہیم عفی عنہ از دارالعلوم دیوبند۔ ۱۲؍شوال ۸۵ھ
حضرت المخدوم دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،
شکر ہے اچھا ہوں۔ البتہ ضعف زیادہ ہے اور زیادتی کا سبب دورہ ہے

جو انتیسویں رمضان کو ہوا تھا اور اس کی اطلاع آنجناب کو دے چکا ہوں۔
مگر آنجناب کی کیفیت مزاج اور دیگر عوارض کی اطلاع کچھ متفاوت صورت سے ہو رہی ہے جس کی وجہ سے متفکر ہوں اور جی چاہتا ہے کہ خود حاضر ہو کر سکون حاصل کروں مگر ضعف اس کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر تحریر سامی سے کچھ سکون نصیب ہو جائے تو باعثِ ذرہ نوازی ہوگی۔ فقط والسلام

حضرت علامہ کا دوسرا خط

اس سے پہلے بذریعہ خط و تار حالات کا علم ہوا تھا۔ اب حکیم صاحب سلمہٗ کے ذریعہ تفصیلی حال معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ مفتی صاحب و حکیم صاحب سلمہما کے ذریعہ ہدایائے سنیہ ملے۔ ماشاء اللہ چٹنی سے دونوں طرح کی لذت مل رہی ہے۔ ایک طرف کام و دہن کا چٹخارہ ہے تو دوسری طرف روحانی کیف۔ اس پر آپکی عنایات و توجہات کی جھڑیاں سبحان اللہ گویا ہ

قاصد رسید نامہ رسید و خبر رسید   در حیرتم کہ جاں بکدامی کنم نثار

تفصیلی خط انشاء اللہ کسی قریبی فرصت میں حاضر خدمت کرونگا۔ اس سے پہلے جو تکلیف ہوگئی تھی وہ جاتی رہی البتہ نقاہت کا اثر ہے۔ خمیرہ آبریشم حکیم ارشد والا استعمال کر رہا ہوں۔ فائدہ ہے۔ دعاؤں کا محتاج۔ والسلام

ابراہیم عفی عنہ   ۲۵ شوال ۸۵ھ

حضرت علامہ کا یہ خط شوال ۸۵ھ کا ہے اس کے بعد سلسلۂ مکاتبت طویل عرصہ تک غالباً موقوف رہا کیونکہ ہمیں کبھی اس درمیان کا کوئی خط نہیں ملا اور حضرت علامہ کے ذیل کے خط میں بھی اسکا تذکرہ ہے۔ چنانچہ ۱۲ محرم ۸۷ھ کو یہ خط ارسال فرمایا۔

گرامی نامہ حضرت علامہ بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

مخدومنا المحترم زید احترامکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

شکر ہے۔ اچھا ہوں۔ لیکن ضعف زیادہ ہے۔ ہاتھ کی انگلیوں میں رعشہ بھی شروع ہو گیا ہے جس سے خود کتابت سے معذوری ہے مگر آج جی میں آیا کہ کچھ ہو خود ہی خدمت اقدس میں کچھ لکھوں۔

تعجب ہے کہ عرصہ سے آنجناب کی طرف سے نہ تو کوئی تحریر آئی کہ آنجناب کہاں ہیں؟ اور نہ کوئی مٹھائی یا پھل آیا جسے کھا کر قلبی نور اور دلی انبساط حاصل ہو۔ حالانکہ اس عرصہ میں متعدد اشخاص بمبئی سے آئے اور الہ آباد سے بھی۔ کیا اس ضعیف کی طرف کچھ توجہ میں کمی تو نہیں آگئی ہے۔ فکر ہے اور ضرور ہونا چاہئے زیادہ کیا عرض کروں لکھنے سے معذوری ہے۔

والسلام

محمد ابراہیم از دار العلوم دیوبند

۱۲ر محرم ۸۷ھ

حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کا جواب

معظمی ومحترمی حضرت مولانا دام مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ آپ کی طرف پوری توجہ ہے۔ برابر آپ کو یاد رکھتا ہوں بھولا نہیں ہوں لیکن آپ نے جو تحریر فرمایا ہے (یعنی یہ کہ تعجب ہے کہ عرصہ سے الخ) اسکا جواب تو صرف یہ ہے کہ معاف فرما دیجئے۔ خطا ہوئی۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ ایسا نہ ہوگا باقی آپ کی جو عنایات اپنے خوردوں پر ہے اس سے خاص مسرت ہوئی۔

آپ کی صحت کے لئے دعا کرتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ رعشہ بھی جاتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ میرے لئے بھی دعا فرمائیے کہ حق تعالیٰ کچھ

کام لے لیں اور مزید صحت و قوت عطا فرماویں۔

یہاں موسم بہت خوشگوار ہے الحمد للہ ہر طرح کا آرام ہے۔

والسلام خیر ختام

خویدمکم وصی اللہ عفی عنہٗ۔ کرلا۔ بمبئی

جمعہ ۲۴؍ محرم ۸۷ھ

حضرت علامہؒ کا یہ خط اور حضرت مصلح الامت کا جواب آپ نے ملاحظہ فرمایا دیکھئے حضرت علامہ کی بھی طلب اور بے لوثی طبع کہ جب خدا کی یاد نے تڑپایا اور فکر آخرت نے چونکایا اور بطن نہیں باطن کی بھوک نے ستایا تو کسقدر بے تکلفی کے ساتھ شیخ نورانی سے اپنے قلب کے لئے نور کی غذا اور دل کے لئے انبساط کا سامان از خود طلب فرمایا —— اور شیخ وقتؒ کی بھی تواضع بےمثل ہی ہے کہ اس تاخیر کو اپنی ہی خطا قرار دے کر اس کی معافی طلب فرمائی۔ سبحان اللہ۔ ایسا قصور اور ایسی معافی کاہیکو کسی نے دیکھی سنی ہوگی۔ اور حضرتؒ نے یہ سب کچھ رسماً اور ظاہراً نہیں کیا کیونکہ جو شیخ کہ دوسروں کو تصنع اور ظاہر داری سے نکالتا ہو اس کے متعلق ایسا گمان بھلا کیسے ہوسکتا ہے بلکہ حضرت والا کو واقعۃً اس کی ایک چوٹ لگی کہ حضرت علامہ کے ساتھ جب ایک معمول جاری ہوگیا تھا تو اُس کا وقفہ اتنا طویل کیوں ہوا کہ حضرت علامہ کو کسی درجہ میں بھی سہی محسوس کرنا پڑا۔ چنانچہ یہ بےچینی اور خلش اس درجہ بڑھی کہ حضرت والا نے اس کا حل تجویز فرما کر ہی چین لیا۔ یعنی اسکے تلافی کی یہ صورت اختیار فرمائی کہ اپنے ایک خادم خاص (یعنی جناب سید حسین صاحب الہ آبادی مدظلہ العالی) کو جو کہ اُس وقت میرٹھ میں ایڈیشنل کمشنر تھے یہ خط لکھوایا۔

حضرت والاؒ کا پیغام جناب سید حسین صاحب مدظلہ کے نام

(بقلم یکے از خدام)

حضرت والا مدظلہ العالی نے فرمایا ہے کہ آپ وہاں قریب ہیں۔ وہاں میرٹھ سے کچھ عمدہ عمدہ مٹھائیاں اور دیوبند سے کچھ فیرینی لے کر حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی کی خدمت میں میری جانب سے پیش کر دیجئے اور میرا سلام مسنون عرض کر دیجئے اور دعا کی درخواست کر دیں۔ زمانہ طالبعلمی میں تو وہاں فیرینی بہت عمدہ ملا کرتی تھی اب معلوم نہیں کہ ملتی ہے یا نہیں۔ والسلام

بحکم حضرت والا۔ راقم ......

حضرت اقدسؒ کے نام جناب سید صاحب کا جواب

الحمدللہ۔ کل دیوبند ہو آیا۔ روشن صدیقی صاحب بھی گئے تھے۔ سیدھے حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ کے یہاں گیا۔ اچھی مٹھائی اور ...... فیرینی پیش کی بہت خوش ہوئے۔ میں نے کہا کہ یہ حضرت والا کی طرف سے ہدیہ ہے۔

ہنسے اور فرمایا کہ حضرت کی مہربانی ہے۔ فرمایا کہ اور کوئی کام تھا یا صرف اسی لئے آئے۔

میں نے کہا کوئی اور کام نہیں اور نہ منٹ بھر کو کہیں جاؤں گا۔ کہا کہ محض اتنے کام کے لئے موٹر کا اسقدر خرچ کیا۔ میں نے کہا کہ حضرت والا کی تعمیل ارشاد کے لئے یہ کیا اس سے بھی دور جگہ ہوتی تو تعمیل میرے لئے سعادت تھی۔ فرمایا کہ ایسی بھی تعمیل ارشاد کیا اہم تھی۔

میں حیرت میں تھا کہ کیا جواب دوں۔ دیر میں عرض کیا کہ حضرت والا کے ارشاد کی تعمیل ہم خدام کے لئے ایسی ہی اہمیت رکھتی ہے کاش اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں

اس پر کچھ متاثر ہوئے۔ ان کے صاحبزادے مولوی نعمان صاحب بھی بہت ہی اخلاق سے ملے۔

مجھے نیز روشن صاحب کو اور ہمارے ڈرائیور وارد ی سب کو کھانا کھلایا۔ میں منٹ بھر کو بھی کہیں نہیں گیا۔ ہر چند یہ چاہا کہ دارالعلوم دیکھ آؤں۔ نہیں گیا۔ میں نے کہا کہ اس وقت خالص آپ کی خدمت میں حاضری ہے اور حضرت والا آپکو بہت چاہتے ہیں۔ فرمایا یہ اُنکی عنایت اور مہربانی ہے۔

خادم سید حسین عفی عنہٗ

ادھر جناب سید صاحب نے اپنے شیخ کا حکم پاکر فوراً اس کی تعمیل کی اور حضرتؒ کو اس سے مطلع فرمایا تاکہ انتظار رفع ہو اُدھر خلاف توقع اس عجیب وغریب معاملہ کو دیکھ کر حضرت علامہؒ نے بھی حضرت والا کو ایک خط لکھا۔

خط حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ

از محمد ابراہیم عفی عنہ۔ دارالعلوم دیوبند ۶ صفر ۸۷ھ

مخدومنا المحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

شکر ہے۔ اچھا ہوں۔ دعا کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ آنجناب کو بایں افاضۂ ہدایت تادیر اس عالم اسباب میں باصحت تامہ وقوت کاملہ رکھیں۔ آمین۔

بعدہٗ عرض ہے کہ ۲ صفر ۸۷ھ کو میرٹھ سے سید صاحب نائب کمشنر مع جناب روشن صاحب اور اپنے صاحبزادے کے دیوبند کوئی نو بجے صبح کو پہونچے اور احقر سے فراخ دلی کے ساتھ ملاقات کی اور بہت سی اچھی اچھی مٹھائیاں اور دیوبند سے بہترین فیرینی منگا کر بندہ کو یہ فرماتے ہوئے دیں کہ حضرت مدظلہٗ نے بمبئی سے ہدایت کی ہے کہ یہ چیزیں دیوبند جاکر ابراہیم کے .... حوالہ کریں۔ خیر

میں نے سب کو دے لیا مگر دل مجوب ہے کہ میں نے اپنے خط میں مٹھائی کا ذکر کیوں کیا تھا، کہ آنجناب کو اتنا اہتمام کرنا پڑا۔ حالانکہ مقصود لکھنے سے یہ تھا کہ مزید توجہ ہو اور دعا کی زیادتی ہو۔ خود مٹھائی مطلوب نہ تھی۔ زیادہ کیا عرض کروں آجکل قدرے صحت میں خلل واقع ہو رہا ہے اور طبیعت زیادہ کمزور ہو رہی ہے۔ میں نے یہ عریضہ ۸؍صفر کو شروع کیا تھا اور آج ۹؍صفر ہے جو پورا کر رہا ہوں جب طبیعت کچھ سنبھل جائے گی تو اور کچھ عرض کرونگا۔

والسلام

محمد ابراہیم عفی عنہٗ

۹؍صفر ۸۷ھ

حضرت اقدسؒ کا جواب

از کرلا۔ بمبئی ۱۳؍صفر ۸۷ھ

مکرمی و محترمی حضرت مولانا دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ جناب کی دعاؤں کا بصمیم قلب ممنون ہوں۔ ناسازیِ مزاج معلوم کرکے رنج ہوا اللہ تعالیٰ صحت عاجلہ کاملہ عطا فرماوے جناب نے جو تحریر فرمایا تھا وہ بھی لسانِ محبت سے تھا۔ اور اس کے جواب میں میں نے جو پیش کیا وہ بھی بتقاضائے محبت تھا اور سید صاحب نے جو فوری تعمیل کی وہ بھی محبت ہی کی وجہ سے کیا۔ غرض اس معاملہ میں ہم تینوں ہی ایک ہی کشتی کے سوار تھے باقی یہ ضرور ہے کہ عقل کی طرح محبت چونکہ موزوں نہیں ہوتی اس لئے کبھی کبھی اس کے تقاضے میں اور عقل کے تقاضے میں تصادم بھی ہوجاتا ہے۔ آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے مزید صحت و قوت کی دعا کا طالب ہوں۔

والسلام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہٗ

دیکھا آپ نے حضرت علامہؒ نے حلاوتِ ایمانی اور قلبی نور حاصل کرنے کے لئے حضرت والا سے مٹھائی یا پھل کا تحفہ طلب فرمایا تھا بعنوان دیگر اسکو یوں کہا جا سکتا ہے کہ صرف حضرت اقدس کی شیرینیٔ نظر اور توجہ کی لذت کے حصول کی خواہش کی تھی لیکن جب حضرت کی جانب سے اس خواہش کو یوں پورا کیا گیا تو حضرت علامہؒ کی طبع حساس پر کیا گذر گئی اس کو وہی جانتے ہونگے۔ اور قلب محجوب ہوگیا کہ ارے توبہ! یہ کیا ہوگیا۔ حضرت نے بھی میرے تفریحی اور مزاحی جملہ کو حقیقت ہی کا جامہ پہنا دیا اور وہ بھی اسقدر طول وطویل مقدمات کے ساتھ۔ قلب میں ندامت کا احساس اور حجاب کی سوزش اسقدر بڑھی کہ اس کے ازالہ کی فکر ہوئی۔

چنانچہ اسی کی فی الجملہ تسکین کے لئے سید صاحب سے دریافت فرمایا کہ اور کوئی کام تھا یا صرف اسی لئے آئے ؟ لیکن جب انھوں نے یہ جواب دیا کہ حضرت کوئی اور کام نہیں تھا صرف اسی کو پیش کرنے کی خاطر حاضر ہوا ہوں اور اس سفر میں اور کوئی دوسرا کام کرنا بھی نہیں ہے۔ سیدھا جناب کے در دولت پر حاضر ہوا ہوں اور یہیں سے واپس بھی ہو جاؤنگا تو اس پر مزید حیرت بڑھی اور سید صاحب سے یوں فرمایا کہ ـــــ ارے محض اتنے سے کام کے لئے موٹر کا اسقدر خرچہ کیا (سید صاحب غالباً آمد ورفت کے لئے ٹیکسی کر کے تشریف لے گئے تھے)۔ مطلب اسکا صاف یہی تھا کہ حضرت شیخ کے اس برتاؤ نے تو مجھے محجوب کیا ہی تھا۔ اللہ کے بندے! تم نے بھی کمال ہی کیا کہ محض اس اتنے سے کام کے لئے اس طرح سے موٹر سے مستقل سفر کیا اس کی کیا ضرورت تھی اس کو کسی ضمنی سفر کے لئے اٹھا رکھتے یا کسی آنے جانے والے سے بھجوا دیتے خوامخواہ کا خرچ کیوں برداشت کیا۔

سید صاحب یہ مشفقانہ عتاب سن کر حیرت و کشمکش میں پڑ گئے کہ شیخ کے حکم کی فوری تعمیل تو گو بہ ہزار دقت سہی محبت اور عشق کا تقاضا ہے۔ اور حضرت علامہؒ جو فرما رہے ہیں بلا شبہ عقل کا تو وہی فیصلہ ہے ـــــ اب اس عقل و محبت کے تصادم کو کیونکر رفع کیا جائے اور حضرت علامہ کے سامنے اس پر کچھ کہنا لقمان کو حکمت سکھلانے کے مترادف تھا اس لئے پاس ادب ملحوظ رکھتے ہوئے بس اتنا عرض کر دیا کہ ـــــ حضرت والا کے ارشاد کی تعمیل ہم خدام کے لئے ایسی ہی اہمیت رکھتی ہے کاش اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمالیں۔ ع

"عقلمنداں را اشارہ کافی است"

حضرت علامہ معاملہ کی تہ تک پہونچ گئے اور اس جواب سے متاثر ہوئے اور کچھ نہیں فرمایا۔ بات ختم ہوگئی۔

یہ تو جناب سید صاحب مدظلہ کے ساتھ حضرت علامہؒ کی گفتگو رہی۔ اسکے بعد حضرت علامہ نے حضرت مصلح الامۃ کو جو خط لکھا تو اس میں بھی اپنے اس حجاب کا تذکرہ فرمایا۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ دیکھئے حضرت مصلح الامۃؒ نے کس طرح سے حضرت علامہؒ کے حجاب کو بھی دور فرمایا اور سید صاحب کا فعل جو بظاہر عقل کے خلاف تھا (حضرت علامہ کی خلش کو ثابت و مسلم رکھتے ہوئے) کس طرح سے انھیں بھی اس میں معذور قرار دیا۔ چنانچہ حضرت علامہ کو تو ان کے حجاب کی جانب سے یوں مطمئن کیا اور تحریر فرمایا کہ ـــــ

"جناب نے جو تحریر فرمایا تھا وہ بھی لسان محبت سے تھا اور اس کے جواب میں میں نے جو پیش کیا وہ بھی بہ تقاضائے محبت تھا ـــــ اور سید صاحب نے جو فوری تعمیل کی وہ بھی محبت ہی کی وجہ سے کی۔ غرض اس معاملہ میں ہم تینوں ایک ہی کشتی کے سوار تھے"

اور جناب سید صاحب پر اُن کے مشفقانہ عتاب کا معذرت کے انداز میں یہ جواب مرحمت فرمایا کہ ـــــ "باقی یہ ضرور ہے کہ عقل کی طرح محبت چونکہ موزوں نہیں ہوتی اسلئے

کبھی کبھی اس کے تقاضے میں اور عقل کے تقاضے میں تصادم بھی ہو جاتا ہے۔
یعنی آپ جو کچھ فرما رہے ہیں بلاشبہ وہ عقل کے عین مطابق ہے اور انھوں نے جو یہ اقدام کیا وہ اپنی طبیعت اور میری محبت سے مجبور ہو کر کیا اور ظاہر ہے کہ عقل کے تقاضے اور ہوتے ہیں اور عشق کے اور اور اپنی اپنی جگہ پر دونوں صحیح ہوتے ہیں ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

بزرگوں کی باتوں میں دخل دیتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے لیکن حضرت والاؒ کا جو انداز اصلاح تھا اس سے بعید نہیں کہ اس میں اشارہ اس جانب بھی فرمایا ہو کہ حضرت خود آپ کا اولاً مجھ سے فرمائش کرنا بھی بہ تقاضائے محبت ہی تھا۔ لیکن بعد میں جو حجاب آپ کو محسوس ہوا تو اب یہ عقل کا دخل ہو گیا۔

بس جس طرح سے آپ کا پہلا معاملہ محبت اور عشق سے ناشی تھا اور دوسرا عقل سے۔ اسی طرح سے آپ کا یہ فرمان اور ارشاد جناب سید صاحب کو عین عقل کے مطابق ہے باقی انکا معاملہ جو ہوا وہ بہ تقاضائے محبت تھا۔ تو خیر ایسا تو ہوا ہی کرتا ہے لہذا نہ وہ خطاوار اور نہ آپ ہی کے لئے حجاب کی کوئی وجہ۔

حضرت علامہؒ کے اس خط میں محبت کا مظاہرہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ اور اور محبت ہی وہ چیز ہے جس سے طریق کی مشکلیں آسان ہوتی ہیں کسی نے خوب کہا ہے ؎

محبت انتہا میں مشکلیں آسان کرتی ہے
مگر اس فتنہ گر کی ابتدا مشکل سے ہوتی ہے

اسی لئے اللہ والوں نے ہر زمانہ میں اسی کو وصول الی اللہ کا مرکب بنایا ہے اور اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے ہیں ؎

آزمودم عقل دُور اندیش را
بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را

حسن اتفاق کہ حضرت علامہؒ کا یہ خط اُن کے خطوط سلسلہ میں سے آخری

خط بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی برکت سے ہمیں بھی اپنی اور اپنے صالحین بندوں کی محبت سے نوازے۔ آمین

پھر تقریباً دو ماہ بعد ایک اور سلسلہ کا حضرت علامہؒ کا ایک اور خط آیا۔

حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ کا گرامی نامہ
(ہدیۂ تشکر)

از دارالعلوم دیوبند

حضرت المخدوم دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

پرسوں یا ترسوں ایک لفافہ عریضہ ارسال خدمت کرچکا ہوں آج یہ عریضہ خاص مقصد کے لئے لکھ رہا ہوں۔ مخدوما! یہ معلوم کرکے از حد مسرت ہوئی کہ آنجناب نے حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم کے حصول صحت اور بقاء ذات میں کمال توجہ اور التفات تامہ سے کام لیا ہے۔ علاج اور وہ بھی پُر از کمال طبیب سے کرایا ہے۔ اگرچہ جناب نے اخوت روحانی اور حفاظت دارالعلوم کا حق ادا کیا ہے مگر آنجناب کا یہ عمل جماعت دارالعلوم پر جس میں جناب بھی داخل ہیں بہت بڑا احسان ہے اس لئے احقر اور پوری جماعت ہدیۂ تشکر خدمتِ اقدس میں پیش کرکے مزید توجہ کا متمنی ہے۔ زیادہ کیا عرض (کروں) ہاتھ (میں) طاقت نہیں ہے۔

والسلام
محمد ابراہیم۔ دیوبند
۲۸ ربیع الاول ۸۰ھ

حضرت مصلح الامۃ کا جواب

مکرمی و محترمی حضرت مولانا دام مجدھم۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ

کل کی ڈاک سے جناب سید مبارک علی صاحب نائب مہتمم مدرسہ دارالعلوم کا۔ اور آج کی ڈاک سے جناب والا کا مکتوب گرامی حضرت مہتمم صاحب کے علاج کے سلسلہ میں بطور

تشکر کے آیا

علاج تو حضرت مہتمم صاحب کا جناب حکیم اجمیری صاحب اور ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب کررہے ہیں جن کا شکریہ تمام جماعت کی جانب سے ادا کرنے کیلئے میں خود کافی تھا چنانچہ میں ان حضرات کا شکریہ تقریباً روزانہ ہی ادا کررہا ہوں۔

آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اُس سے کہیں زیادہ خوشی مجھے اُسوقت ہوتی جب کہ آپ کے بجائے اُن طلبہ کے خطوط مہتمم صاحب کی دریافت خیریت و دعا گوئی کے آتے جو کم از کم مجھ سے تعلق و محبت رکھتے ہیں اس لئے کہ حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں تو اظہار نیازمندی اور وسائط صحت کے لئے "تشکر" زیادہ زیب دیتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔

والسلام خیر ختام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ

اوائل ربیع ۲ رسنہ ۸۷ھ

حضرت علامہ بلیاویؒ اور مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کے مابین مکاتبت اور تعلقات سے متعلق مجھے ان صفحات میں جو کچھ عرض کرنا تھا عرض کرچکا۔ آخر میں ایک بات یہ عرض کرنا ہے کہ:۔

ایک صاحب نے ایک مولوی صاحب سے حضرت کی حیات ہی میں دریافت کیا کہ سنا ہے کہ حضرت علامہؒ نے بھی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہ سے رجوع کیا ہے۔ حالانکہ حضرت علامہؒ تو حضرت مولانا کے اساتذہ میں سے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہوئی اس کا انھوں نے کچھ جواب دیا، مجھے یہاں اُن کا جواب نقل کرنا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اُس جواب میں اُن کی خصوصی عقیدت کو دخل ہو جو دوسرے پر ظاہر ہے کہ حجت نہیں اس لئے اسکا ایک دوسرا جواب عرض کرتا ہوں جو کہ حضرت علامہؒ ہی کی ایک گفت گو سے ماخوذ ہے۔

دارالعلوم کے ایک مولوی صاحب نے کسی کے حوالہ سے نقل کرکے حضرت اقدسؒ کو

لکھا کہ ـــــ

حضرت مہتمم صاحب (یعنی جناب محترمی قاری محمد طیب مدظلہ العالی) حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب مدظلہ العالی سے ایک دن یہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت والا میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام شانیں دیکھیں اس وجہ سے میں بہت متاثر ہوں ـــ اس پر ـــ حضرت علامہؒ نے فرمایا کہ ـــــ

"میری پوری زندگی دارالعلوم میں گذری اور میں نے سب ہی اکابر کو دیکھا اور صحبت بھی میسر ہوئی لیکن میرا دل جتنا (حضرت) مولانا سے لگا اور متاثر ہوا، کسی سے نہیں ہوا۔ اور اس کے بعد خود ہی فرمایا کہ اس کی ظاہری وجہ میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ حضرت والا کے اندر تواضع انتہا درجہ کی ہے۔ انتہیٰ کلامہ

دیکھا آپ نے روایت ہے تو خبر واحد ہی لیکن محتف بالقرائن ہے اس لئے اس کو صحیح باور کیا جا سکتا ہے، چنانچہ ہمارے حضرت اقدس کی تواضع تو مشہور و معروف ہی تھی۔ اور حضرت علامہؒ کو خود حضرت والا نے انھیں مکتوبات میں جگہ بجگہ متواضع فرمایا ہے۔ اب اگر ان دونوں بزرگوں میں وجہ مناسبت اور جہت جامعہ یہی تواضع بن جائے تو ایک کے دوسرے سے قریب ہو جانے میں کیا بُعد ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ یہاں ایک بات یہ سمجھ میں آتی ہے واللہ تعالیٰ اعلم کہ نفس اور شیطان چونکہ انسان کو حق تعالیٰ سے دور رکھنے میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیتا ہے اور اہل اللہ، واصل باللہ ہونے کے ساتھ ساتھ موصل الی اللہ بھی ہوتے ہیں اس لئے ان دونوں کی عداوت ادھر بھی بڑی شد و مد کے ساتھ رہتی ہے اور کسی بزرگ سے تعلق، چونکہ خدا سے تعلق کا ذریعہ بنتا ہے اس لئے ان دونوں پر یہ تعلق بہت ہی شاق گذرتا ہے چنانچہ اس سلسلہ میں طرح طرح کے وساوس، خیالات اور اعتراضات مزین کر کے خود اس شخص کے بھی سامنے (جو حضرات مشائخ سے تعلق

رکھنا چاہتا ہے) اور دوسرے لوگوں کے بھی سامنے پیش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی اُن مولوی صاحب کا یہ اشکال بھی ہے جو انھوں نے کسی سے دریافت کیا تھا کہ ــــ "سنا ہے کہ حضرت علامہؒ نے (استاذ ہوتے ہوئے بھی) حضرت مولانا فتحپوریؒ سے تعلق قائم فرمالیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟" قابل غور یہ امر ہے کہ عوام کو اگر یہ شبہہ ہو تو خیر ایک بات بھی ہے تعجب اس پر ہوتا ہے کہ پڑھے لکھے لوگ بھی اس گتھی کے سلجھانے میں پریشان ہیں۔ حالانکہ اپنے سلسلہ میں تو ابھی ماضی قریب ہی میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ عصر شیخ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی علیہ الرحمۃ کا تعلق شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہ سے اسی نوع کا رہ چکا ہے اور اس سے کچھ قبل حضرت سید احمد صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہیدؒ ہوئے ہیں۔ حالانکہ سنا ہے کہ حضرت سید صاحب نے حضرت مولانا سے ابتداءً کچھ پڑھا بھی تھا۔ اور غالباً اسی خلجان کے پیش نظر کسی سوال کرنے والے نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے بارے میں مولانا نانوتویؒ سے دریافت کیا تھا کہ حضرت کیا حضرت حاجی صاحبؒ عالم تھے؟ مطلب یہی تھا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہو کر انکے مرید ہو گئے
حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا کیا عمدہ جواب مرحمت فرمایا ــــ فرمایا کہ حضرت "عالم گر" تھے یعنی عالم اُن کے یہاں ڈھلا کرتے تھے۔ سبحان اللہ

بہرحال یہ شبہہ کچھ نیا نہیں ہے اور نہ یہ خلجان کسی ایک ہی ذات کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس راہ کے لوازم ہی سے ہے چنانچہ ہر دور میں اس نوع کے وساوس نے لوگوں کو پریشان کیا ہے۔

اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت مصلح الامۃؒ ہی کا ایک ارشاد اس سلسلہ کا نقل کردوں جو ایک پُرلطف واقعہ کے ذیل میں ایک بزرگ نے خود مجھ سے بیان کیا تھا۔ انھوں نے مجھ سے فرمایا کہ حکیم ...... صاحب جو قصبہ محمدی کے رہنے والے تھے اچھے طبیب تھے۔ دیوبند میں حضرت مولانا (فتحپوری) کے ہم سبق

رہ چکے تھے۔ آخر آخر میں جب پیرانی صاحبہ (یعنی اہلیہ حضرت مصلح الامتہؒ) بیمار ہوئیں تو مولوی عبدالمجید صاحب اعظمیؒ کے مشورہ سے حکیم صاحب موصوف کا بلانا تجویز ہوا۔ تو لوگ حکیم صاحب کو بلانے کے لئے محمدی گئے۔ میرا قیام بھی اُن دنوں گھر ہی پر تھا۔ حکیم صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ چلو فتحپور چلتے ہو۔ میں حضرت سے اُس وقت شناسا نہ تھا چنانچہ حکیم صاحب ہی نے فرمایا کہ مولانا فتحپوری حضرت مولانا تھانویؒ کے خلیفہ ہیں۔ مجھ کو چونکہ حضرت مولانا تھانویؒ سے عقیدت تھی یہ سنتے ہی تیار ہوگیا اور حکیم صاحب کے ہمراہ فتحپور حاضر ہوا۔ یہاں کی حاضری پر حضرت کے جو اخلاق دیکھے' اور مجلس میں جو ارشادات سنے تو اس سے بہت متاثر ہوا۔

چنانچہ دو چار مجلسوں میں شرکت کے بعد میں نے ایک دن حکیم صاحب سے کہا کہ ماموں مولانا صاحب تو بزرگ آدمی معلوم ہوتے ہیں مجھے تو یہاں بہت نفع ہورہا ہے۔ حکیم صاحب نے فرمایا کہ۔ بھائی فائدہ تو مجھے بھی بہت ہورہا ہے لیکن رہ رہ کر یہی خیال ہوتا ہے کہ میرے ساتھ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ ہم دونوں میں یہ باتیں ہوئیں اور ختم ہوگئیں کوئی تیسرا شخص وہاں موجود نہیں تھا۔ اس کے بعد صبح جو ہم لوگ مجلس میں حاضر ہوئے تو اُس میں یہی گفتگو اور اس خیال کا جواب موجود۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حضرت والا ہماری گفتگو سن ہی رہے تھے۔

مجلس میں ایک شخص کو مخاطب کرکے فرمایا کہ بھائی سنو!

"میں طب نہیں جانتا۔ یہ حکیم صاحب بیٹھے ہیں یہ میرے ساتھی ہیں لیکن میں اس سلسلہ میں ان سے رجوع کرتا ہوں، جو کچھ یہ کہتے ہیں اُسے کرتا ہوں جس چیز سے منع کرتے ہیں اسے ترک کردیتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ جس چیز کو میں نہیں جانتا اس کو دوسرے سے پوچھتا ہوں۔ اس میں عیب کی کون سی بات ہے؟

اسی طرح سے ایک سلسلۂ باطنی طب کا بھی ہے اسے میں نے حضرت مولانا تھانویؒ سے باقاعدہ سیکھا ہے لہذا جس کو اس سلسلہ کی معلومات

نہ ہوں گی تو اُس کو تو کسی جاننے والے سے رجوع کرنا ہی پڑیگا اس میں
نہ چھوٹا دیکھا جائیگا نہ بڑا اور نہ ساتھی ہونا ہی مانع ہوگا۔ چنانچہ ساری مجلس
اسی موضوع پر بیان فرماتے رہے۔"

مجلس ختم ہونے کے بعد میں اور حکیم صاحب جب اوپر سے نیچے اُترنے لگے تو حکیم صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ اجی مولانا کا کشف تو بڑا بیڈھب ہے۔ دیکھو رات جو باتیں میں نے تم سے کی تھیں اسکا کیسا جواب دیا۔ انتہیٰ

یہ میں نے اس پر عرض کیا کہ اس قسم کے خلجان نے ہر زمانے میں لوگوں کو تنگ کیا ہے۔ خود حضرت مصلح الامۃ کے اس واقعہ سے اُمید کہ آپ کو تسلی بھی ہوئی ہوگی اور لطف بھی آیا ہوگا۔

الغرض حضرت علامہؒ، حضرت مصلح الامۃ کے قریب ہوئے اور ایسے قریب ہوئے کہ حضرت سے تعلق اور محبت میں شیدائیت کے مقام تک پہونچ گئے تھے۔ چنانچہ حضرت اقدسؒ کے خطوط کو سینہ سے لگانا اور اس سے سکون حاصل کرنا یہ سب اُمور آپ ملاحظہ فرما ہی چکے ہیں۔ میرے ایک محترم دوست نے اس سلسلہ میں ایک بات اور لکھی۔ انھوں نے مجھے لکھا کہ۔

دوسری گذارش یہ ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ کے مکتوبات کی ایک نقل اپنے پاس محفوظ رکھنے کی ضرورت کا شدید احساس حضرت علامہ محترم کو پیدا ہوگیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ایک دن مجھ سے کہا کہ جو مکاتبت خود ان کے یعنی حضرت مولاناؒ کے سواد خط میں ہے وہ تو میں اپنے پاس جوں کا توں رکھوں گا مگر جو دوسروں کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں ان کو اور سارے خطوط کو ایک کاپی میں بہ ترتیب مرتب کردو۔ حضرت علامہ اپنی پوری زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کے مکتوبات کو اس طرح محفوظ رکھنے کا کر سکے ہیں۔ (انتہیٰ) راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت علامہؒ اور حضرت مصلح الامۃؒ کے مابین مکاتبت کا سلسلہ یہاں ختم ہوتا ہے۔ (اب صفحات آئندہ میں ناظرین کرام حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ کی باہمی مکاتبت سے مستفید ہوں گے۔)

حالات مصلح الامۃ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم دیوبند

اور

حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ

راقم نے حالات مصلح الامۃ کے عنوان سے یہ مضمون شروع کرتے وقت پہلے ہی تمہید میں یہ عرض کردیا تھا کہ یہ ناکارہ خادم اس میدان کا مرد نہیں ہے یعنی اپنی ناقص استعداد کی رو سے ہرگز اسکا اہل نہیں ہے کہ کسی بزرگ کی سیرت پر قلم اُٹھائے اور وہ بھی حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ جیسی ہستی کے حالات کا بیان، اس کی تو کسی طرح سے ہمت ہی نہ پڑتی تھی لیکن بعض احباب کی مسلسل فرمائش کی وجہ سے نیز یہ دیکھ کر کہ زمانہ گزرتا جا رہا ہے اور کوئی بھی اس کے لئے تیار نہیں ہو رہا بالآخر اس کی ہمت کرنی ہی پڑی کہ ٹوٹے پھوٹے سہی، مرتب غیر مرتب، ربط و بے ربط کیسا ہی ہو غرض جس طرح بن سکے کچھ حالات جمع کردوں بس اُسمیں اسکا لحاظ ضرور رہے کہ رطب و یابس سے محفوظ رہے اس لئے حضرت مرشدیؒ کے حالات کا آئینہ حضرت ہی کے مکتوبات کو بنایا کہ ان کے ذریعہ سے بھی ناواقفین کو بہت کچھ معلومات حضرتؒ کے حالات کی ہوجائیں گی اور واقفین حضرات کے لئے ان کا اس طرح سے مرتب جمع ہوجانا بلاشبہہ انکے لئے استفادہ کو سہل اور لطف کو دوبالا کرنے والا ہوگا۔

چنانچہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ۔ حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانیؒ حضرت مولانا ابوالحسن علی صاحب ندوی مدظلہ اور آخر میں حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے خطوط آپ کے سامنے گذر چکے ہیں۔

اور یوں تو سیر و تاریخ ایک مسلسل دلچسپی کی چیز ہوا کرتی ہے پھر کسی بزرگ کی سیرت اور

اُن کے حالات پڑھنے و سننے کا شوق تو ایک دیندار مسلمان کی عین فطرت ہی ہے۔ علی الخصوص حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ اپنے آخری دور میں چونکہ بہت زیادہ مشہور ہوئے اور اللہ تعالےٰ نے حضرتؒ کو کچھ اس درجہ مقبولیت اور محبوبیت سے نوازا کہ جس نے بھی آپ کے کچھ حالات (حضرت کی زندگی ہی میں) سنے وہ زیارت کا مشتاق ہوگیا۔ حتیٰ کہ نقشہ یہ سامنے آیا کہ جب لوگوں میں شوقِ ملاقات اپنے شباب کو پہونچ گیا اور عرب و عجم حضرت کی ملاقات کے لئے بیتاب ہوگیا تو اللہ تعالیٰ کا یہ مقبول بندہ غیرتِ حق سے نیز اپنی طبعی خمول پسندی کی وجہ سے مخلوق کا مطلوب بننے سے خود کو بچا کر اپنے کو طالب حق ہی کے زمرہ میں رکھتے ہوئے اپنے مطلوبِ حقیقی کی جانب سدھار گیا۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا سے جو موتی نکلا تھا دریا ہی میں جا کر ڈوب گیا

سچ ہے کل من علیہا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام۔

الغرض حضرتؒ کی اسی شہرت اور مقبولیت کا یہ اثر بعد میں بھی دیکھا کہ لوگ حضرت اقدسؒ کے حالات معلوم کرنے کے برابر ہی مشتاق رہے اور بہت سے احباب نے اپنا یہ حال بیان کیا کہ جب معرفتِ حق پہونچتا ہے تو سب سے پہلے حالات مصلح الامۃ ہی کا مضمون پڑھتا ہوں۔ اور بعضوں نے لکھا ہے کہ حالات کا مضمون پڑھنے سے بڑا ہی لطف آتا ہے کاش آپ حضرت والا کے بچپنے کے اور ابتدائی زمانہ کے بھی کچھ حالات لکھدیتے۔

بہرحال اس سے اندازہ ہوا کہ الحمد للہ موجودہ ہند میں ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جن کو حضرتؒ سے فدائیت کی حد تک محبت ہے چنانچہ لوگوں کے اس استحسان اور پسندیدگی کو دیکھ کر ہمت اور بڑھی اور اندازہ ہوا کہ انشاء اللہ ان ٹوٹے پھوٹے اور غیر مربوط بیان سے بھی خاصا نفع ہوگا بلکہ ہو رہا ہے اس لئے بقول حضرت شیخ الہندؒ کے ؎

بے نمک ہیں مرے اشعار مگر تلخ نہیں
خالی از درد نہیں گرچہ ہیں لشتم پشتم

اپنے اس سلسلہ کی ایک جدید قسط پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں اور وہ ہے مکاتیت مابین حضرت مصلح الامتؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم

امید ہے کہ مثل سابق ان سے بھی ناظرین بہت ہی زیادہ مسرور و محظوظ ہونگے اور نئے حضرات کے لئے انشاء اللہ تعارف مصلح الامتؒ کا نیا باب کھلے گا۔ اسی کے ضمن میں اپنے دینی مرکز اور یادگار اکابر مدرسہ دارالعلوم دیوبند سے حضرتؒ کے قلبی تعلق کا حال معلوم ہوگا جو ابتک شاید بہت سے حضرات پر مخفی رہا ہو۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد اب مکتوبات کا سلسلہ شروع کرتا ہوں۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کا گرامی نامہ

بنام جناب صوفی عبدالرب صاحب مدظلہٗ

(مشتمل بر تحسین افادات و تمنائے ملاقات)

مولانا وصی اللہ صاحب کا ذکر والا نامہ میں دیکھ کر اپنا اور اُن کا زمانۂ طالبعلی یاد آگیا۔ میں مبتدی تھا اور وہ منتہی یا کچھ کم فاصلہ ہو۔ بہرحال ؂

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

اُن کے افادات کی اطلاعات سے دل باغ باغ ہوتا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فیوض و برکات کو اُنھوں نے اُسی شکل میں قائم رکھ کر عام کر رکھا ہے جزاء ھم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیرا۔ ملنے کو بھی اُن سے جی چاہتا ہے۔ مگر ابتک اُدھر کی حاضری کی

نوبت نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ باحسن احوال ملاقات نصیب فرمائیں۔ آمین

(مارچ ۵۵ء)

جناب صوفی صاحب مدظلہ کا گرامی نامہ حضرت مصلح الامۃ کے نام

میں نے اُن کو صرف اتنا حوالہ حضرت والا کا لکھا تھا کہ فی الحال میں اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا وصی اللہ صاحب مدظلہٗ کی خدمت بابرکت میں فتحپور تال نرجا جا رہا ہوں۔ اُسی پر حضرت والا سے متعلق سطور بالا مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے لکھی ہیں۔

حضرت قاری صاحب کی اجازت پر انکے ایک مسترشد کی اصلاح حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ نے منظور فرمائی

(اس مسترشد کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

۶ - ۵۵
ھ - ۷۵

حال۔ یہ نالائق حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ العالی سے بیعت ہے اور عرصہ چھ سال سے سلسلہ خط و کتابت جاری ہے لیکن حضرت ممدوح کو مدرسہ کے اہتمام کی وجہ سے اسقدر مشغولی ہے اور بضرورت مدرسہ اسفار بھی بکثرت کرنا پڑتے ہیں۔ بوجوہات مذکورہ احقر کے عریضوں کے جوابات عموماً بہت دیر سے وصول ہوتے ہیں۔ جوابات کی تاخیر کے سلسلہ میں کمترین نے حضرت سے بھی بارہا عرض کیا۔ حضرت ممدوح یہی فرماتے کہ کثرت اسفار کی وجہ سے خط دیر سے ملا کرتے ہیں۔ احقر نے حضرت ممدوح کی خدمت میں ایک پرچہ پیش کیا کہ احقر کا ارادہ ہے کہ آنمخدوم سے تعلق بیعت باقی رکھتے ہوئے تعلق اصلاحی حضرت مولانا وصی اللہ صاحب اعظم گڈھی سے قائم کروں

جس پر حضرت ممدوح نے تحریر فرمایا کہ "میں خود اس کی تحریک کرتا ہوں کہ ایسا کر لیا جائے"
اب آں قبلہ کی خدمت میں مؤدبانہ التجا ہے کہ احقر کو آنحضرت خط و کتابت جاری رکھنے کی
اجازت مرحمت فرمائیں۔

تحقیق۔ اجازت ہے اس حالت میں کوئی امر مانع نہیں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ دیوبند میں میرے ذریعہ سے کچھ کام ہو جائے!

(حضرتؒ کا ارشاد مدراس کے ایک خادم کے خط کے جواب میں)

حال۔ ایک واقعہ یاد آگیا کہ چند سالوں کے قبل یعنی غالباً تین سال کا عرصہ ہوا حضرت مولانا محمد طیب صاحب تشریف لائے تھے میں بھی وہاں گیا تھا۔ کسی مولوی صاحب نے دیوبند کے بعض حالات کا تذکرہ کیا تو مولانا موصوف (یعنی قاری صاحبؒ) نے فرمایا کہ ہاں افراد کے اندر خرابی پیدا ہوگئی ہے ابھی بعض بعض اچھے بھی ہیں۔ دیوبند کی بنیاد پر تقریباً ایک صدی ہو رہی ہے اب یا تو کوئی مجدد اس کی تجدید کرنے والا پیدا ہو جائیگا یا ادارہ ہی منتقل ہو جائے گا۔ عادۃ اللہ یونہی جاری ہے۔

تحقیق۔ دیکھئے مہتمم صاحب نے کیسی بات فرمائی۔ اس کے بعد ان صاحب نے لکھا کہ

حال۔ میں نے اُسی وقت سیدی حضرت مفتی (محمد شفیع) صاحب مدظلہ کو یہ واقعہ لکھا تو انھوں نے تحریر فرمایا کہ بات تو صحیح معلوم ہوتی ہے جیسا صاحب لطیفہ لکھتے ہیں کہ میرے دل میں آتا ہے کہ ہوسکتا ہے حق تعالیٰ کو یہ منظور ہو کہ حضرت والا کے مبارک ہاتھوں سے یہ کام ہو کچھ آثار بھی ایسے ہی نظر آرہے ہیں۔

انا عند ظن عبدی بی اللّٰھم افعل بی ما انت لہ اھلہٗ و لا تفعل بی ما انا لہ اھلہٗ۔

تحقیق۔ کیا عجب۔

جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کا حضرت مصلح الامۃؒ سے "عزم ملاقات"

(ایک مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

مئو سے آنے کے بعد یہاں پر کئی خطوط مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ کے مکرمی مولوی..... صاحب کے نام آئے اور آخری خط یہ آیا کہ ۱۶ر جولائی ۶۱ء کی صبح کو میں مئو پہونچ رہا ہوں۔ آپ مئو میں ملیں تاکہ حضرت مولانا فتحپوری زید مجدہٗ سے بآسانی ملاقات ہوسکے چنانچہ مولوی صاحب تاریخ مذکورہ پر وہاں رہے مگر وہ بجائے ۱۶ر کے ۱۷ر جولائی کو مئو پہونچے اور مدرسہ مفتاح العلوم میں گئے پھر وہاں سے حسب پروگرام مقامات موعودہ پر گئے۔ آخر میں ۲۰ر جولائی کی صبح کو گورکھپور کے اسٹیشن پر وارد ہوئے بندہ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگے کہ میں تمام حالات کی اطلاع مفصل طور پر الٰہ آباد کرچکا ہوں۔ انشاءاللہ اکتوبر کے آخر تک الٰہ آباد بغرض ملاقات حاضر ہونگا۔

ایک اور مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

جناب قاری صاحب مدظلہ کا عزم ملاقات اور غرض ملاقات

جناب قاری صاحب نے ۱۶ر جولائی ۱۹۶۱ء کو احقر کو مئو کے اسٹیشن پر بغرض روانگی فتحپور آنجناب والا شان کی خدمت میں ملاقات و استفادہ دین کے لئے حاضری کو لکھا کہ تمھاری موجودگی ضروری ہے۔

میں نے لکھا کہ حضرت مولانا مئو ہی میں تشریف فرما ہیں انھوں نے لکھا اور بہتر ہے پھر احقر نے لکھا کہ اب حضرت الٰہ آباد تشریف رکھتے ہیں لیکن احقر تاریخ مقررہ پر مئو میں حاضر رہیگا۔ قاری صاحب مدظلہٗ نے لکھا کہ میں بہار جارہا ہوں تم گورکھپور میں ملنا احقر تاریخ مقررہ پر ملا۔ وہاں سے لکھنؤ تک ساتھ ہوگیا۔ اثناء گفتگو میں باربار اس مرتبہ

ملاقات نہ ہونے پر افسوس کرتے تھے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ میں بغرض استفادہ حاضر ہو رہا تھا پھر انشاء اللہ اکتوبر ۱۹۶۱ء تک کوئی صورت ہو جائے گی تم بھی ساتھ رہنا میں نے عرض کیا کہ اطلاع ملنے پر کوشش کرونگا پھر لکھنؤ پہونچ کر دیوبند چلنے کا حکم دیا۔ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ کے یہاں حضور والا کا تذکرہ آیا انھوں نے بہت اچھے انداز میں حضرت کا تذکرہ فرمایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات بھی اہل زمانہ کی چالبازیوں اور منافقت سے عاجز ہو رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا آدمی مل جائے جس سے اپنی بات کہہ کر تسلی حاصل کر سکیں اور جو کوتاہیاں ہو رہی ہیں اُنکی اصلاح کریں۔ ہر طرف نظر دوڑا رہے ہیں ابھی کوئی رائے قائم نہ کر سکے ہیں لیکن تلاش زوروں پر ہے۔ یہاں مجھے اس خط کا صرف اتنا ہی جزو مقصوداً نقل کرنا تھا کیونکہ اس کے آگے صاحب عریضہ کے اپنے ذاتی تاثرات اور حالات ہیں لیکن حضرت مصلح الامۃؒ نے اس کا جو جواب مرحمت فرمایا چونکہ ہم جیسے پڑھے لکھوں کے لئے وہ شمع راہ بنانے کے قابل ہے اس لئے اس خط کا بقیہ حصہ بھی نقل کرتا ہوں۔ انھوں نے لکھا کہ:-

حال۔ حضور والا بہت جگہ لوگوں سے ملنے ملانے کے بعد کیفیت یہ ہو رہی ہے کہ دین اور اخلاص کی تعلیم اور عملی زندگی نیز دینی ماحول صرف حضرت والا ہی کی مجلس کا حصہ ہے۔ ایسا تذکرہ بھی لوگ نہیں کرتے بلکہ باتیں اس طرح کرتے ہیں کہ ہماری .... قائم رہے اور اُس کو زوال نہ ہو اس لئے جی کہیں نہیں لگتا۔ نیز اور مجلسوں میں بزرگوں کے واقعات سننے میں آتے ہیں مگر اُن سے جو دینی اُبھار ہونا چاہئے وہ کسی مجلس میں نہیں ملا۔ حضرت کی مجلس میں داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ کسل اور شرارت نفس کی وجہ سے عملی زندگی بعض وقت نہیں رہتی ہے لیکن علمی تو بہر حال باقی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح عاصی کو محض اپنے فضل سے آپ سے ملا یا اسی طرح آپ کے حسب منشاء کام پر لگ جانے کی توفیق بھی دیدے۔

حضرت مصلح الامۃ کا جواب

مولوی صاحب سنو! میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔ تم کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ آج کل

مولویوں کو ہمہ وقت حالات و واقعات چھٹنے لگا ہے ہیں مگر یہ لوگ ایسے بھولے ہو گئے ہیں کہ ذرا بھی حس و حرکت ان میں پیدا نہیں ہوتی۔

تعجب ہے کہ اب بھی بھولا پن نہیں جا رہا ہے۔ ذرا بھی سمجھ نہیں کھلتی۔ آخر یہ حال کب تک رہیگا۔ زیادہ تعجب تو آپ لوگوں سے ہے کہ بڑی بڑی جگہ آتے جاتے ہیں اور بڑے لوگوں سے گفت گو بھی کرتے ہیں مگر جب کوئی بات لکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سمجھ کر نہیں لکھ رہے ہیں۔

سنو! میں تم لوگوں کی دینداری کا معتقد ہوں مگر سمجھ کی کمی دیکھتا ہوں اور میرا یہ خیال بلا دلیل نہیں ہے بلکہ دلیل سے ہے کہ فلاں جگہ سے آپ لوگ سن کر گئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ تیقظ سے کام لیجئے حالانکہ چند ہی روز کے بعد معلوم ہوا کہ آپ لوگوں نے جو سمجھا تھا وہ غلط تھا۔ جب میں وہاں گیا تو کچھ نہیں نکلا۔ بہرحال کچھ اپنی معرفت پیدا کرو۔ زمانہ کے حالات کی معرفت اور اپنے شیخ کی معرفت پیدا کرو تو تمھارا کام بن جائے یہ تمھارے لئے بھی مفید ہو اور دوسرے لوگوں کے لئے بھی مفید ہو۔ آجکل بھولے پن سے کام نہیں ہوگا۔ بہت زیادہ تیقظ اور فہم کی ضرورت ہے۔ آپ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم میں یہ چیزیں موجود ہیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں میں یہ چیزیں مفقود ہیں ورنہ اب تک بہت نفع ہوا ہوتا۔ اس خط کو فلاں مولوی صاحب کو بھی دکھلا دیجئے۔ والسلام

ملاقات الٰہ آباد کے بعد حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کا تاثر

(ایک مولوی صاحب کا خط حضرتؒ کے نام)

حال۔ میرے ذہن میں یہ امر راسخ ہو گیا کہ علماء اور مولویوں کے لئے یہ اسفار زہر ہلاہل ہیں۔

تحقیق۔ یہ رسوخ مبارک ہو کہ اسی کے رسوخ سے حیات ہے اور یہ ماء الحیات ہے۔

حال۔ چنانچہ ایک موقعہ پر جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ نے بندہ سے خود فرمایا کہ میرے ساتھ کی وجہ سے آپ کے کاموں میں بھی حرج واقع ہو رہا ہے۔ جناب قاری صاحب حضرت سے ملاقات کر کے جس قدر متاثر ہوئے ہیں وہ توقع سے زیادہ ہے۔

تحقیق۔ الحمد للہ علی احسانہ۔

حال۔ اب خدا کرے وہاں پہونچ کر اس پر استقامت نصیب ہو۔

تحقیق۔ آمین

حال۔ بندہ نے اُن سے صاف طور سے سفر کے ختم کرنے کو اداً نہیں کہا مگر حضرت کے ارشاد کو کئی بار گوش گذار کر دیا کہ آپ خالص تذکیر مدرسہ میں فرمائیں جو حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ کے نہج پر ہو اس سے بڑے منافع ظہور میں آئینگے انشاء اللہ تعالیٰ۔

قاری صاحب مدظلہ کے دو خط اور حضرت اقدسؒ کا جواب

(۱) سلام مسنون و نیاز مقرون

آں محترم سے رخصت ہو کر الٰہ آباد اور لکھنؤ ہوتا ہوا بعافیت دیوبند پہونچا۔ ارادہ لے کر آیا تھا کہ آتے ہی بخیریت پہونچنے کا عریضہ ارسال کروں گا لیکن یہاں پہونچتے ہی اس مقدمہ کے سلسلہ میں غیر معمولی طور پر مصروف ہو جانا پڑا جو چند مُخرج طلبہ نے مجلس شوریٰ مہتمم اور صدر مدرس پر دائر کر رکھا ہے اس لئے یہ عریضہ وقت سے ٹل گیا۔

اس مقدمہ میں دار العلوم کی کامیابی کے لئے دعا فرمائی جاوے۔ مولانا ظہور الحسن صاحب نے آنمحترم کا مفصل والا نامہ پہونچایا جو تالیفی صورت کا تھا اور نہایت ہی قیمتی اور ضروری نصائح پر مشتمل تھا۔ میں انشاء اللہ اتباع کرونگا۔ دعا کی ہر وقت ضرورت ہے۔

یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے آنمحترم کو غیبی توجیہ سے اس نالائق کی طرف متوجہ فرما دیا۔ اپنے حالات اور ماحول کے واقعات کے لحاظ سے جی چاہتا تھا کہ اپنا کوئی مرجع ہو جس کی طرف رجوع کیا جاتا رہے۔ حق تعالیٰ کی غیبی امداد ہے کہ کنواں خود ہی پیاسے کے

پاس آگیا اور پانی بھی اتنا اوپر آگیا کہ ڈول رسی کی بھی ضرورت نہ رہی۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ گرامی نامجات اگر دستخط ہوکر آیا کریں تو زیادہ بہتر ہے تاکہ وہ تبرک بھی ہوں اور سند کا بھی کام دیں یوں جیسی مرضئ سامی ہو۔ یہاں خیریت ہے۔ اُمید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام

محمد طیب غفرلہٗ از دارالعلوم دیوبند

۲۵ $\frac{۳}{۸۱}$ ھ

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم   السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

مکتوب محبوب القلوب عین انتظار میں شرف صدور لایا۔ الحمد للہ کہ میرا مکتوب آپ کو مل گیا اور آپ کو پسند ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو عمل کی توفیق بخشے۔ اللہ تعالیٰ غیب سے اپنے بندوں کے کام کی سبیل فرماتے رہتے ہیں وماذلک علی اللہ بعزیز انشاء اللہ تعالیٰ اب ہر خط دستخط کے ساتھ جایا کرے گا اور مولانا ظہور الحسن صاحب کو لکھدیا ہے کہ اوروں پر بھی میرے دستخط کردیں۔ الحمد للہ بخیریت ہوں اللہ تعالیٰ جناب عالی کو بھی بخیریت رکھے۔

والسلام   وصی اللہ عفی عنہٗ

اوائل ربیع ۲ ۱۳۸۱ھ

حضرت مخدوم و محترم زیدت فضائلکم

(۲) بعد سلام مسنون عرض ہے۔ ارادہ کر رہا تھا کہ عریضہ ارسال کروں۔ مگر اس دوران میں ملک اور مدرسہ میں ایسے غیر معمولی حالات پیش آئے کہ وہ ایک مستقل ابتلاء بن گیا اور تا حال جاری ہے۔ اخبارات سے کچھ اندازہ فرمایا ہوگا۔ الٰہ آباد کی حاضری سے مجھے الحمد للہ کافی نفع پہونچا اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی شفقت و محبت کی یاد تازہ ہوگئی اور اپنی باطنی حالت میں گونہ تازگی محسوس ہونے لگی۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

(باقی آئندہ)

حالاتِ مصلح الامۃ رحمۃ

(گذشتہ سے پیوستہ)

دار العلوم کے حالات کے بارے میں البتہ میں پُر امید نہیں ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ قلب کا ضعف ہو یا قلب کا خلقی رُخ ہو یا چالیس سالہ تجربات کا قائم شدہ اثر ہو۔ وجہ کچھ بھی ہو اُمید کی جھلک سامنے نہیں آتی۔ عمل کا درجہ بہرحال قائم ہے۔ مگر ایسا ہی جیسا کہ کسی شخص کے سر پر کسی نے بوجھا لاد دیا ہو اور وہ خواہی نخواہی اُسے گھسیٹتا ہوا لیجا رہا ہو، جا رہا ہے آگے کو اور دل کا رُخ ہے پیچھے کو جو منزل چھوٹ گئی ہے نظر اُس پر ہے اور آگے منزل کا نشان نہیں جو محسوس ہو تا ہو یوں کام بہرحال چل رہا ہے جب تک بھی مقدر ہے۔ بظاہر اسباب اگر اوپر کے ذمہ دار چلنے کے لئے قوۃ بھی فراہم کردیں تو برسہا برس سے راستہ میں کانٹے اور نشیب و فراز اتنے پیدا کردیے گئے ہیں کہ وہ قوت کارآمد نظر نہیں آرہی ہے۔ فتن ظاہرہ و باطنہ گویا جڑ پکڑ چکے ہیں۔ یہ اپنا کھوٹ ظاہر کر رہا ہوں۔ چونکہ ہے اسلئے اسے عرض کیا جا رہا ہے کوئی حاضری کا موقعہ ملے تو تفصیل زبانی ہی عرض کی جاسکتی ہے۔ بہت خوشی تھی کہ ۱۷/۱۲ اکتوبر ۱۹۶۱ء کو الٰہ آباد حاضری ہوگی لیکن حالات ایسے پیش آرہے ہیں کہ خدا ہی کرے جو حاضری ہو۔ ایک بار تو مولانا ابو الحسن حیدری صاحب کو معذرت نامہ بھی لکھدیا تھا مگر انھوں نے پھر غیر معمولی طور پر تقاضا فرمایا تو پھر وعدہ کرلیا ہے مگر حالات قبضہ کے نہیں ہیں اس لئے خدا ہی کے علم میں ہے کہ یہ سفر ہوگا یا نہیں۔ عجیب کشمکش و پیچ میں ہوں۔ اسوقت خصوصیت سے دعا کی درخواست ہے۔

والسلام۔

محمد طیب از دیوبند

۲۹ / ربیع ۲ / ۸۱ھ

دیوبند کا ارادہ فرمایا جائے!

حضرت مصلح الامۃ رح سے جناب مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی استدعا

حضرت المعظم المحترم دامت برکاتکم

سلام مسنون نیاز مقرون۔ الحمد للہ بعافیت رہ کر متدعی خیریت مزاج گرامی ہوں۔ کل

اعظم گڈھ پہونچا حسن اتفاق ہے کہ دل کی خواہش کے مطابق آج محترم مولانا وصی الدین صاحب بھی تشریف لائے اور ان سے بھی ملاقات ہوگئی انھیں سے معلوم ہوا کہ آنمحترم علیگڈھ تشریف لیجارہے ہیں۔ دیوبند وہاں سے زیادہ دور نہیں رہتا جی چاہتا ہے کہ علیگڈھ سے واپسی دیوبند ہوتے ہوئے ہو۔ عرصہ ہوگیا آپ کو تشریف لائے ہوئے۔ استدعا ہے کہ علیگڈھ سے دیوبند کا ارادہ فرمایا جاوے۔ درصورت قبولیت درخواست احقر کو ذریعہ تار مطلع فرمایا جاوے تاکہ میں وہاں حاضر رہوں اگر ریل سے کچھ دشواری محسوس کی جائے تو یہ بھی ممکن ہے کہ میں کار لیکر خود ہی آجاؤں۔ زائد حضرات ریل سے پہونچ جائیں۔

میں اس سفر سے ۲۵ فروری ۵۵ء کو انشا اللہ دیوبند پہونچ جاؤں گا۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہی پانچ چھ دن آنمحترم کے قیام علیگڈھ کے بھی ہونگے اُمید ہے کہ یہ درخواست قبول فرمائی جاویگی۔ یوں بھی جناب پر دارالعلوم کا بہر نہج حق ہے۔ اُمید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ دعا کا مستدعی ہوں۔

والسلام

محمد طیب

۱۵ر شوال ۷۴ھ ۔ اعظم گڈھ

حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب

عدم حاضری کے وجوہ

محبی و محبی دام مجدکم و زاد برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محبت نامہ بدست مولوی وصی الدین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مل کر کاشف حالات و موجب سرور و انبساط ہوا۔ الحمد للہ بخیریت ہوں سفر علیگڈھ کے لئے وعدہ کرچکا ہوں آپ کو جو خبر ملی ہے صحیح ہے۔ کل ۱۸ر شوال ۷۴ھ یکشنبہ شام کی گاڑی سے انشاء اللہ روانگی ہوگی حاضری دیوبند کے متعلق جناب کا دعوت نامہ سر آنکھوں پر اُس کے لئے دیدہ و دل فرش راہ اس لئے کہ ؎

سایۂ معشوق گر اُفتاد بر عاشق چہ شد
ما باُو محتاج بودیم او بما مشتاق بود

اور وہاں تو روحانی حاضری بہت پہلے سے ہے اور اب تو زیادہ تر وہیں حاضری رہتا ہوں مگر جسمانی حاضری سے ابتک جو قاصر رہا تو اس کے کچھ وجوہ ہیں۔ بڑی وجہ یہ ہے کہ وہاں تو آپ خود ہی موجود ہیں آپ کے ہوتے ہوئے پھر اور کسی کی ضرورت ہی کیا ہے یوں میں مدرسہ کا اور خاص کر آپ کے گھرانے کا تو غلام ہی ہوں میرے لئے وہاں کی جسمانی حاضری تو سعادت ہی ہے مگر بات یہ ہے کہ سفر وغیرہ کہیں کا نہیں کرتا اس لئے کہ ایک جگہ جم کر جو کام ہوتا ہے وہ اِدھر اُدھر آنے جانے سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی تو جما جمایا کام بھی خراب ہو جاتا ہے۔ تاہم اگر کہیں جانا ہوتا بھی ہے تو اُسی وقت جب کہ وہاں کے لوگ پہلے سے کام پر لگ جاتے ہیں اور احباب کی ایک جماعت کام کرنے والی تیار ہو جاتی ہے۔ چنانچہ سفر بمبئی بھی اسی لئے پیش آیا کہ وہاں لوگوں نے کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ کام کرنے کا وعدہ بھی کیا اور وہاں جانے پر مزید نفع کا یقین دلایا چنانچہ الحمدللہ ایسا ہی ہوا لوگوں کے جذبات جو مشاہدہ میں آئے وہ توقع سے کہیں زائد تھے اور الحمدللہ کام بھی ہوا۔

اسی طرح سے علیگڈھ کا معاملہ ہوا کہ تقریباً ایک سال سے وہاں کے لوگ بلا رہے ہیں میں برابر انتظار کرتا رہا اور یہی کہتا تھا کہ وہاں تو حضرات علماء پہونچتے ہی رہتے ہیں میری کیا ضرورت ہے کام تو ہو ہی رہا ہے اور مقصود کام ہی ہے نہ کہ نام۔ لیکن لوگوں نے کام کرنا شروع کر دیا اور باور کرایا کہ لوگ بہت ہی زیادہ طالب اور مشتاق ہیں اس لئے میں نے بھی بالآخر وعدہ کر لیا۔

آپ کے یہاں سے پہلے اور حضرات[۵] نے بھی خواہش ظاہر فرمائی کہ میں وہاں آؤں لیکن میں نے یہ چاہا کہ پہلے وہاں بھی کچھ کام ہو لے پھر کوئی ارادہ کیا جائے چنانچہ اب سننے میں آرہا ہے کہ الحمدللہ وہاں کے بھی حالات بدل رہے ہیں اور آپ کی برکات کا ظہور ہو رہا ہے۔
اسی چیز کے اور بڑھنے کا منتظر تھا یہی مصلحت تھی جس کی بناء پر جلد آنے پر راضی نہ تھا آپ سے زیادہ ان اُمور کو اور کون سمجھ سکتا ہے لہٰذا اگر میری یہ مصلحت معقول ہو اور میرا یہ عذر

[۵] غالباً اس سے مراد حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب ہیں۔

عند کرام الناس مقبول ہو تو کچھ مدت کے لئے اور وہاں کے سفر کو موخر رکھا جاوے کہ شاید یہی امر مقصود سفر کے لئے انسب انفع ہو۔ یوں مدرسہ دیوبند سے اپنا قلبی تعلق اور در جناب والا کی غلامی کا تقاضا تو یہی ہے کہ ع

بندہ را فرماں نباشد ہرچہ فرمائی برآنم

اصل یہ ہے کہ محض جذبات کے رَد میں کام کرنا پسند نہیں ہے۔ چاہتا یہ ہوں کہ جو کام ہو ٹھوس اور مستحکم ہو اور ظاہر ہے کہ پائیدار کام آہستہ ہی آہستہ ہوتا ہے۔ بہرحال آپ کے سامنے سب حالات ہیں اب اس کے بعد ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن　　　مصلحت بین دکار آساں کن

والسلام۔　　وصی اللہ عفی عنہ

۱۷ رشوال ۹۲ھ

خط بالا کے متعلق حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کا جواب

(معذرت سے مسرت)

حضرت المعظم المحترم دامت برکاتکم۔ سلام مسنون نیاز مقرون

مکرمت نامہ باعث شرف ہوا جسے مولانا وصی الدین صاحب لیکر پہونچے آنمحترم نے سردست دیوبند کی تشریف آوری جن مقاصد کی تکمیل پر معلق فرمایا ہے واقعی وہ انتہائی مصلحت کی بات ہے تشریف آوری کے وعدہ سے جتنی خوشی ہوئی اُتنی ہی اس معذرت سے ہوئی حق تعالیٰ وہ وقت لائے کہ فضا بالکل ہموار ہو جائے۔ یہ واقعہ ہے کہ اس وقت دین خالص حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ہی نسبت میں مل رہا ہے ورنہ خلط ہو چکا ہے اس لئے جوں جوں یہ سلسلہ آنمحترم کے ذریعہ پھیل رہا ہے وہ بیحد خوشی و مسرت کا سامان ہو رہا ہے۔

احقر نے ارادہ کیا تھا کہ یہاں سے دیوبند کی واپسی میں میں خود علیگڈھ میں اُتر جاؤں اور اسکا نظام عمل بنا لیا تھا۔ مولانا وصی الدین صاحب کو بھی اسی لئے روک لیا تھا کہ انکی معیت میں اُترتا ہوا دیوبند پہونچوں لیکن کل ہی سے شاہ گنج سے بخار شروع ہو گیا اور نزلہ

کی شدت ہوگئی اس حالت میں اگر میں علیگڈھ اُترا اور بارہ گھنٹے میں وہاں سے واپسی ہوئی تو شب کے دو بجے دیوبند پہونچنا ہوگا اُس سے تکلیف میں شدت کا اندیشہ بلکہ ظن غالب ہے اس لئے اس محرومی پر قناعت کر لینی پڑی کہ اس وقت کی حاضری کو پھر کسی دوسرے وقت پر رکھوں۔ اُمید ہے کہ مزاج اقدس بعافیت ہوگا۔ دعاؤں کا محتاج اور ملتجی ہوں۔

والسلام

محمد طیب شوال ۸۴ھ

حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی استدعا تشریف آوری دیوبند پر حضرت مصلح الامتؒ نے جو جواب مرحمت فرمایا۔ ناظرین کرام کو اس کے مطالعہ سے خود ہی اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت والا میں تواضع، تادب اکابر، اور حزم واحتیاط کس قدر موجود تھی، محض جوش اور جذبہ سے کبھی کوئی کام اور کسی امر پر اقدام نہ فرماتے بلکہ ہر معاملہ میں نفع وضرر کو اچھی طرح سے تولتے اور ضرورت و عدم ضرورت میں خوب موازنہ فرماتے اور جب کامل انشراح اور شرعی ضرورت ہی پیش نظر ہو جاتی اور بصیرت کے ساتھ اُس کام کے کرنے کو مفید سمجھ لیتے تھے تب ہی اس کو عمل میں لاتے تھے۔

یہی صورت حال سفر دیوبند کے سلسلہ میں بھی پیش آئی چنانچہ حضرت علامہؒ کی خواہش، حضرت مہتمم صاحب کی درخواست اور دیگر خدام کے اشتیاق کے باوجود اپنے فی الحال سفر کے موانع سے جناب مہتمم صاحب مدظلہ کو مطلع فرمایا۔ چنانچہ عذر چونکہ معقول تھا حضرت قاری صاحب مدظلہ نے اس معذرت پر بھی اپنی خوشی کا اظہار فرمایا اور اب اس کے بعد سے بہت دنوں تک حضرت مہتمم صاحب کا حضرت کی دیوبند تشریف آوری کے متعلق کوئی تحریر یا پیام نہیں آیا۔

لیکن اور حضرات جن پر حضرتؒ کا یہ عذر ابتک مخفی تھا اور وہ بھی اپنی محبت

اور عقیدت کی وجہ سے حضرتؒ کی تشریف آوری کے لئے مشتاق اور بےچین تھے وہ اپنے اسی جذبہ کے پیش نظر حضرتؒ کو برابر اس سلسلہ میں کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہے۔ چنانچہ علیگڈھ کے سفر سے جب حضرت والاؒ الٰہ آباد واپس ہوئے تو ایک مولوی صاحب کا خط دیوبند سے آیا جو علیگڈھ بھی حضرت کی خدمت میں آچکے تھے اور وہاں کا منظر یعنی طلبہ کا تاثر اور تادّب کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرچکے تھے۔　　وھوھذا

ایک مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الامّۃ کے نام

(علیگڈھ کے تاثرات اور اہلِ دیوبند کے حالات و جذبات)

اواخر فروری ۶۵ء شوال ۸۴ھ

حال۔ حضرت علامہ مدظلہٗ سے علی گڈھ کی مفصل رپورٹ سامنے رکھدی بہت مسرور ہوئے۔

تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال۔ اور فرمارہے تھے کہ جلد ہی ایک تفصیلی خط حضرت کی خدمت میں روانہ کرنا ہے اور یہاں کی زمین ہموار ہوچکی ہے۔

تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال۔ اب حضرت کا تشریف لانا رائیگاں نہ ہوگا۔

حضرت مدنی کے داماد مولوی رشید الدین صاحب سے ملاقات ہوئی اپنی ملاقات اور تاثر کا ذکر کررہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ دیوبند میں انکا فیض عام ہونا چاہئے اور اب مدرسہ کو بانیان مدرسہ کی خواہشات کے مطابق کرنے کا وقت آگیا ہے۔

تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال۔ اور بغیر حضرت والا جیسے روحانی آدمی کے یہاں کی کایا پلٹنا سخت مشکل ہے۔

تحقیق۔ اس کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں۔

عرض مرتب:-

حضرت والاؒ نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کو تو تحریر فرمادیا تھا کہ ابھی وہاں کے حالات کا انتظار ہے۔ لیکن قاری صاحب مدظلہ کی درخواست کا چرچا کچھ اس تیزی سے پھیلا کہ گویا لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ حضرت والا بس دیوبند تشریف لانا ہی چاہتے ہیں اور یہ سرے سے غلط ہو ایسا بھی نہ تھا اس لئے کہ حضرت والا کے منتسبین بالخصوص حضرت علامہؒ بھی تشریف آوری کے بیحد مشتاق تھے ہی، اپنے اس قلبی شوق سے ان حضرات نے جب مدرسہ دیوبند کا جائزہ لیا تو انہیں ایسا معلوم ہوا کہ طلبہ اور مدرسین اور اراکین و منتظمین تو کیا مدرسہ کے دَر اور دیوار دیدار والا کے لئے سراپا انتظار ہیں۔

چنانچہ یہ حضرات اس فضا سے اور یہاں کے حالات سے حضرت کو مطلع بھی فرماتے رہے اور اپنے طور پر بھی اظہار تمنا کرتے رہے۔ لہذا جب طلبہ کے مشتاق دید ہونے۔ اساتذہ کے شوقِ زیارت۔ اور ارباب اہتمام کی درخواست و دعوت وغیرہ کا علم حضرت والاؒ کو ہوا تو خیال فرمایا کہ وہاں طلب مطلوبہ تو پیدا ہوگئی ہے اور اب کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہی لہذا شاید دیوبند جانا ہی پڑے۔ اس لئے ایک مولوی صاحب کے دریافت حال پر یہ جواب مرحمت فرمایا۔

شاید دیوبند جانا ہی پڑے!

ایک مولوی صاحب کے خط کے جواب میں حضرت والا کا اظہارِ خیال

حال۔ ایک مولوی صاحب نے اپنی لکھی ہوئی ایک کتاب ھدیۃً احقر کو دی۔ باتیں تو اچھی ہی ہیں لیکن ان اچھی باتوں سے بھی کوئی فیض نہیں ہوتا۔ احقر کو حضرت والا کی جوتیوں

کے صدقہ صاف محسوس ہوا کہ ہم جیسوں کی تصنیفین اور درس و تدریس ۔ وعظ و نصیحت بس سب کچھ برائے نام ہی ہے تاوقتیکہ قلب سے بداخلاقیاں دور نہ ہوجائیں اور اخلاص پیدا نہ ہوجائے اور اہل اللہ کی صحبت سے نور باطن قلب میں پیدا نہ ہوجائے کوئی دینی خدمت مثمر نہیں ہوتی بلکہ حبطت اعمالھم وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا ہی کی مصداق رہتی ہے ....

حضرت والا اس تحریر سے یہ حال پیش کرنا ہے کہ گو سمجھتا ہوں کہ ساری دنیا ایک ہی طرف کہاں آجاتی نیز دل کو سمجھاتا ہوں کہ تجھے دوسروں کی کیا پڑی ہے اپنی فکر کر تاہم بار بار یہ خیال آتا ہے کہ اے کاش کہ یہ دینی خدمات کے متوالے بالخصوص علماء و مشائخ حضرت والا کے انفاس قدسیہ اور ملفوظات اور تصانیف سے استفادہ کرنے کی طرف مائل ہوجاتے ۔ ویسے دل میں یہی بات آتی ہے کہ اب حضرت والا کی تعلیمات خوب خوب پھیلیں گی ۔ منجانب اللہ اس کا سامان ہو ہی رہا ہے ۔ رسالہ معرفت حق اور حضرت والا کے اسفار اس پر شاہد ہیں ۔ الحمدللہ معرفت حق جب سے نکلنا شروع ہوا ہے ہر رسالہ اس کے سامنے ماند ہو گیا ہے ۔

حضرت والا! اس ناکارہ کے حق میں دعا فرماویں کہ جلد از جلد حضرت والا کی خدمت میں پہونچ کر کامل استفادہ کر سکوں ۔ قلب سے تمام امراض دور ہوجائیں کامل اخلاص پر نسبت باطنی تامہ حاصل ہوجائے حق تعالیٰ کی کامل رضامندی حاصل ہوجائے اور وقت پر خاتمہ کامل ایمان پر ہوجائے ۔

تحقیق ۔ آپ نے صحیح سمجھا مخلص ہی کی بات میں اثر ہوتا ہے آپ نے جس بصیرت کا ذکر کیا ہے ٹھیک ہے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ۔

آپ کے قلب میں جو بات آرہی ہے الحمدللہ اس کے آثار بھی نظر آرہے ہیں ۔ بمبئی کے بعد احباب کی درخواست اور اصرار پر علیگڈھ جانا ہوا تھا ۔ فروری ۱۹۶۵ء کا آخری ہفتہ وہاں ہی گذرا ۔ الحمدللہ کہ بڑے اچھے نتائج سامنے آئے ۔ ہر طبقہ کے لوگوں نے نفع محسوس کیا ۔ بعد میں آنے والے خطوط سے معلوم ہوا کہ لوگوں نے بہت

اثر لیا۔ اب اس کے بعد دیوبند کے حضرات نے بھی پیشکش کی ہے۔
حضرت مولانا ابراہیم صاحب تو بہت دنوں سے خواہشمند ہیں اب قاری صاحب نے بھی بڑے اصرار سے بلایا ہے۔ ابتک تو صاف انکار کرتا رہا مگر اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید جانا ہی پڑے۔

میں نے اور کچھ نہیں کیا صرف اتنا کیا ہے کہ اصلاح کے سلسلہ میں کتاب و سنت کو پیش کر رہا ہوں۔ اخلاص سکھاتا ہوں اور قوم کا جو فرض ہے انکو سمجھا رہا ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو اور بحث اللہ تعالیٰ ہی کو پسند ہے ان کے ہی اختیار میں ہے جہاں جہاں بھی اس کو پہونچا دیں۔

والسلام

(غالباً مارچ ۶۵ء)

ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت والاؒ کے عذر فرما دینے پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ تو بالکل ہی خاموش ہو گئے اور فرمایا کہ حضرت کا عذر اور عدم سفر کے وجوہ بالکل صحیح ہیں لیکن اور حضرات اس سلسلہ میں برابر کوشاں رہے اور حضرت کے سفر دیوبند کے متعلق باہم لوگوں میں چرچے بھی ہوتے رہے۔ اس درمیان میں بہت سے مخلصین نے حضرت والا کو اطمینان دلایا کہ مدرسہ کے حالات اب بہت کچھ سدھر گئے ہیں اور دیوبند اور اطراف دیوبند کو حضرت کی زیارت کا اشتیاق اور تشریف بری کا شدید انتظار ہے۔ ان حالات کی بنا پر حضرت والا نے بھی کچھ ارادہ فرمایا ہوگا جس کی اطلاع حضرت قاری صاحب مدظلہ کو بھی ہوتی رہی چنانچہ یہ خیال فرما کر کہ اب حضرت سفر کے لئے تیار معلوم ہوتے ہیں۔ جناب مہتمم صاحب مدظلہٗ نے رابطہ کی تحریر کے ایک عرصہ کے بعد باقاعدہ ٹائپ شدہ عریضہ ضابطہ کے ساتھ دفتر مدرسہ سے ارسال فرمایا۔ چونکہ گویا مدرسہ دار العلوم کی جانب سے دعوت نامہ تھا۔ وھو ھذا

دارالعلوم دیوبند (ھند)

نحمدہٗ ونصلے علیٰ رسولہ الکریم

حضرت المخدوم المعظم زیدت معالیکم

سلام مسنون نیاز مقرون، مزاج گرامی، الحمد للہ بعافیت رہ کر مستدعی خیریت مزاج سامی ہوں۔ عرصہ سے آرزو ہے کہ آنمحترم دارالعلوم میں تشریف فرما ہوں۔ یہ اشتیاق الحمد للہ روز بروز ترقی پذیر ہے۔ جگہ آپ کی ہے اور آپ کے بزرگوں کی ہے اُن حضرات کی آمد خواہ از خود ہوتی تھی یا یہاں کی دعوت پر کافی اُمنگ واشتیاق کے ساتھ ہوتی تھی اور بلانے والوں سے زیادہ آنے والوں میں شوق آمد محسوس ہوتا تھا۔ حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہٗ بار بار مجھ سے فرماتے کہ میرے موانع سفر رفع ہوگئے تو سب سے پہلا سفر دیوبند کا کرونگا، ان حضرات کے قدوم کے مبارک اثرات سے یہاں کی فضا کی نورانیت میں اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ آج اُن حضرات کے جانشینوں سے بھی یہی توقعات وابستہ ہیں، پچھلے دنوں فضا میں کچھ کدورتیں مل گئی تھیں جس سے نقصان پہونچا لیکن ساتھ ہی اصلاحی جدوجہد بھی جاری رہی۔ پانچ چھ سال کے عرصہ میں الحمد للہ کافی فرق نمایاں ہوا ہے۔ میرا یقین ہے کہ آنمحترم کی تشریف آوری سے یہ صفائی جلاء کی صورت اختیار کرلے گی۔

میرے خیال میں اپریل کا مہینہ سفر کے لئے موزوں رہے گا۔ میں نے اسی لئے عید قرباں کے بعد سے اٹھارہ انیس ذی الحجہ تک کوئی پروگرام نہیں رکھا تاکہ ان مبارک ایام میں انفاس طیبہ سے دیوبند میں مستفید ہوسکوں۔

اُمید ہے کہ یہ استدعا شرف قبول حاصل کریگی اور جواب گرامی مژدہ تشریف آوری کی صورت میں نمایاں ہوگا، زیادہ احترامات۔

محمد طیب ۱۱/۱۱/۸۴ھ

مہتمم دارالعلوم ۔ دیوبند

(باقی آئندہ)

حالات مصلح الامۃ

اس دعوت نامہ کا تحریری جواب حضرتؒ کی جانب سے کیا گیا۔ راقم کو رجسٹر نقل خطوط نیز دیگر کاغذات میں اس کی کوئی نقل تو نہ مل سکی تاہم بعض خطوط کے مضمون سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ حضرتؒ کے یہاں سے اس سلسلہ میں کوئی جوابی تحریر بھی گئی۔ بہرحال اس درمیان حضرت مہتمم صاحب کا ایک اور خط حضرت والاؒ کے نام آیا اور حضرت نے اسکا جواب بھی مرحمت فرمایا۔ جو کہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کا ایک اور خط

حضرت المعظم المحترم دامت برکاتکم

سلام مسنون نیاز مقرون۔

کل جناب حکیم محمد عمر صاحب طبیب دارالعلوم دیوبند اور مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند الٰہ آباد سے دیوبند پہونچے پھر آنمحترم کا ہدیۂ خلوص و محبت پہونچا۔ اس ہدیہ موقرہ نے کام و دہن کو بھی حلاوت بخشی اور دل و دماغ کی حلاوت کا بھی سامان مہیا فرمایا جس کا مخلصانہ شکر عرض کرتا ہوں۔ اس ہدیۂ مبارک کی روح آنمحترم کی توجہ اور عنایت ہے جو میرے لئے عین سعادت ہے اور میں ہر وقت اسکا محتاج ہوں دونوں موصوفین سے مجلس مبارک کے احوال سن کر غیر معمولی خوشی اور مسرت ہوئی جس کا اندازہ اور مشاہدہ تو بحمد اللہ پہلے ہی سے ہے اور اس کی وجہ سے خوشی اور مسرت بھی پہلے ہی سے ہے۔ اس خبر نے اس میں مزید اضافہ کر دیا حق تعالیٰ آپ کے فیوض و برکات کو قائم و دائم فرمائے۔ اپنے حق میں دعاؤں کا خواستگار ہوں۔ عزیزم مولوی محمد سالم اور مولوی محمد اسلم سلمہما سلام عرض کرتے ہیں۔

والسلام

محمد طیب غفرلہ

حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب

مکرم بندہ جناب قاری صاحب دام مجدکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ہدیہ مرسلہ تو خیر کچھ ایسا نہ تھا بہرحال آپ کو اس سے جو خوشی ہوئی اُس سے مجھے بھی بڑی مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان کی حلاوت نصیب فرمائے (آمین)

جی ہاں مولوی ارشاد احمد صاحب سلمہٗ اور حکیم محمد عمر صاحب سلمہٗ یہاں سے خوش تو بہت گئے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ حضرات محبت فرماتے ہیں اور مجھ سے حسن ظن رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اس محبت کو بڑھائیں اور مجھے آپ حضرات کے حسن ظن کے مطابق کر دیں۔ میرے لئے صحت اور قوت کی دعا فرمائیں تاکہ کچھ کام کر سکوں۔ آپ کے لئے مدرسہ کے لئے اور عزیزان محترم مولوی سالم اور مولوی اسلم سلمہما اللہ تعالیٰ کے لئے دل سے دُعا کرتا ہوں۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

"پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ مولوی ارشاد احمد صاحب دیوبند سے تشریف لائے اور سفر کے متعلق حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ سے گفتگو رہی۔ چنانچہ دیوبند پہونچ کر انھوں نے حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ نیز حضرت العلامہ بلیاویؒ سے حضرت والا کی تیاری اور ارادۂ سفر کا تذکرہ فرمایا۔ اس پر حضرت علامہؒ کا حسب ذیل گرامی نامہ حضرت والاؒ کے نام آیا۔

اور حضرت علامہؒ کے اُن بعض مکاتیب میں سے ایک مکتوب یہ بھی ہے جو خود حضرت علامہؒ اور حضرت مصلح الامۃؒ کے بیان میں نقل نہیں ہوا۔ بلکہ حالات دیوبند سے مناسبت کی وجہ سے یہاں درج ہوا۔ حضرت علامہ کا مکتوب گرامی یہ آیا:۔

ارادۂ سفر معلوم ہونے پر حضرت علامہ کی دِلی مسرّت!

(حضرت مصلح الامۃ کے نام خط)

مخدومنا المحترم دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج گرامی!

اس سے قبل حضرت والا کی خدمت میں دو عریضے ارسال کرچکا ہوں اُمید کہ باریاب خدمت ہوئے ہونگے۔ مزید یہ کہ مولوی ارشاد احمد سلمہٗ سے حضرت والا کے ارادۂ سفر کا حال معلوم کرکے بیحد مسرت ہوئی اور اکابر کی تشریف آوری کے حالات و سماں آنکھوں میں پھر گئے اس سے پہلے بھی علیگڈھ میں بالمشافہ اور اب باقاعدہ دعوت نامہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ نے مدرسہ کی طرف سے آنمحترم کو روانہ کردیا ہے اُمید کہ حضرتِ والا اسے شرف قبولیت بخشیں گے۔ ہمارے اسلاف کی تشریف آوری دیوبند کا مقصد مدرسہ کو اپنے وجود کے برکات سے نوازنا اور اپنے متوسلین کی مشکلات میں ہاتھ بٹانے کی طرف متوجہ کرنا ہوتا تھا تاکہ ایک طرف مدرسہ جو حضرت حاجی صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق "ہزاروں راتیں اللہ کے نیک بندوں نے گڑگڑا کر دعائیں کیں جس کے نتیجہ میں یہ دارالعلوم اسلام، مسلمانوں اور علم دین کے مفاد کے لئے وسیلہ بناکر خدائے تعالیٰ نے دیوبند میں قائم فرمایا" وہ برابر ترقی کرتا رہے اور دوسرے یہاں کے علماء و طلباء ان اکابر کی روحانیت سے محروم نہ رہیں۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ مدرسہ میں تشریف لاتے اور مدرسہ ہی کے مہمان ہوتے اپنے گرامی وجود سے نوازتے دعا فرماتے۔

اسی طرح حضرت عبدالرحیم صاحب رائے پوری کا بھی دستور تھا اور آخر میں حضرت تھانویؒ کی تشریف آوری و توجہات مدرسہ کے استحکام کا باعث ہوتی۔ اس دور میں حضرتِ والا کے سوا کوئی دوسری شخصیت نظر نہیں آتی جس کی دعائے وجود کی برکت سے مدرسہ میں روحانیت تازہ ہوجائے اور جو ضعف محسوس ہورہا ہے اُس کی تلافی ہوجائے۔

مجھے حضرتِ والا کا ارادۂ سفر بہت بڑی خوش نصیبی اور سعادت سمجھ میں آتی ہے اور

اس بات کا یقین پختہ تر ہوتا جارہا ہے کہ اولیاء اُمت بالخصوص حضرتِ والا دار العلوم کی نشاۃ ثانیہ واستحکام کی طرف پوری طرح متوجہ ہیں۔

میری خواہش پہلے سے یہ تھی اور اب بھی ہے کہ حضرتِ والا کی مہمانی کی خدمت میں بجالاؤں مگر اکابر واسلاف کا انداز تشریف آوری ادھر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے میلان کے بڑھ جانے کی وجہ سے حضرت کا مدرسہ ہی میں قیام فرمانا بہتر سمجھتا ہوں البتہ اس بات کا پورا لحاظ رکھوں گا کہ حضرت والا کے اوقات کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ دعوات صالحہ وتوجہات عالیہ کا محتاج ہوں۔ محمد ابراہیم

حضرت مصلح الامۃ کے نام ایک اور مولوی صاحب کا خط

(اپریل میں تشریف آوری (دیوبند) کے لئے)

سب چشم براہ ہیں!

دیوبند تھوڑی دیر قیام کا موقع ہوا حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہ سے مختصر ملاقات ہوئی قیام اور طعام کا اصرار رہا لیکن موقعہ نہ تھا۔ بعض طلباء سے ملاقات ہوئی انھوں نے بتایا کہ اساتذہ اور طلباء میں بہت تڑپ پائی جارہی ہے۔

اپریل میں تشریف آوری کا وعدہ فرمایا ہے اور علیگڈھ سے اس وقت تشریف آوری کی درخواست معقول عذر کی وجہ سے قبول نہیں ہوئی۔ اپریل کی تشریف آوری کے لئے سب چشم براہ ہیں۔ یہاں پہونچ کر آج مجھے یہ خوشخبری براہ راست مل گئی۔ تھانہ بھون کے اصرار کے لئے میرا پہلے سے ارادہ نہ تھا گو بعض احباب کی طرف سے علیگڈھ ہی درخواست کرنے کا ارادہ تھا۔

بہرحال حسب ہدایت عملدرآمد ہوگا۔

والسلام ظہور الحسن۔ ازتھانہ بھون
مارچ ۱۹۶۵ء

ناظرین نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی مدظلہ العالی نے کس خوبصورتی کے ساتھ مزاج والا کی کمال رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے خط کے آخری جملہ میں عرض مدعا کر ہی دیا یعنی جس طرح سے کہ حضرت قاری صاحب مدظلہ نے علیگڈھ تشریف بری کے موقعہ پر فرمایا تھا کہ حضرت دیوبند وہاں سے راہی کتنی دور جاتا ہے ابھی سفر میں دیوبند کا بھی قصد فرمایا جائے۔ اسی طرح سے مولانا کسولوی مدظلہ نے بھی اپنے احباب کی قلبی خواہش کا اظہار دبے لفظوں میں بیان فرمایا مقصد گویا یہی تھا کہ حضرت والا دیوبند تشریف لانے والے ہیں تو وہاں سے تھانہ بھون بھی دور ہی کیا رہ جاتا ہے اس طور پر گویا مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہ العالی نے حضرتؒ کو دعوت تھانہ بھون بھی دیدی۔

حضرت مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہ العالی نے اپنی محبت اور اپنے صحیح جذبہ کا اظہار فرمایا لیکن حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اس سلسلہ میں ہم خدام سے یہ فرماتے تھے کہ بھائی! لوگ سمجھتے نہیں مجھے تھانہ بھون بلانا چاہتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ وہ میرے شیخ کی جگہ ہے میں اگر وہاں گیا بھی تو بھلا وہاں کچھ بول بھی سکوں گا میں تو وہاں پہونچ کر بالکل ہی خاموش ہو جاؤں گا۔ اور جس طرح سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں رہا کرتا تھا اسی طرح سے خانقاہ میں قیام کرونگا۔ اور جب کچھ بولوں گا نہیں تو لوگوں کو کیا نفع ہوگا۔ پھر ایسے شخص کو وہاں بلانے سے فائدہ؟

بہرحال یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا ایک حال تھا اور اس میں شک نہیں کہ غایتِ ادب و تواضع سے ناشی ایک قلبی کیفیت تھی کہ شیخ اور مقتدا ہونے کے بعد بھی اپنے شیخ کی حیات میں نہیں بلکہ شیخ کے بعد اپنے شیخ کی جگہ کا اس درجہ تادّب و احترام ملحوظ رکھا اور اپنے وہاں قیام سابق کا تصور غالب کر کے زمانۂ حال میں بھی اُسی طرح حالِ ماضی کے ساتھ متصف رہے۔ بلاشبہہ یہ احترام و عظمت شیخ کا وہ مرتبہ ہے جو کسی ہی کسی کو عطا ہوتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہی

سے سُنا فرماتے تھے کہ حضرت بشر حافی کو حافی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہتے تھے اور حضرت فرماتے تھے کہ اس کی ایک وجہ تو حضرت مولانا تھانویؒ سے یہ سنی کہ اُن کے قلب پر ادب الٰہی کا ایک خاص حال طاری تھا فرماتے تھے کہ زمین خدا کا بچھایا ہوا فرش ہے اور مالک کے بچھائے ہوئے فرش پر غلام کے لئے جوتا پہن کر چلنا بے ادبی ہے اور دوسری ایک وجہ کسی کتاب میں یہ دیکھی کہ حضرت بشر حافی نے جس وقت اپنے شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اُس وقت ننگے پاؤں ہی تھے تو پسند نہیں فرماتے تھے کہ جس حالت اور جس ہیئت پر شیخ سے بیعت کی ہے اُس میں ذرہ برابر بھی تغیر و تبدل کریں چنانچہ جوتہ پہننے کو بھی حضرت تبدیلی ہی سمجھتے تھے۔ مشائخ نے اُن کے اس فعل کو اُن کا غایت تادّب شیخ اور ادب طریق قرار دیا ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ کی جانب سے اُن کو اس ادب کا یہ صلہ ملا کہ وحوش و بہائم کو حکم دیدیا کہ جس راستہ سے بشر حافی گذریں وہاں بیٹ نہ کریں۔ ایک دفعہ کسی نے اُن کے راستہ میں بیٹ پڑی دیکھی تو سمجھا کہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کا وصال ہو گیا ہے تحقیق کی تو یہی بات نکلی۔

چونکہ مولانا ظہور الحسن صاحب مدظلہ کے خط میں تھانہ بھون کے لئے اصرار اور احباب کی درخواست کا ذکر آیا تھا اس سلسلہ میں القول بالقول یذکر کے طور پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات بھی یاد آگئی ورنہ بیان یہ کر رہا تھا کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ارادۂ سفر دیوبند کی بھنک پاکر ایک جانب تو اس قسم کے خطوط آنے لگے اور دوسری جانب دیوبند کے بعض حضرات کی آمد و رفت بھی رہی چنانچہ مولوی ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند بھی اسی اثناء میں تشریف لائے اور اُن سے بھی سفر دیوبند کے متعلق خوب باتیں رہیں یہانتک کہ اواخر ماہ جون ۱۹۶۵ء میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلہ میں ایک خط مولوی حکیم عزیز الرحمان صاحب اعظمی کو لکھوایا اور اُس کے مضمون کو مخصوص طلبہ اور مدرسین مدرسہ کو

سنا دینے کا بھی حکم فرمایا دھو ھٰذا۔

دیوبند کو علیگڈھ سے پیچھے نہیں رہنا چاہئے!

(دین اور اخلاق پر حضرت نے طلباء دیوبند کو عجیب عنوان سے ابھارا)

مکرمی جناب مولوی عزیز الرحمٰن صاحب دام عنایتہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہ خط مولوی ارشاد احمد صاحب کو لکھنا چاہتا تھا مگر خیال ہوا کہ کہیں وہ سفر میں نہ ہوں اس لئے آپ ہی کو لکھ رہا ہوں۔

آپ تو علیگڈھ میں موجود ہی تھے وہاں کے حالات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ حضرت والا دامت برکاتہم کے تشریف لانے کے بعد جو خطوط وہاں سے آرہے ہیں اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ الحمد للہ اُن کا تأثر وقتی نہ تھا بلکہ اُن لوگوں نے مستقل اثر لیا ہے۔ چنانچہ بعض حضرات کے خطوط کی نقل ارسال خدمت ہے آپ مولوی ارشاد احمد صاحب کو نیز اپنے مخصوص طلبہ و مدرسین کو سنا دیجئے اور آپ یا مولوی ارشاد احمد صاحب انھیں حضرت مولانا مدظلہٗ کی خدمت میں بھی پیش کر دیں۔ حضرت کا مقصد اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی کام کیا جائے تو ٹھیک سے کیا جائے اور اس نہج سے کیا جائے کہ اُس پر اثر اور ثمرہ مرتب ہو۔

علیگڈھ کی روداد بھی لوگوں کے سامنے آدیگی اور اگر دیوبند کا سفر پیش آیا تو وہاں کے حالات بھی لوگوں کے علم میں آدیں گے اس لئے کوشش اس امر کی ہونی چاہئے کہ اس دینی ادارہ کو جس کی وضع ہی دین کے لئے ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت اور تعلق میں اُس دنیوی ادارہ سے کسی طرح پیچھے نہیں ہونا چاہئے۔ طلبہ کا خصوصی اجتماع جو مجلس دُعا کے نام سے منعقد ہوا تھا اسکا منظر تو آپ غالباً بھولے نہ ہونگے نیز وہاں کے سب ہی حضرات کیا طلبہ اور کیا پروفیسر صاحبان سب کا ادب اور احترام لائقِ تحسین تھا۔

والسلام

بقلم یکے از خدام (بحکم حضرت والا مدظلہ العالی)

مذکورہ بالا خط جانے کو تو ایک خادم کے قلم سے گیا لیکن حضرت اقدس کے ملاحظہ کے بعد گیا، بلکہ ابتداءً مضمون بھی حضرت والا ہی نے بتایا تھا چنانچہ جو بھی خطوط حضرت والا کے یہاں سے کسی خادم کے قلم سے کہیں جاتے تھے تو بالعموم اس کی یہی نوعیت ہوتی تھی۔

آپ نے اس خط میں ملاحظہ فرمایا کہ حضرت والا مدرسہ دیوبند کو کیسا دیکھنا چاہتے تھے اور وہاں کس فضا کے منتظر تھے۔ دینی غیرت کے ماتحت چاہتے یہی تھے کہ یہ دینی ادارہ کسی دنیوی ادارے سے دین میں تو پیچھے نہ رہے۔ بالخصوص آداب و اخلاق ظاہری اور خاص کر حق تعالیٰ کے تعلق اور تقویٰ میں تو اسے کسی دُنیوی تو کیا اور دوسرے عام دینی اداروں سے بھی بہت آگے ہونا چاہئے جب کہ وہاں کی تاریخ بھی یہ رہ چکی ہو کہ ایک زمانہ اُس پر ایسا گذرا ہے کہ چپراسی سے لے کر مہتمم تک سب کے سب تہجد گذار، شب بیدار اور صاحبِ نسبت تھے سبحان اللہ۔

بہر حال حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کو مدرسہ دیوبند کو اپنے اسلاف کے طور وطریق پر دیکھنے کی تمنا اور اُس پر لانے کی فکر برابر ہی رہی اور جس جس طرح سے بن پڑا اہل مدرسہ کو اس کی جانب متوجہ فرماتے رہے کہ شاید اُس کا عہدِ رفتہ پھر لوٹ آئے۔

سفرِ دیوبند کی خبر پر اہلِ مدرسہ میں خوشی کی لہر!!

ایک مولوی صاحب کا خط حضرتؒ کے نام

حال۔ حضرت والا کی آمادگی و ارادہ سفر کا حال معلوم کر کے جس قدر مسرت ہوئی ہے وہ ناقابلِ بیان ہے اور شدہ شدہ یہ خبرِ فرحت اثر عام ہوتی جا رہی ہے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ حضرت علامہ مدظلہ دونوں حضرات بیحد خوش معلوم ہوتے ہیں اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے تو مولانا معراج الحق صاحب کے یہاں حضرت علامہ سے فرمایا کہ بلاشبہ اب یہی ذات رہ گئی ہے۔

تحقیق۔ میں ہی اکیلا کیوں ہوں مہتمم صاحب خود ہیں اور دیگر حضرات بھی ہیں میں تو سمجھتا ہوں

کہ جہاں جو ہے وہاں کام کے لئے متعین ہے اور یہی آسان ہے۔

حال۔ مولانا محمد سالم صاحب غالباً سفر میں ہیں اور حضرت والا سے الٰہ آباد میں ملیں گے اور بالمشافہ گفتگو کریں گے۔

تحقیق۔ بہت بہتر۔

حال۔ حضرت مہتمم صاحب اور حضرت علامہ مدظلہما نے باقاعدہ دعوت نامہ حضرت والا کی خدمت میں روانہ کیا ہے جو باریاب خدمت ہوا ہوگا۔

تحقیق۔ ملا۔ جواب دے رہا ہوں۔

حال۔ مولانا ارشاد احمد صاحب بھی جلد ہی الٰہ آباد پہونچیں گے۔

تحقیق۔ تشریف لائے۔

حال۔ اُن کی واپسی پر میں مناسب پروگرام بناؤں گا اور حضرت والا کو ساتھ لانے کے لئے یہاں سے روانہ ہوں گا۔

تحقیق۔ عین وقت پر کوئی عذر نہ ہوا تو آسکوں گا ورنہ معافی چاہونگا۔

حال۔ حضرت ...... مولانا ...... کو بھی اس موقعہ پر دعوت دینے والے ہیں۔ غرض اُمید ہے کہ اب کافی سے زیادہ چرچا رہیگا اور ہے بھی۔ حضرت والا کی تشریف آوری سے یہ صد سالہ قندیل ہدایت جس کی روشنی ماند ہوگئی تھی پھر یَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ کا منظر پیش کرے گی اور بیتابانِ عشق محمدی کے سکون کا سامان ہوگا۔

تحقیق۔ میرے اوپر اتنا بار نہ ڈالئے اُتنا ہی بار ڈالئے جو اُٹھا سکوں۔

والسلام بقلم ...... خادم حضرت والا

راقم عرض کرتا ہے کہ مذکورہ بالا خط اور اُس کے جواب سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ خط میں جس نشاط اور مسرت کا مظاہرہ کیا گیا ہے جواب میں اُس درجہ کا انشراح موجود نہیں ہے چنانچہ اُن مولوی صاحب نے شروع ہی میں حضرت علامہ

کا جب یہ مقولہ نقل فرمایا کہ —— "بلاشبہ اب یہی ذات رہ گئی ہے —" تو حضرت والا نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا کہ —— "میں ہی اکیلا کیوں ہوں اور حضرات بھی تو ہیں اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جہاں جو ہے وہاں کے کام کے لئے وہی متعین ہے اور یہی آسان بھی ہے"

اور آخر میں جب یہ لکھا کہ —— "حضرت والا کی تشریف آوری سے یہ صد سالہ قندیل ہدایت جس کی روشنی ماند ہوگئی تھی پھر یکاد زیتہا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار نور علیٰ نور کا منظر پیش کرے گی اور بیتابانِ عشقِ محمدی کے سکون کا سامان ہوگا —" تو اس پر تحریر فرمایا کہ —— "میرے اوپر اتنا بار نہ ڈالیے اتنا ہی بار ڈالیے جو اٹھا سکوں"

اس کی وجہ فہم ناقص میں یہ آتی ہے اور جن حضرات نے حضرت مصلح الامۃ کو قریب سے دیکھا ہے اور حضرت کی صحبت سے بہرہ ور ہوئے ہیں نیز حضرت اقدس کی اصلاح و تربیت اور خود حضرت والا کے مزاج و طبیعت سے واقف ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ حضرت والا کو تعریف و ستائش طبعاً پسند نہ تھی بالخصوص جبکہ اس میں تکلف و غلو سے بھی کام لیا جائے چنانچہ خدام کی اس پر سخت نکیر فرماتے تھے۔

مثلاً ایک مولوی صاحب نے ایک مرتبہ حضرت والا کو لکھا کہ

حال —— سیدنا و سندنا و عمدتنا و قدوتنا حضرت مولانا صاحب متعنا اللہ و سائر المسترشدین بفیوضکم و برکاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ —— ارشاد گرامی نے شرف صدور بخشا۔ اپنی سستی اور اپنی اصلاح سے اپنی غفلت پر ہمیشہ ندامت ہوتی ہے اور ابتک ایسی فکر نہ ہوسکی جو موانع پر غالب آجائے اور کام حسب منشا حضرت والا مدظلکم ہوتا رہے۔ اس کا غم ضرور رہتا ہے لہٰذا حاضری کی اجازت مرحمت فرمائی جائے اس سے اپنا ہر قال و حال جو ہمہ وقت قابل اصلاح ہیں حضرت والا مدظلکم پر منکشف ہونگے اور اپنے اندر فکر و ہمت پیدا ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

یہ ایک بڑے مولوی صاحب کا خط ہے جو ایک بڑے مدرسہ میں غالباً صدر مدرس

تھے۔ حضرت والا کے محب اور قدیم خدام میں سے تھے مگر حال ہُست کے ساتھ چست القاب کو پسند نہ فرماتے ہوئے حضرتؒ نے انکو یہ جواب مرحمت فرمایا۔

تحقیق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ .... صاحب آپ القاب تو بہت اچھا لکھتے ہیں۔ عمدتنا وقدوتنا متعنا اللہ وسائر المسترشدین بفیوضکم وبرکاتکم۔ طبیعت بہت خوش ہوتی ہے اور وجد کرنے کو دل چاہتا ہے اور دوسرے لوگوں کو میرا فیض پہونچا ہو یا نہ پہونچا ہو مگر آپ کو تو ابھی فیض نہیں پہونچا مگر اُمید ہے کہ (شاید آئندہ پہونچ جائے) یہاں آنے کی اجازت تو ہر وقت ہی ہے مگر آپ حضرات کو یہاں آنے کی فرصت کب ہے آپ سے محبت ہونے کی بناء پر یہ گذارش کی ہے۔ والسلام

اسی طرح سے یہاں بھی ان مولوی صاحب نے نشاط میں آکر اپنے جذبہ عقیدت ومحبت کے پیش نظر حضرت والا کو کچھ لکھا حضرت اقدس نے بھی اصلاحی نقطۂ نظر سے جواب مرحمت فرمایا۔

نیز یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب) کہ حضرت والا اپنی فطری سادگی اور طبعی خمول پسندی کی وجہ سے بہت زیادہ بھیڑ بھاڑ شور وشغب اور کہیں آنے جانے میں اعلان واشتہار کو بھی کچھ پسند نہیں فرماتے تھے۔ ذہن والا میں یہی رہا ہوگا کہ کسی جگہ کے لوگ اخلاص کے ساتھ اگر بلا رہے ہیں تو خاموشی کے ساتھ وہاں چلے جانے میں کیا مضائقہ ہے اور جس طرح سے سکون وسکوت کے ساتھ یہاں کام کر رہا ہوں کہیں بھی جاکر کر سکتا ہوں۔ مقصد اگر ایک ہو تو مقام کا تبدل اُس میں کیا قادح ہے لیکن یہاں ہر طرف سے اس سفر کا کچھ اس طرح سے چرچا و غوغا ہوا جس سے کہ حضرت والا نے اپنے قلب صافی میں یہ محسوس کیا کہ اب اس کی نوعیت میرے مذاق اور اپنے عام طریق کار سے کچھ مختلف ہوا چاہتی ہے پھر یہ کہ لوگوں کا یہ خیال کبھی بھی حضرت کو خوش نہ آیا کہ کام تو بس فلاں شخصیت میں منحصر ہے یا یہ کہ زبانِ حال سے لوگوں کا یہ کہنا کہ بس ایک ہی شخص گھوم گھوم کر ہر جگہ جایا کرے۔ چنانچہ حضرت والا کے مضامین وملفوظات سے جو حضرات باخبر ہیں اُن پر مخفی

نہیں کہ حضرت والا باہر سے کسی کو بلاکر سال بھر میں محض ایک دو دفعہ وعظ کہلا دینے کو تبلیغ کے باب میں قطعی ناکافی سمجھتے تھے۔ یہ فرماتے تھے کہ کام کرنے والے مقامی لوگ ہونے چاہئیں اسی طریق سے کام باقی بھی رہ سکتا ہے اور ترقی بھی کرسکتا ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا تھا کہ اُن سے فارغین مولوی صاحبان کے اس طرز پر شدت کیساتھ نکیر فرماتے تھے کہ جن سے بستی کے لوگ جب وعظ وغیرہ کی درخواست کرتے تو وہ اسکا یہ جواب دیتے کہ اچھا تم لوگ پہلے یہ کرو کہ اتنا اتنا چندہ جمع کرلو اور ہم اپنے اُستاد کو باہر سے بلاتے ہیں وہ آکر یہاں وعظ کہدیں گے۔ فرماتے تھے کہ یہ نہایت کم ہمتی کی بات ہے۔ جب تم فارغ التحصیل ہوچکے ہو، عالم ہوگئے ہو تو کیا اس قابل بھی نہیں ہو کہ لوگوں کو کچھ قال اللہ وقال الرسول سناسکو اور آج عوام کو بس اسی اتنے کی ضرورت بھی ہے یعنی یہ کہ اُن کے سامنے دین کی موٹی موٹی باتیں سادے انداز میں پیش کردی جائیں بس کافی ہے۔ باقی تم جس اہتمام میں پڑجاتے ہو اُس سے لوگوں کو کچھ نفع نہیں۔

اسی طرح سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خاص مذاق یہ بھی تھا کہ وہ جلسہ وغیرہ میں ۱۰۔۲۰ عالموں کو بیک وقت جمع کرلینے کو بھی عوام کے نفع کے لئے (بالخصوص اس زمانہ میں) کچھ زیادہ مفید نہیں سمجھتے تھے۔ یوں فرماتے تھے کہ بھائی نفع تو ایک ہی سے ہوتا ہے اور اُس سے ہوتا ہے جس سے لوگوں کو عقیدت ہو۔ اور اُس سے ہوتا ہے کہ جس کو خود لوگوں کو نفع پہونچانے اور اُنکی دینی خدمت کرنے کی فکر ہو اور اس کو وہ اپنے ذمہ لازم سمجھتا ہو اور یہ اُسی وقت ممکن ہے جب کہ واعظ ایک ہو تاکہ وہ بھی یہ سمجھے یہاں کام کرنا ہے اور لوگ بھی سمجھیں کہ مجھ کو ان سے نفع حاصل کرنا ہے اور اگر ایک ہی مجمع میں دس پانچ واعظ کو جمع کرلیا یا ایک سال کسی ایک عالم کو بلایا اور دوسرے سال دوسرے کو تو اس کی وجہ سے بھی جانبین میں کبھی رابطہ و تعلق نہیں پیدا ہوتا حالانکہ وہی مدار فیض ہے۔ عوام تو یہی خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں ایک سے ایک عالم و واعظ موجود ہیں جب چاہیں گے اور جس کو چاہیں گے بُلالیں گے۔

اور واعظ و عالم یہ خیال کرتا ہے کہ یہاں کا کام کچھ مجھ پر ہی تو موقوف نہیں ہے اور حضرات بھی تو آتے رہتے ہیں وہ کر لیں گے۔

اس مضمون کو اور اپنے اس خیال کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکثر و بیشتر آنے جانیوالوں کو سمجھاتے رہتے تھے لیکن عام حالات چونکہ اب دوسرے ہی طرح کے ہو چکے ہیں اس لئے اس کو مانتے تو سب تھے اور زبان سے اس کی تائید بھی کرتے تھے مگر عمل کے موقعہ پر وہی رسمی جلسہ کا طرز ہی غالب ہو جاتا تھا جو کہ مزاج والا کے بالکل خلاف ہوتا تھا۔

نیز حضرت والا یہ بھی فرماتے تھے کہ بھائی کام کرنے والے بہت سے لوگ ہونے چاہئیں کسی ایک ہی شخص پر انحصار اور کسی کام کا مدار ٹھیک نہیں ہے اور یہ اسلئے تاکہ اُس کے نہ ہونے کے وقت میں وہ کام یک لخت بند نہ ہو جائے اور اس پر بطور مثال کے یہ فرماتے تھے کہ دیکھو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی ہی میں اپنے خلفاء کی ایک خاصی تعداد بنادی تھی بلکہ اُن کو اپنے سامنے ہی کام بھی سپرد فرما دیا تھا اور اس کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ اس لئے کیا ہے تاکہ لوگ میرے بعد اچانک تاریکی نہ محسوس کریں۔ اسی لئے حضرتؒ بھی علماء و خواص کی جانب سے جب اس قسم کی باتیں سنتے تھے کہ بس ایک ہی ذات موجود ہے تو گو عام نگاہوں میں تو یہ فخر کا مقام ہو سکتا تھا کہ کوئی بزرگ خاتمۃ الاسلاف ہو جائے یا کوئی ذات مغتنم زمانہ شمار ہو۔ لیکن حضرت والا کے مخصوص مزاج اور طبیعت پر اس قسم کا جملہ تیر کا کام کرتا تھا جس کا اظہار بھی حضرت یوں فرماتے تھے کہ

دیکھتے ہو۔ میں بوڑھا ہوا۔ کام کی اس زمانہ میں کسقدر ضرورت ہے اور کوئی کام کرنے والا نظر نہیں آتا یہ مولوی لوگ بھی کہتے ہیں کہ بس تم ہی رہ گئے ہو اور ہمارا حال یہ ہے کہ اب کسی کام کا بھی نہیں رہ گیا ہوں تو گویا مطلب یہ ہوا کہ اب کوئی کام کرنے والا ہی نہیں ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ایک ایسا بھی وقت تھا کہ صرف ایک ایک ضلع میں کتنے کتنے اور کیسے کیسے فاضل اکابر اور صاحب نسبت بزرگ موجود

ہوتے تھے اور ایک وقت یہ آگیا ہے کہ سارا ہندوستان ہی خالی نظر آ رہا ہے اور ہمارے یہ مدارس ہی مخزن تھے ان سے ہی کیسے کیسے اللہ والے نکلتے تھے اور آج ہم لوگ ہیں کہ طلبا کو کام کا بنانے کے بجائے قحط الرجال کا شکوہ کر رہے ہیں۔ یہ کچھ خون کے آنسو رونے کا مقام ہے یا نہیں؟

ملاحظہ فرمایا آپ نے حالات زمانہ کا حضرت اقدس کی طبع حساس پر کیا اثر پڑتا تھا۔ یہ چند باتیں تو بطور نمونہ کے عرض کی ہیں ورنہ تو اس قسم کے واقعات اور تاثرات دن رات برابر مشاہد ہوتے رہتے تھے چنانچہ حضرت والا کے اس انداز کو ہر آنے والا محسوس کر لیتا تھا کہ اللہ اکبر اس گوشہ نشین اور بظاہر حالات زمانہ سے بے خبر اور یکسو رہنے والے انسان کو بھی مسلمانوں کی اصلاح کی کس قدر فکر ہے اور وہ اُن کی خرابی سے کس درجہ پریشان اور درستگی کا کس طرح کوشاں ہے۔ غالباً حضرت والا کے طرز اصلاح کا یہی وہ منظر تھا جس کا کچھ نقشہ علامہ انظر مدظلہ نے اپنے تاثرات میں بھی کھینچا ہے جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

بہرحال ایک مصلح کے لئے حالات زمانہ سے واقف ہونا اور قوم کی بدحالی سے متاثر و مغموم رہنا کچھ لازم ہی سا معلوم ہوتا ہے اسی لئے جب ذہن اقدس میں کسی طالب کا اصلاحی پہلو نمایاں ہوا تو جو بات طبیعت کے خلاف تھی اُس سے تاثر بھی لازم تھا اور اس قسم کا تاثر حضرت کے لئے کوئی نیا نہ تھا بلکہ حضرت والا کی پوری زندگی ہی اس قسم کے حالات و تاثرات سے پُر ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علاوہ سالک کے خود ایک مصلح پر بھی یہ قول صادق ہے کہ ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش
تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

خیر یہ خط اور اسکا جواب تو ایک جزوی واقعہ تھا جس پر کسی قدر مفصل گفتگو اسلئے کرنی پڑی کہ ناظرین کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس قسم کے اصلاحی انداز اور اپنے مخصوصین کو افہام و تفہیم کرنا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کا روزانہ کا مشغلہ تھا: تاہم عام

حالات یہ تھے کہ ادھر سفر دیوبند کی تیاری ہو رہی تھی اور اُدھر سے برابر اشتیاق کے خطوط کی آمد کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ تا آنکہ نوشتۂ تقدیر سے ایک عجیب رنج دہ صورتِ حال کا ظہور ہوا یعنی حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر اچانک فالج کا دورہ پڑ گیا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون ہ

قسمت کی خوبی دیکھئے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لبِ بام رہ گیا

"حضرتِ والا کی علالت اور سفر دیوبند کا التواء"

دیوبند کے لئے وعدہ ہو چکا تھا چنانچہ عام اوقات میں دین کی باتیں ہوتی رہتی تھیں کبھی علم اور علماء کا مقام اور اُن کے مرتبہ پر گفتگو فرماتے کبھی مشائخ اور بزرگان دین کی خدمات اور دین میں جو اُنکا مقام ہے اُس پر کلام فرماتے اور کبھی خانقاہ اور مدرسہ ان دونوں سلسلوں کی ضرورت پر بیان ہوتا اور کبھی اس پر افسوس فرماتے کہ جس قدر ان دونوں سلسلوں میں قرب اور نسبت تھی افسوس کہ فی زمانہ ان دونوں میں اتنا ہی بُعد قرار دیدیا گیا ہے۔

غرض انھیں موضوعات پر مجالس ہو رہی تھیں اور سب سے اہم شے یعنی خلوص کی ضرورت اور موجودہ زمانہ میں اس کی کمی پر بھی زور شور کے ساتھ بیان ہو رہا تھا کہ ایک دن مجلس میں گفتگو کچھ اس بات پر چلی کہ صوفیاء کا بھی بڑا مقام ہے اور انکا نہایت ہی شاندار کارنامہ ہے اسی مضمون کو کتاب "الیواقیت والجواہر" اور "التنبیہ الطربی" سے عبارات سنا سنا کر بیان فرما رہے تھے کہ ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی احوال کی حفاظت فرمائی ہے اور چونکہ باطن کا معاملہ اہل ظاہر کی افہام سے کسی قدر بالاتر ہوتا ہے اسی لئے ان حضرات نے اپنے اسرار اور احوال کو کتب میں بھی جب ضبط کیا تو وہیں یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ ہمارے طریقہ پر نہ ہوں اُن کے لئے ہماری کتابوں میں نظر کرنا اور ہمارے مضامین کا دیکھنا حرام ہے اور یہ بھی فرمادیا ہے کہ جس کو ہم پر اطمینان نہ ہو اور جو ہماری تصدیق نہ کرتا ہو اُس کے لئے ہمارے کلام کو قبول

کرنا جائز نہیں اور اگر کسی نے ہمارا کلام نا اہلوں کے سامنے پیش کیا تو ناقل اور منقول الیہ دونوں انکار کے جہنم میں گر جائیں گے۔

علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ حضرات صوفیاء نے یہ سب کچھ کہا مگر اہل غفلت اور اہل حجاب نے اُن کی ایک نہ سنی بلکہ اس بات میں حد سے تجاوز کیا اور اُن کے کلام کو نا اہلوں سے بیان کر دیا جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ خود بھی ضلال اور طغیان میں پڑے اور اہل اسلام بلکہ اہل اللہ پر زبان طعن و انکار کھولا۔

اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے علماء اسلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرات صوفیہ کی خدمات مسلم لیکن ہمارے علماء ربانیین نے بھی اسلام کی کچھ کم خدمت نہیں کی ہے اور انکا کارنامہ بھی حضرات صوفیاء سے کم شاندار نہیں ہے۔ حضرات صوفیاء نے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی احوال کی حفاظت کی ہے تو علماء ظاہر نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور اعمال کی حفاظت فرمائی ہے اور آپ کے ایک ایک قول اور آپ کی ایک ایک شان اور آن کو کتابوں میں مدون اور محفوظ فرما دیا ہے۔ اسی مضمون کو حضرت والا انتہائی جوش و خروش کے ساتھ اور نہایت ہی شد و مد سے بیان فرما رہے تھے اور آواز برابر تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی کہ اچانک آواز بھرائی ہاتھ کانپنے لگا اور کتاب جو ہاتھ میں تھی (اور غالباً وہ التنبیہ الطربی تھی) ہاتھ سے چھوٹنے لگی بلکہ اگر گاؤ تکیہ کا سہارا نہ ہوتا تو شاید حضرت والا بھی بہ نفس نفیس اُس چوکی پر سے جس پر کہ مسند لگا ہوا تھا زمین ہی پر آجاتے۔

اب اچانک جو یہ صورت پیش آئی تو کچھ دیر تک تو کسی کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ یا اللہ یہ ہوا کیا۔ بالآخر پتہ چلا کہ حضرت پر کوئی کیفیت یا حال نہیں طاری ہوا ہے بلکہ آپ پر کوئی دورہ پڑ گیا ہے۔ چنانچہ خدام نے گود میں لیکر حضرت کو پلنگ پر لٹا دیا جو مسند کے قریب ہی حجرہ میں بچھا ہوا تھا یہ فالج کا پہلا دورہ تھا جو مارچ ۱۹۶۵ء میں پڑا۔ متعلقین و منتسبین اور خدام اور طالبین کا اس حادثہ سے جو حال ہوا ہوگا وہ محتاج بیان نہیں۔ مقامی اطباء اور ڈاکٹروں سے رجوع کیا گیا جس سے کچھ وقتی افاقہ ہوا۔ لیکن اسکے مستقل علاج کے لئے خود حضرت والا کی بھی خواہش ہوئی کہ شفاء الملک جناب حکیم شمس الدین صاحب لکھنوی کا علاج کیا جائے۔ (باقی آئندہ)

اور حکیم صاحب موصوف کو بلاکر اُن سے مشورہ کرلیا جائے کہ میں یہیں الٰہ آباد میں رہوں اور علاج آپ کا ہو جس کی وجہ سے آپ کو جلد جلد یہاں آنا ہوگا کیا یہ ممکن ہے اور آپ کے لئے آسان ہوگا یا نہیں تو پھر میں ہی لکھنؤ چلوں۔ ظاہر ہے کہ مریض کہیں ہو اور طبیب کہیں ہو۔ عام حالات میں یہ صورت دقّت طلب ہوا کرتی ہے چہ جائیکہ فالج جیسے مرض کے علاج میں۔ اس لئے سفر لکھنؤ ہی کا خیال ہو رہا تھا کہ حکیم صاحب چند دن شدید انتظار کے بعد تشریف لاسکے اس کی وجہ سے دقّت کا مشاہدہ بھی ہوگیا اور یہ طے پاگیا کہ حضرت والا لکھنؤ تشریف لے جائیں۔

یہاں مجھے سفر لکھنؤ کا تفصیلی حال بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ ضمناً اس کا تذکرہ آگیا۔ مختصر یہ کہ حضرت لکھنؤ تشریف لے گئے اور جناب سید مظفر حسین صاحب کے مکان پر جو اُس وقت غالباً ٹرانسپورٹ کے وزیر تھے قیام فرمایا۔ اصل معالج حکیم شمس الدین صاحب تھے اور مشورتاً بہت سے مقامی و غیر مقامی طبیب و ڈاکٹر صاحبان بھی شریک علاج رہے۔ چنانچہ بمبئی سے حکیم اجمیری صاحب بھی تشریف لے آئے۔ دیوبند سے حکیم محمد عمر صاحب آگئے اور علیگڈھ سے حکیم افہام اللہ صاحب تشریف لائے۔ بنارس کے ڈاکٹر محمد ظفر صاحب بھی موجود تھے اور مقامی حضرات میں سے حکیم عبدالمعید صاحب اور ڈاکٹر عبدالجلیل صاحب فریدی بھی برابر تشریف لاتے رہے۔

حکیم شمس الدین صاحب نے منضج کے بعد مسہل دیا جو الحمدللہ کامیاب ہوا۔ اور حضرت والا نے اپنے اندر بہت تیزی کے ساتھ صحت و قوت محسوس فرمائی۔ اصل مرض دور ہو جانے کے بعد اعضاء میں قوت کے لئے مالش کی ضرورت تھی حکیم صاحب موصوف نے فرمایا کہ اب حضرت کو کسی ایسے مقام پر کچھ دنوں رہنا چاہیے جہاں کی آب و ہوا معتدل ہو یعنی نہ گرمی زیادہ ہو وہاں اور نہ سردی۔ چنانچہ عوام و خواص کے مشورہ کے بعد چند دنوں کے لئے بمبئی میں قیام فرمانا بچند وجوہ طے ہوا۔ ایک تو یہ کہ آب و ہوا وہاں کی معتدل تھی نیز حضرت والا ابھی کچھ دنوں قبل بمبئی کا سفر فرماچکے تھے جس کی وجہ سے وہاں کے لوگوں سے کسی قدر اُنس اور تعلق بھی ہوگیا تھا اور سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہاں جناب حکیم اجمیری صاحب مدظلہٗ جیسے مخلص ماہر فن اور حاذق طبیب بھی موجود تھے اُن کی نگرانی میں قیام نہایت ہی مفید تھا اور ایک بڑی آسانی یہاں یہ بھی تھی کہ کرلا میں حضرت والا کے بعض قریبی

اعزا اور وطن کے تو بہت سے حضرات موجود تھے جس کی وجہ سے پردیس کی الجھن اور مسافرت کی پریشانی کا بھی یہاں کوئی سوال نہ تھا نیز تیمارداری بالخصوص مالش وغیرہ کے لئے یہاں بہت سہولت تھی۔ بایں وجوہ خود حضرت والا نے بھی بمبئی کے قیام کو پسند فرمایا چنانچہ جیسا خیال تھا ویسا ہی ہوا کبھی کہ ہر وقت دسیوں حضرات خدمت کے لئے موجود رہتے تھے اور حکیم اجمیری صاحب مدظلہ نیز ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب برابر مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوتے رہتے تھے اور آب و ہوا راس آنے کی وجہ سے حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے صحت سرعت کے ساتھ عود کرنے لگی اور مسلسل مالش کی وجہ سے آناً فاناً ہاتھ پاؤں میں طاقت بھی آنے لگی بلکہ صحت قریب قریب بالکل بحال ہوگئی اور رفتار و گفتار نیز نشست و برخاست کسی گوشہ سے حضرت والا کو پہلی بار دیکھنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ آپ پر کبھی کوئی دورہ بھی پڑا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

اطباء نے فرمایا کہ اس مرض کے اتنے شدید حملہ کے بعد اس قدر جلد اور ایسی کامل صحت کہ مرض کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہے۔ نوادرات میں سے ہے اور یہ بھی حضرت کی ایک کرامت ہی ہے۔

بات طویل ضرور ہوتی جارہی ہے لیکن اگلے مضمون سے ربط کی غرض سے یہاں اثناء قیام لکھنؤ کا ایک واقعہ اور بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ جب حضرت والا کا مسہل ختم ہوا اور کئی دن کے بعد حضرت کو غذا ملی جو ظاہر ہے کہ صحت کی علامت تھی اور حضرت والا نے نعمت صحت کی خوشی میں اُن تمام اطباء کی جو علاج اور مشورہ میں شریک رہے اسی طرح سے اُن تمام ڈاکٹروں کی جو اس زمانہ میں ملاقات و دریافت حال کے لئے تشریف لاتے رہے۔ اسی طرح سے اُن علماء اور عمائدین شہر کی جن سے حضرت واقف تھے اور اُن تمام مہمانوں کی جو اُسوقت گویا کہ وہاں کی عارضی خانقاہ میں مقیم رہتے اور اُنکی خاصی تعداد تھی ان سب حضرات کی نہایت پُر تکلف دعوت فرمائی۔ طعام سے فارغ ہونے کے بعد سب حضرات نے حضرتِ والا کی کامل صحت اور حصولِ قوت کے لئے دعا کی۔

غالباً اس دعوت کے موقعہ ہی پر یا اس کے قریب ہی کے دنوں میں مولوی حکیم عزیز الرحمٰن صاحب اعظمی بھی دیوبند سے حضرتِ والا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی رخصت ختم کرکے جب دارالعلوم واپس جانے لگے تو حضرت والا نے اُنھیں ہدایت فرمائی کہ دیوبند پہونچ کر جناب مہتمم صاحب

اور اُن کے خاندان والوں کی نیز حضرت علامہ اور اُن کے صاحبزادوں کی اور مدرسہ کے خاص خاص مدرسین کی خوب پُر تکلف دعوت کردینا اور مجھے بھی اُس کی اطلاع کردینا چنانچہ مولوی عزیز الرحمٰن صاحب تو دیوبند روانہ ہوگئے اور حضرت اقدس مشورہ کے بموجب بمبئی تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب موصوف نے مناسب موقعہ سے سب حضرات کی دعوت کی اور حضرت والا کو بمبئی اسکی اطلاع کردی جس کی تفصیل ذیل کے مکتوب میں ملاحظہ ہو۔

خط مولوی حکیم عزیز الرحمٰن صاحب بنام حضرت مصلح الامۃؒ

سیدی و مطاعی حجت اللہ فی الارض متعنا اللہ بطول بقائہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج وہاج۔ حضرت والا سے رخصت ہوکر دیوبند پہونچا۔ نزلہ کا جو اثر لکھنؤ میں تھا وہ مزید شدت اختیار کرگیا اور طویل بھی ہوگیا اب بھی اُس کے اثر سے کلیۃً چھٹکارہ نہیں ہوا ہے۔ حضرت والا سے توجہات و دعا کے لئے درخواست ہے۔

ادھر حضرت مہتمم صاحب مختلف اسفار میں رہے اُنکی واپسی کے بعد اس تحریر کے ساتھ جو مجھے حضرت مولانا...... صاحب نے عنایت کی تھی حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ملاحظہ کے بعد فرمایا کہ "مجھے تو حضرت والا سے اس سے بھی زیادہ عقیدت ہے" اور بہت دیر تک حضرت والا کا ذکر لذت لے لے کر فرماتے رہے۔ یوں بھی از خود آپ کا ذکر باحسن طریق فرماتے رہتے ہیں۔ وہ جملہ بھی جو حضرت گرامی نے فرمایا تھا میں نے نقل کردیا تھا اُس پر حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ "ہماری محبت اور عقیدت اُن کے ساتھ ناقابلِ تنسیخ ہے"۔ حضرت علامہ کو واپسی کے بعد مریض پایا۔ گلے میں غدودوں میں تکلیف اس حد تک بڑھ گئی تھی کہ نظام تنفس پر کافی اثر پڑ گیا تھا۔ اسی درمیان حرارت وغیرہ بھی رہنے لگی تھی پھر بھی حضرت والا کی صحت وعافیت کے بارے میں ہر وقت پوچھتے رہتے ہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ تار سے خیریت معلوم کرلو پھر خط لکھا جائے گا۔ حکیم صاحب آپ کی محبت میں سرشار ہیں جب بھی ذکر کرتے ہیں تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں دو دن سے کچھ طبیعت ٹھیک

تھی. چنانچہ حضرت والا کے ارشاد کے مطابق حضرت مہتمم صاحب کے خانوادے کے سب لوگوں کی بشمولیت نبیرگان وصاحبزادگان و مولانا حامد الانصاری غازی وغیرہ - وحضرت علامہ وصاحبزادگان ونبیرگان حضرت علامہ وحکیم صاحب اور اُن کے متعلقین اور اساتذہ جامعہ طبیہ ومولانا معراج الحق صاحب ومولانا فخر الحسن صاحب ومولانا عبدالحق صاحب پیشکار وغیرہ کی ضیافت کل بروز منگل دوپہر کے وقت عمل میں آئی. ضیافت حضرت مہتمم صاحب وعلامہ محترم سے استشارہ کے بعد اُنکی خواہش کے مطابق نہایت بہتر کردی گئی. ان سب حضرات نے کھانا تبرک سمجھ کر نہایت رغبت سے نوش فرمایا اور خوش ہوئے۔

حضرت والا کی رفتار صحت سے کلی اطمینان ہوا. آنمحترم کی صحت وعافیت اور برکات کے عام ہونے اور اُس سے متمتع ہونے کی دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور مجھے بھی بمبئی حاضر خدمتِ عالی ہونے کے وسائل وتوفیق عنایت فرمائیں- حضرتِ والا کی توجہات اور دُعا کا محتاج ہوں۔

والسلام

کمترین خدام عزیز الرحمٰن

۹ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ

حضرتِ اقدس نور اللہ مرقدہٗ کا جواب

عزیزم سلمہٗ۔ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی علالت کا حال معلوم ہوا۔ بادام مصری کے ہمراہ کچھ دنوں استعمال کیجئے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ خشکی کا اثر ہے۔ یہاں بھی قاری صاحب کا خط آیا ہے واقعی متاثر ہیں. آپ سے جو فرمایا ہے صحیح فرمایا ہے۔حضرت مولانا مدظلہٗ کا خط تو ابھی ملا نہیں شاید کل تک مل جائے۔ میرا اسلام عرض کر دیجئے گا۔ صحت کے لئے دعا کرتا ہوں اور میرے متعلق اطمینان دلادیجئے کہ بہت اچھے ہیں۔ یہاں کا موسم راس آیا ہے طبیعت بہت خوش ہے نیند وغیرہ خوب آتی ہے۔ الحمدللہ۔

حکیم صاحب سے بھی میرا اسلام فرمادیجئے. مجھے معلوم ہے کہ وہ مجھ سے محبت فرماتے ہیں

اس کے اثرات کا ظہور ہو رہا ہے۔ دعوت کی تفصیل معلوم ہوئی اور بہت مسرت ہوئی۔ الحمدللہ کہ سب حضرات نے دل سے قبول فرمایا اس میں شک نہیں کہ آپ ہی حضرات کی دعاؤں کی برکت سے صحت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ مزید قوت عطا فرمائیں تاکہ کچھ کام کر سکوں۔ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں احباب سے سلام مسنون فرمائیں۔

والسّلام

وصی اللہ عفی عنہ۔ بمبئی

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے سفر دیوبند کی تیاری اور اہلِ مدرسہ نیز اطراف دیوبند کے اشتیاق کا حال ناظرین کرام گذشتہ صفحات میں ملاحظ فرما چکے ہیں۔ درمیان میں حضرت والا کی علالت کی وجہ سے اس قسم کی مکاتبت کا سلسلہ کچھ ہی دنوں بند رہا۔ بمبئی پہونچ کر جب حضرت کے صحت کی تکمیل ہو گئی اور محبین نے معلوم کر لیا کہ اب حضرت سفر کے قابل ہو گئے ہیں تو پھر اس مسئلہ کی سلسلہ جنبائی ہونے لگی۔ چنانچہ ایک مولوی صاحب کا خط حضرت والا کے ایک خادم کے نام بمبئی اس مضمون کا گیا۔

"دیوبند اور اطراف دیوبند کو اشتیاق کے ساتھ حضرت کا انتظار ہے"

حضرت والا مدظلہٗ کا ان اطراف میں دیوبند وغیرہ کو بہت اشتیاق کے ساتھ انتظار ہے مگر ابھی یہاں گرمی بہت ہے آج بھی لُو کا اثر ہے موقع ہو تو میرا سلام عرض کر دیجئے گا۔ یہ مضمون اُن مولوی صاحب نے ایک خادم کے نام لکھا تھا چنانچہ حضرت والا سے اُن کا یہ پیغام کہہ دیا گیا۔

حضرت والا نے اُنھیں خادم کے واسطے سے اُن مولوی صاحب کو جواب دیا کہ یہ خوب ہے کہ مشتاق وہ لوگ ہیں اور جاؤں میں وہاں، پورا خط ملاحظ ہو:۔

"خط کا جواب"

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا سلام و پیام حضرت والا دامت برکاتہم کو پہونچا دیا۔ حضرت والا نے جواباً ارشاد فرمایا ہے کہ:-

"میں بیمار ہوں اور اس بیماری کی وجہ سے بغرض تبدیلیٔ آب و ہوا یہاں بمبئی آیا ہوا ہوں۔ اطباء اور ڈاکٹروں نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ تبدیلی آب و ہوا مفید ہوگی۔ چنانچہ الحمد للہ ایسا ہی ہوا کہ میری صحت پر نمایاں اثر پڑا۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ اب بہت اچھا ہوں۔ اب چونکہ یہاں آیا ہوا ہوں اس لئے اپنے ذمہ جو کام سپرد ہے وہ بھی کر رہا ہوں اور الحمد للہ کہ یہاں اچھا خاصا اثر پڑا ہے اور کام ہو رہا ہے لیکن اس کے باوجود اب سفر چونکہ میرے لئے تکلیف دہ ہے اسلئے دیوبند یا اطراف دیوبند کا اشتیاق مجھے سفر پر نہیں ابھار سکتا کیونکہ یہ اشتیاق اگر صرف دیدار اور سلام و کلام تک محدود ہے تو اس کی مجھے ضرورت نہیں ہے اور نہ اس سے میں خوش ہوتا ہوں میں تو کام چاہتا ہوں اور وہ بھی اخلاص کے ساتھ اور اگر یہ اشتیاق عمل اور اخلاص پیدا کرنے کے لئے ہے تو یہ اہل اشتیاق خود کیوں نہیں آتے مجھے ہی آنے پر کیوں مجبور کر رہے ہیں جب کہ میں معذور بھی ہوں۔ آپ فرمائیے یہ کیا ہے کہ مشتاق وہ لوگ ہوں اور جاؤں میں اُن لوگوں کے پاس۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ غرض صحیح استفادہ نہیں ہے بلکہ محض رسمی ملاقات مقصود ہے اور میرے پاس اتنا وقت کہاں ہے کہ فضول ملاقات کے لئے اور تبرک کے طور پر یہاں وہاں پھرتا رہوں آپ بھی اس پر غور کریں اور سمجھیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا دیا ہے تو شکر نعمت کے طور پر کچھ کام کروں گا یا پھرتا رہونگا۔ آج کل کے رسمی اور ناعاقبت اندیش پیروں نے پھر پھر کر لوگوں کا مذاق بگاڑ دیا ہے وہی مذاق یہ لوگ میرے ساتھ بھی چاہتے ہیں اپنا تو مذاق خراب کیا ہی ہے میرا بھی مذاق خراب کرنا چاہتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

آپکو لکھ رہا ہوں کہ آپ تو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ آپ سے ناخوش نہیں ہوں آپ کو چونکہ مجھ سے محبت ہے اسلئے آپ نے یہ لکھا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ وہاں میرا جانا ابھی مناسب نہیں پھر اس کے بعد بالتفصیل آپکو خط لکھوں گا۔

والسلام بقلم یکے از خدام حضرت والا (مقیم حال بمبئی)

خیال تھا کہ شاید صحت ہوجانے اور خاطر خواہ قوت آجانے کے بعد سفر دیوبند کا جو ارادہ فرمایا گیا تھا اب اس کی تکمیل فرمائی جائے گی۔ لیکن مذکورہ بالا جواب سے اندازہ ہوا کہ حضرت والا کو سفر دیوبند میں ہنوز کامل انشراح ہی نہیں ہوسکا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اکابر کی دعوت مخلصین کی طلب نیز عام لوگوں کے اشتیاق کا تقاضا تو یہی تھا کہ حضرت وہاں کا اب قصد ہی فرمائیں لیکن حالات زمانہ کے پیش نظر اور تیزی کے ساتھ عام لوگوں کا دینی مذاق بدل جانے کے سبب حضرت اقدس کو اس مسئلہ میں کچھ توقف اور تردد ہی رہا۔ اور کامل داعیہ اور قلبی اُبھار اس سفر کے لئے نہیں پیدا ہوا تھا اس لئے ابھی تک اس پر پوری طرح آمادہ نہ تھے کہ ادھر علالت کا قصہ پیش آگیا۔

اور صحت کے بعد ہم لوگ تو اس صحت کا ماقبل مرض سے جوڑ لگاتے رہے۔ اور اب کے حالات کو گذشتہ حالات سے مربوط کرتے رہے کہ حضرت وعدہ فرما چکے ہیں اب تشریف لادیں گے اور حضرت والا بیماری کے اس شدید حملہ سے صحت حاصل ہوجانے پر اس مرض کو اپنے لئے ایک سبق اور لوگوں کے لئے ایک تازیانۂ عبرت قرار دینے لگے۔ چنانچہ اس کے بعد سے برابر یہ فرماتے تھے کہ اب میں نے طریقہ بدل دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے صحت بخشی ہے تو اب کچھ کام کروں گا۔ ......

اور آپ لوگوں کو بھی یونہی نہیں رہنے دونگا بلکہ خود بھی کچھ کام کرنا چاہتا ہوں۔ آپ لوگوں کو بھی اب کچھ کام کرنا ہوگا اور اپنا پہلا طریقہ بدلنا ہوگا۔ چنانچہ کبھی حاضرین خانقاہ اور واردین وصادرین سے دریافت فرماتے کہ طریقہ بدلنے کا کیا مطلب سمجھتے ہیں پھر خود ہی فرماتے کہ میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ یونہی رسمی آمد ورفت کا سلسلہ اور غفلت کا طریقہ جو ابتک آپ لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے اس میں آپ کو بھی نظر ثانی کرنی ہوگی اور جس طرح میں نے اپنا طریقہ بدل دیا ہے آپ کو بھی اپنا طریقہ بدل دینا چاہئے اور اب سے اخلاص پر قدم رکھدینا چاہئے۔ چنانچہ اس کا تھوڑا بہت اشارہ خط بالا میں بھی ہے اور غالباً اسی زمانہ کی یہ تحریر بھی ہے جو حضرت نے تحریر فرمائی

اور حاضرین کو سُنائی۔ یہ مضمون پہلے بھی معرفت حق میں شائع ہو چکا ہے۔

"تحریر حضرت والا مشتمل بر عبرت از علالت"

فرمایا کہ ابتک میرے پاس جو لوگوں نے آمد و رفت رکھی تو تجربہ سے یہی معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے کچھ دینی فائدہ نہیں حاصل کیا۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ مجھ کو شاید کچھ دینی یا دنیاوی نفع (لوگوں سے) پہونچ گیا ہو لیکن اس بیماری کے بعد تو یقین کے ساتھ اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ مجھ کو آنے جانے والوں سے سخت نقصان پہونچا اس لئے کہ مجھے جو تکلیف ہوئی (مراد اس سے یہی فالج کا دورہ ہے) وہ دماغی تھی اور اس میں ان آمد و رفت رکھنے والوں کی بے راہ روی اور اُنکی بے اُصولیوں کو پورا دخل تھا کیونکہ مشائخ کی صحبت اور بزرگوں کے پاس آمد و رفت رکھنے اور اُن کے تعلق سے غرض احکام شرعیہ سے تعلق پیدا کرنا ہے اس لئے کہ یہی ذریعہ اور واسطہ بنتا ہے اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اُن سے محبت کرنے کا۔ پس اگر مشائخ کے تعلق سے حق تعالیٰ کا تعلق اور احکام شرعیہ کا بھی تعلق نہ پیدا ہو تو پھر یہ محض رسمی تعلق اور صرف ظاہری آمد و شد جانبین کے حق میں کچھ زیادہ نافع نہیں ہے اور اہل احساس کے نزدیک تو ایسی بھیڑ بھاڑ جو کسی غرض صحیح پر مشتمل نہ ہو موجب ضیق اور پوری سوہانِ روح ہے۔

اسی مضمون کو میں اُس دن جس دن مجھے الہ آباد میں تکلیف ہوئی ہے بیان کرنا چاہتا تھا کہ کچھ لوگ تو اہل اللہ ہوتے ہیں جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا صحیح راستہ بتاتے ہیں اور لوگ اُن سے منتفع ہوتے ہیں۔ مگر اسی جماعت میں کچھ دوسرے لوگ بھی جو اہل اللہ میں سے نہیں ہوتے وہ بھی گھس جاتے ہیں جس کی وجہ سے طریق بدنام ہو جاتا ہے۔ اسی طرح سے ان آنے جانے والوں میں بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض تو طالب ہوتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ بزرگوں سے تعلق رکھ کر اللہ تعالیٰ کا راستہ معلوم کرتے ہیں اور اُس پر چلتے ہیں لیکن انھیں لوگوں میں سے بہت سے غیر طالب بھی آجاتے ہیں جن کی غرض دنیا ہوتی ہے۔ یہ لوگ گھس کر طریق ہی کو فاسد کر دیتے ہیں۔

چنانچہ مشائخ کے ذمہ ایک اہم کام یہ بھی رہا ہے کہ وہ طالب اور غیر طالب میں فرق کریں اور ایک کو دوسرے سے ممتاز کریں اور دونوں کو باہم خلط نہ ہونے دیں لیکن یہ آسان کام

نہیں ہے اس کے لئے بہت مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔

لہٰذا اب اس تجربہ کے بعد آپ حضرات سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے حالات پر نظر ثانی کیجئے، میں بھی اب پہلے کی طرح کام نہیں کرونگا بلکہ طریق کار میں ترمیم کرنا ضروری ہوگا۔ چنانچہ میں نے اپنی اس علالت سے سبق لے لیا ہے آپ حضرات کو بھی اس سے عبرت حاصل کرنا چاہئے۔ اور آئندہ سمجھ کر کچھ کام کرنا چاہئے۔ جو بات کہنا چاہتا ہوں اس کو سمجھئے اور اس کے مطابق عمل کیجئے۔ لا یلدغ المومن من جحر واحد مرتین۔ وما علینا الا البلاغ۔

(منقول از معرفت حق فروری ۱۹۷۳ء)

صحت کے بعد بمبئی بھی اور پھر الہ آباد واپس تشریف لانے کے بعد یہاں بھی بہت سے حضرات کے خطوط شوق زیارت اور اشتیاق ملاقات کے سلسلہ کے آتے ہی رہے۔ لوگوں کو یہ اندازہ نہ لگ سکا کہ حضرت والا وہاں کے سفر کے لئے ہنوز پوری طرح آمادہ نہیں ہیں اس لئے یہ لوگ تو اسی مضمون کا خط لکھتے رہے لیکن اثناء علالت میں یعنی اصل مرض سے صحت کے بعد مگر ضعف اور کمزوری کے دوران ہی میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے حضرت والا کو ایک خط تحریر فرمایا جس میں حضرت کو راحت فرمانے کا مشورہ دیا تھا وھو ھذا۔

حضرت قاری صاحب مدظلہ کا حضرت والا کو مشورۂ راحت
آپ کا فیض اب محتاج زبان نہیں رہا

حضرت مخدوم المحترم زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔ مزاج گرامی

کل محترمی جناب حکیم عزیز الرحمٰن صاحب کے تار سے خیریت مزاج گرامی کی اطلاع ملی۔ عید کے دن یہ خبر موصول ہو کر عید پر عید کی مسرت میسر ہوئی حق تعالیٰ جناب کو بایں فیوض وبرکات تادیر سلامت

باکرامت رکھے اور بزرگوں کے فیضان کا یہ چشمہ اور صدقۂ جاریہ جاری اور قلوب میں ساری رہے۔ آمین

احتیاط اور پرہیز کی زیادہ ضرورت ہے۔ میرا ناقص اندازہ یہ ہے کہ اب بحمد اللہ آنمحترم کا فیضان زبان اور بیان کا محتاج نہیں رہا ہے۔ فیض حضوری اور مسترشدین کی طالبانہ توجہ پر خموشی سے بھی وہی سب کچھ مرتب ہوگا جو زبان و بیان سے ہوتا اس لئے تا رفع ضعف اگر زیادہ تقریر و بیان سے لوجہ اللہ احتراز فرمایا جاوے تو اس سے تقلیل فیضان کا انشاء اللہ کوئی خطرہ بلکہ خموشی زبان زیادہ نفع بخش ثابت ہوگی پھر انشاء اللہ موقعہ آئیگا کہ قلب کے ساتھ زبان بھی فیوض کی ترجمانی میں حسب معمول لگ جائے گی یہ ہے تو جراءت کہ مجھ جیسا ناکارہ اس قسم کی جسارت سے کام لے لیکن جناب ہی کے اخلاق کریمانہ اور محبت صادق نے مجھے اس جراءت کی جراءت دلائی ہے اس لئے یہ بھی جناب ہی کی طرف منتہی ہوئی ہے جو میرے حق میں جسارت بیجا نہیں رہیگی۔ دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے فیوض و برکات روز افزوں زیادہ ہوں اور تادیر قائم رہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایسے اکابر علم وفضل اپنے عمومی فیضان کی وجہ سے قوم کی امانت ہوجاتے ہیں اسلئے قوم بلکہ قوم کے ایک فرد کو بھی کچھ حق مل جاتا ہے کہ انکے بارے میں احتیاط اور پرہیز کے سلسلہ سے لب کشائی کرسکے۔ میرے خیال میں ایسی تکلیفوں کے بعد راحت وآرام کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ تا چندے اُسے داخل معمولات فرمالیا جاوے تو یہ بھی ہم سب کے لئے نفع رسانی ہی کی صورت ہوگی اُمید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

دعا کا ہر وقت محتاج ہوں اور اپنی ناکارہ حالت کی وجہ سے پہلے سے بھی زیادہ محتاج ہوگیا ہوں۔ اس کی بے انتہا مسرت ہے کہ ایسے اکابر سے اپنی استدعائیں زور کے ساتھ عرض کرسکتا ہوں اور اس کی اُمید بندھتی ہے کہ یہ زور قائم رہیگا اور میرے لئے باوجود صورت جراءت ہونے کے نافع ہی ثابت ہوگا۔

والسلام

محمد طیب۔ از دیوبند

۱۱ ۱۲/۸۴ ھ

اس خط کا جواب حضرت والا کے یہاں سے کیا گیا وہ تو ہمیں نہیں مل سکا بہرحال بات

بالکل صحیح تھی اور حضرت والا کی راحت کو مقدم رکھتے ہوئے جناب مہتمم صاحب مدظلہ کا یہ مشورہ بروقت تھا اور عین صواب تھا چنانچہ خط میں جو تادب اور حسن تخاطب کا مظاہرہ فرمایا گیا ہے بلاشبہ وہ تو حضرت قاری صاحب مدظلہ ہی کا حصہ ہے۔

یہ خط ماہ ذی الحجہ ۸۴ھ کا ہے اس کے بعد ربیع الاول ۸۵ھ میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے حضرت والا کو حسب ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا۔ اس وقت حضرت والا بمبئی سے الہ آباد واپس آچکے تھے اس لئے یہ خط الہ آباد آیا۔

جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کا گرامی نامہ

حضرت المخدوم المعظم دامت برکاتہم۔ سلام مسنون نیاز مقرون

الحمدللہ کل ۲۱ جولائی ۶۵ء کو بعافیت بمبئی سے دیوبند پہونچ گیا ہوں۔ آنمحترم کی روانگی کے دن قیام گاہ پر ملنے کے لئے پہونچا، معلوم ہوا کہ خطیب صاحب جامع مسجد سے ملنے تشریف لے گئے ہیں۔ غرض ملاقات نہ ہوسکنے کا افسوس رہا۔

آنمحترم کے تسلی آمیز جملوں سے جو بواسطہ بمبئی پہونچتے رہے تسلی و قوۃ حاصل ہوئی ہم لوگ دعاؤں کے محتاج ہیں۔ یہاں بحمداللہ بہمہ وجوہ خیریت ہے۔ عافیت مزاج گرامی کا خواہاں ہوں حضرت علامہ مدظلہ سلام فرماتے ہیں۔

والسلام

محمد طیب از دیوبند۔ ۲۲/۳/۸۵ھ

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا جواب

بشرف ملاحظہ عالیجناب مہتمم صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کے خط سے معلوم ہوا کہ آپ بخیریت دیوبند تشریف لے آئے۔ الحمدللہ میں بھی الہ آباد بخیریت پہونچ آیا۔ ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔ معافی چاہتا ہوں۔ جناب والا نے تحریر فرمایا ہے کہ میری باتوں سے جو واسطہ سے ہوئی تھیں تسلی و قوت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے سے قوت و تسلی ہوتی رہتی ہے۔ مجھے اب اُمید ہے کہ آپ خوب مضبوط کار ہو جائیں گے۔ کام کچھ زیادہ آدمیوں پر موقوف نہیں۔ ہم اور آپ شروع کر دیں تو دیکھئے کیا ہوتا ہے تائید اللہ تعالیٰ کی شامل حال ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ ۲: آخر ربیع ا ۱۳۸۵ھ

جواب کے ہمراہ مندرجہ ذیل تحریر بھی بھیجی گئی

اس وقت کتاب الموافقات کا ایک مضمون قلب میں دفعۃً آیا اور تقاضا ہوا کہ آپکی توجہ اس کی جانب منعطف کراؤں اس لئے پیش کرتا ہوں کیسی عمدہ بات ہے امید ہے کہ آپ بھی محظوظ ہوں گے۔ وھو ھذا

(فصل) وللعالم المتحقق بالعلم امارات وعلامات تتفق مع ماتقدم وان خالفتا فی النظر وھی ثلاث۔

(احداھا) العمل بما علم حتی یکون قوله مطابقا لفعله فان کان مخالفا له فلیس باھل لان یوخذ عنه ولا ان یقتدی به فی علم و ھذا المعنی مبین علی الکمال فی کتاب الاجتھاد والحمد للہ۔

(والثانیة) ان یکون ممن ربّاہ الشیوخ فی ذالك العلم لاخذہ عنھم وملازمته لھم فھو الجدیر بان یتصف بما اتصفوا به من ذالك وھکذا کان شان السلف الصالح۔

فاول ذلك ملازمة الصحابة رضی اللہ عنھم لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واخذھم باقواله وافعاله واعتمادھم علی مایرد منه کائنا ما کان وعلی ای وجه صدر۔ (وقال بعد اسطر)

وصار مثل ذلك اصلا لمن بعدھم، فالتزم التابعون فی الصحابة سیرتھم مع النبی صلی اللہ علیه وسلم حتی نقھوا و نالوا ذروۃ الکمال

فی العلوم الشرعیة وحسبك من صحة هذه القاعدة انك لا تجد عالماً اشتهر فی الناس الاخذ عنه الا وله قدوة اشتهر فی قرنه بمثل ذلك وقلما وجدت فرقة زائغة ولا احد مخالف للسنة الا وهو مفارق لهذا الوصف۔

وبهذا الوجه وقع التشنیع علی ابن حزم الظاهری وانه لم یلازم الاخذ عن الشیوخ ولا تادب بآدابهم وبضد ذلك كان العلماء الراسخون كالائمة الاربعة واشباههم۔

(الموافقات للامام الشاطبیؒ)

ص ۹۵ ج ۱

(ترجمہ برائے ناظرینِ معرفت)

اُس عالم کی جو اپنے علم کے ساتھ متحقق ہوتا ہے چند علامات وامارات ہیں جو کہ ماقبل میں بیان کی ہوئی علامات کے موافق ہی ہیں اگرچہ بظاہر اُن کے خلاف معلوم ہوتی ہیں اور وہ تین علامات ہیں :۔

ا۔ یہ کہ اپنے علم پر عمل کرتا ہو تاکہ اُسکا قول اُس کے فعل کے موافق ہوجائے کیونکہ اگر قول و فعل میں اختلاف ہوا تو ایسا شخص اس بات کا اہل نہیں ہے کہ اُس سے کوئی چیز اخذ کی جائے یا اُس کی اقتدا کی جائے اور یہ مضمون کتاب الاجتہاد میں الحمد للہ مفصل بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے یہ کہ عالم کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کو اُس علم کے اندر مشائخ کی تربیت اور نگرانی بھی حاصل رہی ہو اس لئے کہ اُس نے اُس علم کو اُنھیں سے لیا ہے اور جب اس کے ساتھ اُنکے پاس بھی رہا ہو گا تو اس کے اندر اُن مشائخ کی صفات کا پیدا ہوجانا بھی ناگزیر ہے۔ چنانچہ سلف صالح کی یہی شان تھی۔

دیکھو سب سے پہلی صحبت حضرات صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُٹھائی جس کی وجہ سے آپ کے اقوال اور افعال کے اخذ کرنے کا انھیں موقعہ ملا اور (دوامِ صحبت ہی کی وجہ سے) آپ

صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں وقوع میں آئیں۔ اور جس طور پر آئیں اور جس انداز سے ثابت ہوئیں ان حضرات نے اُسے سمجھا اور اُس پر کامل یقین کیا یہی وجہ ہے کہ سب سے پہلے انھیں حضرات نے آپ کے افعال کے مناشی اور آپ کے اقوال اور ارشادات کے مغز کو جانا اور پہچانا۔

پھر آگے چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں کہ اور پھر یہی اُن کی ملازمت اور انقیاد وغیرہ اُمور بعد والوں کے لئے مشعلِ راہ بن گئے اور اصل ہی قرار پاگئے۔ چنانچہ حضرات تابعین نے اُسی طور طریقہ کو اختیار کیا جو حضرات صحابہ کا طریقہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ یہاں تک کہ یہ حضرات بھی علوم دین میں ماہر ہوگئے اور علومِ شرعیہ میں کمال کو پہونچ گئے اور تمھارے لئے اس قاعدہ کی صحت کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے کہ تم کسی ایسے عالم کو نہیں پاؤگے کہ لوگوں میں وہ مشہور ہوا ہو (یعنی اُس سے لوگوں نے علوم حاصل کئے ہوں) مگر یہ کہ اُس کے لئے اپنے زمانہ میں اپنے اساتذہ سے علوم اخذ کرنے کا یہی نمونہ ثابت رہا ہوگا بلکہ وہ اُس میں مشہور رہا ہوگا۔ اسی طرح سے تم کوئی گمراہ فرقہ جو کہ سنت کا مخالف ہو نہ پاؤگے مگر یہ کہ وہ اسی معاملہ میں اُنکا خلاف کرنے والا رہا ہوگا یعنی یہ کہ اپنے اساتذہ کی جن سے کہ علوم حاصل کیا ہے اُنکی طویل صحبت نہ اُٹھائی ہوگی۔ اور نہ اُن کا اتباع ہی کیا ہوگا (اسی لئے گمراہی میں پڑا)۔

چنانچہ یہی راز ہے کہ علامہ ابن حزم ظاہری پر بہت لے دے کی گئی اور اُس کی وجہ یہی تھی کہ اُنھوں نے مشائخ کی ملازمت نہیں اختیار کی اور نہ اُن کے آداب سے متاذب ہوئے بلکہ خود مستقل رہے۔ برخلاف اِس کے جو کہ علماء راسخون گذرے ہیں جیسے ائمۂ اربعہ اور اُن کی طرح کے اور لوگ تو اُنکا طریقہ وہی رہا ہے جو حضرات تابعین اور صحابہ کا تھا۔ (یعنی اتباع۔ انقیاد اور تقلید اسلاف)۔

اضافہ از ناقل۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جناب قاری صاحب مدظلہ العالی کے پاس تو اتنا ہی لکھوا کر ارسال فرمایا تھا لیکن عالم کی تیسری شرط بھی ناظرین کے افادہ کے لئے عرض کرتا ہوں۔

صاحب موافقات فرماتے ہیں کہ اور تیسری شرط یہ ہے کہ عالم جس اُستاد سے علم

حاصل کرے اُس کا اتباع کرے اور اُسی کے آداب کے ساتھ تادّب بھی اختیار کرے جیسا کہ تم نے حضرات صحابہ کے اتباع کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا۔ اسی طرح سے تابعین کی اتباع کو حضرات صحابہ کے ساتھ پایا۔ یہی طور ہر زمانہ سے چلا آیا ہے اور اس وصف کے ساتھ حضرت امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے ساتھیوں میں ممتاز نظر آتے ہیں یعنی اتباع وانقیاد کے ساتھ وہ شدت کے ساتھ متصف تھے ورنہ یوں تو وہ تمام ہی حضرات جن سے دینی ہدایت ہوئی ہے اسی مذاق کے تھے لیکن امام مالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں زیادہ مشہور ہوئے۔ چنانچہ جب یہ طریقہ چھوڑ دیا گیا یعنی اسلاف کے اتباع وانقیاد کا اور اپنی رائے پر عمل کیا گیا تو بدعت نے بھی سر اُٹھایا اس لئے کہ اقتدا اور اتباع کا ترک کرنا یہ دلیل تھی اس امر کی کہ اس تارک کو کوئی نیا خیال پیدا ہوا ہے اور اُس کی اصل اتباع ہوئی ہے۔ چنانچہ ہم کتاب الاجتہاد میں اس مضمون کو مفصل بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

(اعتذار)

ماہ گذشتہ کا شمارہ پریس جا چکا تھا بلکہ طبع بھی ہو چکا تھا کہ اسی درمیان میں راقم کو ایک دن کاغذات کے اُلٹنے پلٹنے میں ایک ایسی چیز ملی جس کا تعلق اُسی رسالہ کے مضمون سے تھا اب کوئی چارہ کار اس کے سوا نہ تھا کہ اُسے آئندہ شمارہ میں ہی جگہ دی جائے لیکن بات چونکہ بہت دور نہیں ہوئی ہے اس لئے ناظرین انشاء اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونگے۔ اور وہ ہے حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تحریر جسے حضرتؒ نے مکرمی جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے اُس خط کے جواب میں لکھوایا تھا جس میں جناب قاری صاحب نے حضرت کو قلتِ کلام اور مستقل آرام کرنے کا مشورہ عطا فرمایا تھا۔ چونکہ اس کے بغیر سلسلۂ گفت گو تشنہ معلوم ہوتا تھا اس لئے اس کو یہاں پیش کرنا

ضروری معلوم ہوا اگرچہ راقم ہی کے قلم سے اس پر یہ نوٹ بھی لکھا ہوا ملا کہ یہ خط جناب قاری صاحب مدظلہ کے نام لکھا تو گیا مگر گیا نہیں۔ اب اسوقت جو بھی صورت پیش آگئی ہو حضرتؒ نے ہی ارسال جواب کو کسی وجہ سے ملتوی فرما دیا ہو یا اس کے بجائے کوئی دوسری تحریر گئی ہو۔ اس سلسلہ میں کوئی بات حافظہ میں نہیں ہے۔ بہرحال جو جواب حضرتؒ نے لکھوایا تھا وہ یہ تھا۔

قاری صاحب مدظلہ کے مشورہ پر حضرت والا کا جواب

محب مکرم دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ بدست حکیم محمد عمر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ملا۔ بہت مسرت ہوئی اور آپ حضرات کے خطوط تو میرے حق میں طبیب حاذق کے نسخہ کا حکم رکھتے ہیں یعنی جس طرح سے اُس سے ازالۂ مرض ہوتا ہے اسی طرح سے اس سے بھی قلب میں انشراح اور طبیعت میں ایک نشاط اور قوت محسوس کرتا ہوں جو مرض کو مغلوب کر کے اس کو زائل ہی کر دیتی ہے (کیونکہ طبیعت کا مرض پر غالب آکر اس کی مدافعت کرنے ہی کا نام صحت ہے)۔

آپ نے جس امر کی جانب توجہ دلائی ہے مجھے خود بھی اسکا احساس تھا کیونکہ طبیعت اب کھٹک گئی ہے اور ہمارے معالج اور دیگر اطباء نے جو علاج میں مشیر کار رہے ہیں۔ ان سب کا بھی یہی خیال ہے کہ آئندہ کام کے لئے ایک نظام بنا دیں اور کھانے پینے۔ بولنے تقریر کرنے سب کام کے لئے وقت مقرر کر دیں تاکہ میانہ روی قائم رہے اور ہر کام حد کے اندر اندر ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کے مشورہ ہی پر عمل پیرا ہونگا۔

میں بھی تو یہ سمجھتا ہوں کہ زیادتی مضر ہو گی باقی یہ بھی مجھ سے ہو نہ سکے گا کہ بیرن کر بیٹھ جاؤں اور کچھ بھی نہ بولوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ سمجھ سمجھ کر حد کے اندر کام کرونگا۔ اور ایک بات یہ بھی ہے کہ مخاطب جب فہیم لوگ ہوتے ہیں تو زیادہ کلام سے بھی بار نہیں ہوتا بلکہ انشراح بڑھتا ہے۔ اور بدفہم لوگ مخاطب ہوتے ہیں تو تکدر بھی ہوتا ہے اور تھوڑی سی دیر

میں تعجب بھی ہونے لگتا ہے انشاء اللہ تعالیٰ اب سے اسکا بھی اہتمام رکھوں گا کہ اہل فہم اور کم فہموں میں فرق کر کے ان کے ساتھ گفتگو کروں۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

اسی طرح سے گذشتہ صفحات میں دورۂ فالج کے بعد حضرت والا کے بمبئی تشریف بری کی وجوہ راقم نے اپنی معلومات اور یادداشت سے بیان کئے تھے اس سلسلہ میں بھی حضرتؒ کی ایک تحریر جو بہ نفس نفیس حضرت کے دست مبارک سے لکھی ہوئی تھی مل گئی۔ جی چاہتا ہے کہ اس کو بھی یہیں پیش کردوں حالانکہ وہ اسوقت سے ایک سال بعد کی ہے جب کہ حضرت پر فالج کے بعد اگلے سال رعاف کا دورہ پڑا تھا اور تین ہفتہ تک ناک سے خون آتا رہا۔ اُسوقت بھی حکیم اجمیری صاحب الہ آباد تشریف لائے تھے اور افاقہ کے بعد پھر بمبئی ہی تشریف لیجانا مزید صحت کے لئے طے ہوا تھا۔

اس زمانہ میں لکھنؤ سے ایک مولوی صاحب کا خط حضرت والا کے نام بمبئی گیا۔ یہ خط اصل میں تو اسی کا جواب ہے لیکن اس سے اور بہت سی باتیں بھی معلوم ہوجاتی ہیں اس لئے اس کو پیش کرتا ہوں۔

حضرتؒ کا خط ایک مولوی صاحب کے نام

بمبئی جانے کے وجوہ!

عنایت فرمائے بندہ دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولوی امجد اللہ صاحب سے جب وہ لکھنؤ تشریف لے گئے تو جناب کو میری صحت کے حالات معلوم ہوئے اور بیماری کے حالات جو مجھ پر گذرے وہ یہاں تھے ہی نہیں بہرکیف

ہیں سخت علیل ہوگیا تھا۔ سلسلہ علالت کا ایک سال سے چل رہا تھا اُمید تھی کہ اچھا ہوجاؤنگا مگر رمضان میں تو اور کمزور ہوگیا تھا مسجد نہ جاتا تھا نماز بیٹھ کر پڑھتا تھا غرض مجبور ہوگیا تھا بعد رمضان رعاف کا سلسلہ شروع ہوگیا بہت خون گرا اس سے پہلی کمزوری میں اضافہ ہوگیا پھر گو خون بند ہوگیا تھا مگر گرمی اور لو کی وجہ سے احتمال تھا کہ پھر آنے لگے اسلئے معتدل آب و ہوا کی وجہ سے اطباء کی رائے سے بغرض تبدیل آب و ہوا یہاں آگیا ایک صاحب جو علاج میں شریک تھے یہاں موجود ہیں۔ یہاں کا سفر اس لئے کیا گیا کہ یہاں میرے اعزہ ہیں ان سے سہولت کی اُمید تھی پارسال بھی اسی لئے یہاں آگیا تھا۔ اب بقدر تحمل کام کرسکتا ہوں۔ نہ گرمی کا لحاظ نہ سردی کا لکھنؤ کے سردی میں آنے کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ کے ہوتے ہوئے ہم لوگ کیا چیز ہیں مولٰنا منظور صاحب مولٰنا علی میاں صاحب و دیگر حضرات کام کے لئے کافی ہیں۔

ایک صاحب کہتے تھے کہ گنگوہ میں لوگ فرماتے تھے کہ ایک ہفتہ کے لئے آجاتے۔ اسی طرح تھانہ بھون میں۔ اور خود یہاں جن کو استطاعت ہے وہ بھی نہیں آتے یہ حال ہے طلب کا اب ایسے لوگوں میں جانا کیا معنی رکھتا ہے طالب کا اور حکم ہے اور غیر طالب کا اور طلب صادق مرجح بن سکتی ہے جو کام کرتا ہے اس کو جانتا ہے۔

والسلام

دیکھئے اس خط کے مضمون سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت والا کے ذہن میں کہیں تشریف لے جانے کے لئے بھی کچھ شرائط تھے اور اسکے لئے حضرت اقدس بعض خاص حالات کے منتظر رہتے تھے۔ چنانچہ جب تک وہ حالات سامنے نہیں آجاتے حضرت والا کو انشراح تام حاصل ہی نہیں ہوتا تھا اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس شرط کو حضرت اپنے ذہن ہی میں لئے ہوتے تھے زبان سے اسکا اظہار نہیں فرماتے تھے چاہتے تھے کہ اہل معاملہ خود اسے سمجھیں اور اس کے مطابق کام کریں۔ چنانچہ جس طرح سے کہ سلاطین ظاہری کے لئے یہ ہے کہ ؏

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

اسی طرح جاننا چاہیے کہ یہ اہل اللہ بھی کسی بادشاہ سے کم نہیں ہوتے انکی بھی ایک سلطنت ہے اور اُس کے بھی کچھ رموز ہیں۔

خود حضرت ہی سنا فرماتے تھے کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے حضرت خواجہ صاحب کو جب اجازت دی تو اس سے بہت قبل وہ مجاز ہونے کے اہل ہو چکے تھے لیکن حضرت تھانویؒ اجازت دینے کے لئے ایک شرط (بطور محذوف منوی کے) اپنے ذہن میں لئے رہے وہ یہ کہ جب تک یہ ڈپٹی کلکٹری نہ چھوڑ دیں گے تب تک انکو اجازت نہ دونگا لیکن اس کو حضرت مولاناؒ خواجہ صاحب سے کہتے نہیں تھے چنانچہ ایک وقت ایسا آیا کہ خود خواجہ صاحب ہی ڈپٹی کلکٹری سے گھبرائے اور اس کو اسکول کی انسپکٹری سے تبدیل فرمالیا۔ تب حضرت تھانویؒ نے انھیں اجازت بھی عطا فرمادی۔ غرض بزرگوں کے یہاں ایسا بھی ہوتا ہے اور یہاں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ؎

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

چنانچہ خط کے آخری جملہ میں اسی کی جانب اشارہ ہے کہ جو کام کرتا ہے اس کو جانتا ہے۔

بہرحال سفر دیوبند کے لئے حضرت والاؒ نے بھی کچھ سوچ رکھا ہوگا اسلئے لوگوں کی ظاہری طلب مجمع کی کثرت اور اظہار محبت کے اتنے مظاہرہ کے بعد بھی حضرت یہی فرماتے رہے کہ ہنوز دلّی دور است۔

چنانچہ اسی سلسلہ کا ایک اور خط اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

دیوبند سے آیا ہوا ایک اور خط (لوگوں کا اشتیاق پر اشتیاق)

حضرت والا کے الہ آباد تشریف لانے کے بعد ہی سے یہاں استفسار کرنے والے چشم براہ عقیدتمندوں کا تانتا بندھا ہوا ہے کہ حضرت والا کب تشریف لارہے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت والا کے ساتھ تعلق اور لگاؤ کا اظہار کرنے والے اب شمار سے کہیں آگے ہیں۔ ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز معلوم ہوتی ہے اور صرف دیوبند ہی نہیں حوالی و مضافات کے لوگ بھی چشم براہ ہیں۔

حضرت مصلح الامتہؒ کا جواب

آپ حضرات کی اس محبت کا تو تقاضا یہ ہے کہ میں وہاں آجاؤں لیکن آنے کے لئے صرف محبت ہی تو کافی نہیں۔ اور چیزیں بھی دیکھنی ہونگی۔ ہنوز دلی دور است۔

لیکن آپ سے کہتا ہوں کہ میں آپ لوگوں کا کام کر رہا ہوں اُمید ہے کہ اس سے آپ کی تسلی ہو جائے گی ——— انتہیٰ

(اس کے ساتھ یہ تحریر بھی گئی)

مولوی صاحب سنو!

زمانہ بہت بدل چکا ہے لوگ دوسرے ہی قسم کے ہوگئے ہیں۔ مکان سے باہر قدم رکھتے ڈرتا ہوں کہ کہیں کچھ ہو نہ جائے کسی جگہ جانے میں خوف ہی معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کسی فتنہ میں نہ پڑ جاؤں۔ حالات زمانہ کو دیکھتے دیکھتے مجھے اسکا کافی تجربہ ہو چکا ہے شاید تم کو اتنا نہ ہو۔

غرض بڑا پُر آشوب زمانہ ہے ملازمتِ بیت ہی کا وقت معلوم ہوتا ہے۔ یوں تو حالات ساری دنیا کے بگڑ چکے ہیں اور بدل چکے ہیں لیکن ہمارے دینی مراکز کا تو بُرا حال ہے۔ وہاں حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب موجود ہیں۔ قاری محمد طیب صاحب موجود ہیں سب پر ان حضرات کا اثر ہے اگر یہ لوگ کام کریں گے تو کچھ بھی فتنہ نہ ہوگا اور سخت ہو جائیں گے تو کوئی مخالفت بھی نہ کریگا۔

میں لوگوں کے حالات کا خوب خوب تجربہ کر چکا ہوں۔ ع

یہ عالم دیکھا بھالا ہے یہ دنیا دیکھی بھالی ہے

اور آپ جو یہ تعداد کی کثرت دیکھ رہے ہیں میرے نزدیک یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ کسی کے گرد جمع ہو جانا کیا مشکل ہے۔ بات کا سننا اور سمجھنا یہ مشکل ہے اور اس کی مجھے ابھی اُمید نہیں ہے۔

بمبئی جو چلا گیا تھا تو یہ سمجھتا تھا کہ لوگ بات سنیں گے۔ چنانچہ دیکھا کہ لوگوں نے اثر لیا۔ اسی طرح علیگڈھ بھی سوچ سمجھ کر اور انشراح قلب کے ساتھ گیا تھا لیکن عربی مدرسوں کا حال کچھ دوسرا ہی

دیکھ رہا ہوں اس لئے ڈر معلوم ہوتا ہے کیونکہ میں جو باتیں بیان کرتا ہوں اور جس طرح قرآن وحدیث یہاں پیش کرتا ہوں وہاں بھی پیش کرونگا۔ عام لوگ معتقد ہوتے ہیں۔ بیچارے کان لگاتے ہیں اور اثر لیتے ہیں اور وہاں اہل علم ہیں۔ . . . .

اس لئے کوئی کام بھی ہو خوب سوچ سمجھ کر ہی کرنا چاہتا ہوں۔ تمھارے لکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید سمجھتے نہیں ہو تم نے وہاں نہیں دیکھا کہ لوگ کس طرح سے ٹوٹ کر گرتے تھے لیکن بعد میں مجھے افسوس کرنا پڑا کہ میں وہاں کیوں گیا لہٰذا مجمع وغیرہ کیا چیز ہے۔ یوں ماننے کو مجھے ہر جگہ کے لوگ مانتے ہیں۔ مجمع ہی مقصود ہوتا تو جہاں چاہتا چلا جاتا۔

اس لئے تم سے کہتا ہوں کہ یہ سب باتیں ہم جیسے لوگوں کو پھانسنے والی ہیں۔ اب اس قسم کی بات نہ لکھنا۔ میں نے قاری صاحب سے زبانی کہدیا تھا کہ آپ اندر کام کریں میں باہر کام کرتا ہوں یہی صحیح طریقہ ہے اور اس طرح سے کچھ کام ہو جانے کی بھی امید ہے اسلئے میں وہاں نہ آؤں گا یہ سمجھ کر لکھ رہا ہوں۔

منجانب حضرت والا مدظلہٗ
(بقلم یکے از خدام)

اسی دور کا ایک اور ارشاد
(حالاتِ زمانہ سے عبرت لیتے ہوئے خدامِ خانقاہ کو تنبیہ بلیغ)

آج علی الصباح مولوی . . . . . صاحب نے حضرت والا کے ایماء سے حضرات ذیل کو جن میں مولوی افتخار الحق صاحب و مولوی وصی الدین صاحب و مولوی رفیع الدین صاحب و مولوی عبد المجید صاحب و مولوی فاروق صاحب و ڈاکٹر صلاح الدین صاحب و مفتی فخر الاسلام صاحب کے ساتھ احقر . . . . . بھی تھا یکجا کرکے حضرت والا کا یہ ارشاد سنایا:۔

فرمایا کہ آپ لوگ جانتے ہیں کہ کام کہاں سے بگڑا ہے اور کس وجہ سے ہمارا دینی کام

خراب ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ہی استاد کے شاگردوں میں اور ایک ہی شیخ کے مریدین میں آپس میں اُلفت۔ محبت۔ ایثار ایک دوسرے کا احترام دتا پید نہیں ہوتی بلکہ اس کے بجائے نفرت۔ عداوت۔ بغض اور ایک دوسرے کی غیبت و تذلیل اور مخالفت ہوتی ہے جس کی وجہ سے کام کی روح نکل گئی اور کام ختم ہوگیا۔

دیوبند میں ایک عرصہ تک میں رہا ہوں۔ میں نے وہاں پڑھا ہے اور بنظر غائر وہاں کے حالات کو دیکھا ہے اس لئے اچھی طرح دیکھنے اور سمجھنے کے بعد آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ کام یہاں سے بگڑا ہے اور تمام فسادات کی جڑ یہی تباغض اور تحاسد ہے۔ اسی نے ہمارے اداروں کو اور ہماری تمام دینی جگہوں کو کھوکھلا کردیا ہے اور ان کی روح ہی ختم کردیا ہے۔

جب کسی بندے کو اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے تو مشائخ سے بھی تعلق ہوجاتا ہے اور پھر اس کے مریدین سے بھی تعلق ہوجاتا ہے۔ اسی لئے ایک دوسرے کے یہ لوگ بھائی کہلاتے ہیں اور ان کو اخوان الطریق کہا جاتا ہے جب آپس میں اخوت اور ہمدردی نہیں ہے تو اخوان کہاں ہوئے یہ تو اعداء ہوئے پھر انکو اخوان الطریق کیسے کہا جاوے معلوم ہوا کہ یہ لوگ طریق پر نہیں ہیں صرف رسم اور نام باقی ہے کیونکہ اگر طریق پر ہوتے تو اسکے اثرات و لوازم بھی پائے جاتے جب لوازم غائب ہیں تو معلوم ہوا کہ ملزوم اور اصل ہی غائب ہے۔

ایک مولوی صاحب کا خط حضرت والا مدظلہ کے نام

یہاں کے لوگ بہت مانوس نظر آتے ہیں۔ حضرت والا کو آمادہ سفر کرنے کی

ایک اور کوشش

حال۔ مکتوب مطہر انوار مل کر قلب کی روشنی اور سعادتوں میں اضافہ کا باعث ہوا۔

تحقیق۔ الحمد للہ۔

حال۔ اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ حضرت اقدس کی چشم حقیقت نگاہ جو کچھ دیکھ لیتی ہے اُسکے

دیکھنے سے ہماری آنکھیں قاصر ہیں باقی یہاں اتنا ضرور دیکھنے میں آتا ہے کہ آنمحترم سے یہاں کے لوگ اس حد تک مانوس ہیں کہ ہر وقت مجلس میں جب کبھی اکابر کا ذکر آتا ہے تو آن محترم کا ذکر باحسن وجوہ کرتے ہیں اور اسمیں مجھے تصنع نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن اصلاح کی راہ پر کتنا اور کس حد تک لوگ چل سکیں گے اسکا اندازہ مشکل ہے۔

مولانا...... صاحب کا مکتوب متعلق حضرت مولانا ابراہیم صاحب مدظلہٗ جوکہ نسخہ تھا دیدیا۔ چونکہ وہ شکایت دعا ہی کی برکت سے رفع ہو چکی ہے اس لئے نسخہ بحفاظت رکھوا دیا۔ فرما رہے تھے کہ انکی توجہ ہی سے معاملہ بہتر ہو جاتا ہے۔ سلام فرما رہے ہیں۔ امتحان کی مشغولیت ہے انشاء اللہ کل پرسوں تک مکتوب حاضر خدمت کریں گے۔

حضرت اقدس کی صحت سے بیحد مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ پہلے سے بہت زیادہ بہتر حالات پیدا کر دیں تاکہ اس کے بندوں کو خصوصاً علماء کو زیادہ سے زیادہ نفع پہونچے اور دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت آسان ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ اس ناچیز کو آپ کے برکات دینی اور خیرِ اُخروی سے زیادہ سے زیادہ متمتع فرمائیں۔ دعاؤں کا محتاج ہوں۔

خادم...........

(۳۰ ربیع الثانی ۸۵ھ)

تحقیق۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولوی صاحب سنو۔ تم یہ جو لکھ رہے ہو کہ لوگ مانوس ہیں ذکر تذکرہ کرتے ہیں اور مانتے ہیں تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ اس ماننے کا معیار تو مختلف ہو سکتا ہے یعنی یہ تو ہو سکتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک اسکا معیار کچھ ہو اور میرے نزدیک کچھ اور ہو۔

یہ تو ضروری نہیں کہ وہی معیار میرا بھی ہو۔ حضرت مولانا مدظلہٗ سے میرا سلام عرض کر دیجئے اور دعا کی درخواست۔ الحمد للہ اچھا ہوں۔ مزید قوت کے لئے دعا کیجئے۔

وَالسَّلام

(۴ جمادی الاولیٰ ۸۵ھ)

(جواب کے ساتھ یہ تحریر بھی گئی)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خط ملا، حضرت والا نے بھی ملاحظہ فرمالیا۔ آپ تو حضرت کے طریقہ سے واقف ہی ہیں کہ بھیڑ بھاڑ اور مجمع پسند نہیں ہے۔ طالب ایک دو بھی ہوں تو وہ ہزاروں غیر طالب پر بھاری ہیں اور یہ آزادی کا زمانہ ہے فساد اخلاق کا زمانہ ہے خود رائی اور جاہ پسندی کا دور دورہ ہے اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کی طلب آسان نہیں ہے۔ یہ راہ بڑی دشوار گذار ہے۔ دین کی خاطر دنیا کو ترک کرنا پڑتا ہے جس کے لئے بڑی ہمت اور بڑا اخلاص درکار ہے ؎

ہر حریصے نا سزائے ترک دنیا کے کند
شیر مردے باید و دریا دلے مردانۂ

یعنی ہر حرص کا مارا۔ نااہل شخص دنیا کو کہاں چھوڑ سکتا ہے۔ اسکے لئے تو کوئی شیر مرد ہی ہونا چاہئے جو دریا دل ہو اور ہمت والا ہو۔

حضرت فرماتے تھے کہ میں اب اپنے ضعف و مرض کی وجہ سے کہیں جا نہیں سکتا (اس ماہ کے رسالہ معرفت حق میں ایک اعلان بعنوان "اطلاع" طبع ہو رہا ہے ملاحظہ فرمائیے گا۔ اس خط کے بعد ہم اس کو یہاں بھی نقل کر رہے ہیں) اور لوگوں کو جب یہاں آنکی فرصت نہیں ہے تو پھر بھلا اب اصلاح کی کیا سبیل ہو؟

اور سفر کے سلسلہ میں علاوہ پیرانہ سالی اور ضعف کے اس قسم کے واقعات نے اور بھی کمر توڑ دی ہے کہ ایک اور جگہ سے (دیوبند نہیں کہیں اور کا واقعہ ہے) ایک معزز صاحب یہاں تشریف لائے۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ آپ کے یہاں کے لوگ مجھے اپنے یہاں کیوں بلا رہے ہیں وہاں تو خود ہی عالم و فاضل اور عاقل لوگ موجود ہیں۔ وہ صاحب اسکا مطلب سمجھے کہا کہ جی ہاں (حضرت کا خیال صحیح ہے) وہاں کے حضرات کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ اپنا اثر جمانے آئے ہیں۔ حضرت والا یہ سن کر بڑی زور سے ہنسے اور ان کی اس صاف گوئی پر بہت خوش ہوئے کہ انھوں نے ایک علم عظیم دیا اور فرمایا کہ اب وہاں کبھی

نہ جاؤں گا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ جب ایک جگہ کا یہ حال ہے تو دوسری جگہ بھی کم از کم اس کا احتمال تو ضرور ہی ہے اس لئے کہ ؎

چوں از قومے یکے بیدانشی کرد ٭ نہ کہہ را منزلت ماند نہ مہ را

بہرحال اب آپ تو حضرت والا سے آنے جانے کے متعلق کچھ کہئے گا ہی نہیں باقی اور حضرات جو فرماتے ہیں اُنکو سمجھا سکئے تو سمجھائیے ورنہ حضرت ہی کے حوالے فرمادیجئے انشاء اللہ تعالیٰ اُن کو بھی مطمئن کردیا جائے گا۔ والسلام

(بقلم یکے از خدام)

نقل اعلان حضرت والا بعنوان

"اِطلاع"

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے نیز احباب کی دعاؤں کی برکت سے طویل علالت کے بعد مجھے صحت عطا فرمائی۔ چنانچہ بحمد اللہ بہت اچھا ہوں اور الٰہ آباد کی واپسی اور یہاں کے قیام میں ہر چیز میں زیادہ نفع دیکھ رہا ہوں تاہم چونکہ پیرانہ سالی ہے جو کہ قویٰ کے انحطاط کا زمانہ ہوتا ہی ہے۔ اِدھر شدید علالت کی وجہ سے جو ضعف ہوا جس کا اثر کچھ نہ کچھ موجود ہی ہے۔ یہ مزید برآں۔ اس لئے اپنے معالج و دیگر مخلصین اطباء وڈاکٹروں کی ہدایت کے بموجب یہ عرض ہے کہ ان حالات میں میرے لئے باہر کا سفر کسی طرح مناسب نہیں۔ لہٰذا بذریعہ اعلان ہٰذا احباب کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی صاحب مجھے اپنے یہاں آنے کی دعوت نہ دیں اور اپنی دعوات صالحہ میں یاد رکھیں۔ فقط والسلام وصی اللہ عفی عنہ

(۲۹ ربیع الثانی ۸۵ھ)

اعلان ہذا کے متعلق اطباء و اعزّہ کی تائید

حضرت والا کا مذکورالصدر اعلان ہم خدام کی درخواست اور خواہش کے عین مطابق ہے۔

۱۔ شفاء الملک حکیم خواجہ شمس الدین احمد۔ لکھنؤ

۲۔ شفاء الملک حکیم نثار احمد خاں۔ کلکتہ

۳۔ ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی۔ الہ آباد

۴۔ حکیم محمد سلیمان فخری۔ الہ آباد

حضرت والا دامت برکاتہم کے اعلان بالا کے سلسلہ میں اتنا اور عرض ہے کہ ترک سفر کا سبب ضعف اور علالت تو ظاہر ہی ہے۔ علاوہ ازیں ایک بات یہ بھی ہے کہ اصلاح و تربیت کا کام تو ایک جگہ جم کر ہی کرنے سے ہوتا ہے۔ یہاں وہاں آنے جانے میں کام کا نقصان بھی ہوتا ہے اور آنے جانے والے بھی پریشان ہوتے ہیں۔ خطوط کے جوابات میں بھی دِقّت ہو جاتی ہے اور مقامی لوگ بھی سُست پڑ جاتے ہیں۔ چنانچہ تجربہ ہوا کہ جب بھی حضرت باہر تشریف لے گئے (مقامی) لوگوں نے (مجلس میں) آنا بند کر دیا۔ حالانکہ حضرت والا کے امر کے بموجب مجلس میں کتب و مضامین حضرت والا کے سنانے کا سلسلہ برابر ہی جاری رہا اس لئے حضرت کا ترک سفر ان مصالح پر بھی مشتمل ہے۔

والسلام

کمترین محمد مبین غفر لہٗ

احقر قمر الزماں عفی عنہٗ

(۲۹ ربیع الثانی ۸۵ھ)

(اِسی سلسلہ میں ایک مولوی صاحب کو حسب ذیل تحریر ارسال فرمائی)

مولوی صاحب سنو۔ دین کا مدار اخلاص پر ہے نصوص کو دیکھ لو تو اب بتلاؤ کہ میرے

کہیں آنے جانے میں اخلاص کیوں معتبر نہ ہوگا........ اگر لوگوں کو ہم سے کام لینا ہے تو اخلاص اختیار کریں ورنہ ہماری جگہ بھی فاسد ہونا چاہتی ہے (جس طرح سے کہ اور جگہیں فاسد ہو گئی ہیں) تربیت باطنی خراب ہو گئی ہے اگرچہ وظائف جاری ہیں یہ طریق کافی نہیں ہے نفس کا روڑہ حجاب رہتا ہے بغیر اس حجاب کے دور کئے ہوئے کشود کار ناممکن ہے یہ مضمون طویل.... ہے مگر سمجھدار کے لئے اتنا بھی بہت ہے۔

والسلام

وصی اللہ بقلم خود

کام اپنے حد کے اندر کیجئے اور کسی پر تنقید و تبصرہ کی اجازت نہیں ہے

حضرت والا کا انتباہ اپنے ایک خادم کو

(بقلم یکے از حاضرین خانقاہ)

(۱) آپ جو کام کر رہے ہیں اس کی تو آپ کو اجازت ہی ہے اور اس کو زیادہ سے زیادہ مجاز صحبت کہا جا سکتا ہے۔ اسکا مطلب خلافت بمعنی اجازت بیعت نہیں ہے۔ یہ تصریح اس لئے کرنی پڑی کہ ان دنوں مسلسل چند واقعات ایسے سنے کہ معلوم ہوا کہ لوگوں کو اسی لفظ سے مغالطہ ہوا اور کام کی اجازت کا مطلب خلافت لے کر بعضوں نے بیعت تک لینا شروع کر دیا تو آپ کہیں ایسا نہ شروع کر دیجئے گا۔

اس کی یعنی (صحبت) کی شرائط کم ہیں۔ عدالت اور سمت صالح ہونا کافی ہے اور خلافت کی شرائط سخت ہیں۔ اول شرط یہ ہے کہ صاحب نسبت ہو جو کہ شیخ کے وجدان سے متعلق ہے اس لئے محض حق تعالیٰ کی جانب سے قلب شیخ میں آتی ہے۔ سالک کو چاہئے کہ اس کی اہلیت پیدا کرے مگر اس کی جانب معاملہ صفر ہی سا ہے ادھر لوگوں کو توجہ ہی نہیں ہے۔ رہے حضرت مولانا (محمد ابراہیم صاحب) مدظلہ تو اول تو انکو شیخ الہند کی جانب سے اجازت ہو چکی تھی جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے کچھ کام کیا تھا۔ نیز اتنے بڑے شخص ہو کر اپنے کو حضرت والا کے سامنے اس طرح سے گرایا کہ اُس کی نظیر

قرون اولیٰ میں ہوتو ہو اس نفسانیت کے دور میں تو ملنی مشکل ہے اس سے کیا انکی تواضع اور انکسار اور قلبی حالت کا کچھ اندازہ نہیں ہوتا طریق میں فروتنی اور تواضع ہی تو ایک چیز ہے۔

(۲) .... کے متعلق جو تحریر فرمایا ہے صحیح ہے۔ بہرحال وہ خود کو پیش فرمادیں تو اور بات ہے اور حضرت تو فرماتے تھے کہ دیوبند تو دیکھا بھالا ہے۔ میرے ہی سامنے وہاں ایسا زبردست فتنہ ہو چکا ہے کہ الامان والحفیظ تو بھیا میں یہ جان بوجھ کر اپنے تجربہ کے خلاف کیوں کوئی کام کروں اور کیوں کسی کی دلشکنی کا سبب بنوں میرا یہ طریقہ نہیں ہے۔

(۳) آپ کے متعلق فرمایا ہے کہ لوگوں سے بات چیت کرنے کی اجازت تو میں نے آپ کو دے ہی دی ہے مگر اسکا خیال رہے کہ زبان کی حفاظت بہت ضروری ہے۔ زائد اور فضول بات سے احتراز اور کسی شیخ پر یا اُس کے خاندان والوں پر خبردار خبردار کوئی تبصرہ نہیں کیجئے۔ نہیں دیکھتے کہ میں نے یہاں اسی ہتھیار کے ذریعہ کامیابی حاصل کی ہے وللہ الحمد۔

(بقلم یکے از خدام۔ بحکم حضرت والا مدظلہ العالی)

اس درمیان میں مکرمی جناب مفتی محمد نظام الدین صاحب مدظلہ العالی کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں منصب افتاء پر ہو گیا۔ حضرت ممدوح چونکہ حضرت مصلح الامۃ سے اپنی اوائل عمری میں متعلق ہو چکے تھے نیز حضرت والا کے محب اور محبوب بھی تھے۔ چنانچہ حضرت والا کے مجاز بیعت بھی ہو چکے تھے۔ ایک عرصہ تک دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڈھ کے مدرس اور مفتی رہے کہ ادھر مدرسہ دیوبند میں ایک مفتی کی ضرورت پڑی حضرت مصلح الامۃؒ سے انکی نسبت اور تعلق کی بناء پر جب اہل مدرسہ کو بھی حضرت اقدس سے تعلق ہوا تو جناب مفتی صاحب موصوف پر نظر انتخاب پڑنے لگی۔ اور غالباً اس سلسلہ میں حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی

نے حضرت والا سے بھی اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا۔ غرض حضرت مفتی صاحب نے دارالعلوم بمبئی سے دارالعلوم دیوبند منتقل ہونا منظور فرمالیا اور دیوبند تشریف لے گئے۔

ان کے پہونچنے پر جناب قاری صاحب مدظلہ العالی نے حضرت مصلح الامۃؒ کو یہ خط تحریر فرمایا۔

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کا خط
حضرت مصلح الامۃ کے نام

حضرت مخدوم و معظم دامت برکاتہم۔ سلام مسنون نیاز مقرون

الحمد للہ بعافیت رہ کر مستدعی خیریت مزاج اقدس ہوں۔ محترم مولانا مفتی نظام الدین صاحب الحمد للہ بعافیت پہونچ گئے ہیں اور کل سے کام بھی سنبھال لیا ہے الحمد للہ کہ اب دارالافتاء میں اچھی معتمد علیہ شخصیتیں جمع ہوگئی ہیں جو دارالعلوم کے افتاء کے شایان شان تھیں۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

مفتی صاحب ممدوح سے خیریت مزاج گرامی معلوم ہوکر بے حد مسرت ہے۔ ہدیۂ شفقت و مکرمت نے سرفراز فرمایا جو باعث سعادت ہے۔ بالخصوص وہ رخ توجہ والتفات جس کا مظہر یہ ہدیہ ہے اس پر دل مبتہج اور مسرور ہے۔ امید ہے کہ مزاج اقدس بہمہ وجوہ بعافیت ہوگا۔ دعا کا ہر وقت محتاج و ملتمس ہوں۔ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ کام صحیح نہج پر آرہا ہے جو بلاشبہ آنمحترم کی توجہات و برکات کا اثر ہے۔ متعلقین کی خدمات میں سلام مسنون عرض ہے۔

والسلام
محمد طیب
(دیوبند)

حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب

بشرف ملاحظہ عالی جناب حضرت مہتمم صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ بعافیت ہوں۔ الحمدللہ کہ مولانا مفتی نظام الدین صاحب پہونچ گئے اور کام بھی سنبھال لیا ہے جزاہ اللہ تعالیٰ۔

جناب نے تحریر فرمایا ہے کہ الحمدللہ اب دارالافتاء میں اچھی معتمد علیہ شخصیتیں جمع ہوگئیں ہیں جو دارالافتاء کے شایان شان ہیں الحمدللہ ثم الحمدللہ" اس سے بہت خوش ہوا کہ جناب کے اعتماد کے قابل اشخاص جمع ہوگئے۔ میں کیا اور میرا ہے کیا۔ مگر جو چیز آپ کی مسرت کا موجب ہو وہ ضرور قابل تحسین ہے۔ الحمدللہ اچھا ہوں آپ کی دعا کی ضرورت ہے۔

آخر میں جو آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ کام صحیح نہج پر آرہا ہے جو...... کی توجہات و برکات کا اثر ہے تو یہ جو فرمایا ہے کہ کام صحیح نہج پر آرہا ہے اس پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ جس کے اہتمام میں یہ سب برکات رونما ہوں وہ ضرور مقبول ہے۔ مجھ کو آپ کی ذات سے بہت توقعات ہیں اور آئندہ بہت سی امیدیں وابستہ ہوگئی ہیں۔ سب پرسانِ حال کی خدمت میں سلام مسنون۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

دیوبند سے جناب مفتی نظام الدین صاحب کا خط

مصلح الامۃؒ کے نام

سیدی وسندی حضرت مولائی ومرشدی وسیلۃ یومی وغدی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ حضرت والا مدظلہ کی دعاؤں کی برکت سے بفضلہ تعالیٰ بخیر وعافیت دیوبند

پہونچ گیا اور بخیریت ہے۔ حضرت مہتمم صاحب مدظلہٗ اور حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدظلہٗ بڑے تپاک سے ملے اور بہت خیال فرمارہے ہیں۔ یہ سب حضرت والا ہی کی توجہات و عنایات کے ثمرات و برکات ہیں ورنہ یہ احقر کب اس قابل تھا۔ یہ دونوں حضرات حضرت والا سے بہت خوش ہیں اور بڑی عقیدت کا اظہار کررہے تھے۔ حضرت مہتمم صاحب فرمارہے تھے کہ ہمارے حضرت بہت بڑے صاحب تصرف بھی ہیں۔ مدرسہ کے بہت سارے معاملات بہت الجھے ہوئے تھے اور الجھتے ہی چلے جارہے تھے اور میں گھبراتا سا جارہا تھا لیکن لکھنؤ میں زمانۂ علالت میں میں نے عرض کیا حضرت نے دعا فرمائی اور تسلی دی اور بمبئی میں بھی میں نے عرض کیا اور اپنی کچھ پریشانیاں بھی ظاہر کیں تو حضرت نے بڑی قوت سے فرمایا کہ جاؤ کام کرو انشاء اللہ تعالیٰ کچھ نہیں ہوگا سب ٹھیک ہوجائے گا۔ تم اندر سے کام کرو اور میں باہر سے (اور لوگ نہیں مانیں گے تو) میں سرکار (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہاں عرض کردوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد ہی سے معاملات سلجھنا شروع ہوگئے اور سلجھتے ہی چلے جارہے ہیں اور اب میں بہت مطمئن ہوں اور قلب میں ایک قوت سی محسوس کررہا ہوں اور جب احقر نے حضرت والا کی طرف سے ہدیہ مرسلہ پیش کیا تو اسکو یہ کہہ کر بڑے تپاک سے لیا کہ یہ میرے لئے تبرک ہے اور باعثِ خیر و برکت ہے۔

حضرتِ والا کا جواب

مولوی .... صاحب سلمہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمدللہ مہتمم صاحب کی باتیں انتہائی عقیدت پر دال ہیں۔ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

اسی زمانہ کا ایک اور ملفوظ

دیوبند سے دو خطوط آئے تھے ایک مہتمم صاحب مدظلہٗ کا تھا دوسرا ایک دوسرے عالم کا جو حضرتِ والا سے تعلق رکھتے ہیں دونوں خطوط میں حضرت والا سے گہری عقیدت کا اظہار تھا۔ چنانچہ دونوں خطوط معہ حضرتِ والا کے جواب کے رجسٹر مکتوبات میں درج ہو چکے ہیں انھیں خطوط کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

اعتقاد بہت بڑی چیز ہے اسی پر ساری ترقیات کا مدار ہے۔ یہی اعتقاد جملہ کمالات کی سنگ بنیاد ہے۔ چونکہ اعتقاد ایک بڑی چیز ہے اس لئے کم حوصلہ اور چھوٹے لوگوں کو یہ نہیں حاصل ہوتا بڑی چیز کے لئے بڑا ظرف چاہئے۔ چھوٹے ظرف میں بڑی چیز کیسے آوے گی۔ مہتمم صاحب چونکہ بڑے کی اولاد ہیں۔ مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ انکا حوصلہ اور ظرف کیسا ہوگا اس لئے وہ مجھ سے بڑی عقیدت کا اظہار فرماتے ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ انتہائی اخلاق سے پیش آتا ہوں۔ اس طرح پیش آتا ہوں جیسے کوئی اپنے پیر کے ساتھ پیش آتا ہے۔

مدرسہ دیوبند کے متعلق حضرت مصلح الامۃ کا ایک (اعلان)

تمام مسلمانانِ عالم کو اس دینی امانت کی حفاظت کو اپنا ایک اہم وقتی فریضہ تصور کرنا چاہیئے

مدرسہ دیوبند میں جو حالات رونما ہوئے ہیں جن کا تذکرہ اخبارات و رسائل میں بھی آچکا ہے کوئی مسلمان ان سے بے خبر نہ ہوگا۔

بعض ذرائع سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اربابِ نظم و اہتمام کو حیرانی ہے کہ آئندہ

اس کا نظم کیونکر چلایا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات اپنی انتہا کو پہونچ چکے ہیں۔ ان حالات میں میں ہندوستان کے مسلمانوں کو بلکہ تمام عالم کے مسلمانوں کو اسطرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مدرسہ مسلمانوں کی امانت ہے اور اسلاف کی میراث ہے جس میں تمام دنیا کے مسلمان برابر کے شریک ہیں اس لئے اس وقت جب کہ اس پر ایسی یورش ہو رہی ہے کہ ارباب حل وعقد بھی سخت پریشان ہیں تمام مسلمانان عالم کو اس کی فلاح و بقا میں حصہ لینا چاہیئے اور اس دینی امانت کی حفاظت کو اپنا ایک وقتی فریضہ تصور کرنا چاہیئے۔ یہ ایک اللہ کے بندے کا پیغام ہے عام مسلمانوں کے نام۔

اب آپ حضرات کا جی چاہے تو اس کو باقی رکھنے میں حصہ لیجئے یا جو جی چاہے کیجئے۔ وما علینا الا البلاغ۔ فقط والسلام

(ڈاکٹر صلاح الدین احمد صدیقی)

(شعبان ۱۳۸۶ھ م۔ یکم ستمبر ۱۹۶۶ء)

دو مہینہ کے بعد ایک دوسرا اعلان

(اعلان ضروری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجھے بعض معتبر ذریعہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ امسال مدرسہ دارالعلوم دیوبند کی رفتار آمدنی سابق سنین کے اعتبار سے کچھ سست ہے اس کے متعلق یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سنیئے!

مدرسہ ہمارے اسلاف کی یادگار اور انکی ایک زبردست خدمت ہے۔ اُن کے بعد ہمارے اکابر نے اسلاف کے طریقہ پر اسے باقی رکھا ہم کو بھی اسی طریقہ پر اس کی صیانت ضروری ہے لہٰذا اسکا تحفظ و بقا اور اس کی ترقی کے لئے کوشش کرنا ہمارے لئے ازبس ضروری ہے۔ اسلاف کی خدمات کا باقی رکھنا اور اس کو ترقی دینا بعد والوں کے لئے نہایت ضروری ہوتا ہے ورنہ ضیاع کی صورت میں بازپرس ہوگی۔

لہذا مدرسہ کی ہر طرح کی اعانت دامے، درمے، قدمے، سخنے سب مسلمانوں کے ذمہ ضروری ہے ۵

نام نیک رفتگاں ضائع مکن　　تا بماند نام نیکت پایدار
چراغے را کہ ایزد برفروزد　　ہر آنکو تف زند ریشش بسوزد
اگر گیتی سراسر باد گیرد　　چراغ مقبلاں ہرگز نمیرد

یہ خطاب تو میرا عام مسلمانوں سے تھا اور ارباب نظم و اہتمام سے عرض ہے کہ زمانہ کیسے ہی انحطاط کی طرف جارہا ہو جو لوگ کہ بزرگوں کے طریقہ کے عادی ہیں اور انکے طریقہ پر رہنا چاہتے ہیں اُن کو چاہئے کہ وہ اپنے کام میں لگے رہیں اور کام کئے جائیں۔ اس لئے ہم کو بس اپنا کام کرنا ہے۔ زید عمر کیا کر رہے ہیں اس کو دیکھنا ہی نہیں ہے۔ ایسی حالت میں جو کوئی دینی خدمات کرے گا اس کو اجر زیادہ ملیگا۔ عبادۃ الھرج کھجرۃ الیّ۔

فقط　　والسلام۔ وصی اللہ عفی عنہ
(یکم شوال۔ کرلا۔ بمبئی ۲۲)

پھر دو ماہ کے بعد ایک تیسرا اعلان

(اعلان خصوصی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

مدرسہ دار العلوم دیوبند کی جانب مسلمانوں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے میرا ایک مضمون رسالہ "معرفت حق" الہ آباد میں شوال کے مہینہ میں شائع ہوچکا ہے اس کے بعد مجھے باوثوق ذریعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ الحمد للہ لوگوں نے اس کا اثر لیا اور اسکے حوالہ سے مدرسہ کی اعانت میں حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے آمدنی کا اوسط بہت کچھ بڑھ گیا ہے تاہم جو نقصان کہ ہوچکا ہے اُس کی تلافی ہنوز نہیں ہوسکی ہے۔

لہذا میں تمام مسلمانوں سے عموماً اور اپنے احباب سے خصوصاً مکرر کہتا ہوں کہ دارالعلوم کی مالی اعانت کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ عید اضحیٰ کا موقعہ ہے چرم قربانی وغیرہ سے بھی مدرسہ کی ایسی اعانت کردیں کہ اس کے لئے تلافی مافات ہو جائے ایسے پرُفتن دور میں مسلمانوں کے اس دینی مرکز کی صیانت و حفاظت اور تحفظ و بقا ازبس ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عین خوشنودی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارے کو تمام شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور اپنی رضیات پر چلادے اور اسی پر قائم و دائم رکھے۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہ۔ الہ آباد

۱۶ ذی الحجہ ۸۶ھ

حضرت اقدسؒ کی اپیل اور اعلانات کے اثرات

ایک مولوی صاحب کا خط

اپنے ایک عزیز کے نام

مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے بارے میں حضرت اقدس کا جو مضمون "معرفت حق" میں شائع ہوا ہے اس کا بہت اچھا اثر پڑ رہا ہے۔ اس کے بعد سے آمدنی کا اوسط بہت بڑھ گیا ہے۔ نیز بہت سے لوگ اس کا حوالہ دے کر کہ یہ مضمون شائع ہوا ہے اس لئے بھیج رہے ہیں۔

یہاں کے حالات میں حضرت والا مدظلہٗ کی کھلی کرامتوں کا اثر دیکھ رہا ہوں اور اکثر لوگوں کو اسکا اعتراف بھی ہوتا جا رہا ہے۔ خدا کرے ارباب حل و عقد کے تمام افراد کے ذہن میں یہ حقیقت کھل جائے تو سب کام بہت جلد درست ہو جائے۔

(۲ ذی الحجہ ۸۶ھ)

گذشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ احباب کی خواہش اور درخواست پر حضرت والا نے اب صاف ہی صاف تحریر فرما دیا کہ —— "میں وہاں نہ آؤں گا۔ یہ سمجھ کر لکھ رہا ہوں" اب اس میں اللہ تعالیٰ کی جو بھی مصلحت رہی ہو۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسقدر آمادگی کے بعد وہاں کا سفر کیوں نہ ہو سکا۔

حضرتؒ نے صراحۃً تو اسکو یہاں نہیں فرمایا تاہم حضرت کے سابقہ خطوط میں کچھ نہ کچھ ترشح ان وجوہ کا ہوتا ہے۔ جن کی بناء پر یہ سفر وجود میں آسکا۔

بہرحال یہ تو وہاں کے مطابق اور ان کے عین مناسب "شیخ وقت" کا ایک معاملہ تھا جس کو خود کام کرنے والا ہی سمجھتا ہے دوسرے کی رائے کو اس میں نہ دخل اور نہ وہ معتبر۔ حضرت اقدس دیوبند تو تشریف نہیں لے گئے لیکن مدرسہ دیوبند کی ظاہری اور باطنی ہر دو ترقی ہر آن آپ کے پیش نظر رہی۔

چنانچہ حضرت مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ کے وہاں پہنچ جانے سے خوشی اور اس پر جناب قاری صاحب مدظلہ کو مبارکباد ناظرین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں نیز حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی محبت اور عقیدت سے مسرت اور اسلاف کی نسبت کی وجہ سے ان کی تعظیم اور ان کے ساتھ پیر کا سا معاملہ کرنے کو خود حضرت والا ہی نے فرمایا ہے۔

پھر ان سب کے علاوہ خود مدرسہ جب ان ہی دنوں داخلی اور خارجی انقلابات سے متاثر ہوا اور ارباب حل وعقد کو اس کی معیشت اور معاشرت ہر دو کی زبوں حالی نے پریشان کر دیا اور اس حالت کا ذکر جرائد اور اخبارات میں آنے لگا تو حضرت مصلح الامۃؒ کو بھی اس کی وجہ سے شدید قلق ہوا اور حالات کی اصلاح کے لئے بیچین ہو کر پے درپے وہ تینوں اعلانات نکالے جنھیں ناظرین پہلے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ چونکہ یہ آواز ایک اللہ والے کے اخلاص بھرے دل کی صدا تھی اس لئے باوجود حضرت کے

گوشہ نشین ہونے کے یہ صدا بصحرا نہیں ثابت ہوئی بلکہ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ اطراف واکناف عالم میں گونجی اور چپہ چپہ میں پھیلی اور الحمدللہ کہ بچہ بچہ نے اس سے اثر لیا۔

حضرت مفتی صاحب کا تاثر تو آپ نے ملاحظہ ہی فرما لیا ہے ایک اور انگریزی داں عامی شخص کا تاثر بھی ملاحظہ فرمایئے اس نے امریکہ سے اپنے ایک دوست کو لکھا کہ:۔

"حضرت والا تک پہونچنے کے لئے کبھی کبھی بڑا بیچین ہوتا ہوں۔ ملاقات کے لئے دل چاہتا ہے کیسے اُڑ کر پہنچوں۔ میرا سلام پہونچا دیجئے۔ مدرسہ دیوبند کے لئے اپیل پڑھی، حضرت والا کی اپیل ہے سر آنکھوں پر اللہ تعالیٰ نے دل میں خیال ڈالا کہ مدرسہ کی امداد ضرور کرو۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ نیت کر رہا ہوں جو کچھ بھی ہو سکے گا بھیجوں گا۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ ایک اللہ والے کی آواز کس قدر جلد ہندوستان سے امریکہ پہونچ گئی اور صرف کان ہی میں نہیں پہونچی بلکہ قلب میں اثر انداز ہوئی چنانچہ کہ انھوں نے خود لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل میں خیال ڈالا کہ مدد کرو۔ سبحان اللہ از دل خیزد بر دل ریزد کا یہی مفہوم ہے۔

غرض ایک اہل دل کی یہ آواز ایسی نہ تھی جو کہ کام نہ کرتی بلکہ اس نے کام کیا اور نمایاں کام کیا۔ چنانچہ آنے والے خط میں خود مہتمم صاحب مدظلہ العالی کا تاثر ملاحظہ فرمایئے۔

گرامی نامہ جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

(بنام حضرت مصلح الامۃؒ)

معرفت حق میں آں محترم کی تحریر گرامی پڑھ کر بے انتہا خوشی ہوئی جو دارالعلوم

کے حق میں اپیل[۵] پر مشتمل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دارالعلوم کا حقیقی سرمایہ یہی توجہات اہل اللہ ہیں۔ انھیں پر اس کی بنیاد قائم ہے اور انھیں پر اس کی عمارت قائم ہے۔ خیال یہ ہوا کہ اس تحریر گرامی کو اگر عام اخبارات میں بھیجدیا جائے تو اسکا نفع اور زیادہ عام ہو جائیگا۔ اور دارالعلوم کی طرف توجہات لوگوں کی اور زیادہ منعطف ہو جائیں گی۔ اگر یہ خلاف مصلحت نہ ہو تو اس کی اجازت مرحمت فرمادی جائے۔

ہنگامۂ رجب ۱۳۸۶ھ کے سلسلہ میں چند فساد انگیز طلبہ کا اخراج کیا گیا ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا ورنہ وہ نئے طلبہ کو خراب کرتے اور بنائے فاسد علی الفاسد ہوتی رہتی جیسا کہ پہلے بھی ہوتا رہا ہے اُن میں سے بہت سے طلبہ تو آئے ہی نہیں جو آگئے تھے اُن میں سے بھی اکثریت جا چکی ہے لیکن چند ابھی باقی ہیں جو حجرے نہیں چھوڑ رہے ہیں انھوں نے طلبہ کو پھر ہنگامہ اور فساد کے لئے آمادہ کرنا چاہا۔ لیکن الحمدللہ اس میں انھیں کامیابی نہیں ہوئی تاہم یہ جمے ہوئے ہیں۔

کل اُنکی تحریر آئی کہ ہم نے اس اخراج کا اپیل مجلس شوریٰ میں کیا ہے لہٰذا اس وقت تک ہماری امدادیں جاری کی جائیں۔ لیکن چونکہ وہ دارالعلوم کے طالب علم نہیں رہے اس لئے امداد کا کوئی سوال ذمہ داروں کے سامنے نہیں ہے۔

بہرحال اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دوران میں بھی یہ کوئی نہ کوئی حرکت کریں گے اور مجلس کے موقعہ پر بھی کوئی شورش ضرور اُٹھائیں گے۔ دعا کی درخواست ہے کہ حق تعالیٰ دارالعلوم کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے اور فتنہ پردازیوں کا دفعیہ فرمائے۔

دارالعلوم کا کام الحمدللہ جاری ہے حق تعالیٰ اس چشمۂ خیر کو جاری رکھے اور شر درِ اعداء سے محفوظ فرمائے اور بحمداللہ بہمہ وجوہ خیریت ہے اپنے لئے خصوصیت

---

۵ مراد اس سے دوسرا اعلان ہے جو "اعلان ضروری" کے عنوان سے فروری ۱۹۶۷ء مطابق شوال ۱۳۸۶ھ میں شائع ہوا۔

سے دعا کا ملتجی ہوں۔ طبیعت سادہ اور فتن کا ہجوم جس کی بنیاد یں چالاکیوں پر ہیں۔

عجیب حیرتناک بات یہ ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے طلبہ میں دینی جذبات بڑھ رہے ہیں۔ عقیدہ و عمل درستی کی طرف آرہا ہے اور دینی مدارس کے طلبہ کا رجحان (خواہ قلیل ہی کا سہی) خلاف ذوق اکابر ہوتا چلا جارہا ہے۔

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ نے تحریر فرمایا تھا کہ طلبہ کی اصلاح اور انھیں قابو میں لانے کی تدابیر میں تو ساری ہی استعمال کر چکا ہوں مگر ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ یہ مظاہر العلوم کے بارے میں ہے۔

مظفر پور بہار سے بھی خط آیا ہے کہ طلبہ کے ہنگاموں نے مدرسہ کی جڑیں ہلا رکھی ہیں۔ کیا کیا جائے۔ گذشتہ سال یہی صورت راندیر کے دینی مدارس میں بھی پیش آچکی ہے اور اسی قسم کا ہنگامہ دو سال پہلے مدرسہ جلال آباد میں بھی ..... ہو چکا ہے۔

افسوس ہوتا ہے کہ دینی مراکز میں دنیوی ذوق اور وہ بھی ارذل ترین ذوق ہنگامہ و فساد بڑھ رہا ہے۔ البتہ یہ خوشی بھی ہے کہ دنیاوی مدارس میں اسکے برعکس ذوق اور ذہن بن رہا ہے۔

بہر حال دعا کی درخواست ہے۔ والسلام

محمد طیب ۱۲ $\frac{۱۱}{۸۶}$

حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

عنایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رسالہ معرفت حق ماہ شعبان و شوال میں جو مضامین شائع ہو چکے ہیں لوگوں کو مدرسہ کی

جانب متوجہ کرنے کے لئے وہ بہت کافی دوا فی ہیں۔ یوں میں بھی اب مدرسہ کو نقصان سے بچانے کی طرف متوجہ ہوگیا ہوں۔ چنانچہ اپنے طور سے بھی لوگوں سے کہتا سنتا رہونگا۔ باقی اس اعلان کو مدرسہ کے نفع عام کے لئے دوسرے اخباروں میں دینا چاہیں تو دیسکتے ہیں۔ میری جانب سے اجازت ہے۔

اس وقت میں ایک اور بات کہنا چاہتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ وہ مدرسہ کے لئے۔ طلبہ کے لئے۔ عوام کے لئے اور ارباب مدرسہ کے لئے سب ہی کے لئے مفید ہوگی۔ اس کی طرف توجہ فرمایئے اور جی چاہے تو اس کو بھی شائع فرما دیجئے وہ یہ کہ دینی مدارس میں جو کچھ ہو رہا ہے اُنکی وجہ میرے نزدیک وہی ہے جو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے اپنی کتاب اشاعت اسلام میں ایک موقعہ پر تحریر فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"شریعت اسلام نے دونوں پہلوؤں کو (یعنی اشتراک اور امتیاز کو اعتدال سے سنبھالا۔ ہر ایک کی حد مقرر کردی۔ ہر ایک کے احکام بتادئے۔ اشتراک کے پہلو کا اس حد تک لحاظ کیا کہ کسی موقعہ پر اس کو نظر انداز نہیں کیا اور امتیاز کو بقاء نظام عالم و ترتیب احکام آخرت کے لئے لازم و واجب قرار دیا اور اس بنا پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لن یزال الناس بخیر ما تباینوا فاذا تساووا ھلکوا۔

یعنی لوگ ہمیشہ خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک ان میں فرق مراتب قائم رہے گا اور جب سب برابر ہو جائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

یہ ارشاد بالکل اُصول فطرت کے موافق ہے۔ انتہیٰ"

(اشاعت اسلام صـ۲۶۸)

پھر اس کے ذرا آگے فرماتے ہیں کہ ایک عربی شاعر نے یوں کہا ہے کہ ؎

لا یصلح الناس فوضیٰ لا سراة لھم
ولا سراة اذا جھالھم سادوا

یعنی مخلوق جب کہ مساوی درجہ خود سر ہوں کوئی انکا افسر نہ ہو کبھی ان کی حالت درست نہیں ہو سکتی اور اگر کسی جاہل کو سردار بنادے تو وہ حقیقتاً نہ ہونے کے حکم میں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اختلاف اور نزاع تو سردار اور امیر ہونے کے بعد بھی ہوگا مگر وہ افسر اس کو ختم کر دیتا ہے۔ اور اگر کوئی افسر نہیں ہوتا تو وہ بجائے ختم ہونے کے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔

پس جو حالات آپ نے لکھے ہیں یہ ہلاکت ہی ہے اور اس کا منشاء فرق مراتب کا نہ کرنا اور طبیعتوں میں خود سری کا پیدا ہو جانا ہے۔ یہی اس وقت دیکھ رہا ہوں کہ نہ کوئی بڑا اس زمانہ میں بڑا رہ گیا ہے اور نہ کوئی چھوٹا چھوٹا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ سب بڑے در آنحالیکہ بڑے ہیں چھوٹے ہو گئے ہیں اور ہر چھوٹا در آنحالیکہ چھوٹا ہے بڑا ہو گیا ہے اب اس سے بڑھ کر ہلاکت اور کیا ہو سکتی ہے اور اس سے زیادہ فساد اور کیا ہوگا اور اس فساد کی جڑ یہی ہے کہ علم اور اہل علم کے حقوق کا ضیاع ہو رہا ہے اسی لئے بزرگوں نے ہر زمانہ میں اس پر تنبیہ فرمائی ہے اور اس کا خاص اہتمام رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا رفاعی رحمۃ اللہ علیہ بطور نصیحت کے فرماتے ہیں کہ

"شانِ علم کی ایسی تعظیم کرو کہ اس کے واجبی حقوق ادا ہوتے رہیں۔"

میں کہتا ہوں کہ علم کی تعظیم میں۔ علماء کی تعظیم اور مرکزِ علم کی تعظیم بھی داخل ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک شانِ علم کی تعظیم نہ کیجائے گی نہ تو اس کے حقوق واجبہ ادا ہونگے اور نہ علماء ہی کے حقوق ادا ہونگے اور نہ مرکزِ علم کے حقوق ادا ہونگے۔ لہذا اب اس کے بعد سوائے فساد اور ہلاکت کے باقی ہی کیا رہ جاتا ہے۔ اگرچہ اس ہلاکی کا ان کو احساس اور شعور بھی نہ ہو۔

چنانچہ امام غزالیؒ نے جو بات امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے متعلق فرمائی تھی

ہیں اُس کو اس موقعہ پر دہراتا ہوں۔

ولوطوی لبساطہ واھمل علمہ وعملہ لتعطلت النبوۃ و اضمحلت الدیانۃ وعمت الفترۃ وفشت الضلالۃ وشاعت الجہالۃ واستسری الفساد واتسعت الخرق وخربت البلاد وھلک العباد وان لم لیشعروا بالھلاک الی یوم التناد وقد کان الذی خفنا ان یکون انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اذ قد اندرس من ھذا القطب عملہ وعلمہ وانمحی بالکلیۃ حقیقتہ ورسمہ واستولت علی القلوب مداھنۃ الخلق وانمحت عنہا مراقبۃ الخالق واسترسل الناس فی اتباع الھوی والشہوات استرسال البہائم وعز علی لبساط الارض مومن صادق لا تاخذہ فی اللہ لومۃ لائم۔

(احیاء ص۲۷۳ ج۲)

آپ نے عربی مدارس اور دنیوی مدارس کے جو حالات لکھے ہیں انھیں دیکھ دیکھ کر اہل احساس خون کے آنسو رو رہے ہیں اور خوف اس امر کا ہو رہا ہے کہ خدا نخواستہ اگر بدحالی کا یہی سلسلہ قائم رہا تو کہیں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت سے ان کو معزول کر کے دوسروں کو ان کی جگہ نہ عنایت فرما دے وَاِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْا اَمْثَالَکُمْ۔

چنانچہ مدارس میں یہ حالات عام ہو گئے ہیں کہ علم تو کچھ ہے بھی لیکن اخلاق بالکل ختم ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جو علم حاصل کرتے ہیں اس کو غلط مصرف میں استعمال کرتے ہیں اسلئے ایسوں کو علم سکھانا رہزن کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔

میرا ابتک تو یہ خیال تھا کہ اخلاق کی درستی دین کے لئے ضروری ہے چنانچہ دین کا کمال ہی اخلاق سے ہوا کرتا ہے لیکن اب میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ دنیوی امن و راحت اور سکون و چین کے لئے بھی اخلاق کی ضرورت ہے چنانچہ اگر کسی منزل کے لوگوں کے اخلاق فاسد ہونگے تو منزل ہی فاسد ہو جائے گی۔

پس آپ کے یہاں جو کچھ ہوا وہ بھی فساد اخلاق ہی کا ثمرہ تھا اور بڑوں کا ادب واحترام جو رخصت ہوا یہ اسی آزادی کا ثمرہ تھا جس کی طلبہ کو تعلیم دیگئی۔ باقی آپ نے جو یہ تحریر فرمایا ہے کہ (دارالعلوم کا حقیقی سرمایہ توجہات اہل اللہ ہیں انھیں پر اس کی بنیاد قائم ہے اور انھیں پر اس کی عمارت قائم ہے) تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ بیشک اہل اللہ کی توجہات کسی وقت اسے حاصل تھیں اور اس کی بنیاد وعمارت ان پر قائم تھی مگر عرصہ ہوا اب وہ باقی نہیں رہی اور اس کو ختم کیا گیا اسی کے یہ نتائج ہیں جو سامنے آرہے ہیں ورنہ تو اللہ والوں کی توجہ مسلسل کسی کی جانب ہو اسکا انجام یہ سامنے آوے یہ عادت اللہ کے خلاف ہے۔

میں نے اپنے مضمون میں یہ لکھا تھا کہ مدرسہ بزرگوں کی ایک امانت ہے۔ اسی طرح سے یہ بھی کہتا ہوں کہ اسلاف کے اخلاق اور اُنکا اُسوۂ حسنہ یہ بھی ایک امانت ہے جس کی حفاظت بھی نہایت ضروری ہے اور منجملہ ان کے اُسوہ کے ایک یہ تھا کہ اُن میں کا ایک ایک شخص اپنے اخلاقی قوت کی وجہ سے پوری جماعت پر حاوی ہوتا تھا اور لوگ اِن حضرات کے سامنے ایسے رہتے تھے جیسے شیر کے سامنے بلی اور اُن کی شفقت کی وجہ سے ایک جانب لوگ اُن سے محبت بھی کرتے تھے اور دوسری جانب اُن کے تقویٰ کے رعب کی وجہ سے اُن سے خائف بھی رہتے تھے۔ غرض اُن کے مجموعی اوصاف کے سبب سے اُن کے معتقد تھے اور اعتقاد کے لئے محبت اور خوف دونوں لازم ہیں اب یہی چیز باقی نہیں رہ گئی ہے ورنہ تو اب بھی دیکھا جاتا ہے کہ اگر اسلاف کے طرز پر کام کیا جاوے تو اب اس زمانہ میں بھی کام ہوسکتا ہے۔

(ناقل عرض کرتا ہے کہ بے محل نہ ہوگا اگر اس موقعہ پر خود حضرت والا کا ایک واقعہ جو ابھی بمبئی میں چلتے چلتے پیش آیا ذکر کردیا جائے اُمید کہ موجب بصیرت ہوگا۔ وھو ھذا۔

حضرت والا بمبئی میں پچھلی بار بھی خوش رہے اور اس دفعہ بھی بہت خوش رہے لیکن روانگی سے ایک دن قبل صبح تفریح میں جاتے ہوئے کسی نے حضرت سے بیان کیا کہ اخبار میں آپ کا نام آیا ہے وہی دن ووٹ پڑنے کا تھا۔ کسی اخبار والے نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے اخبار میں یہ لکھدیا تھا کہ "فلاں آدمی نے حضرت مولانا کی طرف سے جو کچھ لوگوں سے کہا ہے وہ غلط ہے حضرت مولانا ان سب باتوں میں رہتے ہی نہیں"۔

اس میں گو اُس نے حضرت کا تبریہ ہی کیا تھا لیکن اتنا بھی ناگوار گذرا اور اسلئے ناگوار ہوا کہ جس چیز میں ...... حضرت والا رہتے ہی نہیں اور نہ اس کی گفتگو اپنے یہاں پسند کرتے ہیں نہ اثباتاً نہ نفیاً تو پھر حضرت والا کا نام ہی اس سلسلہ میں کیوں لیا گیا۔

واپس آنے پر حضرت والا نے اخبار منگوایا اور اس کی تصدیق کی۔ چونکہ آج اس سفر کی آخری مجلس تھی اس لئے بہت لوگ اور بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے تھے اور حضرت والا نے بھی سوچا تھا کہ آخری دن اُنکو کچھ موثر نصیحتیں اور اُن سے کچھ کام کی باتیں ارشاد فرمائیں گے لیکن اس واقعہ سے طبیعت چونکہ مکدر ہو چکی تھی اس لئے ایک مولوی صاحب سے فرمایا کہ آج مجلس میں تم کچھ بیان کرو اور فلاں صاحب سے کہو کہ وہ بیان کریں۔ ایک صاحب نے کچھ بیان کرنا شروع کیا۔ ادھر حضرت والا نے ایک دوسرے صاحب کو آواز دی کہ فلانے موٹر لاؤ اور مجھے ابھی اسٹیشن پہنچاؤ۔ کل تو جانا ہی مگر اب آج ہی جاؤں گا۔ نہ تو اہلِ مجلس سے حضرت نے کچھ فرمایا اور نہ معززین شہر سے ملے اور نہ گھر والوں کو اطلاع کی۔ موٹر پر بیٹھے اور بمبئی تشریف لے گئے اور اسٹیشن کے قریب قہوہ خانہ کی مسجد میں قیام فرمایا۔ بچوں کے پاس کہلا بھیجا کہ تم لوگ سامان درست کرو۔ ٹکٹ چونکہ کل کا ہے اس لئے کل آنا۔ میں آج ہی جاتا ہوں۔ راستہ

میں کہیں مل جاؤنگا۔ ابھی اسٹیشن کی مسجد ہی پر قیام تھا کہ مدرسہ مظاہر العلوم کے شیخ الحدیث (حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی مدظلہ) وہیں حضرت والا سے ملنے تشریف لائے حج کو تشریف لیجارہے تھے ہوائی جہاز سے اُترے۔ لوگوں سے معلوم ہوا کہ حضرت فلاں جگہ تشریف رکھتے ہیں انھوں نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ بھائی اسوقت اپنے اکابر میں سے آپ ہی تو رہ گئے ہیں۔ لہذا پہلے اُن سے ملاقات کو چلوں گا اور اپنے لئے اُن سے دعا کراوں گا۔ چنانچہ تشریف لائے اور ملاقات کرکے واپس گئے۔

ان حالات کی بنا پر حضرت والا کی ناراضگی کچھ کم ہوئی تو حکیم اجمیری صاحب نے جو موٹر پر کرا سے ہمراہ ہوگئے تھے موقعہ دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت جب یہیں قیام کرنا ہے تو غریب خانہ پر تشریف لے چلیں۔ ان کے اصرار اور بالحاح درخواست پر حضرت والا اُنکے مکان تشریف لے گئے۔

ادھر مجلس میں حضرت والا کے اس طرح سے چلے آنے کے بعد ایک اضطراب اور بےچینی پھیل گئی کہ حضرت آخر کیوں ناراض ہو کر تشریف لے گئے۔ اُن سے بتایا گیا کہ آج آپ کے شہر کے ایک اخبار میں یہ مضمون نکلا ہے۔ اس پر بھی لوگوں کو بہت ہی طیش اور غصہ آیا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ اڈیٹر کے پاس جاکر اُس سے جواب طلب کریں کہ تم نے ایسا کیوں لکھا لیکن بعض سمجھ دار لوگوں نے روکا کہ اس کو حضرت پسند نہیں کریں گے۔

اس کے بعد اب لوگوں کو فکر ہوئی کہ حضرت کہاں ہیں۔ چنانچہ پتہ چلا لیا کہ حکیم اجمیری صاحب کے یہاں مقیم ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ لوگ آنا شروع ہوگئے اور اُس وقت سے لے کر اگلے دن روانگی تک لوگوں نے اپنے عمل و حال سے جس محبت اور عقیدت کا ثبوت دیا وہ سب کے قلب پر نقش ہے۔ حتیٰ کہ اسٹیشن پر بوقت روانگی ایک کثیر مجمع رخصت کرنے کے لئے آیا جن میں اکثر زار و قطار رو رہے تھے اور اُن کے چہروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت والا کی اس طرح سے روانگی پر بہت ہی نادم اور شرمندہ تھے۔ حضرت والا نے یہاں آکر فرمایا کہ میں نے کچھ اس نیت سے یہ سب نہیں کیا تھا مگر دیکھا یہی کہ نتیجہ کے اعتبار

سے اس ایک ہی واقعہ کا اتنا اثر پڑا جتنا کہ بہت دنوں کی تعلیم و تربیت سے بھی نہ پڑا ہوگا۔

اہلِ بمبئی کے تاثر کا اندازہ اس سے فرمایئے کہ آج ہی حکیم اجمیری صاحب کا خط حضرتِ والا کے نام آیا اس میں وہ لکھتے ہیں کہ

"اس دفعہ عام متوسلین و متمند حضرات بیحد متاثر اور حضرت والا کی مفارقت بخیر سے بیحد گرفتہ دل ہیں۔ چہروں پر رونق نہیں معلوم ہوتی۔ حق تعالیٰ ظل رحمت کو بکمال صحت و سلامتی ہمیشہ کرم پاشِ خلائق رکھیں۔"

اب اس واقعہ سے کچھ نتیجہ اخذ فرمالیں (آگے پھر حضرتِ والا کے ارشادات نقل ہیں۔ انتہیٰ از ناقل عفی عنہ)

میں آپ سے کیا کہوں آپ تو خود میرے بڑے ہیں اور اپنے ہی ہیں۔ ہم اپنے ہی کو کہتے ہیں کہ ہم وعظ کہیں، کہیں آئیں جائیں اور صرف وعظ ہی کہتے رہیں لوگ سنتے رہیں اور خالی ایک دوسرے کو دیکھتے رہیں۔ نہ وعظ کا کوئی اثر لیں اور نہ عالم ہی کی کچھ وقعت وعظمت ان کے قلب میں پیدا ہو تو محض اس آنے جانے اور وعظ کہنے سے کیا حاصل۔

آخر میں ایک مصری عالم کے حالات میں سے بعض باتیں جو مجھے پسند ہوئیں بصیرت کے لئے پیشِ خدمت کرتا ہوں امید کہ آپ بھی پسند فرمائیں گے۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ :-

نظر الفقيد بفكره الثاقب الى العلم والعلماء فوجده اشبه بصناعة خاصة بين طائفة خاصة فى مكان خاص لا يعدو العالم و المتعلم۔ قد داب الازهر على ذلك جيلا بعد جيل و سواد الامة من هذا النور محجوب باحتجاب العلماء عنهم اللهم الا بصيص من النور يظهر فى بعض البلاد التى ينبت فيها العلم بوجود عالم من العلماء او طالب من الطلاب فى ليالى شهر رمضان فى كل عام فاخذ على نفسه المواثيق ان يجدد عهد السلف الصالح وان يقوم

بنشر الدعوة الصحیحہ بین طبقات الشعب المصری الکریم"
اسی طرح انکی ایک سیرت یہ لکھی تھی کہ:۔

ولقد کان واعظا بسمتہ ووقارہ ووقفتہ ومشیتہ قبل ان یکون واعظا بقولہ ومنطقہ وکان فی ذلک مصداقا لقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ خیارکم من تذکرکم باللہ رویتہ ویزید فی علمکم منطقہ ویرغبکم فی الآخرۃ عملہ۔ رواہ الترمذی عن ابن عمرؓ (الایداع ص۱۱) (ترجمہ ص۳۱ پر دیکھئے)

لہذا جو حالات آپ نے تحریر فرمائے ہیں اب انکا علاج صرف یہی ہے کہ اللہ تعالی کا نام لے کر اب آپ اپنے ارادہ میں خوب مضبوط ہوجائیے اور کسی دوسرے کی پرواہ کئے بغیر مدرسہ کو اسلاف کے طریقہ پر لائیے اور طلبہ کو علم کے ساتھ ساتھ اخلاق کی جانب بھی متوجہ فرمائیے جب آپ اخلاص کے ساتھ اصلاح کی جانب متوجہ ہوجائیے گا تو پھر انشاء اللہ تعالی اللہ تعالی کی نصرت آپ کا ساتھ دے گی۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ
۱۷ ذیقعدہ ۸۶ھ یکم مارچ ۱۹۶۷ء
۲۳ بخشی بازار۔ الہ آباد

حضرت مصلح الامۃ کا دوسرا مکتوب گرامی

عنایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب دام عنایتکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل ہی ایک خط ارسال کرچکا ہوں۔ اس وقت اسی سلسلہ کی بعض باتیں اور یاد آئیں جواب عرض کر رہا ہوں۔

آپ نے تحریر فرمایا تھا کہ دینی مدارس کا حال خراب ہے اور دنیوی مدارس کے حالات

اچھے ہوتے جارہے ہیں تو فی الواقع ہم بھی یہی دیکھ رہے ہیں کہ مدارس کے حالات خراب ہیں اور اسمیں کسی مدرسہ کی تخصیص نہیں تمام مدارس کا قریب قریب یکساں حال ہے اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہم پڑھے لکھوں سے یہ عوام الناس کہیں اچھے ہیں کہ ان کے اندر پھر بھی دین و دیانت باقی ہے۔

تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اس پر غور کرنا چاہئے کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے۔ اسباب کی تعیین کے بغیر امراض کا علاج دشوار ہے تو میرا خیال یہ ہے کہ طلبہ کے جو یہ حالات ہیں یہ کچھ تعجب خیز نہیں ہیں بلکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو تعجب تھا۔ بات یہ ہے کہ نفس تو سب ہی کے اندر ہے کون اس سے خالی ہے۔ طلبا کے اندر بھی نفس موجود ہے پھر شیطان الگ پیچھے لگا رہتا ہے۔ خاص کر طلبا دین کے پیچھے تو خاص طور سے اس لئے کہ یہ علم دین حاصل کرلیں گے تو خود بھی ٹھیک ہوجائیں گے اور دوسروں کو بھی ٹھیک کردیں گے۔ جب ایسا ہے تو نفس و شیطان کے تقاضا ہی کے مطابق افعال صادر ہونگے۔ علم تو شاید کچھ حاصل کرلیں گے مگر ساتھ ہی ساتھ نفس و نفسانیت میں بھی ترقی ہوگی بلکہ علم فساد میں اور زیادہ معین ہوجائیگا۔ ان حالات میں ظاہر ہے کہ لوگ خود بخود کیسے ٹھیک ہوجائیں گے جب تک کہ کوئی سعی ٹھیک کرنے کی نہ کی جائے گی۔ اور سعی یہ کہ ان کے قلوب کا حال درست کیا جائے جیسا کہ حدیث شریف الا ان فی الجسد لمضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب سے ظاہر ہے۔ چنانچہ جب قلب درست ہوتا ہے تو جوارح بھی درست ہوتے ہیں اور قلب فاسد ہوتا ہے تو جوارح بھی فاسد ہوجاتے ہیں۔

یہاں قلب کی درستی سے مراد یہ ہے کہ قلب کا حال درست ہو۔ قلب کا حال محمود ہوگا تو جوارح سے اعمال محمودہ صادر ہوں گے اور قلب کا حال مذموم ہوگا تو جوارح سے اعمال مذمومہ کا صدور ہوگا۔ مولانا روم فرماتے ہیں:-

جملہ عالم زیں غلط کردند راہ — کز عدم ترسند و آں آمد پناہ
از کجا جوئیم علم از ترکِ علم — از کجا جوئیم سلم از ترکِ سلم

از کجا جویم حال از ترک حال　　از کجا جویم قال از ترک قال

بہرحال صلاح و اصلاح موقوف ہے قلب کی درستی ہی پر یعنی یہ کہ قلب کا حال اچھا ہو جائے اس پر اب رہا یہ کہ قلب کی درستی کیسے ہو عمدہ حال کیسے پیدا ہو تو اسکے متعلق یہ ہے کہ جب طلبہ سے کچھ کہا ہی نہ جائے گا انکو سمجھایا ہی نہ جائے گا اور اس طرف متوجہ ہی نہ کیا جائے گا تو ان کے درست ہونے کی توقع کیسے کی جا سکتی ہے۔ طلبہ اور مدارس کی اصلاح کچھ ناممکن اور دشوار تھوڑا ہی ہے۔ مگر افسوس کہ کوئی کہنے سننے والا ہی نہیں۔ طلباء کا زیادہ تر تعلق اساتذہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے وہی اگر چاہیں تو کچھ کام کر سکتے ہیں جب اچھے حالات پیدا ہو جائیں گے تو برے حالات خود بخود رخصت ہو جائیں گے اور جب معتد بہ طلبہ درست ہو جائیں گے تو مفسد خود دب جائیں گے اور مغلوب ہو جائیں گے۔ تو پھر آسانی کیساتھ ان سے احوالِ مذمومہ یا خود ان مفسدین ہی کا اخراج ہو سکتا ہے۔

لیکن اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اساتذہ کا حال درست ہو اور انکا قلب محمود ہو اور جب وہ خود ہی حال سے خالی ہونگے تو دوسروں کو کیا حال دے سکتے ہیں اور انکا حال بھی جب ہی درست ہوگا جب کہ انھوں نے کسی اہل دل سے اپنا حال درست کیا ہوگا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ، حضرت مولانا نانوتویؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ اور حضرت مولانا تھانویؒ جو ایسے مرتبہ کے لوگ ہوئے ہیں تو اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے انکے قلب کو درست کیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کام ہر دور اور ہر جگہ کسی اہلِ قلب ہی سے ہوا ہے۔

چنانچہ جس دیار میں کوئی اہلِ قلب، اہلِ صلاح اور اہلِ اصلاح نہ ہوگا تو وہاں لوگ باطن اور قلب سے متعلق امور کو کیا جانیں گے اور جب انکا علم ہی نہ ہوگا تو اس پر عمل کس طرح کریں گے پھر جب عمل نہ ہوگا تو حال کیونکر پیدا ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بس صرف ظاہری علم و عمل اور نماز و روزہ رہ جائے گا اور حقیقت و روح کے اعتبار سے وہ جگہ فاسد ہو جائے گی۔ اسی کو کہہ رہا ہوں کہ کام صرف ظاہر سے نہیں چلے گا بلکہ قلب میں حیات پیدا کرنی ہوگی اور آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ دنیوی مدارس کے احوال اچھے ہو رہے ہیں تو اسکی

وجہ یہ ہے کہ کسی اہلِ دل اور اہلِ حال نے ان پر محنت صرف کی ہوگی اور دینی مدارس کے جو حالات آپ ابتر دیکھ رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انکو کسی نے بگاڑا ہے۔ ورنہ طلبہ کچھ ایسے بُرے نہیں ہوتے ان کو اگر اچھے راستہ پر لگایا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اچھے نہ ہوں۔

رہا نفس و شیطان تو یہ تو سب ہی کے ساتھ ہیں۔ مگر چونکہ حضرات اہل اللہ کا اثر تھا اور طلباء ان کے معتقد ہوتے تھے اس لئے رفتہ رفتہ ان کی اصلاح ہو جاتی تھی مگر جب سے طریق اور سلوک کے انکار و اعتراض کی بلا پھیلی اور اہل اللہ سے ان کو الگ کیا گیا اور سیاسیات میں شرکت کی ان کو ترغیب دی جانے لگی تو اس کا جو نتیجہ ہونا تھا وہ ہوا۔

اور یہ قاعدہ ہے کہ جب کسی بڑی جگہ کوئی بات پیدا ہوتی ہے تو چھوٹی جگہیں بھی اس کی ریس کرنے لگتی ہیں اور ریس جس طرح بُری چیزوں میں کی جاتی ہے اسی طرح اچھی چیزوں میں بھی کی جاتی ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہندوستان میں کم از کم ایک مدرسہ کو تو مثالی مدرسہ ہونا چاہئے اور اس میں شک نہیں کہ آپ کے مدرسہ کی حیثیت ایسی ہی ہے۔ اور اسی سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ بنے مگر اس کے لئے بس وہی چیز ضروری ہے جس کو میں نے پہلے عرض کیا کہ طلباء کو بڑوں کا مطیع و منقاد بنایا جائے اور اتباع بدون اعتقاد کے وقوع پذیر نہیں ہوتی اور اعتقاد کے بعد پھر کوئی فتنہ بھی نہیں ہوتا اسلئے کہ کوئی معتقد اپنے معتقد فیہ کے خلاف کوئی بات تنہائی میں بھی نہیں سوچتا۔ ڈرتا ہے اور اس کو اعتقاد کے منافی سمجھتا ہے۔

یوں اسمیں شک نہیں کہ اس بگڑے ہوئے ماحول کو درست کرنے میں مشقت بڑی ہے اور یہ کام ایسا آسان بھی نہیں ہے۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ ہمت کر کے اس میدان میں کود پڑتا ہے تو بعونہ تعالیٰ خاطر خواہ آثار و نتائج بھی اس کے مرتب ہو جاتے ہیں اور اجر بھی عظیم ملتا ہے اور بزرگوں نے نیک آثار چھوڑ جانے کی وصیت بھی فرمائی۔ چنانچہ حضرت سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں۔ کہ

مرد وہ ہے کہ جس کے آثار اس کے بعد بھی چمکتے رہیں۔ مردوں کا قول ہے کہ ؎

ان آثار نا تدل علینا فانظروا بعدنا الی الآثار

میں نے جو سچی اور صحیح بات تھی نیک نیتی سے بطور نصح فصیح کے عرض کردی ہے۔ اگر ان کو مفید سمجھا جائے تو طلبہ کو بھی کبھی کبھی سنا دیا جائے۔ میرے یہاں مدرسہ ہی کیا ہے اور طلبہ ہی کتنے ہیں تاہم جو بھی ہیں ان سے میں نے کہہ رکھا ہے کہ تم یہاں علم حاصل کرنے کے لئے آتے ہو تو حاصل کرو جتنا مقدر میں ہوگا علم آجائے گا لیکن اخلاق کے بارے میں کہتا ہوں کہ جو اخلاق بد تمہارے اندر نہ رہے ہوں وہ یہاں بھی نہ پیدا ہونے پائیں اس لئے کہ یہ جگہ اصلاح اخلاق کی ہے بداخلاقی پیدا کرنے کی نہیں ہے بلکہ پہلے سے جو بداخلاقیاں موجود ہیں جن کو اپنے گھر سے لے کر آئے ہو آہستہ آہستہ انکی بھی اصلاح کرو اور ان کو چھوڑ دو۔

یہی آپ سے کہتا ہوں کہ آپ بھی اسکا اہتمام فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے مقاصد میں کامیاب فرمایئے اور مدرسہ کو شرور و فتن سے محفوظ رکھے اور سب کی اصلاح فرمائے۔

والسلام خیر ختام

۲۲ ذیقعدہ ۱۳۸۶ھ

حضرت مصلح الامۃ کا ایک مضمون جو جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ کی خدمت میں بھیجا گیا

غنایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب۔ دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

ایک مفید مضمون اس وقت ذہن میں آیا جی چاہا کہ آپ کی خدمت میں بھی اسے پیش کروں۔ امید ہے کہ آپ اس سے محظوظ ہونگے وہ یہ کہ

جس طرح سے آپ سے متعلق طلبہ ہیں اور آپ کو ان سے سابقہ پڑتا رہتا ہے اسی طرح

سے میرا تعلق طالبین سے ہے اور ان کے حالات سے مجھے سابقہ رہتا ہے۔ پس جس طرح میں اپنے یہاں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ آتے بہت ہیں مگر ان میں سے کام کرنے والے اور طریق کا فہم رکھنے والے بہت ہی کم ہیں کوئی کوئی اللہ کا بندہ ہوتا ہوگا جو طریق کو طریق کی طرح حاصل کرتا ہوگا۔ اسی طرح سے سمجھتا ہوں کہ مدارس کا بھی یہی حال ہے ہزاروں ہزار میں سے دو چار ایسے طلباء ہوتے ہوں گے جن کی نیت تحصیل علم سے دین ہو۔ مقصود رضائے الٰہی ہو اور جو علم میں کمال پیدا کرنا چاہتے ہوں۔

اور ان دونوں سلسلوں کا یہی حال بہت دنوں سے چلا آرہا ہے رفتار انحطاط میں چاہے کچھ ترقی ہوگئی ہو تاہم عرصہ سے یہی حالات چل رہے ہیں اور وجہ اس کی یہی ہے کہ تحصیل علم ہو یا اصلاح عمل دونوں کے لئے اخلاص شرط ہے اور حب دنیا ان دونوں ہی کے لئے مانع ہے۔ حضرت سیدنا رفاعیؒ فرماتے ہیں۔

بزرگو! صوفیہ کے طریق کا منتہا وہی ہے جو فقہاء کے طریق کا منتہا ہے اور فقہا کے طریق کا منتہا وہی ہے جو صوفیہ کے طریق کا منتہا ہے۔ جن گھاٹیوں میں پھنس کر فقہا مقصود کی طلب سے رہ جاتے ہیں انھیں گھاٹیوں میں صوفیاء بھی اپنے سلوک میں مبتلا ہوتے ہیں (دونوں کو مقصود سے روکنے والی ایک ہی چیز ہے یعنی غرض نفسانی، حب دنیا، حب جاہ اور دونوں کو مقصود تک پہونچانے والی بھی ایک ہی چیز ہے یعنی اخلاص اور ماسوائے حق سے رخ پھیر لینا۔)

(البیان المشید صـ۱۵)

دیکھئے سیدنا رفاعیؒ دونوں جماعتوں کے لئے اتباع نفس اور طلبِ جاہ کو مضر اور مہلک فرمارہے ہیں اور اخلاص کو اور غیر اللہ سے رخ پھیر لینے کو شرط قرار دے رہے ہیں پس آج ہمارے یہ دونوں سلسلے جو خراب ہوئے اس کی وجہ یہی ہے کہ ان میں دنیا آگئی ہے اور اخلاص ختم ہوچکا ہے الا ماشاء اللہ یہی وجہ ہے کہ آپ کے یہاں جو

حالات رونما ہوئے وہ میرے لئے کچھ تعجب خیز نہ تھے. کیونکہ سمجھتا ہوں کہ طلبہ بھی ہیں جیسے انسان ہیں ان میں بھی نفس موجود ہے اور جب اس کی اصلاح نہ کیجائے گی تو اس قسم کے حالات کا رونما ہونا تو ناگزیر ہے اسی لئے طلباء کے لئے بھی اصلاح اخلاق ضروری سمجھتا ہوں ورنہ تو فساد اخلاق کے لئے فسادِ منزل لازم ہے۔

اور یہ بھی سمجھتا ہوں کہ اس میں انکا کچھ زیادہ قصور نہیں ہے بلکہ کمی اور کوتاہی تبلانے والوں کی جانب سے ہے اس لئے کہ تعلیم کتب کے ساتھ ساتھ اگر اخلاق کی تعلیم کا بھی خیال رکھا جائے اور اس کی بھی تعلیم دی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ علم تو سیکھیں اور اخلاق نہ سیکھیں. یہ ہو سکتا ہے کہ ابتدا ہی سے وہ بہت زیادہ کامل الاخلاق نہ ہو جائیں گے لیکن اس کا کچھ بھی اثر نہ پڑے ایسا بھی نہ ہوگا۔

اسوقت آپ سے ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ ہر خاص و عام کے لئے اس کا جاننا ضروری ہے اسی پر عمل نہ ہونے کی وجہ سے آج عالم میں فساد برپا ہے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلویؒ نے اپنے رسالہ بیعت میں پہلے بیعت شریعت کی تعریف فرمائی ہے کہ

حقیقتش آنکہ مرد عاصی کہ عمر را در غفلت و معصیت گذاردہ ہرگاہ برائے خیال متنبہ می شود و ندامت می کشد و رجوع بر آں تقوی و طاعت میخواہد حصول ایں معنی بدون تحکیم عالم متقی بر ظاہر و باطن خود در عادت منتظم نمی تواند شد۔

پھر اس کے آگے وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ

چہ دیدن کتابہائے شریعت مانند مراجعت کتب طب است بیمار را بدون حصول ملکۂ طب و معالجہ بایں قدر اصلاح مزاج و دفع مرض دشوار است۔

وہمچنیں بقول ہر عالمے عمل کردن موجب تحیر است کہ ہر یکے صحیح الفکر والحواس نمی باشد۔

سبحان اللہ نہایت ہی عمدہ بات بیان فرمائی اور امت کا چور پکڑ لیا کیونکہ یہ بالکل

صحیح ہے کہ جس طرح علاج ظاہری کے لئے کتب طب کافی نہیں بلکہ کسی طبیب حاذق کی ضرورت ہے۔ اسی طرح معالجۂ اخلاق اور اصلاح نفس کے لئے کتب شریعت اور رسائل تصوف کا دیکھ لینا کافی نہیں بلکہ کسی عالم متقی کو اپنے اوپر حاکم بنانے کی ضرورت ہے جس کا دوسرا عنوان بیعت ہے مگر اس کے متعلق فرمارہے ہیں کہ ہر عالم اس میدان کا مرد نہیں ہے لہذا ہر عالم کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دیدینا چاہئے بلکہ اس کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں جن سے ہر عالم متصف نہیں ہوتا اور ان سے متصف ہونا تو بجائے خود رہا۔ شاہ صاحب فرمارہے ہیں کہ ہر شخص ان میں سے صحیح الفکر اور صحیح الحواس تک نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ جس شخص کے خود اپنے حواس اور اپنی فکر صحیح اور صائب نہ ہوگی اس کے ذریعہ دوسروں کو صحت فکر اور صحت حواس کیا حاصل ہوسکتی ہے

"اوخویشتن گم است کرا رہبری کند"

ایسے شخص سے تعلق موجب تشتت و تحیر ہی ہوگا اسلئے کہ خود اسکا دل جمع نہیں ہے تو وہ دوسروں کی دلجمعی کا باعث کیا بن سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ فکر و حواس صحیح نہ ہونے کی وجہ حب دنیا کا تسلط ہے۔

آگے شاہ صاحبؒ ان شرائط کو بیان فرماتے ہیں جو کسی عالم متقی کو شیخ بنانے کے لئے ضروری ہیں فرماتے ہیں۔

پس بنا برین ضرورت مردے را کہ باوجود علم و تقویٰ دو صفت داشتہ باشد یکے عدم مساہلت و مداہنت درمقام امر بالمعروف ونہی عن المنکر دوم شناختن آنچہ بحال طالب افضل و اسہل است پس ایں کس را اختیار کند و زمام امور خود را بدست او سپارد و متابعت او بر خود لازم گیرد تا بمراد خود رسد و ثمرۂ ایں رسیدن است نجات کلی در عقبیٰ و دخول در جناب العلی و تحصیل رضائی مولیٰ۔"

حضرت شاہ صاحب کے اس بیان سے مجھے تو بڑی بصیرت حاصل ہوئی اور یہ سمجھ میں آگیا کہ آج ہمارے مدارس جو کہ دارالعلم ہیں اور خوانق جو کہ دارالعمل ہیں ان میں

بگاڑ کہاں سے پیدا ہوا سمجھ میں یہی آیا کہ اہل و نااہل میں امتیاز ختم کر دیا گیا ہے اور جن شرائط کو مشائخ طریق نے شیخ کے لئے ضروری قرار دیا تھا انکی اہمیت کو باقی نہیں رکھا گیا۔

چنانچہ آج اسی کا فساد عالم کے تمام شعبوں میں نمایاں ہے۔ مدارس اسی سے ختم ہوئے طریق اسی کی نذر ہو گیا جب دین کے شعبوں کا یہ حال ہوا تو دنیا کے شعبوں کا تو پوچھنا ہی کیا۔ چنانچہ اس زمانہ میں تو ہر ملک، ہر شہر بلکہ ہر قریہ اس بداخلاقی کا نہ صرف یہ کہ شکار ہے بلکہ اس کے انجام بد کو بھگت بھی رہا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اسی کا ایک شعبہ یہ بھی ہے کہ لوگ آج نہ اپنی حیثیت پہچانتے ہیں اور نہ کسی اہل کے لئے کوئی منصب ثابت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مشورہ جو ایک نہایت اہم اور شرعی چیز تھی اس کے متعلق بھی دیکھ رہا ہوں کہ اس کے لئے کسی شرط وغیرہ کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ ہر شخص اپنے آپ کو اسکا اہل سمجھتا ہے اور باوجودیکہ خود اپنے نفس اور اپنے متعلقین کی اصلاح سے قاصر ہے اس پر قادر نہیں ہے مگر بڑے بڑے اداروں اور مراکز کی اصلاح کے لئے مستعد اور بڑے بڑوں کو رائے دینے کے لئے تیار نظر آتا ہے۔ اب نہ تو کوئی شخص اس سے یہ کہہ سکتا ہے کہ بھائی تمہاری یہ بات اپنے منصب سے بالاتر ہے اور نہ صاحب معاملہ ہی اخلاقاً اس پر کچھ نکیر کر سکتا ہے بلکہ بسا اوقات تو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس کو بزعم خود مخلص اور خیر خواہ سمجھ کر کہیں اس کی رائے پر عمل نہ کرے جو بجائے مفید ہونے کے نقصان کا سبب بن جائے۔

اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ ان رائے دینے والوں سے ذرا ہوشیار ہی رہئے گا۔ اس زمانہ میں سب سے آسان چیز جو ہے وہ رائے ہی ہے اور وہ بھی غلط رائے دینا تو بہت زیادہ آسان، مشکل جو ہے وہ صحیح رائے دینا ہے۔

آخر میں ایک بات اور عرض کرتا ہوں کہ طلباء کے متعلق ہم لوگ جو اصلاح اصلاح کہتے ہیں تو اس سے یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ وہ لوگ صلاح و تقویٰ اور علم و فضل میں سب

کے سب امام غزالی کی طرح ہو جائیں اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا اس لئے یہ خیال اچھا چاہیے ہو مگر اس میں حمق کی بھی آمیزش ہے۔ کوشش بس اس کی ہونی چاہیئے کہ طلبہ ذی استعداد نکلیں تاکہ کم از کم پڑھنے پڑھانے کے کام کے تو رہیں اور بقدر ضرورت دین سب میں پیدا ہو جائے تاکہ نماز و روزہ کا اہتمام رکھ سکیں۔ باقی ایسا ہونا جن کو نائب رسول کہا جائے ایسا تو کوئی کوئی ہوتا ہے نہ اس زمانہ میں سب ایسے ہو سکتے ہیں اور نہ اسکی توقع کرنی چاہیئے۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہ

اوائل ذی الحجہ ۸۶ھ

خط جناب مہتمم صاحب زاد مجدہ

بنام حضرت مصلح الامۃ

حضرت المعظم دامت برکاتہم

سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ مورخہ ۱۰ ذی قعدہ شرف صدور لایا۔

احقر ان تاریخوں میں دیوبند موجود نہ تھا پرسوں ہی سفر سے واپسی ہوئی ہے۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ آں محترم کی خدمت میں بجواب والا نامہ کوئی تار بھیجا گیا مگر یہ چیز خوش نہیں معلوم ہوئی۔ میں یہاں حاضر ہوتا تو عریضہ کو بہر صورت تار پر ترجیح دیتا۔ اُمید ہے کہ اب مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

کرمت نامہ سے دار العلوم کی طرف توجہ خاص سے بیحد مسرت اور تقویت ہوئی۔ اگر کوئی دوسرا مضمون تحریر فرمایا گیا ہو تو اُسے ضرور ارسال فرما دیا جاوے۔ بلکہ طباعت کے لئے اخبارات میں وہ زیادہ موزوں ثابت ہوگا۔ پہلے مضمون کو رسالہ دار العلوم میں شائع کیا جا دیگا اور دوسرے کو اخبارات میں۔

خارج شدہ طلبہ نے ابھی تک حجرے خالی نہیں کئے ہیں لطائف الحیل سے اُنسے معاملہ کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کی اصلاح فرما دیں۔ احقر اپنی ذات کے لئے

خصوصیت سے دعا کا خواستگار ہے۔ ان فتن اور تشویشات نے قلب کا تو ناس مار دیا ہے۔ ذمہ داری کی وجہ سے بادل ناخواستہ فتنوں کے سامنے آنا پڑتا ہے اور وہ آمد خود صورت فتنہ بن جاتی ہے۔

بہر حال دار العلوم سے زیادہ اپنی قلبی حالت کی فکر ہے بجز اہل اللہ کی توجہ کے، اُس کی اصلاح کا دوسرا راستہ نہیں۔ اس لئے بار بار جراءت کر کے عرض کرتا رہتا ہوں۔ خدا کرے کہ مزاج گرامی بعافیت وصحت وقوت ہو۔ والسلام

محمد طیب غفرلہ۔ از دیوبند

۲۹ ۱۱/۸۶ ھ

مدرسہ کے انھیں حالات سے پریشان ہوکر اسی موقعہ پر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے ایک خط جناب سید حسین صاحب مدظلہ کو لکھا جو اُن دنوں میرٹھ میں ایڈیشنل کمشنر تھے۔ خط سے مقصود تو دراصل حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے خط اور حضرت کے ایک مضمون کی وصولیابی سے مطلع کرنا اور اُس کے تاثرات کا اظہار تھا لیکن ضمناً مدرسہ کے موجودہ حالات سے اپنی قلبی تکلیف اور پریشانی کا بھی اظہار فرمایا تھا۔ چونکہ جناب سید حسین صاحب ہی کے ذریعہ حضرت والا نے اپنا خط اور مضمون جناب قاری صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا اس لئے انھوں نے تعمیل حکم کی اطلاعیابی کے لئے جناب مہتمم صاحب کا خط بھی اپنے خط کے ہمراہ حضرت مصلح الامت کی خدمت میں بھیجدیا جس سے ان کا مقصد یہی رہا ہوگا کہ حضرت کو اسکا بھی علم ہو جائے کہ حضرت کی امانت اُن تک پہنچ گئی نیز جناب مہتمم صاحب مدظلہ جس ضیق اور پریشانی میں مبتلا ہیں۔ حضرت والا اس کی جانب بھی کچھ دُعا اور توجہ فرما دیں۔ بہر حال سید صاحب نے یہ کام خوب کیا کیونکہ حضرت والا نے اس کے جواب میں علاوہ دعا کے بعض ہدایات بھی تحریر فرمائیں جو ہم سب کے لئے شمع راہ بنائے جانے کے لائق ہیں۔ چنانچہ جناب قاری صاحب مدظلہ کا خط بنام سید حسین صاحب مدظلہ اور حضرت

مصلح الامتہ کا جواب بنام سید صاحب ملاحظہ ہو۔

جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کا گرامی نامہ

بنام جناب سید حسین صاحب مدظلہ العالی

گرامی نامہ دستی معہ مکرمت نامہ حضرت مولانا مدظلہ ومضمون منسلکہ شرف صدور لایا تحریر گرامی سے دل شاد ہوا اور تحریر حضرت سے دل میں نورانیت بڑھ گئی۔ انشاء اللہ تعمیل ارشاد حضرت ممدوح کی کسی مناسب موقعہ سے یہ مضمون سنایا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ توفیق قبول وعمل عطا فرمائے فتن نے قلوب کا ستیاناس بنادیا ہے۔ کڑوی چیزیں شیریں اور شیریں تلخ محسوس ہو رہی ہیں بہر حال دعا فرمادیں کہ بزرگوں کی یہ امانت اُس کیفیت کے ساتھ باقی رہے جو اس میں ودیعت ہیں۔ عرصہ سے ملاقات کو دل چاہتا ہے۔ خدا کرے کہ جلد ہی کوئی موقعہ مل جائے۔ ۱۰ اپریل ۷۶ء یوم پنجشنبہ کو میرٹھ صدر میں صبح ۱۰ بجے حاضری ہوگی۔

محمد طیب از دیوبند

۸ ۱۲/۸۶ ھ

ترجمہ برائے ناظرین معرفت حق

صفحہ پر حضرت مصلح الامتہ کے پہلے مکتوب گرامی میں ایک مصری عالم کا حال جو عربی میں نقل کیا گیا ہے اسکا ترجمہ یہ ہے۔ انکا ایک حال یہ بیان کیا ہے کہ

"ہم سے جدا ہوجانیوالے (علامہ شیخ علی محفوظ) نے اپنی فکر ثاقب اور نظر غائر سے اپنے زمانہ کے علم اور علماء کو دیکھا تو یہ پایا کہ علم کے ساتھ علماء کا تعلق بس ایسا ہے جیسے کوئی خاص صانع اور پیشہ ور کسی خاص جگہ پر کوئی خاص کام کر رہا ہو اس طرح سے کہ اسکے کام کے اثرات اس کی ذات اور اسکے کارخانہ کے احاطہ سے باہر نہ پہونچتے ہوں۔ بس یہی حال اس زمانہ میں علم کا بھی تھا کہ علم اُستاد

اور شاگرد سے متجاوز نہیں ہوتا تھا حتیٰ کہ جامعہ ازہر میں بھی یہی طور برسہا برس سے جاری تھا اور اُمت کے عامۃ الناس اس نور کے فیض سے اکثر محروم تھے اسلئے کہ خود علماء عوام الناس سے محجوب تھے مگر یہ کہ کسی کسی جگہ اس نور کی معمولی سی کرن چمکتی تھی وہ بھی ان شہروں میں جہاں کسی عالم یا کسی طالبعلم کے موجود ہونیکی وجہ سے علم کا کچھ چرچا ہوجاتا تھا اور وہ بھی ہر زمانہ میں نہیں بلکہ صرف رمضان شریف کی راتوں میں وعظ و تقریر کے ضمن میں کچھ علمی چرچا ہو جاتا تھا۔ شیخ علی محفوظ نے علم کی کساد بازاری کا جب یہ حال دیکھا تو سب سے پہلے خود عہد کیا کہ جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا کوشش کر کے سلف صالح کا زمانہ واپس لاؤں گا اور اپنے طور پر یہ طے کیا کہ اہلِ مصر کی مختلف جماعتوں میں صحیح دعوت کے ذریعہ علوم دینیہ کی اشاعت کرونگا۔

اور ایک سیرت یہ لکھی تھی کہ بلاشبہہ شیخ موصوف اپنی عادت و ہیئت۔ وقار و عظمت، حرکت و سکون اور چال ڈھال کے ذریعہ ہی سراپا وعظ تھے۔ اپنے قول اور لسان سے وعظ کہنے سے پہلے چنانچہ اس باب میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے پورے مصداق تھے کہ تم میں کا بہتر وہ شخص ہے جس کی رویت و زیارت تمہیں اللہ کی یاد دلائے اور جس کی گویائی تمہارے علم کو بڑھائے اور جس کا عمل تمہیں آخرت کا مشتاق بنائے۔ یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اور ترمذی شریف میں موجود ہے۔

حضرت مصلح الامتؒ کے دوسرے مکتوب گرامی میں مثنوی کے جو اشعار آئے ہیں اُنکا ترجمہ یہ ہے؛

تمام اہلِ زمانہ اس لئے راستہ سے بھٹک گئے ہیں کہ لوگ عدم یعنی "فنا" سے ڈرتے ہیں حالانکہ اسی میں نجات ہے۔ ہم علم کہاں سے طلب کریں، ترک علم کرکے اور سلم یعنی صلح کہاں سے ڈھونڈھیں ترک سلم کرکے۔ اور حال و قال کہاں سے حاصل کریں۔ حال و قال کو ترک کرکے۔

اسی مکتوب کے ختم پر ایک عربی شعر آیا ہے اسکا ترجمہ یہ ہے۔

اللہ والوں کا کہنا ہے کہ بلاشبہہ ہمارے آثار یعنی ہمارے نشانات اور ہمارے بعد باقی رہنے والی ہماری چیزیں ہمارے حالات اور ہماری صفات پر دلالت کریں گی۔ لہذا ہمیں جاننے کے لئے ہمارے بعد ہمارے آثار کو دیکھنا۔

گرامی نامہ حضرت مصلح الامۃؒ بنام سید حسین صاحب مدظلہ

بواسطہ راقم عفی عنہ

مکرمی جناب سید حسین صاحب دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جناب کا خط اور جناب قاری صاحب مدظلہ کا گرامی نامہ..... حضرت والا مدظلہ العالی کے ملاحظہ سے گذرا۔ راقم سے فرمایا کہ تم چاہو تو سید صاحب کو لکھدو اور اُنکا جی چاہے تو قاری صاحب کو لکھدیں کہ آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ "فتن نے قلوب کا ستیاناس بنادیا ہے۔ کڑوی چیز شیریں اور شیریں تلخ معلوم ہورہی ہے" تو یہ صحیح ہے۔ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کا یہی حال ہے اور ایسا حال انھیں لوگوں کا ہوتا ہے جو خود فتنہ میں پڑے ہوتے ہیں اور مفتون ہوتے ہیں باقی اس دنیا میں اور اسی فاسد ماحول میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔

چنانچہ ایک مولوی صاحب کا خط جو ایک عربی مدرسہ کے مدرس اول ہیں ارسال خدمت ہے اس کو ملاحظہ فرمائیے۔ (نقل خط[1] ہمرشتہ مکتوب ہذا ہے)۔ ایسے لوگوں کو فتن سے چاہے کچھ ایذا پہونچ جائے۔ اور کچھ ظاہری پریشانیاں بھی اُٹھانی پڑجائیں یہ تو ہوسکتا ہے باقی یہ کہ انکے قلب ہی کا ستیاناس ہوجائے ایسا نہیں ہوسکتا بلکہ یہ حضرات اسی فضا میں اپنا کام کرتے رہتے ہیں اور فتن سے دور رہنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ارشاد فرمائی ہوئی دعا کو سپر بناتے ہیں یعنی یہ کہتے ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ اور یہ کہ نَعُوْذُ بِکَ مِنْ یَّوْمِ السُّوْءِ وَمِنْ لَیْلَۃِ السُّوْءِ وَمِنْ سَاعَۃِ السُّوْءِ وَمِنْ صَاحِبِ السُّوْءِ۔

---

[1] ماہ اکتوبر ۶۷ء خط ۱۱۰۱۱ ص ۳۳ دیکھئے۔ رسالہ معرفت حق

یہ اور ان کے مثل دُعاء اور استعاذوں کے ذریعہ فتن سے پناہ مانگتے ہوئے اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔

اور اگرچہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب سب مخاطبین یا انہیں سے بعض طلب سے خالی ہوتے ہیں تو ان سے خطاب کرنے کو جی نہیں چاہتا جیسا کہ مولانا روم مثنوی میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ؎

گر ہزاران طالبان ویک ملول — از رسالت باز می ماند رسول

لیکن یہاں یہ ہے وہیں دوسرے مقام پر مولانا روم ہی یہ بھی فرماتے ہیں۔

۱ راز اندر گوش منکر راز نیست — راز جز با راز داں انباز نیست

۲ با قبول و نا قبول او راچہ کار — لیک دعوت وارد ہست از کردگار

۳ دمبدم انکار قومش می فزود — نوحؑ نہ صد سال دعوت می نمود

۴ ہیچ اندر غار خاموشی خزید — ہیچ از گفتن عناں وامش کشید

۵ ہیچ واگردو ز راہے کارواں — زانکہ از بانگ وعلالائی سگاں

۶ سست گردد بدر را در سیر تگ — یا شبِ مہتاب از غوغائے سگ

۷ ہر کسے بر خلقتِ خود می تند — مہ فشاند نور و سگ عو عو کند

۸ در خور آنِ گوہرش در ابتلا — ہر کسے در خدمتی دادہ قضا

(مثنوی دفتر ششم ۶۶)

ترجمہ

۱- اسرار بجز صاحب اسرار کے کسی اور کے ساتھ شریک نہیں۔ (چنانچہ) منکر کے گوش میں وہ اسرار اسرار ہی نہیں ہوتے۔

۲- لیکن دعوت پروردگار کی طرف سے وارد ہے۔ اس کو قبول و عدم قبول سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔

۳- حضرت نوحؑ نوسو سال تک برابر دعوت فرماتے رہے۔ اور انکی قوم کا انکار وقتاً فوقتاً

روبہ ترقی ہی رہا۔

۴۔ (مگر) کیا وہ کبھی کہنے سے رُکے۔ کیا وہ کبھی غارِ خاموشی میں جاکر جاگزیں ہوئے۔

۵۔ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) کتوں کے شور و غوغا سے کیا کبھی کوئی بھی قافلہ راہ سے واپس آگیا ہے۔

۶۔ یا شب ماہ میں سگ کے غوغا کرنے سے بدر (چاند) کی سرعت، اسکی حرکت میں سست ہوگئی ہے؟

۷۔ (نہیں بلکہ) چاند اُسی طرح سے نور افشانی کیا کرتا ہے اور کتا عَوعَو کیا کرتا ہے یعنی ہر ایک اپنی فطرت پر مستعدی کے ساتھ قائم ہے۔ (بات یہ ہے کہ)

۸۔ ہر ایک کو قضا نے ایک ایک خدمت عطا فرما رکھی ہے۔ اس کی ذاتی استعداد کے مناسب اور مصلحت اس کا ایک امتحان ہے (پس ہر ایک خدا کی جانب سے ایک ابتلا میں ہے۔ لہٰذا جب کتا اپنے اس بھونکنے کے مرض کو نہیں چھوڑتا تو میں تو چاند ہوں اپنی سیر کیسے چھوڑ دوں۔

حاصل یہ کہ آدمی اپنے ایمان کو درست کرلے۔ اپنے اندر صدق و اخلاص پیدا کرے اور اپنے کام میں لگا رہے۔ یہ اسکا کام ہے اور حالات کو سازگار بنانا یہ اللہ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ اور آپ سے کہتا ہوں کہ جب کسی کا یہ حال ہوتا ہے کہ تلخ اس کو شیریں اور شیریں تلخ معلوم ہونے لگے تو یہ امر دلیل ہے اس کی کہ مزاج اور مذاق فاسد ہوگیا ہے اس لئے اس کو علاج کی ضرورت ہے کیونکہ اصل یہی ہے کہ ذائقہ کو درست کیا جائے۔

پس جس طرح سے ظاہری ذائقہ جب خراب ہو جاتا ہے تو عمدہ عمدہ کھانا بھی بدمزہ اور لذیذ سے لذیذ مٹھائی بھی تلخ معلوم ہوتی ہے تو اس کے لئے طبیب سے نسخہ لکھوا کر دوا استعمال کرکے اس کی اصلاح کی جاتی ہے۔ اسی طرح سے جب باطنی مذاق بگڑ جاتا ہے اور فاسد ہوجاتا ہے تو اس روحانی مرض کا بھی علاج کرانا ضروری ہوتا

ہے اور اسکا مطلب اہل اللہ کی صحبت ہے اور اسکے ذریعہ سے قلب میں ایمان پیوست کرنے کی ضرورت ہے باقی یہ کام زبان اور تقریر کا نہیں ہے۔

ایک بات تو یہ ہوئی اب دوسری بات سنئے وہ یہ ہے کہ اس فساد اخلاق اور فساد مزاج کے زمانہ میں بھی یہی کام اگر طریقہ سے اور سلیقہ سے کیا جائے تو نفع ہوگا۔ اس امر کے ثبوت کے لئے بعض احباب کے خطوط نقل کرتا ہوں۔ مولانا ابوالحسن صاحب ندوی ابھی حال ہی میں بمبئی تشریف لے گئے تھے واپسی پر انھوں نے جو خط لکھا اس میں تحریر فرماتے ہیں کہ

، مارچ کو ایک عربی مدرسہ کے افتتاح کے لئے بمبئی گیا تھا حضرت والا کئی روز پہلے تشریف لے جا چکے تھے لیکن مجلسیں حضرت کے قیام کے فوائد و برکات کے ذکر سے معمور تھیں۔ خاص طور پر جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی بڑی اصلاح ہوئی نیز ان تجار اور اہل ثروت کی جو اس سے پہلے مسلکاً بعید اور متوحش تھے میمنوں اور دوسرے تعلیم یافتہ حضرات کے ایک اجتماع میں مجھے بھی عرض کرنے کا موقعہ ملا۔

الحمدللہ حضرت والا کے قیام کے اثرات اس مرتبہ بہت محسوس کئے اطال اللہ بقاءکم ومتعنا بفیوضکم۔

والسلام مع الاکرام

اسی طرح سے ایک اور صاحب اپنے دوست کو امریکہ سے لکھتے ہیں کہ

"معرفت حق کے دو پرچے ملے۔ ارے بھائی!

کہہ نہیں سکتا کہ کیسی مسرت ہوئی ساری پڑھائی بند کردی اور دو دن مستقل رات میں کئی گھنٹہ تک پڑھتا رہا اور سر دھنتا رہا حضرت کے لئے دل سے دعائیں نکلیں اللہ تعالیٰ انکا سایہ ہم سب پر تادیر قائم رکھے اور ان کے وجود کی برکت سے ہمارے اعمال سدھر جائیں۔

ارے آپ لوگوں سے بھی کہتا ہوں کہ (حضرت کو) پکڑ لیجئے مضبوط، حضرت والا یہاں میری برابر نگرانی فرمارہے ہیں کیسے لکھوں اور کیا لکھوں کہ

یہ چیزیں لکھنے کی نہیں۔ یعنی لکھی نہیں جاسکتیں۔ اسکا تعلق بری حقیر رائے میں حال سے ہے۔

اسی طرح سے ایک اور صاحب کا خط ملاحظہ فرمایئے۔ اپنے ایک دوست کو لکھتے ہیں کہ

"ایک صاحب کے ہاں معرفت حق پر نظر پڑی۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی فوراً لکھ کر خریدار بن گیا اور پچھلے سارے پرچے منگوالئے۔

اس جریدہ کو پڑھ کر مولانا ....صاحب سے ملنے کا اشتیاق ہوا ویسے پیری مریدی پر ابتک اعتقاد نہیں ہے۔ مگر کسی عالم یا متقی ولی اللہ کی صحبت سے استفادہ کا خواہشمند ہوں۔ بزرگوں فقیروں سے ملنے کی کوشش کرتا ہوں پتہ نہیں کب اللہ انشراح صدر کردے اور میں کسی مرشدِ کامل سے رشد و ہدایت پاسکوں۔ والسلام

پٹنہ

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ ان دونوں باتوں میں آپ نے کیا فرق دیکھا۔ ایک جگہ کا تو مذاق ہی فاسد ہوگیا ہے اور لوگوں کو شیریں تلخ اور تلخ شیریں محسوس ہو رہا ہے اور ایک جماعت وہ ہے کہ کہیں سے دین کی خوشبو پالیتی ہے تو اس کی روح بے چین ہو جاتی ہے۔

انھیں حالات کو دیکھتے ہوئے میں تو اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ کام آج بھی ہوسکتا ہے مگر طریقہ سے اور وہ طریقہ یہی ہے کہ اپنے اسلاف اور بزرگوں کی سیرت معلوم کیجائے اور اس کو برابر پیش نظر رکھا جائے۔

علماء مشائخ نے اس سلسلہ میں بڑی محنت اور جانفشانی کی ہے کہ بزرگوں کے اقوال و اعمال اور احوال کو کتابوں میں جمع کردیا ہے تاکہ وہ انکی عدم موجودگی میں انکی نیابت کرے اور لوگ اس سے نفع اٹھائیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فتنہ کوئی بدحالی ایسی نہیں ہے جس کا علاج ان حضرات نے نہ لکھدیا ہو باقی ہم اسکو

دیکھتے کب ہیں۔ ہم کو اپنے مشاغل ہی سے کب فرصت ہے اسکا کیا علاج ہے؟

لہذا جب ان حضرات کی خدمات سے فائدہ نہیں اٹھایا جائے گا اور ان حضرات سے تلخ کو شیریں بنانا نہ سیکھا جائے گا تو مفتون ہی ہونا پڑے گا اور تلخیاں بھی برداشت کرنی پڑیں گی۔

والسلام

راقم خادم حضرت والا.......

۲۰ ذی الحجہ ۸۶ھ - الہ آباد

اُن مولوی صاحب کا خط جس کا ذکر گذشتہ خط میں آیا ہے

حال: نماز کے خالص عبادت بننے کے متعلق حضرت اقدس سے عرض کیا تھا حضرت نے دعا فرمائی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ اس خاص جز کے متعلق مجھے بار بار یاد دلاتے رہنا۔ اس ہدایت کے مطابق عرض ہے کہ نماز کی مقبولیت کے لئے جس خشوع اور توجہ الی اللہ کی حاجت ہے وہ مفقود پاتا ہوں اور اب یہ خلش بڑھتی جارہی ہے۔ شروع کرتے وقت تو کوشش کرکے تکبیر تحریمہ کرلی جاتی ہے اور کچھ دیر توجہ بھی رہتی ہے مگر دوام نہیں رہتا کئی کئی بار تجدید بھی کرلیتا ہوں پھر ذہن ہٹ جاتا ہے۔ ادھر کچھ دنوں سے یہ الجھن ستارہی ہے کہ امامت کی حالت میں اگر میری ہی نماز مکمل نہ ہوئی تو اسکا اثر مقتدیوں کی نماز پر بھی پڑے گا اور ان سب کی نمازوں کی بازپرس بھی امام ہی سے ہوگی اس تصور سے بڑی دہشت ہوتی ہے کہ سیکڑوں مقتدیوں کا بوجھ کیسے برداشت ہوگا چونکہ امامت بلا معاوضہ ہے اس لئے کبھی کبھی خیال ہوتا ہے کہ امامت ہی چھوڑ دوں۔ مگر دقت یہ ہے کہ جس مسجد میں نماز پڑھاتا ہوں وہاں کوئی موزوں شخص جو پابندی بھی کرے اور قبول بھی کرے نہیں ملتا اس لئے اُلجھن ہے۔

اس سے آگے یہی الجھن ترجمہ قرآن پاک میں حائل ہے کہ سب کچھ دوسروں کو

سناتا ہے لیکن قرآن پر خود کتنا عمل ہے اور جب نہیں ہے تو پھر ان سارے سننے والوں کی ذمہ داری بھی تیرے ہی سر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں اور تہجد کی تنہائی میں دعا کرتا ہوں اور حضرت اقدس کی ارشاد فرمودہ حدیث شریف من تعارّ باللیل کو یاد کر کے اسوقت اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہوں کہ وہ دین میں اور دینی اُمور میں مخلص بنا دے اور صرف اپنی رضا کے لئے یہ سارے کام مجھ سے لے لے۔

پھر بھی قلب کو اطمینان نہیں ہوتا کہ نہ معلوم کیا انجام ہوتا ہے، فکر بڑھتی جارہی ہے کہ کس طرح جوابدہی ہوگی اس کے آگے یہی ذہنی تشویش مدرسہ کے سارے کاموں میں پاتا ہوں۔ یہاں بھی خلوص کی مانگ ہے اور اپنے پاس اِسی پونجی کی کمی ہے۔

رحمتوں کی حدیثیں بھی پڑھتا ہوں اور مغفرت کی آیتیں بھی مگر اب نظر آتا ہے کہ عمر بھر میں کوئی عمل قابل قبول ادا نہیں ہوا۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا اس لئے حضرتِ اقدس ہی کی رہبری کا محتاج ہوں، پورے الحاح کے ساتھ درخواست ہے کہ حضرتِ اقدس رہبری فرمائیں اور دُعا بھی ضرور فرمائیں اور بار بار کہ اللہ تعالیٰ نماز درست کر دے۔

خادم کو یقین ہے کہ اگر نماز درست ہو جائے اور جس درجہ کا خشوع و خلوص کم سے کم مطلوب ہے۔ اگر اتنا عطا ہو جائے تو نہ صرف یہ کہ نماز ڈھنگ کی بن کر قابلِ قبول ہو جائے گی بلکہ پوری زندگی میں انشاء اللہ تعالیٰ خلوص نصیب ہو جائے گا۔

خادم کو یقین ہے کہ جس شفقت سے حضرتِ اقدس نے ہمیشہ خادم کو نیک راہ پر لگانے کی کوشش فرمائی ہے۔ اُسی شفقت و رحمت سے اس وقت بھی ضرور نوازیں گے۔

تحقیق۔ آپ کے مجموعی حالات سے بہت خوش ہوا کیونکہ ابتک تو یہ سمجھتا تھا کہ آپ کو ظاہری علوم سے دلچسپی اور مناسبت ہے باطن کی جانب کچھ زیادہ توجہ نہیں ہے لیکن آپ کے ان حالات سے معلوم ہوا کہ اس کی درستگی کی بھی فکر پیدا ہوگئی ہے۔ تو سنئے!

اس راہ میں اعمال واخلاص موجب قرب الٰہی ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق کے لئے کیسے اعمال واخلاق اختیار کرنے چاہیئے، سالکین راہ کے لئے ایک مشکل چیز ہے۔

دیکھئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اعمال پسندیدہ واخلاق برگزیدہ اختیار فرماتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ تضرع وزاری بدرگاہ واہب العطیات بھی کرتے ہیں جیسا کہ آپ کی ادعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

اِهْدِنِیْ لِصَالِحِ الْاَعْمَالِ وَالْاَخْلَاقِ اِنَّهٗ لَایَهْدِیْ لِصَالِحِهَا وَلَا یَصْرِفُ سَیِّئَهَا اِلَّا اَنْتَ۔

دیکھئے باوجودیکہ آپ اولوالعزم پیغمبر ہیں اور تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار ہیں۔ آپ کی عبادت، آپ کے اعمال صالحہ، آپ کے اخلاق اور پھر انہیں آپ کی حسن نیت، آپ کا ارادہ، آپ کا صدق عزم، ان سب چیزوں کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ اس کے باوجود آپ حق تعالیٰ ہی سے ہدایت طلب فرما رہے ہیں۔ اعمال واخلاق حسنہ کی، اور برے اعمال اور برے اخلاق سے صرف یعنی ہٹنے اور بچنے کو ادھر ہی سے طلب فرما رہے ہیں یہی اصل ہے اس راہ کی کہ بندہ تضرع وزاری اور الحاح کو اپنی خو بنالے اور پھر اس کے بعد ادھر سے جب ہدایت، توفیق، حسن نیت، قوت عبادت اور طاقت اجتناب معاصی، یہ سب امور عطا ہوتے ہیں تب ہی اسکا کام بنتا ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے سوال فرمایا تو اب یہ طریقہ مسنون ہوگیا ہے لہذا سالکین راہ کے لئے بھی ضروری ہوگا کہ وہ بھی اگر کسی

عمل صالح کو کرنا چاہتے ہیں یا کسی سیۂ سے بچنا چاہتے ہیں تو وہ بھی یہی طریقہ اختیار کریں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کو اپنا وظیفہ بنائیں اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق طلب کریں۔

اسی طرح سے ایک اور دعا میں آپ فرماتے ہیں کہ:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ التَّوْفِیْقَ لِمَحَابِّکَ مِنَ الْاَعْمَالِ وَصِدْقَ التَّوَکُّلِ عَلَیْکَ وَحُسْنَ الظَّنِّ بِکَ۔

اس میں پسندیدہ اعمال کی توفیق، صدق توکل اور حسن ظن کی دُعا آپ اللہ تعالیٰ ہی سے فرما رہے ہیں۔

ان ادعیہ میں غور فرمایئے اور انکا خصوصی ورد رکھئے۔ ایک اور دعا میں فرماتے ہیں جو دین اور دنیا دونوں کے لئے جامع ہے:۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ فَضْلِکَ وَلَا تَحْرِمْنَا رِزْقَکَ وَبَارِکْ لَنَا فِیْمَا رَزَقْتَنَا وَاجْعَلْ غِنَاءَ نَا فِیْ اَنْفُسِنَا وَاجْعَلْ رَغْبَتَنَا فِیْمَا عِنْدَکَ

آپ تو عالم ہیں اسکے ایک ایک لفظ پر غور فرمایئے اور دیکھئے کہ کس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو دنیوی پریشانی سے بچنے کا طریقہ سکھلایا اور دنیا کے سوال کے وقت بھی آخرت کو بھولنے نہیں دیا۔

اور سنئے! ایک دُعا میں فرماتے ہیں کہ:۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِمَّنْ تَوَکَّلَ عَلَیْکَ فَکَفَیْتَهٗ وَاسْتَھْدَاکَ فَھَدَیْتَهٗ وَاسْتَنْصَرَکَ فَنَصَرْتَهٗ۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کو کافی ہوجاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی ارشاد فرمایا ہے:۔

اَلَیْسَ اللّٰهُ بِکَافٍ عَبْدَهٗ۔

پس جب اللہ تعالیٰ ہی کسی کی کفالت فرمالیں تو اس کو ہدایت دے دیں۔ نصرت دیدیں اور جو چاہیں عطا فرمادیں، انکے لئے کیا مشکل ہے۔

حضرت رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ نعمت عافیت کی بڑی قدر کرو جس کی حقیقت یہ ہے کہ سانس بدون تکلیف کے آتی رہے۔ رزق بدون مشقت کے ملتا رہے اور عمل صالح بدون ریا کے ہوتا رہے۔

سبحان اللہ نہایت عمدہ تعریف فرمائی ہے۔ آج اول کو تو عافیت سمجھا جاتا ہے لیکن رزق بدون مشقت کے ملتا رہے۔ فرما رہے ہیں کہ یہ بھی عافیت ہے اب اگر رزق ہی نہ ملے یا بڑی مشقت کے بعد ملے تو عافیت نہیں ہے اور یہ کہ عمل اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے اسکو تو کوئی عافیت سمجھتا ہی نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت رفاعی رحمۃ اللہ علیہ اس کو بھی عافیت کا جزو فرمارہے ہیں یعنی اگر اعمال صالحہ ہو ہی نہیں پایا یا عمل ہو تو مگر اس میں خلوص نہ ہو تو بھی عافیت باقی نہیں ہے۔

آپ کے خط سے جس فکر و غم کے قلب میں پیدا ہو جانے کا اندازہ ہوا طریق میں وہ مقصود و مطلوب ہے اور جس قدر یہ فکر بڑھتی جائے گی راستہ جلد کھلنے کی امید ہے۔

باقی اطمینان کو جو آپ نے لکھا ہے تو اطمینان کی جگہ تو آخرت ہے دنیا میں اطمینان کہاں؟ یہاں تو بین الخوف والرجاء ہی رہنا ہے۔ اسکو اہل طریق یوں فرماتے ہیں کہ ؎

اندریں رہ می تراش و می خراش | تادمِ آخر دمے فارغ مباش
تادمِ آخر دمے آخر بود | کہ عنایت با تو صاحب سر بود

آپ شب کو کچھ کام کرلیتے ہیں دن کا وقت بھی خاصا طویل ہوتا ہے اسلئے تھوڑا سا وقت اس میں سے بھی ذکر و فکر کے لئے نکالئے انشاء اللہ تعالیٰ نفع ہوگا۔

والسلام

انھیں دنوں ایک مولوی صاحب جن کا تعلق اصلاحی حضرت والا سے تھا۔ الہ آباد آئے۔ اور چونکہ جناب قاری صاحب مدظلہ سے بھی انکی خاصی بے تکلفی تھی اسلئے

قاری صاحب کے حالات اور واقعات اور معاملات سن کر بہت ہی زیادہ محظوظ ہوئے اور غایت نشاط میں آکر اپنی پوری مسرت کا جناب قاری صاحب سے بھی بذریعہ مکاتبت اظہار کر دیا۔

آئندہ سطور میں انھیں مولوی صاحب کا خط اور جناب قاری صاحب مدظلہ کا جواب ملاحظہ ہو۔

ایک مولوی صاحب کا خط

بنام قاری محمد طیب صاحب مدظلہ

مخدوم محترم جناب مہتمم صاحب زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اُمید ہے کہ مزاج گرامی عافیت سے ہوگا بندہ اس وقت الٰہ آباد حضرت اقدس مرشدی مولانا فتحپوری دامت برکاتہم کے یہاں آیا ہوا ہے۔ حاضر ہونے پر جناب کے مکتوبات گرامی جو ان دنوں حضرت مرشدی مدظلہم العالی کی خدمت بابرکت میں ارسال فرمائے ہیں ان کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی اور پڑھ کر قلب مسرور اور آنکھیں اُن سے ٹھنڈی ہوگئیں۔ سبحان اللہ طبیعت باغ باغ ہوگئی کہ بندہ کے قیاس سے کہیں بڑھ کر جناب کے احوالِ رفیعہ معلوم ہوئے ماشاء اللہ اسقدر دل سے اہل اللہ وعرفاء کاملین کی طرف لگاؤ اور توجہ خالص ہے اور ہر کل وجز کی اصلاح کے لئے دعا کے لئے بار بار توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جناب بہت زیادہ پیشقدمی فرما چکے اور آگے بڑھے ہوئے ہیں بلکہ جو کچھ کوتاہی ہے ہم ہی خدام کی ہے کہ اپنی کم فہمی اور کم ہمتی کے باعث آپ کی نصرت کرنے سے قاصر ہو رہے ہیں یا اگر کچھ کرتے بھی ہیں تو وہ بس یونہی کمزور اور بھوسھو سا بس اگر مخلص اور صاحب فہم و تدبیر اعوان و انصار آپ کو مل جاویں تو خدا وند تعالیٰ کی ذات مقدس سے قوی اُمید ہے کہ کارہائے مدرسہ

جملہ شعبہ جات میں بہت ہی بہتر اور عمدہ ہو جاویں اور تمام فساد مبدل بہ صلاح ہو جاوے اور آپ کی توجہات اسی طرح منعطف رہی تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ دن قریب ہے کہ حق تعالیٰ کی مدد دائیں بائیں آگے پیچھے اور اوپر نیچے سے آپ کو اور آپ کے مدرسہ کو پہونچے اور اپنی رحمت بے پایاں میں سب کو ڈھانپ لے۔ ع

"ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد"

بندہ آپ کی دعاؤں کا بہت محتاج ہے اور دل سے اسکا خواستگار اور طالب ہے۔

والسلام مع الخیر والاحترام

۷/۱۲/۸۶ھ

جواب حضرت مہتمم صاحب مدظلہ

بنام مولوی صاحب موصوف

حضرت المحترم زید مجدکم۔ السامی

سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ نے شرف فرمایا۔ سطور مبارکہ پڑھ کر دل بڑھ گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مراتب بلند فرمائے۔

یہاں ایک ابتلاء ہے اس میں اہل اللہ کی دعائیں ہی کارگر ہو سکتی ہیں بظاہر اسباب تو اصلاح کی توقع نہیں ہے۔

مسبب الاسباب کو سب قدرت ہے۔ اُسے سب آسان ہے ہمیں سب مشکل ہے۔ بہر حال دعا فرماتے جایئے۔ اگر اصلاح حال مقدر ہے تو غیب سے اسباب پیدا ہو جائیں گے۔ یہاں سب خیریت ہے۔

والسّلام

محمد طیب از دیوبند

۱۱/۱۲/۸۶ھ

اسی ہنگامہ کے دور کا ایک اور خط حضرت مصلح الامۃ کا

بنام حضرت مہتمم صاحب مدظلہ

عنایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوکر کاشفِ حالات ہوا۔ آپ گھبرائیے نہیں میں بھی اب مدرسہ کی جانب متوجہ ہوگیا ہوں اور عام لوگوں کو بھی متوجہ کرتا ہوں اور اُن کے لئے کسی مُؤثر مضمون کی فکر میں ہوں مگر جب خدا کی طرف سے قلب میں کوئی بات آئے گی تب ہی کہوں گا۔ آپ چاہئے گا تو اخبارات میں بھی اسکو دیدیجئے گا۔ عوام انشاء اللہ متوجہ ہونگے۔ اور اہلِ شوریٰ کی خدمت میں بھی ایک مضمون بھیجنے والا ہوں جو کہ اس قسم کا ہوگا کہ:-

"مدرسہ میں پیش آنے والے حالات سے عوام الناس کو جو صدمہ پہونچا وہ تو پہونچا ہی ہے ہم جیسے لوگوں کے قلوب بھی مجروح ہوگئے ہیں آپ حضرات اربابِ حل وعقد ہیں اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کو ہم جیسے لوگوں کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے اور دار العلوم کی مرکزیت اور آپ کے ہاتھ میں اُمت مسلمہ کی اتنی بڑی امانت جو سپرد ہے اسکے پیشِ نظر آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ ہوگیا وہ بہت ہوگیا اس داغ کو دار العلوم کے دامن سے صاف کیجئے اور اس کی کوشش فرمائیے کہ آئندہ کے لئے فتنہ کا انسداد ہوجائے اور اب کبھی اس قسم کے حالات وہاں دوبارہ رونما نہ ہوں" انتہیٰ

آپ سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اس نوع کا مضمون کچھ مفید ہوگا اور اہلِ شوریٰ اس کا کچھ اثر لیں گے۔

اور اپیل کے سلسلہ میں عرض ہے کہ شوال کے مہینہ میں جو اعلان شائع ہو چکا ہے اپنے موضوع میں وہ نہایت ہی جامع ہے اب اس کے بعد اس سلسلہ میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے یوں عام اصلاحی امور۔ وقتاً فوقتاً عرض کرتا رہونگا اور خدمت میں پیش کرتا رہوں گا۔ والسلام خیر ختام وصی اللہ عفی عنہ

حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کا ایک اور خط

عنایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میری سابقہ تحریر سے شاید آپ کو میرے کسی مضمون کا انتظار ہو تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ میں اُس وقت سے برابر اس فکر میں ہوں کہ کیا مضمون روانہ کروں وہ بھی ایسی جگہ کے لئے جو علم وفضل کا مرکز ہے۔ جہاں اہلِ علم کا مجمع ہے اور یہ سوچ سوچ کر شرما جاتا تھا کہ جس جگہ سے دوسرے لوگوں کو روشنی ملتی ہو وہاں میں کونسا مضمون بھیجوں۔ غرض انھیں حالات کی بنا پر متردد تھا اور انتخاب مضمون کے سلسلہ میں متفکر تھا کہ آج معاً حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کا ایک مضمون قلب میں آیا اور بیساختہ جی چاہا کہ اسی کو آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر دوں۔ چنانچہ اُس کو اپنی جانب سے نہیں بلکہ انھیں کی جانب سے پیش خدمت کر رہا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ آپ سب ہی حضرات و دیگر تمام اہلِ علم جنھیں یہ پہونچے گا سب اس کو پسند فرمائینگے اس لئے کہ یہ میری بات نہیں ہے بلکہ ایک ایسی ذات کی بات ہے جو کہ علوم ظاہری میں میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کے شاگردِ خاص تھے اور صاحب باطن بزرگ بھی تھے اور حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ کے خلیفہ خاص تھے۔ یعنی بیک وقت عالم بھی تھے۔ صوفی بھی تھے فقیہ و مفسر اور متکلم بھی تھے اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب

قدس اللہ سرہ آپ کو بیہقی وقت فرمایا کرتے تھے۔ یہ قاضی صاحب اپنی مشہور تصنیف ارشاد الطالبین میں ارقام فرماتے ہیں کہ

جماعتے بے نہایت کہ اتفاق شان بر کذب عقل محال میداند و آں جماعتے بقسمے است کہ ہر ہر فرد شان بسبب تقوی و علم بقسمے است کہ تہمت کذب بروے روا نباشد بزبان قلم و قلم بزبان خبر می دہند کہ ما را بسبب صحبت مشائخ کہ سلسلۂ صحبت شاں برسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرسد در باطن حالتے پیدا آمدہ سوائے عقائد و فقہ کہ قبل از صحبت شان بداں متحلی بودند و ازیں حالت کہ حاصل شدہ محبت با خدا و با دوستان خدا و اعمال صالح و توفیقات حسنات و رسوخ در اعتقادات حقہ زندہ شدہ و ایں حالت کہ البتہ کمال است و موجب کمالات است۔"

(ارشاد الطالبین ص۴۲)

اس میں غور فرمایئے کہ حضرت قاضی صاحبؒ علاوہ عقائد و فقہ کے ایک دوسری حالت باطنی کی ضرورت بیان فرمارہے ہیں اور بدلیل تواتر جو کہ قطعی ہے اس کو فرمارہے ہیں کہ یہ حالت مشائخ کی صحبت سے حاصل ہوا کرتی ہے اور یہ فرمارہے ہیں کہ یہ خود بھی کمال ہے اور دیگر تمام کمالات کے لئے موجب بھی ہے۔ پس جو شخص اس سے متصف ہے وہ کمال سے متصف ہے اس لئے کامل ہے اور اگر یہی شخص دوسروں میں اس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کامل کے ساتھ مکمل بھی ہے۔

ہمارے اسلاف اسی کمال سے متصف تھے ہم کو بھی اس کی تحصیل کی فکر ضروری ہے۔ میرے اس مضمون کو اساتذہ اور طلبہ کو بھی سنا دیجئے اور میری جانب سے بلکہ میری زبان ہو کر اس کو سنایئے۔ سب کو اہتمام کے ساتھ جمع فرمایئے بلکہ اگر اسباق بند کر کے جمع کرنا پڑے تو اسباق بند کر کے سب کو جمع فرمایئے اور اُن لوگوں سے کہدیجئے کہ میں انکی لسان بن کر سنا رہا ہوں۔

۲۔ یہی قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اپنی دوسری کتاب مالا بدمنہ کے آخر

میں کتاب الاحسان کا عنوان قائم فرماتے ہیں اور یہی وہ بزرگ ہیں جو فقہ کی کتاب میں احسان کا باب قائم فرماتے ہیں اس کے تحت لکھتے ہیں کہ

"بداں اسعدک اللہ تعالیٰ ایں ہمہ کہ گفتہ شد صورت ایمان واسلام وشریعت است و مغز وحقیقت او در خدمت درویشان بایدجست وخیال نباید کرد کہ حقیقت خلافِ شریعت است کہ ایں سخن جہل و کفر است بلکہ ہمیں شریعت است کہ در خدمت درویشاں چوں قلب از تعلق علمی وجبی کہ بہ ماسوی اللہ داشت پاک شود و رذائل نفس برطرف گشتہ نفس مطمئنہ شود و اخلاص بہم رساند شریعت درحق او بامغز شود نماز او عنداللہ تعلق دیگر بہم رساند۔ دو رکعت او بہتر از لک رکعت دیگراں باشد وہم چنیں صوم او وصدقۂ او رسول فرمود صلی اللہ علیہ وسلم اگر شما مثل احد زر در راہِ خدا خرج کنید برابر یک سیر یا نیم سیر جو نباشد کہ صحابہ در راہ خدا دادہ اند ایں از جہت قوتِ ایمان واخلاص شان است۔

نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم را از سینۂ درویشاں باید جست وبداں نور سینۂ خود را روشن باید کرد تا ہر خیر وشر بہ فراست صحیحہ دریافت شود۔"

(ترجمہ برائے ناظرین معرفت) جانو اللہ تعالیٰ تم کو نیک بخت بنائے کہ یہ جو باتیں کی گئیں یہ تو ایمان اور اسلام اور شریعت کا محض ظاہر ظاہر تھا باقی اس کے مغز اور اس کی حقیقت اور روح کو درویشوں کی خدمت میں تلاش کرنا چاہئے اور خبردار خبردار یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ حقیقت (تصوف) شریعت کے مقابل کوئی شئے ہے کہ یہ قول جہالت سے ناشی ہے بلکہ کفر ہے۔ یہ بات نہیں ہے بلکہ یہی شریعت ہی ہے کہ بزرگوں کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے انسان کا قلب ماسوی اللہ سے اب تک جو تعلق علمی یا حبی رکھتا تھا اس سے پاک وصاف ہوکر اور رزائل نفس سے نکل کر اب اس کا نفس مطمئنہ ہوجاتا ہے۔ اور اخلاق سے متصف ہوجاتا ہے تو یہی شریعت اس کے حق میں بامغز ہوجاتی ہے اور اب اس کی نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک کرنے کے باب میں کچھ دوسرے ہی انداز کا کام کرتی ہے اب اس شخص کی دو رکعت دوسروں کی لاکھ رکعت سے بہتر ہوجاتی ہے اور یہی حال اسکے روزہ اور صدقہ کا ہوجاتا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر احد پہاڑ کے برابر بھی سونا خدا کی راہ میں خرچ کرو تو وہ اس ایک سیر یا آدھ سیر جو کے برابر بھی نہ ہوگا جو کہ حضرات صحابہ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف فرمایا ہے اور یہ فرق ان کے ایمان اور اخلاص ہی کی جہت سے ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو درویشوں کے سینہ سے تلاش کرنا چاہئے اور اس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہئے تاکہ ہر خیر و شر کا علم فراست صحیحہ سے دریافت ہوجایا کرے۔

فراست صحیحہ پر محشی حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ

قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ

نقل است کہ شخصے با جبہ و دلق درویشاں در مجلس خواجہ عبدالخالق غجدوانی

درآمده بگوشه بنشست. چوں حضرت ایشان از پند و وعظ فارغ شدند
اں شخص برخاست و پرسید معنی اتقوا فراسۃ المومن چیست وآں فراست
کدام است فرمود فراست این ست کہ زنار خود بگسل او فریاد برآورد کہ
معاذاللہ زنار را بامن چہ سروکار مریدے حسب اشارت چوں دلق ریائی
اورا از بدنش برداشت زنار برآمد تا مسلمان شد خواجہ فرمود یاران
بیائید تا ما زنار باطن خود راشکستہ از سر نو تجدید عہد با خدا سازیم شود
از نہادمریداں برخاست وہمگناں تجدید بیعت کردند۔

(مالابدمنہ ص۱۷۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو اسلئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ۔

ایک شخص درویشوں کا جبہ اور دلق پہنے ہوئے حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ کی مجلس میں آکر ایک گوشہ میں بیٹھ گیا۔ جب حضرت لوگوں کو پند ونصیحت کرکے فارغ ہوچکے تو اس نے اٹھ کر حضرت سے سوال کیا کہ یاحضرت! اتقوا فراسۃ المؤمن کا کیا مطلب ہے اور وہ فراست کیا چیز ہوتی ہے؟

حضرت نے فرمایا کہ وہ فراست یہ ہے کہ تم اپنا زنّار توڑ ڈالو۔ یہ سن کر اس نے شور مچایا اور کہا کہ معاذاللہ مجھے زنار سے کیا سروکار۔ اسی اثنا میں ایک مرید نے شیخ کا اشارہ پاکر اس کے دلق ریائی کو اس کے بدن سے الگ کردیا تو اس کے نیچے زنار نکلا۔ یہ واقعہ دیکھ کر وہ شخص مسلمان ہوگیا۔ اس کے بعد شیخ نے اپنے سب لوگوں کو مخاطب کرکے کہا کہ دوستو! آؤ جس طرح سے اس نے اپنی ظاہری زنار کو توڑا ہے اور مسلمان ہوگیا ہے۔ یارو! آؤ ہم سب بھی اپنے اپنے باطنی زنار کو توڑ ڈالیں اور اس وقت سے حق تعالیٰ کے ساتھ نیا عہد باندھیں۔

شیخ کے اس اتنا کہنے پر لوگوں کے درمیان سے ایک شور اٹھا اور سب نے اسی وقت شیخ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔ انتہیٰ

سبحان اللہ عجیب واقعہ ہے۔ ظاہر ہے کہ پھر اس کے بعد ان سب لوگوں نے کیسا کچھ عہد باندھا ہوگا۔

آخر میں مکتوبات معصومیہ سے بھی ایک مضمون نقل کرتا ہوں جس میں مشائخ طریقت کی صحیح تصویر کھینچی گئی ہے۔ مجھے تو یہ مضمون بہت پسند ہے۔ امید ہے کہ آپ حضرات بھی پسند فرمائیں گے۔ فرماتے ہیں کہ

"ایں بزرگواراں در محبت حق جل و علا از خود واز غیر خود گسستہ اند و در عشق او از آفاق و انفس گذشتہ ماسوی را در راہ او درباختہ و باد ساختہ اند اگر حاصل دارند اورا دارند و اگر واصل اند باو واصل اند باطن شان را بہیچ انقطاع از مادون او تعالیٰ روئے دادہ است کہ اگر سالہا یاد ماسوی نمایند بیاد شان نیاید واز انانیت نفس بنوعے گذشتہ اند کہ عود کلمہ انا را بر خود شرک می دانند۔ رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ خداوندا مرا ازیں قوم بگرداں یا از نظارگیان ایں قوم گرداں کہ قوم دیگر را طاقت ندارم ہر کس کہ ہوس ایں راہ دارد و تخم ایں اندیشہ در دل می کارد باید کہ ہمہ چیز را گذاشتہ صحبت ایں اکابر را اختیار نماید و جاں نثار لوازم طلبگاری کند واز ہر جا بوئے ازیں دولت بمشام جاں برسد از پئے آں شود خوش گفت بیت ؎

بعد ازیں مصلحت کار دراں می بینم کہ روم بر در میخانہ و خوش بنشینم

مامول از دوستاں دعائے سلامتی خاتمہ است والسلام علی سائر من اتبع الهدىٰ۔

والسلام خیر ختام

ان بزرگوں نے حضرت حق جل وعلا کی محبت میں نہ اپنے کو دیکھا نہ غیر کو بلکہ سب سے یک لخت خالی ہوگئے اور عشق مولیٰ میں اپنے نفس کو بلکہ سارے ہی جہان کو چھوڑ دیا اور

ماسوی اللہ کو اللہ کے راستہ میں خیرباد کہہ کر خود کو خدا کے ساتھ واصل کرلیا۔ اس طرح سے کہ اب اگر کسی سے تعلق رکھتے ہیں تو اسی سے تعلق رکھتے ہیں اور کسی سے اگر واصل ہیں تو بس اسی سے واصل ہیں۔

چنانچہ ان حضرات کے باطن کو ماسوی اللہ سے ایسا انقطاع کلی ہوجاتا ہے کہ اب اگر ماسوی کو سالہا سال یاد کریں تب بھی وہ یاد نہ آوے۔ اسی طرح سے نفس کی انانیت اور رعونت سے ایسا نکل جاتے ہیں کہ اب اس کے بعد لفظ آنا کا استعمال بھی انکو شرک معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد باندھا تھا اس کو سچ کر دکھایا اور یہ وہ لوگ ہیں جنھیں تجارت اور بیع اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی خداوندا! تو مجھے بھی اسی قوم میں سے کردے یا کم از کم انکی زیارت کرنے والوں ہی میں سے بنادے کیونکہ ان دو کے علاوہ تیسری قوم میں سے ہونے کی میں طاقت نہیں رکھتا۔

اب جو شخص کہ طریق میں داخل ہونے کی ہوس رکھے اور طلب خدا کے خیال کا بیج اپنے دل میں بونا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ تمام چیزوں کو ترک کرکے مشائخ طریق کی صحبت اختیار کرے اور لوازم طلب کے آگے اپنی جان نثار کردے اور جس جگہ سے بھی اس دولت کی خوشبو اسکے مشام جان میں پہونچے اس کی تحصیل کے درپے ہو جائے۔

کسی نے خوب کہا ہے کہ اب اس کے بعد مصلحتِ کار اسی میں سمجھتا ہوں کہ بس میخانے کے دروازے پر جا پڑوں اور خوشی خوشی وہیں اپنے ایامِ زندگی گزار دوں۔

حضرت والا کے ان خطوط اور مضامین کے پڑھنے سے آپکو بھی اندازہ ہوا ہوگا۔ حضرت مصلح الامۃؒ کو مدرسۂ دیوبند کا کس قدر خیال اور اس کے بقا و ترقی کی کس درجہ فکر تھی۔ چونکہ اس کے حق میں بھی حضرت اقدس ایک دردمند مصلح تھے اور اعمالکم عمالکم جیسی نصوص ہر وقت پیش نظر رہتی تھی اس لئے اس قسم کے حالات میں کسی

دوسرے کو کہنے سننے کے بجائے اپنوں ہی کو کہتے رہتے تھے۔

واقعی عجیب شان تھی حضرت والا کے طرز اصلاح کی کہ کیا کہنا۔ سبحان اللہ! قربان جایئے۔ اور بقول حضرت خواجہ صاحبؒ کے (یعنی انکا یہ شعر اگر ہم یہاں بھی دُہرا دیں تو بے محل نہ ہوگا) ؎

جہاں میں صد ہا حسین دیکھے ہزار ہا نازنین دیکھے
کہیں نہ دیکھا کہیں نہ پایا جمال ایسا کمال ایسا

اسٹرائک کر رہے ہیں دیوبند کے طلبہ اور مواخذہ ہو رہا ہے ہم سے۔ بات کیا تھی؟ معاملہ المجموع بفعل الواحد کی سنت دُہرائی جا رہی تھی کہ مسجد نبوی کی دیوار پر تھوکا تھا کسی ایک شخص نے اور ڈانٹ کھا رہے ہیں تمام صحابہؓ۔ پھر جب ہم لوگوں کو پیٹ پاٹ لیتے تو فرماتے کہ بھائی بات یہ ہے کہ اب وہاں کے طلبہ تو سامنے ہیں نہیں اور شیخ سعدیؒ فرما گئے ہیں کہ ؎

چو از قومے یکے بیدانشی کرد نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

یعنی جب کسی جماعت میں سے ایک فرد سے بھی کسی غلطی کا صدور ہوگا تو طعن کرنے جانے سے کوئی بھی نہ بچے گا۔ یعنی اعتبار سب کا ختم ہو جائے گا۔

اور طالب علم سب ایک ہی برادری کے ہوتے ہیں خواہ وہ کہیں کے ہوں۔ بداخلاقی کسی کسی میں فعلیت کے درجہ میں بھی آجاتی ہے ورنہ تو قوۃ کے درجہ میں تو سبھی کے اندر ہوتی ہی ہے اور جو جماعت کہ اپنے ظاہر سے علم رسول کی طالب اور اتباع رسول کی مدعی ہو اور اپنے عمل سے آپ کی تعلیمات کے بالکل خلاف حال کا مظاہرہ کرے۔ کسقدر حیرت کی بات ہے اور افسوس کا مقام ہے۔ اس لئے میں تم ہی لوگوں کو اس پر بطور زجر و تنبیہ کے کچھ کہہ سن لیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کی وجہ سے حق تعالیٰ کی نصرت متوجہ ہوگی اور فساد کا وہاں سے بھی خاتمہ ہو جائے گا کیونکہ اس فاسد دور میں بداخلاقی پر نکیر کرنا اور حسن اخلاق کی ترغیب دینا حق تعالیٰ کے نزدیک نہایت ہی پسندیدہ امر ہے۔

جب اسکا چرچا روئے زمین کے کسی خطہ میں ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے سب ہی لوگوں کو بد اخلاقی کے وبال سے محفوظ فرمائیں گے ورنہ کم از کم اتنا تو ضرور ہی ہوگا کہ ہم لوگوں سے راضی ہوکر ہماری دعا قبول فرمائیں گے۔

اسی اصول کے پیشِ نظر حضرت والا چاہتے تھے کہ خود مدرسہ میں جو سعید وصالح افراد ہیں وہ حق تعالیٰ کی جانب متوجہ ہوں یعنی طلبہ ہوں تو وہ خلوص اختیار کریں اور اساتذہ کرام ہوں تو وہ اس میں مزید ترقی فرمائیں۔

چنانچہ آئندہ آنے والا خط درحقیقت حضرت والا کا ایک پیغام ہی ہے۔ بنام طلبۂ مدرسہ و اساتذۂ کرام۔ ملاحظہ ہو۔

ایک اللہ کے بندہ کا پیغام

اساتذہ کرام وطلباء دار العلوم کے نام

عنایت فرمائے بندہ جناب مہتمم صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ کے ایک بندہ کا محض خیرخواہی اور نیک نیتی کے ساتھ ایک پیغام ہے اگر پسند ہو تو اساتذہ کرام و طلبۂ دار العلوم کو اسے سنا دیں شاید یہ حضرات اس پر کچھ غور فرمائیں ورنہ کالائے بد بریش خاوند اس کو چاک کرکے پھینک دیں اور فرمادیں کہ اسکا جو جی چاہے کریں وہ مضمون یہ ہے:۔

مدرسہ دار العلوم کسی کی ملکیت نہیں ہے کہ اس میں وہ جو تصرف چاہے کرے بلکہ تمام مسلمانانِ ہند بلکہ مسلمانانِ عالم کا ایک مشترکہ سرمایہ ہے چنانچہ جس طرح سے آپ کو اس سے تعلق ہے ہم کو بھی ہے اور تمام مسلمانوں کو ہے اور جس طرح سے ہر شخص اسکے نفع میں شریک ہے اور اسکا نفع ہر مسلمان کو پہونچتا ہے اسی طرح سے اگر اسپر خدانخواستہ

کوئی آنچ آئے تو اسکا ضرر بھی تمام ہی مسلمانوں کو پہونچے گا اور ہر شخص کو اس کے نقصان میں شریک ہونا پڑے گا۔

اس لئے عرض ہے کہ دار العلوم میں گذشتہ دنوں رونما ہونے والے واقعات سے ہر مسلمان متاثر۔ رنجیدہ۔ اور ناخوش ہے اور یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ اور دوسرے مقامات میں اور چھوٹے چھوٹے مدارس میں اسی قسم کے ہنگامے اور شورشیں اگر ہوں تو ہوں۔ دیوبند جیسے مرکز میں جس کی حیثیت مدارس دینیہ میں ایک مثالی اور نمونہ کی سی ہے وہاں ایسے واقعات کیوں رونما ہوئے۔

میں گو مدرسہ کا سرپرست اور اس کی مجلسِ شوریٰ کا ممبر نہیں ہوں تاہم ایک مسلمان اور ہمدرد ہونے کی حیثیت سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس قسم کے حالات مدرسہ سے امت کی توجہات ہٹا دینے والے ہیں نیز مدارس دینیہ اور علمائے امت اور طلبائے دین کے دامن پر بدنما داغ ہیں۔ لہذا اُمید کرتا ہوں کہ مجھے نیز تمام مسلمانوں کو اسکی جانب سے مطمئن کیا جائے مگر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں میرا کوئی مطالبہ آپ حضرات سے نہیں ہے۔ آپ کا جی چاہے اور آپ بھی ضرورت محسوس فرماتے ہوں تو اس سلسلہ میں کوئی نیک قدم اُٹھا کر مسلمانوں کو مطمئن کریں اور ضرورت نہ سمجھتے ہوں تو نہ کریں اور جیسا اب تک کرتے آئے ہیں وہی کریں۔

والسلام خیر ختام
وصی اللہ عفی عنہ

فتنہ و فساد جہاں بھی ہو بُری چیز ہے۔ اور طلبہ اور پھر عربی طلبہ اور دینی مدارس میں ان اُمور کا واقع ہونا نہ صرف معیوب ہی بلکہ باعثِ ننگ بھی ہے۔

بہر حال بقول حضرت مصلح الامۃ بڑی جگہ اور کسی دینی جگہ بڑا شیطان بھی رہتا ہے۔ مدرسہ بھی فساد کی لپیٹ میں آہی گیا اور ایسا فساد ہوا کہ خود حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے اس کو "ہنگامۂ رجب" کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے۔ غرض جو یہاں

نہ ہونا تھا ہوا مگر الحمد للہ کہ بزرگوں کی توجہ کی برکت سے بالآخر وہ فتنہ فرو ہوا اور مدرسہ صحتیاب ہو گیا لیکن اسکا غم اور اثر اسقدر شدید پڑا کہ حضرت مہتمم صاحب بیمار ہو گئے۔ ہمارے حضرت والاؒ بھی اپنی علالت میں اکثر یہ فرماتے تھے کہ مجھے کچھ بیماری نہیں ہے صرف آپ لوگوں کی بدحالی کا غم ہے اور بے فکری کا درد و الم ہے۔

چنانچہ دیوبند سے ایک محترم نے حضرت والا کو حالات کی درستگی کی اس خط سے اطلاع دی۔

ایک خادم کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

سیدی و مرشدی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۶ صفر سے ۱۹ صفر ۸۷ھ تک دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے ہنگامہ خیز اجلاس ہوتے رہے۔ حالات نہایت مایوس کن اور ناگفتہ بہ تھے۔ مخلصین بیچین تھے۔ لیکن لا تقنطوا من رحمۃ اللہ سے ڈھارس ہوتی تھی۔

بالآخر ۲۰ صفر کی صبح کو جملہ ممبران۔ اساتذہ۔ ملازمین اور طلبہ کا اجتماع ہوا۔ حضرت مہتمم صاحب و مولانا فخر الدین صاحب کی انتہائی موثر اور رقت آمیز تقریریں ہوئیں۔ طلباء نے عاجزی کے ساتھ اپنے جرائم کا اعتراف کیا۔ اکابر سے معافی طلب کی اور آئندہ کے لئے مسلک علماء کے مطابق ہنگاموں اور فتنہ پردازیوں سے الگ رہتے ہوئے دینی اور تعلیمی امور میں مشغول رہنے کا اقرار کیا۔ ان کو معافی دے کر داخلہ کر لیا گیا اور خدا کا شکر ہے کہ ایک زبردست خطرہ ٹل گیا۔ اس جلسہ کا ماحول نہایت خوشگوار تھا اور یہ بین طریق پر محسوس ہوتا تھا کہ ہر فرد اپنی ذاتی رنجش کو نظر انداز کر کے پرخلوص طور پر دار العلوم کے فلاح و بہبودی کا دل سے متمنی ہے۔ چنانچہ جلسہ کے بعد ہر شخص مطمئن و شاداں و فرحاں تھا۔ طلباء کے رویہ میں بہت تبدیلی آچکی ہے۔ شکوے شکائتیں بند ہیں۔ اکابر کے احترام کا خیال ہونے لگا اور اکابر بھی محبت و شفقت سے پیش آرہے ہیں۔

یہ سب اُمور یکلخت اور خلاف توقع وقوع پذیر ہوئے اس لئے عام چرچا ہے کہ یہ سب کچھ اہل اللہ اور بزرگوں کی توجہات کے باعث ہوا خصوصی طور پر ہم خدام اسکو حضرت محترم کی توجہ اور دعاؤں کا ثمرہ سمجھ رہے ہیں اور سب خدام دعاگو ہیں کہ خداوند کریم آپ کی ذات بابرکات کو تادیر قائم رکھے۔

بمصداق عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم۔ ان ہنگاموں سے ایک فائدہ بھی یہ ہوا کہ ہر شخص کو اپنی اصلاح کی فکر دامنگیر ہوگئی۔ طلباء نے بھی یہ احساس کرلیا کہ نور علم سے بہرہ وری اساتذہ کے احترام اور فتنوں سے علیحدگی ہی میں ہوسکتی ہے۔ کارکنان اور ممبران کی خامیوں کی نشاندہی بھی ہوگئی اور وہ بھی اصلاح حال کی طرف متوجہ ہوگئے۔

خدا کرے کہ یہ اثرات دائمی ہوں اور ہم سبھوں کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق نصیب ہوتی رہے۔

والسلام

طالب دعا..... دارالعلوم دیوبند

۲۱ صفر ۸۷ھ

اور جناب مہتمم صاحب مدظلہ بغرض علاج بمبئی تشریف لے گئے۔ حضرت مصلح الامۃ کا بھی ان دنوں قیام بمبئی ہی میں تھا حضرت نے جناب قاری صاحب کے معالجہ میں خاصا حصہ لیا اور ایسا لیا کہ اہل بمبئی نیز اہل مدرسہ کو بھی اندازہ ہوگیا کہ حضرت اقدس اس سلسلہ میں بہت دلچسپی لے رہے ہیں اور حضرت کو علاج کا بہت زیادہ خیال اور مہتمم صاحب کے صحت کی بہت زیادہ فکر ہے۔ چنانچہ دیوبند سے اس سلسلہ میں ــــ دو خطوط آئے۔ وہ دونوں خطوط اور حضرت والاؒ کا جواب ملاحظہ ہو۔ پہلا خط جناب سید مبارک علی صاحب نائب مہتمم مدرسہ کا ہے۔

جناب نائب مہتمم صاحب دار العلوم دیوبند کا
عریضۂ تشکّر

حضرت المحترم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد طیب صاحب زید مجدہٗ مہتمم دار العلوم دیوبند کا گرامی نامہ مورخہ ۹ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ موصول ہوا اس سے معلوم ہوا کہ الحمد للہ حضرت مہتمم صاحب کی طبیعت نسبتاً اچھی ہے دوا اور پرہیز کا سلسلہ جاری ہے۔ نیز یہ معلوم ہوکر کہ حضرت مہتمم صاحب کے علاج کے سلسلہ میں آنجناب کو بہت زیادہ اہتمام ہے اور نہایت محبت سے حضرت مہتمم صاحب کی طرف متوجہ ہیں غایت درجہ مسرت اور طمانیت حاصل ہوئی اور اس عریضۂ تشکر کے ارسال خدمت کرنے کا داعیہ قلبی پیدا ہوا۔ ہم سب خدام دار العلوم اس کیلئے ممنون اور شکر گذار ہیں امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آنجناب کی روحانی توجہات سے جلد مرض کا ازالہ ہو جائیگا اور حضرت مہتمم صاحب عنقریب مراجعت فرمائے دیوبند ہو جائیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ اپنی جماعت میں جناب والا کی ذات گرامی مغتنمات میں سے ہے اللہ تعالیٰ تادیر اس ظل عاطفت کو دائم وقائم رکھے۔

گو جناب والا بندہ سے واقف نہیں لیکن احقر عرصہ سے جناب کے عقیدت کیشوں میں شامل ہے۔ اور دعا کے لئے مستدعی ہے۔ خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔ والسلام

نیاز کیش بندہ مبارک علی

نائب مہتمم دار العلوم دیوبند ۔ ۲۳/۳/۸۷ھ

اور دوسرا خط حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحؒ کا حضرت والا کے نام آیا (یہیں ذکر کرنے کے خیال سے حضرت علامہؒ کے خطوط میں

پہلے اس کو نہیں لایا گیا ہے) ۲۸ ربیع الاول ۱۳۸۷ھ

"ھدیۂ تشکّر"

ازدارالعلوم۔ دیوبند

حضرت المخدوم دامت برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پرسوں یا ترسوں ایک ملفوف عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں۔ آج یہ عریضہ خاص مقصد کے لئے لکھ رہا ہوں۔ مخدوما! یہ معلوم کر کے از حد مسرت ہوئی کہ آنجناب نے حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم کے حصول صحت اور بقاء ذات میں کمال توجہ اور التفات تامہ سے کام لیا ہے۔ علاج اور وہ بھی پُراز کمال طبیب سے کرایا ہے۔ اگرچہ جناب نے اخوت روحانی اور حفاظت دارالعلوم کا حق ادا کیا ہے۔ مگر آنجناب کا یہ عمل جماعت دارالعلوم پر جس میں جناب بھی داخل ہیں بہت بڑا احسان ہے اس لئے احقر اور پوری جماعت "ہدیہ تشکر" خدمت اقدس میں پیش کر کے مزید توجہ کی متمنی ہے۔ زیادہ کیا عرض کروں ہاتھ میں طاقت نہیں ہے

والسلام

محمد ابراہیم ۲۸ ربیع ا۔ ۸۷ھ

حضرت مصلح الامۃؒ کی جانب سے دونوں خطوں کا مشترکہ جواب

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل کی ڈاک سے جناب سید مبارک علی صاحب نائب مہتمم مدرسہ دارالعلوم کا اور آج کی ڈاک سے جناب والا کا مکتوب گرامی حضرت مہتمم صاحب کے علاج کے سلسلہ میں بطور "تشکر" کے آیا۔

علاج تو حضرت مہتمم صاحب کا جناب حکیم اجمیری صاحب اور ڈاکٹر محمد اسحاق صاحب کر رہے ہیں جن کا تشکریہ تمام جماعت کی جانب سے ادا کرنے کے لئے میں خود کافی تھا چنانچہ

ہیں اُن حضرات کا شکریہ تقریباً روزانہ ہی ادا کر رہا ہوں۔ آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس سے کہیں زیادہ خوشی مجھے اسوقت ہوتی جب آپ کے بجائے ان طلبہ کے خطوط جناب مہتمم صاحب کی دریافت خیریت و دعا گوئی کے آتے جو کم از کم مجھ سے تعلق و محبت رکھتے ہیں اس لئے کہ حضرت مہتمم صاحب کی بیماری کا سبب طلبہ ہی بنے ہیں تو جن لوگوں سے بیماری آئی ہے انھیں لوگوں کی جانب سے حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں تو اظہار نیازمندی اور وسائط صحت کے لئے "تشکر" زیادہ زیب دیتا ہے۔ اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔

والسلام خیر ختام

خوید کم وصی اللہ عفی عنہ۔ ربیع ۲ ۸۷ھ

مذکورہ بالا خط حضرت والا نے دراصل حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کو لکھا تھا لیکن اس سے پہلے اسی سلسلہ کا ایک اور خط چونکہ نائب مہتمم صاحب مدرسہ کا بھی آچکا تھا اس لئے اسی جواب کو اس سے مغنی سمجھ کر اسکا الگ سے کوئی جواب نہیں مرحمت فرمایا بلکہ جواب میں صرف اس کا ذکر فرما دیا۔

لیکن ناظرین کرام کو ملاحظۂ جواب سے اندازہ ہوا ہوگا کہ حضرت والا کو ہر ایک کے منصب کا کسقدر پاس و لحاظ رہتا تھا۔ چنانچہ حضرتؒ نے کس قدر خوبصورتی کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی اصل بیماری کی نشاندہی فرمائی اور اسکا کتنا صحیح علاج تجویز فرمایا۔ اب اسکے بعد طلبہ نے اس پر کس حد تک عمل کیا اسکا حال تو نہیں معلوم ہو سکا۔ تاہم جب حضرت مہتمم صاحب کو اس تجویز کی اطلاع ہوئی ہوگی اپنا خیال تو یہی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ حضرت کی نصف تکلیف تو ضرور ہی ختم ہو گئی ہوگی۔ عافاہ اللہ تعالیٰ وحیاہ مدۃ مدیدۃً

نقل خطوط کے رجسٹر سے معلوم ہوا کہ یہ مذکورہ بالا خط ۱۰ ربیع الثانی ۸۷ھ میں گیا ہے اور غالباً یہی سب سے آخری مکاتبت ہے جو حضرت مصلح الامۃؒ

اور حضرت حکیم الاسلام مدظلہ العالی کے مابین ہوئی۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد کی بھی کوئی مراسلت ہو لیکن اسکا علم ہمیں نہیں ہوسکا۔ کیونکہ اس کے تقریباً چار ماہ بعد اواخر شعبان میں حضرتؒ نے سفر حج بلکہ سفر آخرت ہی فرمالیا تھا البتہ اس سے سال بھر قبل کا ایک اور خط حضرت مہتمم صاحب کا ملا جسمیں کسی طرح انھیں یہ خبر ملی تھی کہ حضرت والا اسی سال حج کو تشریف لے جارہے ہیں اسپر اپنی عدم رفاقت پر تاسف کا اظہار فرمایا تھا۔ حضرت والا نے اس پر اظہار تعجب فرمایا۔ وہ خط اور اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

گرامی نامہ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ العالی

کیا ہی اچھا ہوتا کہ مجھے یہ مبارک معیت نصیب ہوجاتی۔ اگر پہلے سے اسکا علم ہوجاتا تو میں اپنی درخواست کے ساتھ ساتھ ہی آنحضرت کے کاغذات بھی بھجواتا۔ مولانا مفتی نظام الدین الحمد للہ کام ہی اچھا نہیں کر رہے ہیں بلکہ اُن کی اخلاقی فوقیت بھی ظاہر ہو رہی ہے۔ الحمد للہ کہ دار العلوم کے لئے جس قسم کے آدمیوں کی ضرورت ہے وہ ویسے ہی ثابت ہو رہے ہیں۔

والسلام
محمد طیب

حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا جواب

عنایت فرمائے بندہ جناب قاری صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

محبت نامہ شرف صدور لایا۔ اول وہلہ میں تو یہ سمجھا کہ شاید خط ہی بدل گیا ہے لیکن مضمون بہت کچھ مجھ ہی سے متعلق تھا اس لئے تعجب ہوا اور بات سمجھ میں نہ آسکی کہ آخر یہ ہوا کیا؟

امسال تو میرا ارادہ سفر کا تھا ہی نہیں اور نہ ابتک ہوا۔ خدا معلوم کہاں سے

یہ غلط فہمی ہوئی اور کیا اسکا منشاء ہوا۔ چونکہ جناب کو عدم رفاقت سے افسوس ہے اسلئے
بشارت سناتا ہوں کہ جب جاؤں گا آپکو اپنے ساتھ لے چلوں گا۔ انشاء اللہ تعالے
دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں کی عمر میں برکت دے۔ اور سفر حرمین میں رفیق بنادے
مفتی صاحب کے حالات جو آپ نے تحریر فرمائے ان سے اطمینان ہوا۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

خدا معلوم حضرت مہتمم صاحب مدظلہ، سے یہ کس نے کہدیا کہ جس بات کا نہ ذکر نہ تذکرہ وہ اُن تک ایسی مصدقہ خبر کی صورت میں پہونچی کہ وہ حضرت والا کے جانے اور اپنے نہ جانے پر ہاتھ مل کے رہ گئے اور حضرت کو خط لکھدیا جو حضرت کے لئے ایک معمہ ہو گیا۔

لیکن حضرت والا نے بھی اسکے جواب میں یہ جو فرمادیا کہ ——— چونکہ جناب کو عدم رفاقت سے افسوس ہے اس لئے آپ سے کہتا ہوں کہ انشاءاللہ تعالیٰ جب جاؤں گا آپ کو اپنے ہمراہ لے چلوں گا ——— اللہ تعالیٰ نے کسی نہ کسی درجہ میں اس کو پورا بھی فرمادیا۔ وہ اسطور پر کہ اگلے سال حضرت نے جب حج والا واقعی سفر فرمایا تو اس سال جناب مہتمم صاحب مدظلہ العالی نے بھی سفر حج فرمایا تھا (چنانچہ ہم لوگوں سے حرم شریف میں جناب قاری صاحب مدظلہ، سے ملاقات ہوئی اور حضرت کے افادات سے مستفید ہونے کا موقع ملا) مگر فرق بس اتنا رہا کہ ہم لوگوں کا سفر تو الی البیت ہی رہا اور حضرت نے راستہ ہی سے سفر الی رب البیت کا رخ فرمالیا۔ جس کو سوا اس کے اور کیا کہا جائے کہ ؎

دل اپنی طلب میں صادق تھا گھبرا کے سوئے مطلوب گیا
دریا سے جو موتی نکلا تھا دریا ہی میں جاکر ڈوب گیا

حضرت اقدس نور اللہ مرقدہ کے وصال کی تفصیلات تو آئندہ اپنے موقعہ پر آجائے گی اسوقت تو ضمناً یہ ذکر آگیا۔

بہرحال اس خط پر حضرت مصلح الامۃؒ اور حکیم الاسلام مدظلہ العالی کے مابین جن مکاتبات کو ہم نقل کرنا چاہتے تھے وہ ختم ہوئے۔ ان کے پڑھنے سے جو سبق ملتا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرماوے۔ بالخصوص ارباب مدارس یعنی حضرات مدرسین اور عزیز طلبہ کے لئے حضرت والا کی سیرت کے اس پہلو میں بڑا سبق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے منتفع فرمائے۔

دیوبند کی مناسبت سے جی چاہتا ہے کہ اس کے بعد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃؒ کے مابین جو مختصر سی مکاتبت ہوئی اس کو بیان کردوں اور پھر اس کے بعد حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ کے درمیان جو مراسلت ہوئی اس کو پیش کروں گا لیکن وہ دونوں مل کر بھی سابق کے ہر بزرگ کی مکاتبت سے کم ہی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃؒ

حضرت العلامہ مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہ العالی، دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز استاذ تھے ہندوستان کے ممتاز ترین علماء میں آپ کا شمار ہوتا تھا لیکن تقسیم ہند کے بعد آپ دیوبند سے کراچی منتقل ہوگئے اور اب بفضل اللہ تعالیٰ وہاں کے بھی مفتی اعظم ہیں۔ سچ ہے صدر ہر جا کہ نشیند صدر است۔

حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں اور ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہ کے ہم سبق اور قیام تھانہ بھون کے زمانہ میں حضرت مرشدی کے یار غار اور

ہم پیالہ و ہم نوالہ رہ چکے ہیں۔ حضرت خود فرماتے تھے کہ خانقاہ میں، میں سب سے الگ تھلگ، خمول اور گمنامی کی زندگی بسر کرتا تھا چنانچہ یہی وجہ ہوئی کہ باوجودیکہ حضرت حکیم الامتہؒ کے اکثر و بیشتر مسودات اور تحریرات کو جو لوگ صاف کیا کرتے تھے اُن میں سے ایک میں بھی تھا اور اس سلسلہ سے حضرتؒ کے پاس اکثر و بیشتر آمد و رفت رہتی تھی لیکن مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہٗ کو مولوی ظہور الحسن صاحب کسولوی سے یہ دریافت ہی کرنا پڑا کہ "یہ مولوی وصی اللہ صاحب کون بزرگ ہیں؟ خانقاہ تھانہ بھون میں حضرتؒ کے یہاں انھیں دیکھا ضرور ہوگا لیکن اسوقت کچھ صورت ذہن میں نہیں ہے کچھ اتا پتا بتلایئے تو شاید سمجھ سکوں"۔

اس پر حضرت والا نے مولوی ظہور الحسن صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ مولانا کو لکھدیجئے کہ میں تو آپ کو خوب پہچانتا ہوں اور آپ کو اگر میں یاد نہ ہوں تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ میں تو وہاں خود کو مٹانے گیا تھا نہ کہ پجنوانے۔ اور پھر ماشاء اللہ وہاں سورج موجود تھا آپ اس سے استفادہ فرمانے گئے تھے ظاہر ہے کہ کوئی دوسرا اسوقت کیا نظر آتا۔ بہرحال مولانا سے تو میری گفتگو بھی ہوئی ہے۔ بھول گئے ہونگے پھر وہاں کم لوگ آتے تھے اب سب کو یاد بھی کیسے رکھا جاسکتا ہے۔

لیکن اس خمول اور تنہائی اور گوشہ نشینی اور گمنامی کے باوجود جن لوگوں سے ہماری دوستی تھی اُن میں سے ایک مفتی محمد شفیع صاحب بھی تھے اور ایک اور بزرگ مفتی عبدالکریم صاحب گمتھلوی تھے۔ اسی طرح کے بس دو چار ہی حضرات تھے جن سے ہمارا ملنا جلنا زیادہ رہتا تھا۔

حضرت مفتی صاحب سے اسی قدیمی تعلق اور باہمی مناسبت کا اثر تھا کہ جب یہ دونوں بزرگ مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے اور اصلاح و تربیت کے لئے ان حضرات کے یہاں طالبین آنے جانے لگے۔ تو مجھے یاد ہے کہ ایک مولوی صاحب نے جن کا تعلق حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ سے تھا۔ تقسیم ہند کے بعد ان کے پاس لکھا کہ اب تو آپ بہت دور ہو گئے ہیں آنا جانا تو خیر مشکل ہی ہے خط و کتابت میں بھی کافی عرصہ لگ جاتا ہے

یہاں بسا اوقات قلبی حالات فوری طور پر علاج معالجہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ نیز اس کے لئے شیخ کی صحبت کی بھی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا ان حالات میں اگر آپ اجازت دیں تو حضرت تھانویؒ کے کسی خلیفہ سے جو ہند میں ہیں رجوع کروں یوں اپنا قلبی رجحان حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اعظم گڈھی مدظلہ کی جانب زیادہ پاتا ہوں اس سلسلہ میں جناب والا کے مشورہ اور اجازت کا محتاج ہوں۔

روایت بالمعنی ہی ہیں اور اس واقعہ کو بھی ایک عرصہ گذر گیا۔ تاہم یاد پڑتا ہے کہ ان مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے ان کو یہ جواب مرحمت فرمایا کہ۔ ہاں ہاں ضرور ضرور اور انکو (یعنی مولانا وصی اللہ صاحب کو) اور مجھ کو ایک ہی سمجھو۔

اُن مولوی صاحب نے اس اجازت کے بعد ہمارے حضرتؒ سے رجوع کیا اور صفائی معاملہ کے طور پر جناب مفتی صاحب مدظلہ کا یہ خط بھی ارسال کر دیا۔ حضرت والا ان مولوی صاحب کے اس طرز عمل سے بہت ہی خوش ہوئے اور پھر اس کے بعد اکثر فرمایا کرتے تھے کہ شیخ کا تعلق بڑا نازک مرحلہ ہوتا ہے۔ لوگ عقل و فہم سے کام نہیں لیتے اور بالعموم ایسے مواقع پر گڑبڑ ہی کر لیتے ہیں۔ اکثر لوگ اپنی حماقت اور قلتِ خلوص کی بناء پر یہ کرتے ہیں کہ دونوں بزرگوں کو ناراض کر لیتے ہیں لیکن جو آدمی فہم اور سلیقہ سے کام لیتا ہے وہ دونوں کو خوش رکھتا ہے۔ دونوں سے دعائیں لیتا ہے اور دونوں تعلقات کو نبھا دیتا ہے جیسا کہ ان مولوی صاحب نے کیا۔ چنانچہ حضرت والا نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور ان کو لکھا کہ خدمت کے لئے حاضر ہوں۔ ماشاء اللہ آپ مفتی محمد شفیع صاحب کے پاس رہ چکے ہیں اُن سے تو ہماری بہت دوستی تھی اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ میں تو آپ کی خدمت کروں گا لیکن آپ مفتی صاحب سے اپنا تعلق ختم نہ کیجئے بلکہ ان کو دعا وغیرہ کے لئے خط برابر لکھتے رہیے اور ان کو اپنے سے خوش

اور منشرح رکھے۔

سبحان اللہ سبحان اللہ۔ یہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی حسن تربیت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے کہ دو شیخ جو اپنی جگہ پر مستقل ہیں کس طرح سے باہم شیر و شکر ہیں۔ بھلا کسی شیخ کے خلفاء اور مخصوصین ایسے تو ہوں۔ کثر اللہ امثالھم۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ کی مکاتبت حضرت مصلح الامۃؒ سے کچھ زیادہ نہیں رہی۔ تقسیم نے دونوں بزرگوں کو ایک جگہ جمع ہی نہ رہنے دیا۔ تاہم جو تعلق و اخوت اور محبت ایک کو دوسرے سے تھی اس ظاہری بُعد و تفریق کی ضرب اس پر کیا کارگر ہو سکتی تھی۔ چنانچہ حضرت والا کو جناب مفتی صاحب سے جو تعلق و محبت تھا اس کا اندازہ حضرت کے ان جملوں سے ہوتا ہے جو پہلے گذرے اور حضرت مفتی صاحب مدظلہ کے تعلق اور محبت کا پورا اور صحیح اندازہ ہم کو اُس وقت ہوا جب کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ اس عالم سے رحلت فرما چکے تھے۔

اور رسالہ "البلاغ" کراچی میں آہ حضرت مولانا وصی اللہ صاحب کے عنوان سے جناب مفتی صاحب مدظلہٗ کا مضمون ہماری نظر سے گذرا چنانچہ ان صفحات میں حضرت مصلح الامۃ اور جناب مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ کے مابین جو تعلقات ظاہر کرنا ہے یہی مضمون اس کی روح ہے لہٰذا اس کو ہم یہاں بعینہٖ نقل کرتے ہیں۔

ماہنامہ البلاغ کراچی بابتہ شوال ۱۳۸۷ھ کے ص۵۵ پر جناب مفتی صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ

(آہ! حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ)

آج سے چھپن ۵۶ سال پہلے ۱۳۳۱ھ میں جب احقر نے دارالعلوم (دیوبند) میں کافیہ۔ قدوری وغیرہ اسباق میں داخلہ لیا تو ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے ایک

ذہین و فطین مگر سیدھے سادے طالب علم سے ہم سبق ہونے کی حیثیت سے تعلق قائم ہوا اور دارالعلوم کے بہت سے اسباق میں ان کے ساتھ شرکت رہی۔ مگر دوران تعلیم ہی میں ان کو "اصلاح اعمال" کی فکر اور "ذوقِ عبادت" حق تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ طالبعلمانہ شوخیاں اُن کے پاس سے ہو کر نہیں گذریں۔ اجتماعات سے الگ تھلگ رہنے کے عادی تھے۔ خوش نصیبی سے دوران تعلیم ہی میں ان کو سیّدی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری اور تربیت باطنی کا شرف حاصل ہوگیا۔

وہ اپنے نصاب تعلیم کو پورا کر کے خانقاہ تھانہ بھون کے ہو رہے۔ انکی فطری قابلیت کو حق تعالیٰ نے حکیم الامت قدس سرہٗ کی تربیت سے چار چاند لگا دئے اور بہت جلد وہ باطنی تربیت میں بھی ایک حد تک تکمیل کر کے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز ہوگئے۔

یہ ہیں وہ بزرگ جن کو اب ہم حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ہماری فراغت درس نظامی کی تکمیل سے ۱۳۳۶ھ میں ہوئی تھی۔ مولانا موصوف دیوبند سے فارغ ہو کر سیدھے تھانہ بھون پہونچے اور علم و عمل کے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔

یہ ناکارہ درس نظامی سے فارغ ہو کر دارالعلوم دیوبند ہی میں اپنے اساتذہ و اکابر کے حکم سے درس و تدریس کی خدمت پر مامور ہو کر اُس میں مشغول ہوگیا۔ اس عرصہ میں جب کبھی اپنے اس خوش نصیب ہم سبق کی یاد آتی تو بلیساختہ میری زبان سے یہ شعر نکل جایا کرتا تھا ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

یہاں تک کہ دس سال گذر جانے کے بعد ۱۳۴۶ھ میں احقر کو بھی یہ شوق دامنگیر ہوا کہ تھانہ بھون چلو اور اصلاح اعمال کے لئے حضرت سے استفادہ کی راہ نکالو میرے

والد ماجد مولانا محمد یٰسین صاحبؒ حضرت حکیم الامتؒ کے ہم سبق تھے اس لئے بچپن ہی سے حضرت سیدی حکیم الامتؒ مجھ پر شفقت فرماتے تھے۔

۱۳۴۶ھ کی پہلی حاضری ہی میں مجھے یہ محسوس ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں میری تعلیم وتعلم کی بیس سالہ محنت و مشقت اس وقت تک ناکام ہے جب تک کہ اس مجدد وقت کی خدمت میں رہ کر اصلاح اعمال و اخلاق کی فکر نہ کیجاوے۔

دس روز قیام کی نیت سے یہ حاضری ہوئی تھی روزانہ مجلس خاص وعام میں شرکت ہوتی تھی۔ ایک روز مجلس میں حضرت (تھانویؒ) نے مولانا وصی اللہ صاحب کا تذکرہ ایک خاص محبت دعنایت اور تحسین کے الفاظ میں فرماکر مجھ سے دریافت فرمایا کہ آپ انکو جانتے ہیں؟ تھانہ بھون کے اس قیام نے اور بھی زیادہ میرے قلب میں اپنے اس ہم سبق کی سبقت کو قابل رشک اور اپنی تاخیر کو قابل حسرت وافسوس بنادیا تھا۔ اس سوال پر بیساختہ حضرت کے سامنے بھی میری زبان سے وہی شعر ہمسبق والا نکل گیا کہ ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

حضرت اقدس قدس سرہٗ نے ایک خاص لطف کے انداز میں ایک جملہ ارشاد فرمایا کہ

"ہاں! یہاں کا یہی دستور ہے کہ کسی کو صحرا دیا جاتا ہے، کسی کو سہرا دیا جاتا ہے ——— ہر ایک کو جو کچھ عطا ہو اس پر راضی ہونا چاہئے۔"

بات آئی گئی ہوئی۔ لیکن اپنے اس صحرانورد ہم سبق دوست کے کمالات کی عظمت ہمیشہ دل میں رہی۔ اسوقت بھی میں یہ سمجھا کرتا تھا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء میں ایک خاصی تعداد ایسے حضرات کی ہے جو اپنی جگہ آفتاب و مہتاب ہیں مگر ان کی روشنی اس آفتاب عالمتاب کے سامنے ظاہر نہیں ہوتی۔ حضرتؒ کے بعد یہ حضرات ہی مرجع خلائق بنیں گے۔ ان میں سے خصوصیت سے مولانا شاہ وصی اللہ صاحب اور حضرت مولانا

مفتی محمد حسن صاحبؒ امرتسری ثم لاہوری پر نظر جاتی تھی۔ اور حضرت قدس سرہ کی وفات کے بعد آنکھوں نے اسکا مشاہدہ کر لیا کہ ان دونوں بزرگوں کی مجلس ایک کیمیا تاثیر رکھتی تھی ہزاروں مسلمانوں کی زندگیوں میں ان کی صحبت و تعلیم سے عظیم دینی انقلاب آیا۔ ہزاروں بھکے ہوؤں کو راستہ پر لگا دیا۔

(پھر تقسیم ہند کے بعد) احقر یہاں آگیا مگر ہندوستان سے آنے والے دوستوں سے مولانا موصوف کے فیوض و برکات اور رجوع خلائق کا تذکرہ سنتا تھا اور خوش ہوتا تھا۔ خط لکھنے کا اتفاق طرفین سے کم تھا۔ مگر عجیب اتفاق ہے کہ اس آخری مرحلہ میں احقر نے ایک خط لکھا جس کا جواب موصوف نے بمبئی سے دیا۔ یہ کیا معلوم تھا کہ مولانا موصوف کا یہ آخری خط ہے یہ بھی بعد ہی کو معلوم ہوا کہ بمبئی کا یہ سفر حرمین شریفین کے قصد سے تھا اور ایک بڑا قافلہ آپ کے ساتھ اس سفر مبارک میں شریک تھا۔ ۲۲ نومبر ۱۹۶۷ء کو آپ بمبئی سے اپنے رفقاء کے ساتھ مظفری جہاز پر بارادہ حج و زیارت سوار ہوئے۔

(اس کے بعد حضرت مفتی صاحب نے حضرتؒ کے آخری وقت کے حالات اور وقت وفات جو تحریر فرمایا ہے وہ صحیح نہیں ہے اس لئے ہم نے اس اتنے حصہ کو یہاں حذف کر دیا ہے۔ معلوم نہیں حضرت سے کس نے یہ روایت کیا۔ ناظرین کرام اس آخری وقت کا پورا نقشہ اور صحیح کیفیت اپنے موقعہ پر ملاحظہ فرمائیں گے۔ اور اگر ابھی جی چاہے تو رسالہ معرفت حق فروری ۶۸ء کا پہلا مضمون تفصیل واقعہ وفات یا مارچ ۶۸ء کے رسالہ کا دوسرا مضمون یعنی مکتوب گرامی جناب مخدومی قاری محمد مبین صاحب مدظلہ از مدینہ منورہ بنام مولوی قمر الزماں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ملاحظہ فرمالیں (از مرتب) آخر میں جناب مفتی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ

معلوم ہوا کہ یہ بیت اللہ کا مسافر رب البیت کے حضور میں پہونچ چکا ہے۔ سفر اور وہ بھی حج و زیارت کا سفر۔ وطن و اعزاء سے دوری کتنے اسباب شہادت کے حق تعالیٰ نے جمع فرما دئے۔ اس پر کوئی حسرت و افسوس کیا کرے۔ یہی کہنے کو

دل چاہتا ہے کہ ؎

خدا یہ موت دے سب کو ہم اس مرنے پہ مرتے ہیں

البتہ بزرگوں کا یہ مقولہ بالکل صحیح ہے کہ موت العالِم موت العالَم۔ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب بھی انھیں حضرات میں سے تھے جن کی موت تنہا ایک افرد کی موت نہیں ہوتی۔ ایک قوم و جماعت کی موت ہوتی ہے۔ انتہیٰ

(البلاغ کراچی)

حضرت مولانا فتحپوری نوراللہ مرقدہٗ سے متعلق جو بیان مجھے نقل کرنا تھا وہ ختم ہوا۔ مگر اسی رسالہ کے صفحہ ۳۳ پر چھپتے چھپتے کی ایک اطلاع اور نظر سے گذری جو مضمون بالا سے اگر باربط نہیں ہے تو بے ربط بھی نہیں ہے۔ وھو ھذا

"ایک دیا اور بجھا"

ابھی برصغیر کے مسلمانوں کیلئے حضرت مولانا وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا غم تازہ تھا کہ آج جب کہ رسالہ پریس جارہا ہے اچانک روزنامہ جنگ کراچی سے استاذ الکل حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات کی المناک اطلاع نے دل پر ایک نیا چرکا لگا دیا۔

حضرت مولانا بلیاویؒ برصغیر کے تقریباً تمام مشاہیر علماء کے جلیل القدر استاذ تھے اور علم و فضل، ورع، تقویٰ میں اسلامی قرون کی ایک یادگار۔

آپ کے ساتھ پوری ایک قرن کی تاریخ ختم ہوگئی۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ موصوف کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور تمام مسلمانوں کو صبر جمیل۔ ادارہ (البلاغ کراچی)

احقر مرتب عرض کرتا ہے کہ اغلب یہ ہے کہ مدیر رسالہ جناب محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہٗ حضرت علامہ بلیاویؒ اور حضرت مصلح الامۃؒ کے آخری تعلقات سے بے خبر تھے ورنہ جہاں انھوں نے وصال حضرت علامہؒ کے غم کا جوڑ حضرت مصلح الامۃ کے غم وصال سے لگایا تھا

وہاں وہ یہ بھی ضرور لکھتے کہ حضرت علامہؒ کو حضرت مصلح الامۃ کے ساتھ ایسا قلبی تعلق تھا کہ حضرت والا کی جدائی کے بعد حضرت علامہ بھی پھر تنہائی نہ برداشت کر سکے اور اپنے محبوب کی فرقت کا سہار ہی نہ کر سکے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت علامہ اور حضرت مولانا بس گویا یکجان اور دو قالب ہی تھے۔ حضرت والا کا سفر حج میں اس طرح سے اچانک سفر آخرت فرما جانا ظاہر ہے کہ سب ہی کے لئے پریشان کن مرحلہ تھا چنانچہ اس کی چوٹ حضرت علامہ کے بیمار قلب پر زیادہ موثر ہو گئی اور دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس خبر ہی کے بعد سے حضرت علامہ جو گرے ہیں تو پھر اٹھ ہی نہ پائے ؎

جان ہی دے دی جگرؔ نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا

انشاء اللہ تعالیٰ میرے اس بیان میں ذرہ برابر بھی مبالغہ نہ ہوگا اس لئے کہ حضرت علامہ کو ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ سے جس درجہ عقیدت اور محبت تھی اس کو انکے مکتوبات کے آئینہ میں ملاحظہ فرما لیا جائے۔ چنانچہ حضرت حکیم الامۃؒ کی جدائی پر حضرت خواجہ صاحبؒ کا یہی حال ہوا کہ بیقرار سے پھرتے تھے اور کہیں سکون و چین نہیں ملتا تھا اور محبوب کی جدائی کے بعد مجذوبؔ کا سارا عیش ہی کرکرا ہو کر رہ گیا۔ چنانچہ شاید اپنے اسی حال کی ترجمانی کرتے ہوئے خواجہ صاحب نے فرمایا تھا کہ ؎

کوئی مزا مزا نہیں کوئی خوشی خوشی نہیں
تیرے بغیر زندگی موت ہے زندگی نہیں

اور بالآخر یہی کہتے کہتے جلد ہی یہاں سے تشریف لے گئے۔ حضرت تھانویؒ کے بعد زیادہ قیام اس دنیا میں نہ فرما سکے۔ بات یہ ہے اللہ والوں سے محبت للہ فی اللہ ہوا کرتی ہے۔ اور اہل اللہ کو جب اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق ہو جاتا ہے تو پھر اسکے لئے اُس کے ذریعہ سے بھی محبت کا ہونا لازمی ہے اسی لئے ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کے بعد پھر سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوتی ہے کہ آپ ہی محبۃ اللہ کے اکمل ذریعہ اور سبب و واسطہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے آپ کے بعد پھر اُن مشائخ سے

بھی ہوتی ہو محبۃ اللہ اور محبت بالرسول کے لئے واسطہ بنتے ہیں. اس لئے اگر کسی کو اس نسبت اور تعلق کے ماتحت کسی بزرگ سے عشق کی حد تک محبت ہو جائے تو کیا بعید ہے اور پھر وہ اس کے فراق کو اگر نہ برداشت کر سکے تو کیا تعجب۔ اور فراق تو پھر بھی تلخ شے ہے، اہل محبت نے تو وصال دلبر نہیں بلکہ کوئے دلبر کی رسائی تک میں بھی اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے پر فخر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ؎

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر
کہ مبادا بار دیگر نہ رسی بدیں تمنّا

اور عشاق مجازی سے بھی ثابت ہے کہ فراقِ محبوب پر، قریب تھی کہ اُن کی جان بھی نکل جائے ؎

ھوائی مع الرکب الیمانین مصعد جنیبٌ وجثمانی بمکۃ موثق

میرا محبوب یمنی قافلہ کے ہمراہ سفر کر کے دور ہو جانے والا ہے اور میرا جسم اسی مکہ میں قید و بند میں جکڑا ہوا ہو گا۔

عجبتُ لمسراھا و انّٰی تخلصت الیّ وباب السجن دونی مغلق

مجھے اس کے جیل خانہ کے اندر (عالم تصور میں) آجانے پر حیرت ہوئی کہ وہ آخر آیا کیسے جب کہ مجھ سے پہلے قید خانہ کا دروازہ مقفل ہے۔

المت فحیّت ثم قامت فودعت فلما تولت کادتِ النفس تزھق

وہ محبوبہ آئی اور اس نے سلام کیا۔ پھر کھڑی ہوئی اور رخصت ہوتے ہوئے الوداع کہا۔ کیا بتاؤں جوں ہی اس نے جانے کے لئے میری جانب پشت پھیری ہے بس یہ سمجھو کہ قریب تھا کہ میری جان بھی اس کے ہمراہ چلی جاوے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے جب یہ حال عشاق مجازی اور اہل دنیا کا ہے تو اگر ایک اللہ والا کسی اللہ والے سے بھی محبت اور تعلق رکھتا ہو اور ایسا رکھتا ہو کہ اس کی جدائی کے بعد اپنے لئے زندگی کا کچھ لطف و مزا نہ پاتا ہو تو آخر اسکا انکار کیوں کیا جائے اسی لئے میں نے عرض کیا کہ ان دونوں بزرگوں کی موت کا گویا توأم واقع ہونا انکی حیات کے تعلقات کی غمازی کرتا ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ حضرت بلیاویؒ کا اس نوع کا تعلق حضرت مصلح الامۃ سے اہل ہند ہی پر ظاہر نہ تھا تو اگر اہل پاکستان پر مخفی رہا ہو تو کیا عجب. میرا تو یہ خیال ہے کہ خود دیوبند کے حضرات اور ناظرین معرفت کو بھی اس مخصوص تعلق کا علم صفحات معرفت ہی سے ہوا ہوگا۔ اگرچہ علم کے بعد یہ بھی ہوا کہ بعض اہل علم کو بھی اس تعلق سے تعجب بھی ہوا اور بہت سے لوگ انگشت بدنداں رہ گئے کہ ایسا بھلا کیونکر ہوا لیکن واقعہ کسی کی حیرت سے غیر واقعہ تو نہیں ہو جائے گا۔ البتہ تعجب ضرور ہوتا ہے اُن اہل علم پر جو اس معمہ کے حل کرنے میں پریشان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ وہ حضرات اسی قسم کے بہت سے مسائل اپنی درسی تقریروں میں نہایت ہی عمدگی سے حل فرماتے رہتے ہیں۔ مثلاً فعل اور مصدر کی اصالت اور فرعیت کے مسئلہ میں جو الجھن اور اشکال تھا اسکو علماء نے کس خوبصورتی سے حل کیا ہے۔

ایک شارح فرماتے ہیں کہ ؎

نسبت آدم با دچوں نسبت مصدر بفعل
گفتم انیک مجمل از نحومی بہ پرس این نکتہ را

یعنی نحو کے اس مسئلہ میں کہ مصدر اصل ہے یا فعل یہ محاکمہ فرمارہے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ حیثیتیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔

چنانچہ اشتقاق کی رو سے مصدر اصل ہے اور فعل اس کی فرع ہے اور تعلیل کی رو سے فعل اصل ہے اور مصدر اس کی فرع ہے یعنی فعل میں تعلیل ہوگی تو مصدر میں بھی ہوگی اور اسکو مثال سے یوں سمجھئے کہ دیکھو سیدنا آدم علیہ السلام ظاہر ہے کہ ابوالبشر ہیں اور اس کی جہت سے آپ خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی اصل ہی ہوئے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ کُنت نبیاً وآدم بین الماء والطین یعنی میں آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہونے سے قبل ہی نبی ہو چکا تھا۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سبب تخلیق عالم ہونا بھی مسلمات اُمت

ہیں سے ہے۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہیں اور حضرت آدم فرع ہیں تو اس خلش کو آخر کس طرح دور کرتے ہیں یہی نا کہ کہتے ہیں کہ اس ظاہری اور جسمانی ولادت کے اعتبار سے تو آدم علیہ السلام ہی اصل ہیں کہ ابوالبشر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی فرع ہیں باقی روحانی اور نبوت کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل ہیں اور دیگر سب مخلوق حتیٰ کہ حضرات انبیاء علیہ السلام بھی آپ کی فرع ہیں ع

محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لولاک لما

اسی طرح سے اس مسئلہ میں بھی سمجھ لو کہ وجود اور اشتقاق کی رو سے تو مصدر اصل ہے کہ فعل اس سے نکلتا ہے اس لئے اس کی فرع ہے لیکن تعلیل کی رو سے معاملہ برعکس ہے یعنی فعل اصل ہے کہ پہلے تعلیل فعل ہی میں ہوتی ہے اس کے بعد طرداً للباب مصدر میں بھی ہو جاتی ہے۔

راقم عرض کرتا ہے کہ

ٹھیک اسی طرح سے یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ اگر حضرت علامہ بلیاویؒ حضرت مصلح الامۃؒ کے علوم ظاہری میں استاد تھے تو اس کے خلاف کیا پڑتا ہے۔ اگر علامہ بلیاویؒ انھیں ایک شیخ کامل بھی مان لیں اور محبت کے ساتھ ساتھ ان سے اپنی عقیدت کا بھی اظہار فرمادیں اور حضرت مصلح الامۃ ان سے یہ فرمادیں کہ

"ابھی منجانب اللہ یہ بات قلب میں آئی کہ کیوں نہ آپ ہی کے سپرد اس کام کو کر دوں اس لئے کہ کام جب بھی ہوا ہے کسی مخلص ہی سے ہوا ہے اور میں نے آپ کے اندر جسقدر خلوص پایا کسی دوسرے کے اندر نہیں پایا۔ بلکہ خود اپنے اندر بھی ویسا نہیں پایا۔۔۔۔۔۔۔"

چنانچہ منجانب اللہ آپ کو توکلاً علی اللہ بیعت و تلقین کی اجازت دیتا ہوں اور بصیرت سے کہہ رہا ہوں کہ آپ وہاں کام شروع کر دیں یعنی لوگوں کو بیعت کریں اور تلقین فرمائیں اور حضرتؒ کی تصانیف و مواعظ و ملفوظات طلبہ و مدرسین کو سنایا کریں اور آپ کی یہ اجازت گویا حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کی جانب سے ہوگی۔ (ماخوذ از اجازت نامہ)

ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کچھ بھی منافات نہیں ہے۔ ذالک فضل اللہ
بہرحال بات کہاں سے کہاں نکل آئی۔ عرض یہ کرنا تھا کہ ماہنامہ البلاغ کے مدیر اعلیٰ مدظلہٗ کو اس تعلق کا علم ہوتا تو یہی موقعہ تھا اس کے اظہار کا۔ بہرحال حضرت مصلح الامۃ بھی رحلت فرما گئے اور علامہ بلیاوی بھی اس جہان سے تشریف لے گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے ان دونوں بزرگوں کی قبر کو نور سے بھر دے آمین۔ اور ہمارے لئے اپنے ان اکابر کے نقش قدم پر چلنے کو آسان فرمادے اور ہمارے حضرت مفتی صاحب مدظلہ العالی کی یہ خوش نصیبی بھی قابل رشک ہی ہے کہ ان کے والد بزرگوار کو حضرت حکیم الامۃ سے ہم سبق ہونیکا شرف حاصل ہوا اور خود حضرت مفتی صاحب ہمارے حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہ کے ہم سبق تھے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اگر قبلہ مفتی صاحب مدظلہٗ کو حضرت علامہؒ کے اس مذکورہ بالا واقعہ کا علم ہو جاتا تو شاید پھر وہ اپنے اس ہم سبق ہونے کو مزید سبب فخر تصور فرماتے۔

اس لئے کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ بھی حضرت مصلح الامۃؒ کو کچھ کم نہیں مانتے تھے آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے وہ خلفاء جو ہندوستان میں تھے مفتی صاحب کے نزدیک حضرت مولاناؒ کا نام ان کی فہرست میں سر ورق پر تھا چنانچہ اس امر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ایک مولوی صاحب نے جو پہلے حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ سے ہی متعلق تھے لیکن ان کے قیام کراچی کے بعد انکی اجازت سے ہمارے حضرتؒ سے اصلاحی تعلق قائم کر لیا تھا۔ انھوں نے حضرت مرشدیؒ کو لکھا کہ

حال۔ میں نے سیدی حضرت مفتی (محمد شفیع) صاحب دام مجدکم کی خدمت میں ایک خط لکھا اور اس میں حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ العالی کے مضمون "چار شخص ایک کہنے میں" کا تذکرہ کیا تو حضرت مفتی صاحب قبلہ نے تحریر فرمایا کہ

"یہ واقعہ معلوم کرکے مسرت ہوئی۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ حضرت مولانا تھانویؒ نے ایسے ایسے حضرات چھوڑے ہیں کہ آج دنیا میں انکی نظیریں بھی کم ملتی ہیں۔ دعویٰ نہیں۔ نمود نہیں۔ مریدوں کا بہت سا جمگھٹا نہیں۔

سنت کے مطابق ارشاد خلق میں لگے ہوئے ہیں۔ مگر لوگ ایسے حضرات کو پہچانتے نہیں۔ مولانا عبد الباری صاحب نے بڑا کام کیا جزاہم اللہ خیر الجزاء۔

اس پر حضرت والاؒ نے تحریر فرمایا کہ

تحقیق۔ یہ تحریر حضرت مفتی صاحب دام مجدہم کی میرے لئے ایک ڈھارس ہے بہت ہمت بڑھی۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی جو کہ بطور خود بھی حضرت حکیم الامتؒ کے اجل خلفاء میں سے ہیں اور علوم دینی میں بھی آپ کا پایہ اتنا بلند ہے کہ موجودہ دور میں تو شاید ہی کوئی ہند و پاک میں آپ جیسی جامعیت کا حامل ہو۔ ہمارے حضرت کے ہم سبق اور خواجہ تاش بھی تھے۔ اتنی عظیم المرتبت شخصیت کے مالک ہو کر حضرت والا کے متعلق کیسا فرما رہے ہیں کہ

"لوگ ایسے حضرات کو پہچانتے نہیں" ــــــ مولانا عبد الباری صاحب نے بڑا کام کیا۔ (یعنی یہ کہ ایسی ذات سے لوگوں کو واقف کرا دیا)

جزاھم اللہ خیر الجزاء"

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم سمجھتے تھے کہ حضرت مولانا فتحپوری فنا کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں اور اسی وجہ سے گمنام ہیں اور لوگ آپ سے استفادہ سے محروم ہیں لہذا ضرورت ہے کہ لوگوں کو ایسے بابرکت حضرات سے باخبر کرایا جائے تاکہ لوگ ان سے فیض حاصل کر سکیں اور مولانا ندوی مدظلہ کی یہ کوشش بھی چونکہ اسی مقصد کی ایک کڑی تھی اسلئے حضرت مفتی صاحب مدظلہ نے اسکی تحسین فرمائی۔

نیز حضرت مفتی صاحب مدظلہ سے جب ہم لوگوں کی ملاقات مکہ شریف میں ہوئی تھی تو صرف حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر دیر تک فرماتے رہے اسی سلسلہ میں فرمایا کہ

"بھائی! ہمارے مولانا کا تو یہ حال ابتدا ہی سے ایسا تھا کہ سب سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ مجمع سے وحشت۔ تنہائی سے انس مزاج میں سکوت غالب تھا طبیعت انتہائی

خمول پسند تھی۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت اور اس کی طلب کا ایک خاص اثر چہرہ پر نمایاں اور ان کے حال سے ظاہر تھا۔

چنانچہ ہم لوگوں کو اسی وقت سے برابر اندیشہ رہتا تھا کہ دیکھا چاہیے کہ اس ابتدا کی انتہا کہاں پر جاکر ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے جب ریڈیو پر آپکی موت فی البحر (جہاز میں انتقال) اور تدفین فی الماء (سمندر ہی میں کفن و دفن) کی خبر سنی تو مجھے تو کچھ زیادہ حیرت نہیں ہوئی اس لئے کہ ہم تو ان کے اسی قسم کے حالات کی توقع ہی رکھتے تھے جس کی زندگی گوشۂ خمول میں گذری ہو اُس کی موت کے مناسب یہی صورتِ حال تھی۔ اللہ تعالیٰ مولانا کو غریق رحمت فرمائے ؎

ہوئے ہم جو مر کے رُسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
نہ کہیں جنازہ اُٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

ناظرین نے ابھی ملاحظہ فرمایا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ نے خود ہی فرمایا ہے کہ "خط لکھنے کا اتفاق طرفین سے کم تھا"۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب کے بس چند ہی خطوط آئے ہونگے ان میں سے بھی صرف دو خط ہمیں دستیاب ہوسکے ایک تو غالباً سب سے پہلا خط ہے جو مفتی صاحب نے حضرت والا کو ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ میں لکھا۔ وھوھذا:-

خط جناب مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی بنام حضرت مصلح الامۃ رح

مخدومنا المحترم حضرت مولانا وصی اللہ صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

عجب حال میں ہوں کہ آپ کو چند کلمات لکھنے کا موقعہ بھی خدا جانے کتنے عرصہ کے بعد آرہا ہے۔ بہرحال بطنی و باطنی امراض میں مبتلا ہوں۔ فتنوں کا زمانہ ہے۔ ہر وقت خطرات ہیں۔

آپ سے حیاً و میتاً دعا کے ساتھ دستگیری کا اُمید وار ہوں

والسلام

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۲۷/۵/۸۳ھ

حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کا جواب

بشرفِ ملاحظہ عالیجناب مفتی صاحب دام مجدکم و برکاتکم

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا والا نامہ پاکر میں نہیں کہہ سکتا کہ کتنی خوشی ہوئی جزاکم اللہ تعالیٰ جناب نے جو تحریر فرمایا ہے بالکل صحیح ہے میں بھی یہی سمجھتا ہوں۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوں اور برابر خائف رہتا ہوں۔ جناب والا کے لئے دعا کرتا ہوں اور برابر یاد رکھتا ہوں اور یاد رکھوں گا انشاء اللہ تعالیٰ آپ سے مزید دعاؤں کی درخواست کرتا ہوں۔

والسلام

وصی اللہ عفی عنہ۔

۹، رجب ۸۳ھ ۔ الٰہ آباد

اس کے بعد ممکن ہے حضرت مفتی صاحب کے اور بھی خطوط آئے ہوں لیکن وہ مجھے نہ مل سکے۔ البتہ ایک اور خط محفوظ ملا جو کہ تاریخ کی رو سے آخری ہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر تاریخ ۲، جمادی الثانیہ ۸۶ھ پڑی ہے اور اسی سال شعبان میں حج کا سفر پیش آیا گویا اس کے آنے کے بعد صرف ڈھائی ماہ بعد۔ خط حضرت مفتی صاحب نے غالباً پتہ وغیرہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اپنے ایک دوست شرافت حسین صاحب کے نام الٰہ آباد ارسال فرمایا تھا مگر زیادہ تر مضمون چونکہ حضرت والا ہی سے متعلق تھا اس لئے غالباً اُن صاحب نے یہ خط حضرت والا کے پاس بمبئی بھیجدیا اور حضرت نے اسکا جواب جناب مفتی صاحب کو بمبئی سے دیا۔ اغلب یہ ہے کہ یہی وہ خط ہے جس کا ذکر جناب مفتی صاحب نے رسالہ

کے مضمون میں فرمایا ہے کہ:۔

"عجب اتفاق ہے کہ اس آخری مرحلہ میں احقر نے ایک خط لکھا جس کا جواب موصوف نے بمبئی سے دیا۔ یہ کیا معلوم تھا کہ مولانا موصوف کا یہ آخری خط ہے۔ یہ بھی بعد ہی میں معلوم ہوا کہ بمبئی کا یہ سفر حرمین شریفین کے قصد سے تھا۔"

حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کا آخری خط جو الہ آبادکسی کے نام آیا

آپ کا عنایت نامہ موصول ہوا۔ آپ کی خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ برادرِ محترم حضرت مولانا وصی اللہ صاحب کی شفقت اور عنایت مجھ ناکارہ پر معلوم ہو کر بیحد مسرت ہوئی۔ اُن سے میرے سلام کے بعد دعا کی درخواست عرض کردیں کہ وقت آخر ہے اور زاد راہ کچھ نہیں جن کاموں میں وقت گذارتا ہوں بھروسہ نہیں کہ وہ مقبول ہیں یا نہیں۔ رات دن کاغذ کالے کرتا ہوں۔ خلوت ویکسوئی نصیب نہیں۔ دُعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذکر و فکر میں لگالیں اور بقیہ عمر کو گذشتہ کا کفارہ بناویں۔

والسلام

محمد شفیع ۲۷/۶/۸۶ ھ

ماشاء اللہ حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کا یہ خط کیا ہے کہ علم والوں کے لئے عبرت کا ایک باب ہے کتنا زبردست علم۔ اور کس پیمانہ کا عمل اور تقویٰ رکھتے ہوئے۔ فکر آخرت کا کیسا مظاہرہ فرمایا ہے اور درخواست دعا اپنے پیر سے نہیں بلکہ پیر بھائی اور ہم سبق سے کی جارہی ہے۔ مضمون کی خوبی اور ادائیگی کا لہجہ ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ایسا قلب اور ایسی تواضع اور ایسے خلوص سے ہم کو بھی نوازے۔ آمین

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ کی مکاتبت ختم ہوئی اب آگے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہ العالی کی خط وکتابت پیش کرتا ہوں۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہ العالی
اور
حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ

ناظرین کرام حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہ سے تو واقف ہی ہونگے تاہم ہندوستان سے تشریف لے گئے ہوئے چونکہ آپ کو ایک عرصہ گذر گیا اس لئے ہوسکتا ہے کہ بعض نئے حضرات کے لئے آپ کی شخصیت غیر معروف ہو اس لئے پہلے چند کلمات آپ کے تعارف کے سلسلہ میں پیش کردوں۔

آپ حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانویؒ کے خواہر زادہ ہیں۔ تقسیم سے پہلے ہند کے زبردست علماء میں سے آپ کا شمار ہوتا رہا ہے۔ حضرت تھانوی قدس سرہ کی حیات میں عرصۂ دراز تک خانقاہ تھانہ بھون ہی میں آپ کا قیام رہا۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ کے زیر سرپرستی آپ تصنیف وتالیف اور فتاوی وغیرہ کا کام انجام دیتے رہتے تھے۔ کئی مفید کتابوں کا حضرتؒ کے ایماء سے ترجمہ کیا اور آپ کا کیا ہوا ترجمہ حضرتؒ بہت پسند فرماتے تھے۔ حضرت مولانا تھانوی کے انداز پر وعظ فرماتے تھے اور وعظ میں قرآن شریف نہایت عمدہ پڑھتے تھے۔ ایسا کہ بس سننے والے کا جی چاہتا تھا کہ سنتا ہی رہے۔ اعلاء السنن جو حضرت تھانویؒ کے حکم سے ترتیب دی گئی ہے اور احناف کے مسائل پر حدیث کا ایک بہترین مجموعہ ہے اس میں آپ کی خدمات کا نمایاں حصہ ہے۔ خانقاہ میں چونکہ لکھنے پڑھنے کا اور مسودات کی تبییض وغیرہ کا کام ہمارے حضرتؒ سے بھی کافی متعلق رہتا تھا اس لئے مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ یوں بھی حضرت والا سے اچھی طرح واقف تھے اور حضرت کے طویل اور مسلسل قیام کی وجہ سے حضرت تھانویؒ کے نزدیک حضرت والاؒ کا جو مقام تھا اسکا بھی مولانا کو خوب اندازہ تھا۔ کیونکہ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ ہمارے حضرت کے متعلق خواص سے کبھی کبھی کچھ فرماتے ہی رہتے تھے۔

ابھی جناب مفتی صاحب مدظلہٗ کے مضمون میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت تھانوی رحؒ نے مولانا فتحپوری رحؒ کا تذکرہ ایک خاص محبت اور عنایت اور تحسین کے الفاظ میں فرماکر حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ سے دریافت فرمایا کہ ـــ آپ ان کو جانتے ہیں۔ اور اسی نوع کا ایک اور واقعہ خود حضرتؒ سے سنا فرمایا کہ میں جب دار بند میں پڑھتا تھا تو ایک اور طالب علم تھے جو کسی امیر کے لڑکے تھے حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ سے ان کا بھی تعلق تھا۔ ایک مرتبہ کھوں نے حضرت مولانا سے میری بابت نہ جانے کیا کہہ دیا۔ کہ میں نے دیکھا کہ حضرتؒ اس کے بعد سے مجھ سے بہت محبت فرمانے لگے۔ چنانچہ ایک مرتبہ میں دیوبند سے تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ خواجہ صاحب دیکھئے یہی ہیں مولوی وصی اللہ۔ یہ سنکر خواجہ صاحب اٹھے اور بڑھ کر مجھ سے لپٹ گئے

دیکھئے ان دونوں موقعوں پر حضرت تھانوی رحؒ نے خواص کے سامنے حضرت والا کی تحسین فرمائی۔ چنانچہ یہ اور اس قسم کے دسیوں واقعات حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحؒ کے علم میں آئے رہے ہوں گے اس لئے مولانا عثمانی کے قلب میں بھی حضرت والا کا ایک خاص مقام تھا جیسا کہ ان کے مکتوبات سے ظاہر ہوتا ہے۔

سب سے پہلا خط جو مولانا عثمانی مدظلہٗ کا مجھے مل سکا یہ ہے۔

(خط مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی بنام حضرت مصلح الامۃ رحؒ)

میں نے اس سال رمضان ڈھاکہ میں گذارا۔ وہاں بہت سے احباب کو آپ سے تعلق خاص ہے وہ چاہتے تھے کہ ایک بار ڈھاکہ اور چاٹگام کے ارادہ سے آپ تشریف لائیں تو ان کو علاوہ زیارت کے باطنی فیض کی بھی امید ہے۔ میں نے ان سے کہہ دیا تھا کہ آپ لوگ درخواست کریں انشاء اللہ مولانا منظور فرمالیں گے وہ کہنے لگے کہ تم بھی سفارش کر دو یہ عریضہ اسی غرض سے ارسال ہے کہ اگر ڈھاکہ والے اس طرف تشریف لانے کی خواہش کریں تو آپ ان کی درخواست منظور فرمالیں مجھے بھی خوشی ہوگی۔ اور اگر مجھے بھی معلوم ہو جائے کہ آپ کن تاریخوں میں کس ماہ میں وہاں تشریف لے جارہے ہیں تو میں بھی ڈھاکہ پہونچنے کی کوشش کروں گا۔ اور یہ سب اس شرط کے ساتھ ہے کہ آپ کو فرصت ہو، کوئی مانع نہو، اور سفر ڈھاکہ کے لئے قلب کو انشراح ہو، امید کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔

آپ سے اہل ہند کو جس قدر فیض پہونچ رہا ہے اس کی خبریں سُن کر دل کو خاص مسرت ہے اللہ تعالیٰ اس فیض کو اور بھی عام و تام فرمادیں۔ آمین۔

والسلام مع الاحترام

ظفر احمد عثمانی تھانوی عفا عنہ ۲۷/۸/۱۱ھ

(از دار العلوم اسلامیہ۔ اشرف آباد ٹنڈوالہ یار۔ سندھ)

(حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا جواب)

بخدمت مخدومی و ظلہم و محترمی جناب حضرت مولانا ظفر احمد صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ بندہ بخیریت ہے۔ جناب کے خط سے جو مسرت ہوئی وہ اندازہ سے باہر ہے اللہ تعالیٰ کی عنایات میں سے ایک یہ بھی عنایت ہے اور بزرگوں کے اشفاق میں سے یہ بھی ایک شفقت ہے۔ میں تو آپ کا پروردہ ہوں اور ہمیشہ عنایات کا مورد رہا ہوں اس نئی عنایت نے قلب کو دوسرے ڈھنگ کا کردیا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جناب کو بایں فیوض و برکات مدت مدید تک قائم رکھے۔

جناب والا نے جس امر کے متعلق تحریر فرمایا ہے بات وہی ہے کہ مانع یہاں کے کام کا حرج ہے پھر دوسرے لوگ بھی اس سے اثر لیتے ہیں اور بلاتے ہیں چنانچہ اکثر جگہوں سے لوگ بلاتے ہیں (اور یہاں وہاں آنے جانے کی وجہ سے) پھر آدمی مقامی کام کا رہ نہیں جاتا (کام میں) بہت حرج واقع ہوجاتا ہے۔ پھر اسباق بھی میرے ذمہ ہیں یہاں وہاں جانے سے طلبہ کا (بھی) بہت حرج ہوتا ہے۔

سب سے بڑا نفع میرا، وہاں آنے میں آپ کی زیارت و ملاقات ہے۔ میرا جی اس کو بہت چاہتا ہے مگر دل مسوس کر رہ جاتا ہوں۔ ذرا یہاں کام چل نکلے تو اس سے بڑھکر کیا ہوسکتا ہے۔ اب جناب والا کی توجہ اور دعا کی ضرورت ہے۔ اسی سے سب کام آسان ہوسکتے ہیں۔ والسلام وصی اللہ عفی عنہ۔

پھر اس کے چند ماہ کے بعد حضرت مولانا عثمانی مدظلہٗ کا ایک اور خط آیا جس کے ابتدار میں تو کچھ اپنے خانگی حالات کا ذکر کر کے دعا کے لئے تحریر فرمایا تھا اور آخر میں یہ لکھا کہ۔

دوسری عرض یہ ہے کہ اگر بڑی اہلیہ کو صحت ہوگئی تو میرا ارادہ شعبان کے آخر میں ڈھاکہ جانے کا ہے اور رمضان میں ڈھاکہ ہی قیام رہے گا۔ آپ کے مخلصین، محبین کی درخواست ہے کہ جناب بھی اس عرصہ میں ڈھاکہ تشریف لے آویں تو ان کو فیض یاب ہونے کا موقع ملے گا آپ کے خدام کو ہندوستان کا سفر دشوار ہوگیا ہے اگر چند روز کے لئے آپ ڈھاکہ آجائیں تو احباب اور خدام کو ملاقات میسر ہوجائے گی۔ یہ احقر بھی ممنون ہوگا۔

والسلام

ظفر احمد تھانوی عفا عنہٗ ۲۰ ۷/۶۹ ھ

مولانا عثمانی مدظلہٗ کے اس خط کا حضرت والا کے یہاں سے کیا جواب گیا وہ تو مجھے نہ مل سکا مگر حضرت کے پہلے جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسی قسم کا عذر پھر تحریر فرما دیا ہوگا۔ اور حضرت مولانا عثمانی بھی اس معقول جواب کے ملاحظہ کے بعد ایسے نہ تھے کہ بار بار اس کا اصرار فرماتے بات یہ ہے کہ اور دوسرے حضرات بھی تھے جو حضرت کو بلانا چاہتے تھے لیکن از خود تو ان کی ہمت نہ پڑی تھی اس لئے ان اکابر کو انھوں نے واسطہ بنایا تھا انھیں کے اصرار پر مولانا عثمانی مدظلہٗ نے دوبارہ پھر حضرت کو لکھ دیا۔

چنانچہ ایک مولوی صاحب نے اس علم کے بعد کہ مولانا ظفر احمد مدظلہٗ نے حضرت والا کو دعوت دیدی ہے مولانا عثمانی کا بہت بہت شکریہ بھی ادا کیا ہے ہمیں اس کا کیا علم ہوتا؟ خود انھوں نے اپنے اس خط کی نقل حضرت والا کے پاس بھیجدی جسے کہ انھوں نے مولانا ظفر احمد تھانوی مدظلہٗ کے پاس ارسال کیا تھا۔ وھو ھذا۔

(حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کی خدمت میں مولوی صاحب کا شکرنامہ)

الہ آباد کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ جناب والا نے حضرت سیدی و مخدومی مولانا

وصی اللہ صاحب مدظلہ العالی کے پاس ایک گرامی نامہ ارسال فرمایا ہے اور ہم لوگوں کے دل کی آواز، حضرت کی خدمت میں اپنے قلم کے ذریعہ پہونچا کر ہم واماندہ و درماندہ تشنگانِ حضوری خدمتِ شیخ پر اپنی سفارش کے ذریعہ احسان عظیم فرمایا ہے سبھی معلوم ہوا ہے کہ ہمارے حضرت کو جناب والا کے خط سے بہت مسرت حاصل ہوئی ہے اور یہ امر ہم سب خدام کے لئے نہایت مسرت، سعادت اور انبساط کا باعث ہوا ہے۔ حضرت والا کی مسرت ہماری مسرت اور خدانخواستہ حضرت والا کے انقباض اور تکدر سے ہماری بدنصیبی اور غم وابستہ ہے۔ ہم سب خدام، جناب والا کے دل سے ممنون اور اور شکر گذار ہیں اور جناب والا کی اس سفارش اور کوشش کو احسان عظیم سمجھتے ہیں ہم آپکے اس احسان کا شکریہ مدت العمر نہ ادا کر سکیں گے اور اس بندہ نوازی کو تا زیست نہ بھولیں گے۔

خدا کرے جناب والا کی سعی بار آور ہو۔ حضرت والا کو فرصت ہو اور کوئی مانع نہو اور انشراح کے ساتھ حضرت والا اس دیار کا جلد قصد فرما سکیں اس وقت ہم خدام آپکو بھی حسب ارشاد ڈھاکہ تشریف لانے کی زحمت دیں گے۔ ہماری دلی اور روحانی یہ خواہش اور تمنا ہوگی کہ حضرت والا کے زمانہ قیام میں، جناب والا بھی یہاں قیام فرما ہوں اس کے متعلق تفصیلی گذارش تو ہم وقت پر کریں گے ابھی تو یہ بات قبل از وقت ہے۔ سر دست ہم یہ ظاہر کرنے میں بیحد مسرت محسوس کرتے ہیں کہ جناب والا کی ایک سفارش نے بہت بڑا کام کر دیا۔

یہاں سے ہندوستان کا سفر آجکل کس قدر دشوار گذار ہوگیا ہے۔ اگر جناب والا کی سعی اور دعاؤں کی برکت سے حضرت قصد سفر فرمائیں گے تو سفر سے معذوروں اور ناسازگار حالات کی وجہ سے مجبوروں بالخصوص ان عورتوں کو جو کسی طرح سفر نہیں کر سکتیں جس قدر سعادت اور برکت حاصل ہوسکے گی اس کا سبب عظیم آپ کی ذات والا صفات ہوگی۔ اگرچہ صرف اظہار تشکر سے ہم کسی طرح جناب والا کے اس احسان عظیم کے بار سے عہدہ برآ نہ ہوجائیں گے۔ اس لئے پروردگار عالم سے دست بدعا ہیں کہ وہ جناب والا

کو اس کرم فرمائی کی جزائے خیر عطا فرمادیں اور جناب والا کے فیوض و برکات سے خلق کثیر کو مستفید کریں۔

ہم پھر ملتجی ہیں کہ جناب والا نے جہاں اتنا احسان فرمایا ہے مزید کرم فرما کر حضرت والا کی اس دیار میں تشریف آوری کی راہ میں جو موانع ہوں انھیں دور ہونے کے لئے خصوصی طور پر دعا فرمائیں۔ میرے جیسے بہت سارے خدام بہت بیقرار ہیں اور جناب والا کی اس سعی و سفارش نے ان کے دلوں میں بڑی امیدیں پیدا کردی ہیں۔ خداوند کریم ہماری سب امیدیں پوری کریں آمین۔ جواب کا انتظار رہے گا اگر بار خاطر نہ ہو تو جناب والا اپنی خیریت سے مطلع فرما کر شکر گذار فرمادیں۔

والسلام دعاؤں کا طالب خادم

صلح اللہ احوالہٗ ڈھاکہ ۲۳ جون ۵۹ء

اُن مولوی صاحب سے متعلق جن کا تشکر نامہ' ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا بعض باتیں عرض کرنی ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ فی الجملہ ان کا تعارف کرادیا جائے۔ مولوی صاحب موصوف ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کے اطراف کے یعنی مبارکپور ضلع اعظم گڈھ کے رہنے والے تھے اور زمانۂ قیام مبارک پور میں حضرت والا سے انھیں شرف تلمذ بھی حاصل رہ چکا تھا اور بعد میں تو حضرت کے مرید اور مجاز بھی ہوگئے۔ بچپن ہی سے ساتھ ہونے کی وجہ سے حضرت سے بہت انس اور محبت رکھتے تھے اور انکے بچے بھی حضرت والا کو خوب جانتے تھے اور بہت زیادہ محبت اور عقیدت حضرت والا سے ان کو بھی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ کا ایک واقعہ جو سُننے میں آیا وہ یہ کہ ابھی پچھلے دنوں بنگلہ دیش میں جو انقلاب آیا۔ سنا ہے (اللہ بچائے) کہ وہ انقلاب کیا تھا خدائی ایک عذاب تھا جس کی زد سے شاید ہی کوئی بچا ہو چنانچہ مولوی صاحب موصوف بھی ایک بڑی آزمائش میں پڑے۔ تفصیل کا علم تو ہو نہ سکا اجمالاً صرف اتنا معلوم ہوا تھا کہ کسی موقع پر صرف تن بدن پر جو کپڑے پڑے تھے وہی ان کے پاس رہ گئے تھے اور فاقوں تک کی نوبت آگئی تھی چنانچہ بال بچے سب ہی پریشان تھے بلکہ نان شبینہ کے محتاج

ہو رہے تھے کہ اُن کے کسی بچی نے ایک شب خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا کہ تشریف لائے ہیں اور کچھ روپیہ مرحمت فرما گئے ہیں صبح کو تکیہ کے نیچے وہ روپئے رکھے ہوئے ملے اور وہ بچی چھوٹی تھی اس نے حضرت والا کو دیکھا نہیں تھا مگر حلیہ جو بیان کیا تو وہ ہو بہو حضرت والا ہی کا تھا۔

پھر اُسی کے چند دنوں کے بعد اُس سے بڑی لڑکی نے خواب دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لائے ہیں اور بہت تسلی دے رہے ہیں کہ گھبراؤ نہیں یہ حالات بہت جلد سکون سے بدل جائیں گے اور اس کو بھی کوئی معقول رقم غالباً سو روپیہ کا نوٹ مرحمت فرمایا کہ اپنے ابا سے کہہ دینا کہ مولینا دے گئے ہیں اُس نے پوچھا بھی کہ آپ کون ہیں اور آپ کا کیا نام ہے؟ فرمایا کہ تمھارے والد مجھے جانتے ہیں۔ چنانچہ صبح اُس کے سرہانے بھی وہ رقم ملی اس واقعہ کو بیان کر کے مولوی صاحب موصوف روتے تھے کہ اللہ اللہ شیخ رح کی روحانی توجہ اب بھی اس ناکارہ کے حال پر اس قدر ہے۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ اس قسم کی باتوں کو کسی بزرگ کی کرامت تو کہا جاسکتا ہے باقی یہ بھی اپنا عقیدہ ہے کہ کرامت دراصل حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے کسی بزرگ کے اختیار کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں ہوتا اور اللہ تعالیٰ کسی اپنے مقبول بندے ہی کو جو واسطہ بنا دیتے ہیں یعنی لطیفۂ غیبی بھی انھیں کی شکل میں آتا ہے تو یہ محض اس لئے کہ وہ شخص ان بزرگ سے مانوس ہوتا ہے اس لئے اسے مسرت زیادہ ہوتی ہے۔ باقی کسی بزرگ کی نسبت اور اس کے ساتھ سچا تعلق اس میں شک نہیں کہ یہاں سے لے کر آخرت تک مفید ہے اب جس جس صورت سے اللہ تعالیٰ اس کو مفید بنا دیں یہ ان کے اختیار میں ہے۔

اب اس روایت کی توجیہہ آپ جو بھی چاہیں کریں، بہرحال یہ واقعہ اپنی جگہ پر صحیح ہے۔ اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مولوی صاحب موصوف کو حضرت والا رح کے ساتھ جو عقیدت اور انس تھا اسی کا یہ اثر اور پرتو تھا واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

تقسیم ہند کے بعد بھی مولوی صاحب برابر، حضرت والا کے یہاں حاضر ہوتے رہے اور کبھی کبھی بعض احباب کو بھی لے کر آتے تھے اور یہاں سے جا کر حضرت والا کے احوال

ملفوظات سے اپنے یہاں کے لوگوں کو محظوظ کرتے رہے آدمی ذرا تیز اور ذی استعداد تھے اس لئے ہر کام میں جوش اور افراط سا ہو جاتا تھا چنانچہ انھوں نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہٗ کو بھی تشکر نامہ جو بھیجا تو اس میں ایسا مبالغہ کیا اور اس انداز سے لکھا جیسے کوئی اپنے شیخ ہی کو خط لکھ رہا ہو۔ خیر یہ تو ہوا ہی تھا غضب یہ کیا کہ اپنے مخلصانہ سادگی کی بنا پر اس کی نقل حضرت والا کو بھی بھیجدی۔ حضرت والاؒ یوں بظاہر بڑے ہی نرم خو، شفیق اور مہربان۔ اور انتہائی متواضع اور حلیم واقع ہوئے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اصلاحی معاملہ میں بڑے بیدار مغز اور نفس کی چالوں سے خوب واقف تھے۔ چاہتے تھے کہ لوگ حدود کی رعایت رکھیں اور یعطی کل ذی حق حقہٗ پر ان کا عمل ہو۔ بالخصوص شیخ سے عقیدت اور اس کی عظمت کے باب میں حضرت والا کی نظر اتنی کڑی تھی کہ طالبین کی جانب سے اس باب کی ادنیٰ تساہل بھی قابل مواخذہ بن جاتی تھی چنانچہ مولوی صاحب موصوف کا "تشکر نامہ" آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ جی چاہے تو ایک بار اور پڑھ لیجئے۔ کتنا عمدہ لکھا ہے اور کہنا چاہیئے کہ شکرِ مخلوق کا حق ہی ادا کر دیا ہے۔ لیکن طریق اور اصلاحِ باطن کی رو سے اسی میں پکڑ گئے اور حضرت والا کے مواخذہ میں آگئے۔ حضرت والاؒ نے انھیں کیا لکھا وہ تو نہ مل سکا تاہم اس کے بعد کی خط و کتابت سے صورت حال کا کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(مولوی صاحب موصوف کا خط حضرت والا کے نام)

حضرت والا یہ ناکارہ اپنی گستاخانہ عرضداشت اور بے ادبانہ عرض شوق پر بیحد نادم اور شرمسار ہے خدا کی قسم کمال شوق نے اندھا بنا دیا تھا اور خود غرضی نے دیوانہ کر دیا تھا کہ اس سراپا تقصیر نے حضرت والا کو تکلیف فرمانے کی درخواست کرنے کی جسارت کی حالانکہ طالب کو یہ حق نہیں کہ موصل الی المطلوب سے کسی طرح کی فرمائش کرنے کی جسارت کرے۔ ہم ناکارہ ادب کے ابتدائی مراحل سے بھی ناآشنا ہیں اور اس

جہالت کی وجہ سے گستاخیاں ہو جایا کرتی ہیں حضور والا اس جاہل اور بے ادب کو معاف فرمادیں۔

دل کو بہت شوق ہے کہ جلد حاضر ہو کر حضرت کی زیارت مبارک سے رشد و ہدایت حاصل کر کے اپنی قسمت بنائیں انشاء اللہ بعد عید حاضری کا قصد ہے (اس کے بعد لکھا کہ)

آجکل یہاں مولانا ..... صاحب تبلیغی جماعت کے جلسے میں تشریف لائے ہیں ان کے بعض مواعظ میں شرکت کا موقع ملا۔ ان کے اخلاص وللہیت کا دل پر اثر ہے۔ وہ بھی مجھے اس جماعت میں شرکت کے لئے مساعی ہوئے اور دوسرے باا ثر احباب کے ذریعہ بھی مصر ہوئے لیکن میں نے صرف یہ عرض کیا کہ۔

آپ کے کام سے مجھے محبت ہے لیکن اپنے کو جماعت میں داخل ہو کر کام کرنے کا اہل نہیں پاتا۔ میں ناقص ہوں اس لئے دوسروں کی تکمیل کا سبب نہیں بن سکتا۔ رہے چلّے گذارنا تو خدا رکھے اس کے لئے میرے شیخ کا در زندہ ہے اور میں اپنی تکمیل کا واحد مقام اپنے مرشد کی درگاہ ہی کو سمجھتا ہوں۔ اگر ہو سکا تو وہیں چلّے گذاروں گا۔

احباب کے اصرار پر میں نے کہا کہ بھائی یہاں فوج تیار ہوتی ہے مگر میرے مرشد کے یہاں سپہ سالاروں کی تربیت ہوتی ہے اس لئے "مرا مرشد من بس است" میں سپہ سالار بننے کے بجائے سپاہی کیوں بنوں۔

خدا گواہ، انھیں دیکھنے اور ان کے جلسے کی بھیڑ بھاڑ اور دھوم دھام دیکھنے کے بعد، حضور والا کی محبت اور عظمت پہلے سے بھی کہیں زیادہ محسوس ہونے لگی

فالحمد للہ علیٰ ذلک

(حضرت مصلح الامتؒ کا جواب)

آپ کے جوابات سے خوش ہوا۔ اب آپ لوگ بھی میرے طریقے کو نہ سمجھیں گے تو کس سے توقع رکھوں۔ معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم دین عطا فرمادیں۔

(مولوی صاحب موصوف کا ایک اور خط)

خدا شاہد ہے کہ یہ ناکارہ صرف ایک دن چند منٹ کے لئے مولانا .... صاحب کی مجلس میں بیٹھا اور دل میں اتنا شدید تکدر پیدا ہوا کہ گذشتہ بیس دنوں میں پھر جانے کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ میرا یقین واثق ہے کہ میرے لئے پروردگار عالم نے جو کچھ فائدہ مقدر فرمایا ہے وہ انشاء اللہ حضور والا کی جوتیوں ہی کے طفیل حاصل ہوگا۔ میں صرف بزرگ سمجھ کر ان سے دعاؤں کی لالچ میں ایک بار ان کے پاس گیا اور بس۔

(حضرت والاؒ کا جواب)

آپ نے خط میں تو بہت کچھ تحریر فرمایا ہے لیکن میرا خیال یہ ہے کہ بات آپ نے اب بھی نہیں سمجھی آپ نے پہلے لکھا تھا کہ فلاں مولوی صاحب تشریف لائے ان کی مجلس میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ بہت اچھی اچھی باتیں بیان فرمائیں یہ لکھ کر اس کے بعد میری تعریف شروع کردی۔ پھر دوسرے خط میں آپ نے لکھا کہ فلاں مولوی صاحب کو بلانے کے لئے لوگوں نے چندہ کیا ان کو بلایا آپ بھی شریک تھے ان سے بھی لوگوں نے استفادہ کیا۔ اس کے بعد پھر آپ نے میری تعریف شروع کردی۔

اس کے متعلق میں نے لکھا تھا کہ یہ سب باتیں مجھے پسند نہیں ہیں اور نہ میں اس خیال کا آدمی ہوں اس سے آپ نے یہ سمجھ لیا کہ میں ناراض ہوگیا اور میری خفگی کا سبب

یہ امر ہوا کہ آپ لوگ ان حضرات سے کیوں ملے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ایک جگہ میں خود بھی نہ جاؤں اور اس کو بھی نہ پسند کروں کہ کوئی دوسرا وہاں جائے یہ تو نفس کا بہت بڑا مرض ہے۔ کوئی مرید اگر اپنے پیر کے اندر اس کا قائل ہو تو وہ مرید ہے؟ یا اس کو اعتقاد سے بھی حصہ نہیں ملا ہے۔ اور اگر کوئی شیخ اپنے کسی مرید کی نسبت یہ سمجھتا ہے کہ یہ جہاں دوسروں سے ملا تو بس ہمارا معتقد نہ رہ جائے گا اور اس مرید کا اعتقاد واقعی اس درجہ کمزور ہو کہ محض دوسرے سے ملنے سے اپنے شیخ کا معتقد نہ رہ جائے تو ایسا شخص معتقد ہے؟ اور اس نے شیخ کو کچھ بھی پہچانا ہے؟ اگر کوئی شیخ ہوگا تو وہ تو ایسے مرید کو دھکے دے کر نکال دے گا کہ کل کو غیر معتقد ہوتے ہو تو آج ہو جاؤ ــــ میرا مطلب یہ تھا ہی نہیں۔ اس کو کہہ رہا ہوں کہ آپ سمجھے نہیں۔ میں تو اس پر خفا ہوا کہ یہ کیا کہ ایک عالم کو بلایا بھی اور پھر اس کی مذمت بھی شروع کر دی۔ ایک دن گئے اور پھر ملے تک نہیں اس کو آپ لوگوں کی اخلاقی کمزوری سمجھتا ہوں یوں کوئی مرید اپنی نظر کو صرف اپنے شیخ پر مقصور رکھتا ہے اور ان کی اُن کی طرف التفات تک نہیں کرتا تو طریق میں یہ وحدتِ مطلب، مطلوب ہے اور مفید ہے۔ لیکن اہل حق میں سے کسی دوسرے بزرگ سے اگر ملاقات بھی کرے تو اس میں میرا کیا نقصان ہے میں اس کی وجہ سے کیوں خفا ہوں گا؟ ہاں اخلاق کی کمزوری پر ضرور نکیر کروں گا کہ یہ کیا؟ جس کو بلایا تھا تو اس سے تو ملتے ہی رہتے، ملے تھے تو اس کو نبھاتے تاکہ اس کو آپ کی جانب سے یا آپ کے شیخ کی جانب سے کچھ غلط فہمی نہ ہو معلوم نہیں کہ اب بھی آپ کی سمجھ میں آیا یا نہیں۔ سمجھ گئے ہوں تو لکھئے۔ اس کے بعد ان مولوی صاحب کا حسب ذیل خط حضرت والا کے نام آیا۔

(مولوی صاحب موصوف کا عریضہ حضرت مصلح الامتؒ کے نام)
اور حضرت والا کا جواب باصواب

حال۔ چند دن گذرے حضور اقدس میں ایک عریضہ ارسال کر چکا ہوں۔ جب سے

اپنی غلطی اور سخت نادانی پر تنبہ ہوا ہے خدا گواہ ہے کہ دل کا عجب حال ہے۔ پہلے کی ساری کیفیتیں ختم ہوگئی ہیں۔ پہلے ذکر کے وقت بہت انشراح ہوتا تھا مگر اب ہر وقت قبض اور انتشار کی کیفیت رہتی ہے کسی حال میں چین نہیں۔ نہ عبادت میں مزہ ملتا ہے نہ کھانے پینے میں۔ دل کو یقین ہے کہ حضور اب تک اس ناکارہ سے ناراض ہیں اور اسی کا یہ سب وبال ہے۔ یہ بھی یقین ہے کہ حضور کی تنبیہ محض اس بدعمل اور نادان کی اصلاح کے لئے ہے اور حاشا کہ ہرگز ہرگز سزا دینے یا تباہ حال بنانے کے لئے نہیں ہے لیکن اپنے اضطراب کو کیا کروں کہ جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ حضور کا دل مجھ سے صاف ہوگیا۔ اور میری نادانی معاف کردی گئی، اس وقت تک ہرگز طبیعت کی پریشانی نہ جائے گی۔ (حضرت والا نے اس پر تحریر فرمایا کہ)

تحقیق۔ میرا دل آپ سے صاف ہے یقین فرمائیے۔ نادانی ہوئی ہی نہیں مگر آپ کی خاطر سے لکھتا ہوں کہ معاف کردیا اور دل سے معاف کردیا۔ (آگے ان مولوی صاحب نے لکھا کہ)

حال۔ خدا شاہد ہے کہ جو نادانی سرزد ہوئی اس میں نیت صرف یہی تھی کہ اس خاطی نے ایک مرتبہ حضور کو دیکھا تھا کہ بہت دنوں پہلے کو پاگنج میں قیام کے زمانہ میں وہاں مولانا صاحب تشریف لے گئے تھے اور حضور والا نے اُن کا بہت احترام فرمایا تھا۔ دل کو یہی خیال ہوا کہ حضور کو جس کی عزت کرتے دیکھا ہے ان کی عزت و احترام امتثالاً موجب خیر و برکت ہوگی۔

تحقیق۔ بہت اچھی نیت تھی اور یہ خیال بالکل صحیح ہے۔

حال۔ خدا کی قسم! ان سے استفادہ کا ہرگز تصور بھی نہ تھا اور نہ ہے۔

تحقیق۔ ایسا استفادہ جو آپ نے لکھا ہے، ہرگز برا نہیں۔ ہر شخص کا احترام وادب ضروری ہے مجھ کو ناگوار یہی نہیں مگر آپ غلبۂ حال میں دوسری طرف توجہ نہیں فرمارہے ہیں۔ (اس کو کہہ رہا ہوں۔ اس کو سمجھئے اور یہ بات تحریراً

نہ سمجھ میں آوے تو) پھر زبانی سمجھا دوں گا یا (بعد میں) خود سمجھ میں آجائے گا۔

حال۔ ناکارہ کے تصور میں بھی کسی بزرگ کی جانب روحانی میلان کا خیال تک پیدا نہ ہوا اور نہ انشاء اللہ کبھی ہو گا۔ میرے لئے حضور والا کی ذات گرامی سب سے بڑھ کر ہے۔ بالخصوص جب کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسکی تصدیق فرمادی ہو (معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولوی صاحب کسی بشارت منامی کے ماتحت حضرت والا کی جانب رجوع ہوئے تھے مرتب ۱۲) پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ غلام کسی اور کی جانب مائل ہو سکے۔ خدا کی قسم اگر حضور اپنے دست مبارک سے اس خادم کے سر پر خدام والا کے جوتے رکھوا کر بھی الہ آباد میں تشہیر کرائیں تو واللہ یہ خادم اسے بخوشی قبول کرے گا اور اسی میں اپنی عزت سمجھے گا۔

تحقیق۔ الحمد للہ۔ (لیکن) بعد استحکام محبت وعقیدت کے میلان وخیال مضر نہیں خاص کر جب کہ کسی اہل حق کی طرف ہو۔

حال۔ یہ سچ ہے کہ ابتداء امر میں اس غلام کو حضور والا کی جانب بحیثیت استاد میلان خاص تھا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے رشتۂ طریقت میں منسلک ہونے کا شوق تھا لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد جب سے حضور والا نے اس خادم کو اپنی غلامی میں قبول فرمالیا ہے اس وقت سے اس غلام کو کسی کی جانب کبھی تصور بھی پیدا نہ ہوا اب چاہے آپ سزا دیں یا معاف فرمادیں یہ غلام آپ کا ہے اور آپ ہی کا رہے گا۔

تحقیق۔ دل سے معاف ہے۔

(ان ہی مولوی صاحب کا ایک دوسرا خط اور اس کا جواب)

حال۔ یہ حقیقت ہے کہ اپنی خام کاری اور اخلاقی کمزوری کی بناء پر گذشتہ معاملات میں افراط وتفریط کی وجہ سے بڑے خلجان میں مبتلا ہونا پڑا طبیعت استقلال کے ساتھ

راہ معتدل پر قائم نہ ہو سکی اور اگر حضور والا کی جانب سے صحیح راہ نمائی نہ ہوئی ہوتی تو خدا جانے کیسی کیسی ٹھوکریں کھانی پڑتیں۔ پروردگار عالم کا احسان ہے جس نے حضور جیسا مصلح ہمیں عطا فرمایا ہے اور جنکی بروقت دستگیری ہمیں بھٹکنے سے بچا کر راہ حق اور طریقۂ اعتدال پر آنے میں معین ہوتی ہے۔ فالحمد للہ علی ذلک

خدا کا شکر ہے کہ بہت سارے مکائد نفس سے اطلاع ہو گئی۔ **تحقیق۔** الحمد للہ

حال۔ مولانا صاحب بعد عید یہاں سے واپس تشریف لے گئے۔ میری جانب سے کسی قدر عمومی حالات میں تلافی مافات بھی ہو گئی۔ **تحقیق۔** الحمد للہ۔

حال۔ اس وقت یہاں ان کی ذات گرامی مغتنم ہے۔ **تحقیق۔** بیشک۔

حال۔ مجھ سے فرمایا کہ اپنے حضرت کو یہاں آنے کی دعوت دو۔ میں نے عرض کیا کہ میں طالب ہوں اور میرا یہ منصب نہیں کہ فرمائشیں پیش کروں ایسی باتیں تو اکابر ہی کیلئے موزوں ہیں۔ مجھ سے ایک لفافہ پر پتہ لکھوا کر لے گئے ہیں شاید حضور کو کوئی خط لکھیں۔ **تحقیق۔** بہتر ہے۔

(جواب کے ساتھ یہ تحریر بھی گئی)

حضرت والا مدظلہ نے فرمایا ہے کہ اب آپ کے اس خط سے میں خوش ہوا کیونکہ اس میں آپ نے لکھا ہے کہ مولانا صاحب واپس تشریف لے گئے۔ میرے جانے سے کسی قدر عمومی حالات میں تلافی مافات بھی ہو گئی۔ فرمایا ہے کہ میں بس یہی چاہتا ہوں۔ بھائی اگر کوئی عالم آپ کے یہاں پہونچ جائے اور آپ اس سے مل لیں اور اس کو خوش کر دیں اور وہ آپ لوگوں سے خوش خوش آئے تو میں اسی اتنے سے ناراض ہو جاؤں گا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ میں آپ لوگوں کی عقیدت کو اتنا کمزور سمجھتا ہوں؟ اور جو عقیدت اور تعلق اس قدر ضعیف ہو کہ صرف کسی سے مل لینے سے اس میں فرق آ جائے تو وہ بھی کوئی تعلق ہے؟۔

اب تو آپکو معلوم ہو گیا ہوگا کہ میں کس چیز کو کہہ رہا تھا اور آپ کیا سمجھ رہے تھے۔ بہر حال بات کو آپ سمجھ گئے۔ اس کی مسرت ہوئی۔

بات اصل عنوان سے ذرا دور ہوگئی۔ بیان کرنا مقصود تھا "حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی مدظلہٗ اور حضرت مصلح الامتہؒ کی مکاتبات' درمیان میں ان اعظمی مولوی صاحب کا ذکر آگیا اور پھر معمولی مناسبت اور ادنیٰ ملابستہ کی بنار پر ان کے بعض اور حالات کا ذکر چھڑ گیا۔ نہیں کہہ سکتا کہ ان کی اس خط و کتابت کے نقل سے ناظرین معرفت بھی محظوظ ہوئے یا نہیں۔ لیکن' میں تو الحمد للہ اسے نقل کرکے بہت ہی مسرور ہوں کہ شیخ اور مرید کے تعلقات واقعۃً جیسے کہ ہونے چاہئیں مذکورہ بالا خطوط اس کے ترجمان ہیں اور اس باب میں ہم لوگوں سے جو غلطیاں واقع ہوجاتی ہیں کبھی افراط کی صورت میں اور کبھی تفریط کی شکل میں حضرت والا کی تعلیمات سے ان کی حدود روشن ہوگئیں کسی بزرگ کی سیرت کا ایک بڑا نفع اس کی تعلیمات کا علم بھی ہے۔

جی چاہتا ہے کہ یہاں ان مولوی صاحب موصوف کے چند اشعار بھی نقل کردوں جسے انھوں نے اپنی اسی پریشانی (یعنی مواخذۂ مرشدؒ) کے دور میں کہا تھا اور اپنے کسی عریضے کے ہمراہ حضرتؒ کے پاس بھی اس کو بھیج دیا تھا وھو ھذا ؎

(اعترافِ جُرم)

یہ اعتراف ہے مجھ کو قصور دار ہوں میں
مگر بفضل خدا سخت شرمسار ہوں میں

خدا گواہ کہ نادانیاں تھیں وجہ خطا!
معاف کیجئے مجھ کو کہ اشکبار ہوں میں

یہ ہر سزا سے ہے بڑھ کر کہ آپ ہیں ناراض
ہزار غم کو لئے دل میں سوگوار ہوں میں

خدا گواہ کہ مجھ پر ہوا ہے عیش حرام
ہوا ہے جب سے یہ معلوم نابکار ہوں میں

خدا کے واسطے پھر آپ مجھ سے راضی ہوں
یہ کہہ سکوں کہ زمانے میں پُر بہار ہوں میں

کروں گا ترک نہ راہِ ادب کبھی واللہ
طریق عشق میں گو صورتِ حمار ہوں میں

قصور وار ہوں (حضرت) مگر خدا ہے گواہ
مثال ماہیٔ بے آب بے قرار ہوں میں

اس درمیان میں حضرت والا کے وہ خطوط جو پہلے نقل ہو چکے ہیں جس میں حضرت نے فرمایا ہے کہ "دل سے معاف ہے" اور یہ کہ "اب تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ میں کس چیز کو کہہ رہا تھا اور آپ کیا سمجھ رہے تھے"۔ مولوی صاحب کو مل گئے اس کے جواب میں انھوں نے حضرت والا کو یہ خط لکھا۔

(مولوی صاحب موصوف کا عریضہ حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

سیدی ومحبوبی و مولائی ادام اللہ اظلال فیوضکم ساتراً علینا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضور والا کا جواب جو کل ہی موصول ہوا باعث کمالِ شادمانی داعی ازدواج ابتہاج ہوا۔ حضور کی دعاؤں اور فیوض کی برکات کا ثمرہ ہے کہ منجانب اللہ اپنی غلطیوں پر انتباہ ہو جاتا ہے اور نادانیوں پر بے حد شرمساری ہوتی ہے۔ حضور والا سے اسی قدر محبت اور عقیدت بڑھتی جاتی ہے جس قدر اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اطلاع ہوتی جاتی ہے۔ اب تو بس یہی چاہتا ہے کہ ؎

وہ ہر دم رہیں میرے قلب و نظر میں
گوارا نہیں اب تصور کسی کا

حضور کے فیوض کو میری کوتاہ بیں آنکھیں بھی اکثر و بیشتر یہاں بھی بیٹھے مشاہدہ کیا کرتی ہیں۔ حضور کو ہم خستہ حالوں پر اس قدر شفقت ہے کہ اس سے زیادہ ماں باپ سے بھی متصور نہیں۔

الحمد للہ کہ اب دل میں برائیوں کا تصور بھی نہیں ہے بلکہ بھلائیوں کے سامان جمع کرنے کی فکر پیدا ہو گئی ہے۔ دل ہر وقت خاشع رہتا ہے۔ ذکر کے وقت لذت اور رقت پیدا ہوتی ہے اور اب ذکر ہی محبوب معلوم ہوتا ہے۔ خلوت زیادہ محبوب ہے۔

حضور والا کا جواب پا کر دل کو جو انبساط حاصل ہوا اس کے زیر اثر چند ابیات منظوم ہو گئے ہیں۔ حضور کے کرم نے ہمت بڑھائی ہے اس لئے انھیں حاضر خدمت کرتا ہوں۔

"اظہار انبساط"

عفو سے مخدوم نے خادم پہ احساں کردیا ۔۔۔ للہ المنۃ بڑی مشکل کو آساں کردیا
دن کی حیرانی گئی، شب کی پریشانی گئی ۔۔۔ درد کا میرے مسیحا نے جو درماں کردیا
اب تو مجھ کو پھول ہی آتے ہیں ہر جانب نظر ۔۔۔ باغباں نے اس طرح سے گل بداماں کردیا
کیا بتاؤں شیخ کامل کی نظر نے کیا دیا ۔۔۔ مضطرب دل کو کیا آنکھوں کو حیراں کردیا
مٹ گئی دل سے ریا فکرِ حسد زعم خودی ۔۔۔ میرے امراض دلی کا ایسا درماں کردیا
آخرت کی فکر سے دنیا کی فکریں مٹ گئیں ۔۔۔ بے سر و ساماں کو اب باساز و ساماں کردیا
جا کے روشن باغ روشن خانۂ دل کر سکوں ۔۔۔ اے خدا جانا وہاں تو نے جو آساں کردیا

اب نہ حبّ جاہ دل میں ہے نہ فکرِ مال و زر
بیخودی نے کام سب (اب اپنا) آساں کردیا

مولوی صاحب نے بالکل صحیح کہا ہے چنانچہ جن حضرات کا کسی مصلح کامل سے تعلق ہوا ہوگا وہ خوب جانتے ہیں کہ شیخ کی کدورت اور ناراضگی سے سارا لطف زندگی ہی ختم ہو کر جینا وبال اور دنیا دوزخ معلوم ہوتی ہے اور اس کی خوشی و انشراح سے راحت قلبی، سکون دلی حاصل ہوتا ہے۔ اور یہی دنیا کچھ جنت کا نمونہ بن جاتی ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا ہے یہ مولوی صاحب حضرتؒ کے معتقد تو تھے ہی وہاں اپنے حلقۂ احباب میں بھی حضرت والا کا ذکر والہانہ انداز میں فرماتے رہتے تھے جس کی وجہ سے اور بہت سے حضرات جو حضرت سے فی الجملہ واقف تھے انھیں اب حضرت والا کی پوری معرفت حاصل ہو کر بڑی خوشی ہوئی۔ انھیں حضرات میں سے ایک بزرگ مولانا اطہر علی صاحب بھی تھے یاد پڑتا ہے کہ خود حضرتؒ ان کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ حضرت مولانا تھانویؒ کے مجاز بھی ہیں۔ انھیں دنوں ان کا بھی ایک خط حضرت کے نام آیا اور لطف یہ کہ ان ہی مولوی صاحب موصوف کے قلم سے لکھا ہوا آیا۔ وہ خط یہ تھا۔

(خط جناب مولانا اطہر علی صاحب مدظلہ بنام مصلح الامتہؒ)

حضرت مخدوم و محترم مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرت والا کی خیریت اور عظیم الشان دینی و روحانی خدمات کی کیفیت نجیبی مولوی صاحب سے معلوم ہوتی رہتی ہے اور دل سے یہ دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بیش از بیش فیوض و برکات سے لوگوں کو متمتع فرمانے اور آپ کو اعلیٰ مقام قرب عطا فرمانے کے لئے اس سلسلہ کو قیام اور طول بقا عطا کریں۔ آمین

دل سے یہ خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ناکارہ کو بھی ایک بار آپ کی زیارت کا موقع اور حصول دعا و سعادات کا وقت عطا کریں۔ میں نے مدت پہلے حضرت اقدس مولانا تھانویؒ کے ارشاد گرامی کی بنا پر اپنا وطن مالوف سلہٹ چھوڑ کر ضلع میمن سنگھ کے ایک ایسے مقام کو اپنے قیام کے لئے منتخب کیا جہاں دین سے فرار اور بے دینی کی طرف رجحان عام تھا۔ الحمد للہ کہ حضرت مرحوم کے فیوض اور دعاؤں کی برکت سے خداوند کریم نے اس ضعیف و ناتواں ہاتھوں سے یہاں ایسے کام لئے جس کی بظاہر کوئی توقع نہ تھی ان کاموں میں "جامعہ امدادیہ" کا قیام حضرت موصوف کی ایک پائدار کرامت ہے ظاہری طور پر کم و بیش پچاس لاکھ روپیہ سے زائد کی تعمیرات وجود میں آچکی ہیں سات آٹھ سو طلبہ عربیہ، صالح اور باعمل علماء کے زیر تعلیم و تربیت تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور الحمد للہ کہ تربیت (دینی) سے بھی محروم نہیں ہیں۔ عمارت میں توسیع جاری ہے۔ مساجد آباد ہو رہی ہیں اور لوگوں میں دین اور علوم دینیہ کی طرف رجحان عام ہے فالحمد للہ علی ذلک۔ حضرت والا سے دعاؤں کی درخواست ہے کہ پروردگار عالم اس دینی ادارے کو دوام و قیام عطا فرمائیں۔

دل بے اختیار چاہتا ہے کہ اگر ایک بار جناب والا اس دیار کا عارضی طور پر

سہی قصد فرماسکتے تو ہم درد ماندوں کے لئے بڑی سعادت کا سبب ہوتا۔ اگر مشاغل دینی و دنیوی اجازت دیں اور ہماری درخواست قابلِ قبول ہوسکے تو زہے نصیب!

والسلام دعاؤں کا طالب

ارذل الخلائق اطہر علی عفی اللہ دعا فاہ

(حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا جواب)

محب من مولانا اطہر علی صاحب ادام اللہ حبکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

وہاں کی ترقی دینی کے حالات جو جناب کی وجہ سے وجود میں آئے، بڑی مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کام لیا اس سے بڑھ کر ہمارے لئے کیا سرمایہ ہوسکتا ہے۔

وہاں آنے کے سلسلہ میں جو تحریر فرمایا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آپ یہاں کا قصد فرماتے تو آپ کی برکات ہمیں بھی نصیب ہوتیں۔ اس لئے کہ میں تو یہاں ابھی تک کچھ کر نہیں سکا ہوں شاید آپ کی برکت سے کچھ ہو جائے اور لوگوں میں حرکت (دینی) ہو۔

والسلام

ایک بات لکھنے سے رہ گئی وہ یہ کہ

حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ جو ہمارے مشائخ میں سے ہیں۔ شیخ ابوسعید گنگوہیؒ سے خرقۂ خلافت لینے کے بعد جب اپنے مقام پر (جو صدرپور مضافات لکھنؤ میں تھا وہاں) کسی وجہ سے رہنا پسند نہ کیا تو پھر ردولی تشریف لے گئے وہاں سے باشارۂ شیخ ردولویؒ الہ آباد آکر مقیم ہوئے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی یہی واقعات ہوسکتے ہیں واللہ متولی اُمورنا وھو یھدی السبیل۔

والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

سبحان اللہ! بزرگوں کی باتوں کا کیا کہنا۔ ان حضرات کے لفظ لفظ میں نور ہوتا ہے۔

دیکھئے مولانا اطہر علی صاحب مدظلہٗ بھی بڑے شخص ہیں اور پیر بھائی ہونے کے ناطے ان کو ایک طرح کا حضرت مصلح الامتہ کے ساتھ حق مساوات بھی حاصل تھا لیکن حضرت والا کو جو خط لکھا تو کس عقیدت اور نیاز مندی سے لکھا ہے۔ اور حضرت والا نے بھی کس قدر محبت اور عظمت کے انداز میں ان کو جواب مرحمت فرمایا۔

باقی حضرت والا نے آخر میں جو بات فرمائی کہ ایک بات لکھنے سے رہ گئی الخ اس مطلب واللہ تعالےٰ اعلم بظاہر حال تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ مولانا اطہر علی صاحب نے اپنے تبدل وطن کا ذکر فرمایا تھا اس لئے حضرت والا نے ان کی تسلی کے لئے اپنے سلسلہ کے ایک اور بزرگ کا واقعہ لکھ دیا تاکہ ان کو فی الجملہ تسلی ہو جائے اور اسکو بزرگوں کی ایک قدیمی سنت سمجھیں۔

لیکن راقم کا خیال اس طرف بھی جاتا ہے کہ خود حضرت والا کو بھی چونکہ اسی راہ سے گذرنا پڑا تھا کہ بعض حالات کی بنا پر ترک وطن کر کے آپ پہلے گورکھپور تشریف لے گئے اور پھر وہاں سے الہ آباد تشریف لائے اور اس میں شک نہیں کہ آپ کے الہ آباد تشریف آوری ہی کے بعد سے آپ کو لوگوں نے پہچانا اور آپ سے لوگوں کو نفع زیادہ ہوا۔ اس لئے اگر حضرت کی مراد خود اپنی ہی ذات ہو تو بعید نہیں چنانچہ حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ کے ساتھ ہمارے حضرت ہی کو اسمی اور مقامی مناسبت اسی شق کی مرجح اور اس کا واضح قرینہ ہے اور اہل الہ آباد جانتے ہیں کہ شہر کے مشرقی جانب ایک کنارہ پر حضرت شیخ محب اللہ قدس سرہٗ کی آرام گاہ ہے اور ٹھیک اسی کی سیدھ میں مغربی جانب دوسرے کنارے پر ہمارے حضرتؒ کی خانقاہ ہے۔ اس پر ذرا سے تغیر کے ساتھ کسی کا یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

محب اللہ سے حاصل ہے تجھ کو نسبتِ کامل
وہ نسبت خواہ اسمی ہو مقامی ہو کہ وہ روحانی

بہر حال مراد اس جملہ سے کہ —— دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی یہ واقعات ہو سکتے ہیں۔ خواہ مولانا اطہر علی صاحب مدظلہٗ ہوں یا خود حضرت والاؒ ہوں یا دونوں

بزرگ ہوں۔ قدر مشترک اس میں یہ امر ہے کہ دین کے کام کے لئے وطن سے ہجرت سنت نبوی ؐ ہے اور اتباعِ سنت میں بزرگوں کو کبھی اس راہ بھی چلنا پڑتا ہے۔

واللہ تعالےٰ اعلم

اور جیسا کہ ہم عرض کر آئے ہیں کہ یہ خط مولانا اطہر علی صاحب مدظلہٗ کا بقلم مولوی صاحب موصوف ہی گیا تھا اس لئے مولانا مدظلہٗ کے جواب کے ساتھ ساتھ مولوی صاحب موصوف کو بھی ایک تحریر گئی۔ وھو ھذا

(حضرت مصلح الامۃؒ کا مولوی صاحب موصوف کو انتباہ)

مولوی صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مولانا اطہر علی صاحب سلمہٗ کی طرف سے جو دعوت نامہ آپ نے بھیجا ہے وہ ملا۔ وہاں مولانا کے (جو) حالات (ہیں ان) سے میں شرمندہ ہوا۔ (اس لئے) وہاں آکر بجز شرمندگی کے مجھے کیا حاصل ہوگا۔ یہ تو آنے کے متعلق عرض ہے باقی آپ جانتے ہیں کہ اب آنا جانا ایسا تو نہیں ہے کہ آدمی اٹھا اور چل دیا۔ سفر کے لئے صعوبات ہیں اسے کون برداشت کرے گا۔ درمیانی مراحل کون طے کرے گا۔ درخواست کے وقت ان باتوں کو کیوں خاطر میں نہیں لایا جاتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ محبت میں ان امور پر آپ لوگ غور ہی نہیں فرماتے۔ اللہ تعالےٰ سمجھ سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میرے لئے بھی دعا فرمائیے۔

والسلام

حضرت مصلح الامۃؒ کے اندازِ اصلاح سے جو حضرات واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ مذکورہ بالا خط کے آخری جملوں سے حضرت کی ناراضگی مترشح ہوتی ہے چنانچہ حضرت کا کسی کو یہ تحریر فرمانا کہ میں سمجھتا ہوں کہ محبت میں ان امور پر آپ لوگ غور ہی نہیں فرماتے اللہ تعالےٰ سمجھ سے کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے ـــــ گویا یہ کہنا ہے کہ

آپ کو محبت تو ہے لیکن فہم نہیں ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے اس تنبیہ کو سمجھا اور اس کی تلافی کے لئے فوراً حضرت والا کو یہ عریضہ لکھا۔

مولوی صاحب موصوف کا ایک اور عریضہ حضرت مصلح الامۃ کے نام

حال:- حضور کا ایک مکرمت نامہ بوساطت مولانا اطہر علی صاحب پہونچا۔ میں گذشتہ ماہ ایک ضرورت سے وہاں گیا تھا۔ اسی وقت مولانا نے خود کہہ کر میرے قلم سے ایک خط جناب والا کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ خدا شاہد ہے کہ میرا اس دعوت میں اشارہ بھی نہ تھا۔ حضرت والا کی ذرہ برابر تکلیف پر خدا کی قسم میں اپنی جان قربان کرنا اپنی سعادت سمجھتا ہوں۔ میں تو اکثر و بیشتر یہ دعا کیا کرتا ہوں کہ پروردگار میری باقی عمر کا چوتھائی حصہ حضرت والا کو دے کر حضرت والا کی عمر میں برکت عطا فرمائیں۔ میری عمر بیکار ہے اور حضرت والا کی ذات بیشمار انسانوں کے لئے نافع ہے خداوند کریم میری اس بیکار عمر کو حضرت والا کی نافع عمر میں تبدیل فرما کر مخلوق کے لئے فائدہ کا سبب بنائیں۔ میں یہاں سے سب کو گونگی حضری سہل سمجھتا ہوں مگر حضرت والا کے لئے وہاں سے یہاں سفر کرنے کا تصور بھی موجب تکلیف سمجھتا ہوں۔ میری محبت ہرگز اس کی مقتضی نہیں ہے کہ حضرت والا کو ذرہ برابر بھی زحمت ہو۔ اگر حضرت نے یہ خیال فرمایا ہو کہ میری تحریک پر مولانا اطہر علی صاحب نے دعوت دی ہے۔ تو میں بہ کمال ادب اس کے لئے عفو خواہ ہوں۔ یہ خطاکار اس معاملہ میں بے قصور ہے۔ امید کہ حضرت والا بھی اس ناکارہ کی تقصیرات معاف کریں گے۔

تحقیق۔ بہت خوش ہوا۔ میں خود آپ سے معافی مانگتا ہوں۔

دیکھئے اب مولوی صاحب کی تحریر بھی دوسرے ہی انداز کی ہونے لگی اور اب سمجھ میں آگیا کہ اصل یہی ہے کہ طالب کو مطلوب کے پاس جانا چاہیئے۔ اور حضرت والا

بھی ایک جگہ جم کر کام کرنے کے شروع سے لے کر آخر تک قائل رہے۔ درمیان میں گورکھپور پھر الہ آباد کا سفر ضرورتاً پیش آیا اور وہاں سے لکھنؤ اور آخر میں پھر بمبئی کا سفر بھی علاجاً رہا یہ الگ بات ہے کہ حق تعالےٰ نے اس کو حضرت والا کی جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کے لئے ان کی روحانی صحت کا بھی ذریعہ بنا دیا۔

چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت کو کتنے بڑے بڑے لوگوں نے دعوت دی اور حضرت اس سے خوش تو بہت ہوئے مگر جانے کا عزم نہیں فرمایا۔ یہی فرماتے رہے کہ یہاں کے کام کا حرج ہوگا۔ اور اگر اس خط وکتابت سے کسی کو حضرت والا کے تشریف لے جانے یا وعدہ فرمالینے کا خیال گذرا تو حضرتؒ نے ان کی بھی غلط فہمی کو دور فرما دیا ہے چنانچہ ایک صاحب نے ڈھاکہ سے حضرت کو لکھا کہ:

"مولانا صاحب سے یہ بھی معلوم ہو کہ مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب حضور کو ڈھاکہ تشریف لانے کی سفارش کر رہے ہیں اور حضور کے دل میں یہاں آنے کا خیال پیدا ہو رہا ہے"

اس کے جواب میں حضرت مصلح الامۃؒ نے تحریر فرمایا کہ:

"میں نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کو جو جواب لکھا ہے وہ اُن مولوی صاحب کے پاس بھی ہوگا۔ اس کو بغور ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں قریب کا تو وعدہ نہیں کیا گیا ہے بلکہ کام پر مدار رکھا ہے لہذا کام خود بھی کیجئے اور لوگوں سے کرائیے"

ہمارے حضرت والا واقعی کامل مصلح تھے ایسی دکھتی ہوئی رگ پکڑتے تھے کہ انسان کا نفس بس چیں بول جاتا تھا فرماتے تھے کہ مجھ کو لوگ جب اپنے یہاں لے جانے کو یا بلانے کو کہتے ہیں تو میں ان سے یہ کہہ دیتا ہوں کہ تم تو میرے پاس ایک عرصے سے آتے ہو اور مجلس میں بھی بیٹھے ہو میری باتیں بھی سنتے ہو لیکن ان سب کا کوئی خاص

اثر میں تم پر تو دیکھتا نہیں بلکہ عمل اور اخلاص سے اب بھی کورے ہو تو اپنے یہاں لے جاکر ایک دن یا دو چار دن کے لئے جن لوگوں کو میری باتیں سنوانا چاہتے ہو وہ تو چار ہی دن میں کامل ہو جائیں گے نا؟ جب اس طرح سے پوچھتا ہوں تو مجھے دیکھ دیکھ کر ہنستے ہیں۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ مشائخ کو ہر جگہ لے جانا مرادف ہے اس کے کہ نہ تو خود کام کرنا چاہتے ہیں اور نہ کسی کو کام کرنے دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت والا کہیں جاتے واتے نہیں الا ماشاء اللہ۔

یوں لوگوں نے تقسیم کے بعد خواہش اس کی بھی کی کہ حضرت والا مستقل طور پر پاکستان منتقل ہو جائیں چنانچہ ایک صاحب نے بڑا زبردست مکان بھی بریسال میں اسی نیت سے لے لیا تھا کہ حضرت اس میں ٹھہریں گے اور اس کی پیش کش کی لیکن حضرت والا نے اس کو منظور نہیں فرمایا — اور یہ فرمایا کہ میں اپنے بال بچوں کو لیکر جہاں چاہوں جا سکتا ہوں۔ مغرب میں بھی مرے احباب ہیں اور مشرق میں بھی میرے احباب ہیں لیکن میرا تعلق ان کے علاوہ یہاں کے لوگوں سے بھی تو ہے جن میں خاصی تعداد ایسے محبین کی ہے کہ وہ میری جدائی برداشت ہی نہ کرسکیں گے اور کتنے ایسے ہیں کہ رو رو کے مر جائیں گے اس لئے میں یہاں سے نہ جاؤں گا۔

تاہم حضرت والا نے تقسیم کے بعد لیکن پاسپورٹ کی بندش سے قبل جبکہ مشرق کا سفر آزاد اور کھلا ہوا تھا ڈھاکہ کا سفر فرمایا تھا اور چند ہی یوم قیام کر کے وطن واپس تشریف لے آئے تھے۔ اسی سفر کے بارے میں فرمایا تھا کہ :-

میں باہر ایک جگہ گیا ہوا تھا۔ اور احباب سے منع کر دیا تھا کہ میرے آنے کا اعلان نہ کیا جائے اور نہ کوئی اشتہار دیا جائے۔ مگر مجلس کے وقت دیکھتا تھا کہ بہت لوگ آجاتے تھے۔ ایک دن وہاں کے ایک بڑے عالم جو واقعۃً عالم معلوم ہوتے تھے تشریف لائے لوگوں نے مجھ سے ان کا تعارف کرایا اور یہ بتایا کہ آپ یہاں کے مسلم عالم ہیں میں بھی ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا وہ دیر تک خاموش بیٹھے رہے میں نے جب دیکھا کہ یہ صاحب تو کچھ کہتے ہی نہیں تو سوچا کہ لاؤ میں ہی

کچھ کہوں۔ چنانچہ میں نے اپنے احباب میں سے ایک صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ بہت دنوں کے بعد ایک بات میری سمجھ میں آئی ہے اگر اجازت ہو تو کہوں انھوں نے کہا کہئے میں نے کہا کہ ایک مدت کے بعد میری سمجھ میں یہ آیا کہ عقل کے معنے ہیں مال کے یعنی جس کے پاس زیادہ مال ہو سمجھو کہ وہ زیادہ عقلمند ہے۔ یہ سن کر وہ عالم صاحب ذرا چونکنے ہوئے میں نے ان کو متوجہ پاکر اپنے ان صاحب سے پھر کہا کہ ایک بات اور سمجھ میں آئی ہے وہ یہ کہ علم نام ہے زبان کا یعنی جو شخص جتنا زیادہ بولنے والا ہو اور عمدہ مقرر ہو وہ اتنا ہی بڑا عالم ہے اس طرح سے مختلف باتیں کر رہا تھا تفسیر روح المعانی لے کر آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے متعلق اس سے تفسیر بیان کر رہا تھا اور احیار العلوم میں بھی وہ جگہ نکال کر سنا رہا تھا جہاں امام نے لکھا ہے کہ جو علماء دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بناتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص نہایت ہی قیمتی دوشالہ سے پیر کا گرد آلود تلوا صاف کرے اور امام غزالی نے یہ بھی لکھا تھا کہ عجب نہیں کہ اس طرح کے لوگوں کا حشر بھی انھیں لوگوں کے ساتھ ہو جن کے بارے میں ارشاد ہے وَلَوْ تَرٰی اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاکِسُوْا رُءُوْسِهِمْ (الآیۃ) کیونکہ انھوں نے بھی دنیا میں اپنے علم سے الٹا کام لیا تھا لہذا سزا بھی اسی کے مطابق ملے گی۔ میرے سامنے تو کچھ کہا نہیں مگر لوگ بیان کرتے تھے کہ مجلس سے اٹھنے کے بعد باہر جا کر کہتے تھے کہ جتنی عمدہ عمدہ اور کام کی باتیں ان کی مجلس میں سننے میں آئی ہیں میں نے ساری عمر نہیں سنیں حالانکہ خود وہ مولوی صاحب تفسیر اچھی جانتے تھے اور اس سے ذوق بھی تھا۔

اور فرمایا کہ اسی سفر میں ایک گاؤں بھی جانا ہوا تھا جاتے وقت اسٹیشن پر ایک صاحب ملے جو ان صاحب کے داماد تھے جن کے یہاں میں جا رہا تھا انھوں نے کہا کہ ان صاحب نے (اپنے خسر کو کہا) آپ کے آنے کی پہلے سے مجھے اطلاع نہیں کی ورنہ میں اشتہار دے دیتا چاروں طرف باقاعدہ اعلان کرا دیتا حسن اتفاق کہ واپسی میں اسٹیشن

ہی پر پھر ان سے ملاقات ہوئی اس بار کہنے لگے انھوں نے آپ کے جانے کی پہلے سے اطلاع نہیں کی اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو آپ کے لئے دو سو روپیہ چندہ کر لیتا میں نے خیال کیا۔ لُو بھائی اس نے تو مجھے بھی دنیا دار پیروں کی فہرست میں شمار کر دیا اس لئے اب یہ موقع خاموشی کا نہیں ہے پہلی بار تو خاموش رہ گیا مگر اب اس کے خیال کی صلاح کرنی چاہیے چنانچہ میں نے اپنے ساتھ کے لوگوں میں سے ایک صاحب سے کہا کہ جو کچھ میں کہتا جاؤں تم اس کو ان کی زبان میں (یعنی بنگالی میں) سمجھا دو لیکن جب یہ دیکھا کہ سلسلہ کلام کا ربط ہی ختم ہوا جاتا ہے اور میرے مافی الضمیر میں بھی خلط واقع ہو رہا ہے تو میں نے ان صاحب کا واسطہ ختم کر دیا اور خود اردو ہی میں بیان کرنے لگا۔ چہرے بُشرے سے اندازہ کرتا تھا کہ میری بات کو خوب سمجھ رہے ہیں میں نے کہا کہ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ذرا ہوش کی دوا کیجئے کچھ جانتے بھی نہیں کہ پہلے زمانہ میں پیر ہی لوگ دین کے ساتھ ساتھ دنیا بھی بانٹتے تھے نہ معلوم کتنے وزراء اور سلاطین ان کے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے تھے ان سے مانگتے تھے اور کامیاب جاتے تھے آج یہ حالت ہوگئی ہے کہ مرید الٹا پیر کو دیتا ہے تف ہے ایسے پیر پر جو اپنے کو مریدین کا محتاج سمجھتا ہو اگر پیر میں غیرت ہو تو اس کو یہ خیال کر کے کہ مرید اسے حاجت مند سمجھ رہا ہے ڈوب مرنا چاہیئے میں نے یہ بھی کہا کہ عجب بات ہے کہ مرید سے اگر پوچھا جائے کہ تمھیں روزی کون دیتا ہے تو آسمان کی جانب اشارہ کر کے کہے گا کہ اللہ تعالٰے دیتا ہے اور پیروں کے بارے میں یہ چاہتے ہیں کہ کہا جائے کہ ہم دیتے ہیں یہ کیوں؟ تم کو خدا دے اور پیر کو تم دو کیا یہ ناانصافی نہیں ہے بس جب یہ بات ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم کو بھی اللہ تعالٰے دیتے ہیں جب میں کہہ چکا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ جانتے ہو یہ کیوں خفا ہو رہے ہیں وہ جو روپیہ کے لئے ان سے کہا گیا تھا وہی بات ان کو ناگوار ہوئی سچا ہے نا اور یہ بھی کہا کہ ہدیہ دینے میں خفا ہوتے سوا اس کے کسی کو نہیں دیکھا۔

(وصیۃ الاحسان صفحہ ۲۷)

بہر حال حضرت والا کو وہاں نہ جانا تھا نہ گئے اللہ تعالیٰ نے اہل الہ آباد اور اہل بمبئی وغیرہ کے لئے آپ سے فیض حاصل کرنا مقدر فرمایا تھا وہی ہوا کہ حضرت نے بعض حالات کی بناء پر ترک وطن فرمایا اور ڈیڑھ دو سال گورکھ پور رہ کر پھر مستقل طور سے الہ آباد میں تشریف لے آئے۔ چنانچہ کسی کو اپنے اسی زمانہ کے حالات تحریر فرماتے ہوئے فرمایا کہ ــــــ

"میں تقریباً دو سال سے الہ آباد میں ہوں مکان بھی لے لیا۔ امسال شعبان (یعنی شعبان ۷۹ھ) کے آخر میں پہلے میں خود بیمار رہا۔ ریاحی درد کا شدید دورہ پڑا۔ ابھی اس سے پوری طرح اچھا بھی نہیں ہوا تھا کہ میری ایک بچی کو چیچک نکلی (جو کہ مولوی نور الہدیٰ سلمہٗ سے منسوب تھیں) بالآخر دو ہفتہ بیمار رہ کر ۱۶ رمضان ۷۹ھ کو وہ ہم سب سے جدا ہو گئی۔ پھر ۲۹ رمضان کو دوسری اس سے بڑی لڑکی کو (جو کہ مولوی قمر الزماں سلمہٗ سے منسوب تھیں) شدید درد شکم ہوا جس کے صدمہ سے پیٹ میں پہلے بچہ مر گیا اور ۳ شوال ۷۹ھ کو خود اس کا بھی انتقال ہو گیا۔"

اس کے بعد گھر میں آٹھ دس بچوں کو چیچک نکلی چنانچہ اس میں ایک نواسے کا بھی انتقال ہو گیا اب الحمد للہ بقیہ سب بچے، بعضے ان میں سے اچھے ہو چکے ہیں اور بعض قریب بصحت کے ہیں۔ سب کے لئے دعا فرمایئے اللہ تعالیٰ صحت کل عطا فرمائے۔

اس وقت تو خیر میں ان سب حالات سے دوچار ہوں باقی ویسے بھی کہیں آتا جاتا نہیں اس کی وجہ سے طلبہ اور طالبین ہر دو جماعت کا نقصان ہوتا ہے۔

میرے لئے بھی دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ دین کا کچھ کام مجھ سے بھی لے لیں یہاں (الہ آباد) میں بھی مسجد کی تعمیر و توسیع سے فارغ ہوا ہوں اب لوگوں کی خواہش ہے کہ ایک عربی مدرسہ قائم کر دوں اس کے لئے خصوصی دعا کا طالب ہوں۔ والسلام خیر ختام

یہ خط حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ کے نام نہیں تھا بلکہ کسی اور کے نام لکھوایا تھا۔ یہاں اس کے ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس دور میں یہاں حضرت والا ان حالات سے گذر رہے تھے جس کی اطلاع غالباً حضرتؒ نے مولانا عثمانی کو بھی فرمائی تھی اس کے جواب میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا یہ خط آیا۔

(حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ کا خط حضرت والا کے نام)

مکرمی المحترم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ملفوف گرامی موصول ہو کر کاشفِ احوال ہوا۔ صاحبزادیوں کے امراض کی تفصیل معلوم ہوئی اور تعجب ہوا کہ آپ نے اہلیہ اولیٰ کے انتقال کے بعد اور نکاح نہیں کیا۔ اور خود ہی بچیوں کی پرورش کی ؏ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اللہ تعالیٰ مرحومات کو وہاں کی راحت سے نوازیں اور آپ کو صبر جمیل کے اجر جزیل سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

الہ آباد میں مدرسہ عربیہ جاری کرنے کا خیال مبارک ہے اس میں تاخیر نہ فرمائیں۔ انشاء اللہ سب سامان ہو جائے گا اور آپکے لئے باقیات صالحات میں سے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپکے دامادوں کو عالم باعمل صالح بنائیں اور ان کو بھی خدمت علم دین کی توفیق عطا فرمائیں۔

میری اہلیہ اولیٰ کا انتقال ڈھاکہ میں ہو گیا تھا اس کے بعد دوسرا نکاح کیا اس کا انتقال ہو گیا پھر تیسرا اور چوتھا نکاح کیا آج کل دو بیویاں جمع ہیں۔ انمیں سے ایک حکیم مصطفےٰ صاحب میرٹھی مرحوم کی صاحبزادی ہیں۔ اس سے ایک بچہ محمد مرتضیٰ سلمہٗ ہے دعا فرمائیے کہ زندہ سلامت باکرامت رہے۔ اور عالم باعمل صالح ہو جائے۔ دوسری کے اولاد نہیں ہے آجکل امید سے ہے اللہ تعالیٰ اس کو بھی ولد صالح عطا فرمائیں۔ دونوں میں فی الجملہ موافقت تو ہے مزید موافقت

یہ اللہ کی شان کہ کل تک جن بزرگ کو مدظلہٗ العالی لکھا جاتا تھا آج انکو رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے کل شئی ھالک الا وجھہٗ اب ہم بھی یہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امت کو حضرت مولاناؒ کا بدل عطا فرمائے۔

کے لئے دعا فرمائیں۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ آپ کے کوئی لڑکا بھی ہے یا نہیں؟ دعا فرمایئے کہ آخر وقت، قیام مدینہ کا سامان ہو جائے۔ اور موت مدینہ نصیب ہو۔

والسلام ظفر احمد عفی عنہ

۱۸ ارمحرم ۸۰ھ

حضرت اقدسؒ کے یہاں سے اس کا کیا جواب گیا۔ ہم کو وہ نہیں مل سکا۔ پھر اس کے چار پانچ ماہ کے بعد مولانا عثمانیؒ کا دوسرا گرامی نامہ آیا۔

(حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی عثمانیؒ کا دوسرا مکتوب گرامی)

عنایت نامہ سے علالت کا حال معلوم ہو کر رنج ہوا پھر صحت کی خبر سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ شانہٗ آپ کو سلامت باکرامت رکھیں اور الہ آباد میں مدرسہ عربیہ اسلامیہ قائم کرنے میں آپ کی مدد فرمائیں کہ وہاں اس کی بہت ضرورت ہے۔ اسکے ساتھ اگر مدرسہ جامع العلوم کانپور پر بھی آپ توجہ فرمائیں کہ وہ بھی باحسن اسلوب چلتا رہے تو مناسب ہے کہ وہ حضرت حکیم الامۃؒ کا قائم کردہ ہے اور بزرگوں کی نشانی ہے۔ میرا دل تو یہ چاہتا تھا کہ آپ اگر خانقاہ امدادیہ میں قیام نہ کریں تو پھر کانپور میں قیام کر کے جامع العلوم کو ترقی دیں۔ استخارہ فرما لیا جائے۔ میرے لئے قیام مدینہ منورہ کی دعا فرما دیجئے۔

والسلام مع الاکرام ظفر احمد عثمانی عفی عنہ

۲۶ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ

دارالعلوم "الاسلامیہ" ٹنڈوالہ یار سندھ

مذکورہ بالا خطوط سے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانویؒ کی محبت اور حضرت والا سے ان کے بے تکلفانہ تعلق کا اندازہ ہوتا ہے دیکھئے اپنے تمام خانگی حالات حضرت سے فرما دئے اور حضرت والا کے حالات بھی دریافت فرمائے اس کی بھی فکر

ہے کہ حضرتؒ کے کوئی نرینہ اولاد ہے یا نہیں؟ اور اس پر بھی حیرت ہے کہ حضرت نے تیس ۳۰ سال کی طویل مدت تجرد کے ساتھ کیسے گذار دی (کیونکہ حضرت پیرانی صاحبہ کا وصال ۵ / جون ۴۷ء کو ہوا تھا اور حضرت مصلح الامۃ کا وصال ۲۵ / نومبر ۱۹۶۷ء کو ہوا اس لحاظ سے گویا حضرت والا، پیرانی صاحبہ کے تقریباً بیس ۲۰ سال بعد اس دنیا سے تشریف لے گئے۔)

اپنے اہل خانہ سے، انسان کو جتنی راحت ہوتی ہے ظاہر ہے۔ خصوصاً ضعف و پیری اور مزید براں مرض اور علالت کے زمانہ میں تو کوئی دوسرا اس کا بدل ہو ہی نہیں سکتا لیکن حضرت والا نے ساری دشواریوں کو برداشت فرمایا اور کسی مصلحت سے عقد ثانی کا ارادہ ہی نہیں فرمایا۔ بخلاف اس کے حضرت مولانا ظفر احمد مدؒ نے اسکی ضرورت محسوس فرما کر متعدد نکاح فرمائے اور بیک وقت دو اہلیہ آپ کے عقد میں رہیں چونکہ اہل خانہ کی ضرورت اس کا نفع اور اس کے نہ ہونے کی صورت میں تکلیف کا پورا اندازہ مولانا کو تھا اسی لئے حضرتؒ کو لکھا کہ ؏

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

نیز حضرت والا کے متعلق، مولانا ظفر احمد صاحبؒ کی دلی خواہش بھی یہ معلوم ہوئی کہ آپ چاہتے تھے تھانہ بھون کی خانقاہ کو حضرت ہی آباد کریں لیکن کسی ذریعہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ حضرت والا اس کے لئے قطعی تیار نہیں ہیں (اور حضرت اس کی وجوہ خود بیان بھی فرماتے تھے) تو پھر علے سبیل التنزل مولانا کی رائے یہ تھی کہ حضرت والا کانپور میں قیام فرمائیں اور جامع العلوم ہی کی آبادی و شادابی کا ذریعہ بنیں۔ لیکن خدا تعالیٰ کی جانب سے تو قیام الہ آباد مقدر ہو چکا تھا اس لئے حضرت نے کسی اور جگہ جانا پسند ہی نہیں فرمایا چنانچہ الہ آباد ہی میں مکان لیا۔ پھر محلہ کی مسجد کی توسیع فرمائی اور یہاں ہی ایک عربی مدرسہ قائم فرما دیا جو بحمداللہ تعالیٰ آج بھی قائم ہے اللہ تعالیٰ اس کو یوماً فیوماً ترقی عطا فرما دے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ تھانوی کے مکتوبات کا سلسلہ تو ختم ہوا آخر میں

حضرت مصلح الامۃؒ کے وصال کی خبر "صدق" میں پڑھ کر مدیر صدق کے نام مولاناؒ نے جو تعزیت نامہ لکھا اس کو ملاحظہ فرمائیے اور اس سے اندازہ لگائیے کہ حضرت مصلح الامۃ کا۔ حضرت مولانا عثمانی تھانوی رح کے نزدیک کیا مقام تھا۔ ۲۹ر دسمبر ۱۹۶۷ء کے صدق میں ہے کہ ـــــ

"ایک تعزیت نامہ"

مولانا ظفر احمد تھانوی صدر مدرس اشرف المدارس ٹنڈوالہ یار حیدرآباد سندھ حضرت تھانویؒ کے مسترشد وصحبت یافتہ خصوصی ہی نہیں بلکہ عزیز قریب بھی ہیں مولانا شاہ وصی اللہؒ کی خبر رحلت صدق میں پڑھ کر اپنے تعزیت نامہ میں لکھتے ہیں۔

"یکم دسمبر کے صدق میں مولانا وصی اللہؒ کے انتقال کی خبر پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں تو ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ہندوستان کا ایک دورہ مولانا کی ملاقات کے لئے ضرور کروں کیونکہ مولانا عبدالغنیؒ (خلیفۂ حضرت تھانویؒ) فرماتے تھے کہ میں نے جب پاکستان آنے کا ارادہ کیا تو مولوی وصی اللہ صاحب سے کہہ دیا تھا کہ اب ہندوستان کو آپ کے سپرد کرتا ہوں۔ اسی کے متعلق ان سے کچھ کہنا تھا اور پاکستان کے متعلق بھی مشورہ کرنا تھا مگر افسوس ؏

روئے گل سیر ندیدیم وبہار آخر شد

اللہ تعالیٰ مرحوم کو درجات عالیہ سے نوازیں۔ اور ہندوستان کو ان کا جانشین دیں جو اپنی قوت ظاہری و باطنی سے وہاں اسلام کی حفاظت کا حق ادا کرتا ہے اور پاکستان کو بھی ایسا ہی صاحب باطن عطا فرمائیں۔" انتھیٰ

مولانا مرحوم کی وفات کے سلسلہ میں جو خبریں شروع میں آئیں اور صدق میں بھی شایع ہوچکیں بعد کو ان میں ترمیم مستند ذرائع سے ہوگئی وفات قریب فجر

نہیں بلکہ ۱۲ بجے شب میں ہوئی اور مرض (غالباً فالج) کا حملہ بھی بعد مغرب ہی ہوگیا تھا اور تدفین بھی سارے انتظامات ہو جانے کے بعد بھی ایک غلط فہمی کے باعث سرزمین حجاز پر نہ ہوسکی بلکہ عام قاعدہ جہاز کے مطابق بحری ہی قبر پر قناعت کرنا پڑی۔ آج سے کوئی پینتیس ۳۵ سال قبل جنھیں دربار اشرفی میں حاضری کا اکثر موقع مل جاتا تھا انھیں یاد ہوگا کہ ایک بہت مسکین صورت کے طالب بڑی خاموشی اور ادب کے ساتھ حضرتؒ کے عین محاذ میں لیکن فاصلہ پر سہ دری کے اندر نہیں بلکہ سائبان میں بیٹھے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ یہی شاہ وصی اللہ ہیں۔ اُس وقت کے گمنام و غیر معروف اور آج کے شیخِ نامور۔

(بحوالہ صدق ۲۹ر دسمبر ۱۹۶۷ء)

اب تھانوی ہونے کی مناسبت سے جی چاہتا ہے کہ حضرت استاذ مولانا جمیل احمد صاحب مدظلہ العالی کا خط بھی یہیں نقل کر دوں جو انھوں نے حضرت والا کو لکھا۔ مولانا موصوف کا بس یہ ایک ہی خط مل سکا۔ تعارف کے طور پر عرض ہے کہ مولانا جمیل احمد صاحب مدظلہ حضرت مولانا تھانویؒ کے داماد تھے اس طور پر کہ حضرت چھوٹی پیرانی صاحبہ جب حضرت تھانویؒ کے نکاح میں آئیں تو اپنے ہمراہ ایک لڑکی بھی (پہلے شوہر سے) لائی تھیں وہی مولانا جمیل احمد صاحب کے عقد میں آئیں۔ اس طرح پر گویا آپ حضرت مولانا تھانویؒ کے بھی داماد ہوئے۔ کچھ عرصہ رنگون وغیرہ میں رہے اس کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں مدرس ہوئے۔ پھر حضرت مولانا تھانویؒ کی علالت کے زمانہ میں تھانہ بھون میں رہنے لگے اور تقسیم کے بعد حضرت پیرانی صاحبہ کے ہمراہ لاہور تشریف لے گئے اور ایک عربی مدرسہ میں درس افتا پر فائز ہوگئے۔ دیکھئے مولانا خود بھی اچھے خاصے عالم تھے ذہین ذی استعداد تھے اور پاکستان میں حضرت مولانا تھانویؒ کے بہت سے خلفاء موجود تھے۔ لیکن مولانا نے اپنی اصلاح و تربیت کے لئے ہندوستان کے اس گوشہ نشین کا جو انتخاب فرمایا۔۔۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ حضرت مولانا جمیل احمد صاحب مدظلہ کی نگاہ

ہیں بھی حکیم الامتہؒ کے بعد اُسی جیسی برکت اور تربیت کے حامل اگر تھے تو حضرت مصلح الامتہ ہی تھے۔ چنانچہ انھوں نے مولاناؒ کے پاس عجیب عنوان سے خط لکھا اور حضرت والانے بھی اس کا جو جواب دیا ہے وہ حضرت ہی کا حصہ تھا صرف اسی کو سنانے کے لئے تمہیداً اتنا عرض کیا گیا۔ اب وہ خط سُنئے۔

(حضرت مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی کا خط حضرت والاؒ کے نام)

حضرت مخدوم و معظم مدظلکم العالی

بعد ہدیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عمر کا اکثر حصہ گذر گیا مگر کام کا نہ ہو سکا۔ طالب علمی کے مشاغل نے اور کچھ دوسرے ناگفتنی اعذار لنگ نے محروم رکھا۔

اب حضرت والا سے درخواست ہے کہ میری اصلاح و تربیت قبول فرما کر مرہون منت فرمائیں امید کہ حضرت والا محروم نہ فرمائیں گے۔ اور دعا بھی فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بقیہ قلیل عمر کو کار آمد بنا دیں۔

احقر جمیل احمد تھانوی سابق مدرس مظاہر علوم سہارنپور
حال دار العلوم الاسلامیہ پرانی انارکلی لاہور
۲۴ / جمادی الاولیٰ ۸۶ھ

(حضرت مصلح الامتہ نور اللہ مرقدہٗ کا جواب)

مخدومی و مکرمی دام عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

نامہ آیا۔ گویا عیسیٰ آیا تنِ مردہ میں جی سا آیا

"اے وقت! تو خوش کہ وقتِ ما خوش کردی"

محبت نامہ باعثِ شرف و افتخار اور سرور و انبساط ہوا۔ میں تو آپ ہی کے یہاں کا

ممنونِ کرم رہا ہوں اب اگر اس طرح سے بھی داخلِ سلسلہ ہو جاؤں تو یہ میرے لئے بہت بڑی سعادت ہے۔

آپ کی صلاح و فلاح کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی نسبت کی دولت سے آپ کو مالامال فرمادے۔ میں تو اس کے لئے تلاوتِ قرآن کو اقرب اور اسہل ذریعہ سمجھتا ہوں اور اسی کی جانب لوگوں کو توجہ دلاتا ہوں۔

میرا رسالہ "تلاوتِ قرآن" اور کتاب "نسبتِ صوفیہ" دستیاب ہو جائے تو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

والسلام خیر ختام وصی اللہ عفی عنہ۔ ۲ ارج ۲ ۱۳۸۶ھ دوشنبہ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃؒ کا جواب کس قدر تواضع اور تأدب سلسلہ اور ادائے حقِ شیخ میں ڈوبے ہوئے الفاظ ہیں۔ فرمایا کہ "میں تو آپ ہی کے یہاں کا ممنون کرم رہا ہوں"! اسی طرح سے اس سے قبل حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کو تحریر فرماچکے تھے کہ "آپ کا پروردہ ہوں اسمیں شک نہیں کہ جس کو جس در سے کچھ ملا ہوتا ہے خصوصاً دینی دولت وہ اس در کو کب بھول سکتا ہے اور کیسے چھوڑ ہی سکتا ہے۔

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب مدظلہٗ چونکہ تھانوی تھے اس لئے ان کا اصلاحی تعلق منظور فرماتے ہوئے بھی حضرتؒ نے اپنے اس "سلسلہ" ہی سے وابستگی کو سبب مسرت قرار دیا کہ چلو حضرت تھانویؒ سے تعلق کی ایک اور جہت تو نکلی (اگرچہ پہلی مرید ہو کر تھی اور یہ مراد ہو کر سہی۔)

راقم مرتب عرض کرتا ہے کہ اس کے بعد استاذی مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی مدظلہ، کا خط میرے پاس آیا کہ حضرت نے ان کتابوں کے متعلق ہدایت فرمائی ہے اور یہاں ان کا ملنا مشکل ہے لہٰذا تم بھیج سکو تو بھیج دو۔ میں نے دونوں کتابیں رجسٹری کر دیں۔ یاد پڑتا ہے کہ پھر اس کے بعد مولانا کا ایک اور خط حضرت والا کے پاس آیا تھا جس میں کتابوں کے مطالعہ اور اس کے تاثر کا ذکر تھا مگر وہ خط مجھے نہ مل سکا۔ اس سے حضرتؒ کا خلوص تعلق بالشیخ کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ عاشق اپنے محبوب کے ساتھ ادنیٰ ربط کی بھی دل سے قدر کرتا ہے۔

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

حالات مصلح الامۃ

(گذشتہ سے پیوستہ)

حضرت مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی کے خط کے بعد خیال تھا کہ یہ سلسلہ یہیں ختم کر دیا جائے اور اب سے حالات کو سوانح کے طرز میں منتقل کر کے ابتدائی حالات کا بیان شروع کر دیا جائے لیکن ع ماکل ما یتمنی المرء یدرکہ، انسان کی ہر خواہش پوری ہی نہیں ہو جایا کرتی یہ ارادہ بھی اس لئے نہ پورا ہو سکا کہ احباب نے حالات لکھنے کا وعدہ تو فرمایا لیکن ابھی تک ہم کو ان کی تحریریں حاصل نہ ہو سکیں صرف دو حضرات نے کچھ ابتدائی واقعات ارسال فرمائے ہیں۔ اس لئے قدرے ابھی اس کا انتظار ہے۔ گو ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارے بعض احباب کو بے چینی کے ساتھ حضرت رحمہ اللہ کے ابتدائی حالات معلوم کرنے کا شوق اور انتظار ہوگا تاہم اس وقت کی تاخیر کی تکلیف اس ضیق سے تو کہیں کم ہی ہوگی جو کہ حالات بیان کرتے کرتے سلسلہ کے منقطع ہو جانے سے آپ کو ہوگی۔ لہٰذا اس وقت ہم آپ کے سامنے حضرت اقدس رحمہ اللہ کے اپنے احباب خاص کے ساتھ ایک خاص تعلق اور محبت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے حضرت والا رحمہ اللہ کے اور مخدوم و محترم جناب ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب جونپوری ثم کراچوی کے مابین جو چند خطوط ہمیں دستیاب ہو سکے ہیں ان کو پیش کرتے ہیں

(ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب جونپوری اور حضرت مصلح الامۃ رحمہ اللہ)

نومبر ۵۵ء میں جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے حضرت مصلح الامۃ رحمہ اللہ کو یہ خط ارسال فرمایا۔

معظمی و محترمی دامت فیوضہم و دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ آپ کا مزاج گرامی بخیر و عافیت ہوگا۔ بحمد اللہ ہم لوگ بھی مع الخیر ہیں۔ آپ کی اکثر یاد آتی ہے اور ذکر ہو جایا کرتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جب سے میں یہاں آیا ہوں مولوی اسلام اللہ صاحب سے ملاقات ہو گئی ہے۔ بڑی محبت فرماتے

ہیں اور اکثر ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے فیوض و برکات کا تذکرہ رہا کرتا ہے۔ آج بھی بہت محبت کے ساتھ ذکر ہو رہا تھا بے ساختہ جی چاہا کہ عریضہ لکھوں دریافت خیریت مزاج بھی کرلوں اور اپنے لئے آپ کی توجہات اور دعاؤں کا سرمایہ بھی حاصل کرلوں۔ میں یہاں مطب کر رہا ہوں اور بحمد اللہ تعالیٰ کام اچھا چل رہا ہے اس لئے مصروفیت بھی کچھ زیادہ رہتی ہے۔ تندرستی یہاں کی آب و ہوا کی وجہ سے کچھ اچھی نہیں رہتی۔ اعصاب بھی کمزور ہوتے جا رہے ہیں، آخرت کا خیال اور اپنی ناکارگی بعض وقت بہت پریشان کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے ایسی برگزیدہ ہستیوں سے وابستہ فرما دیا ہے کہ جس کے صدقے و طفیل میں دین و دنیا کی حقیقت تو واضح ہو گئی ہے لیکن اس کا حق ادا نہیں ہو پاتا تو بڑی مایوسی اور پریشانی ہوتی ہے۔

اس لئے کرم ہائے دیرینہ کی تقویت پر استدعا کرتا ہوں کہ میرے لئے دعا فرماویں کہ اللہ تعالیٰ باقی ماندہ زندگی میں اپنی مرضیات پر کاربند ہونے کی توفیق وافر نصیب فرمادیں اور ان لمحات زندگی کو اپنے ذکر و فکر کا سرمایہ دار بنادیں۔ تکمیل ایمان و توثیق اعمال صالحہ کی سعادت عطا فرمادیں۔ اپنے ہی تعلق قوی کے ساتھ زندہ رکھیں اور اسی تعلق کے ساتھ عاقبت بخیر فرمادیں۔ آمین

احقر محمد عبد الحیٔ عفی عنہ

(ہومیوپیتھ) (جونپور)

(حال مقیم) رابسن روڈ کراچی۔ ۸ار نومبر ۱۹۵۵ء

ڈاکٹر صاحب کے اس خط کا جواب اور شاید اس سے قبل بھی کسی اور خط کا جواب حضرت والا کے یہاں سے کسی خادم کے ہاتھ کا لکھا ہوا گیا جو کہ جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کو شاق گذرا چنانچہ انھوں نے حضرت والا کے چھوٹے بھائی جناب حاجی اسلام اللہ صاحب کی زبانی اپنا یہ شکوۂ محبت حضرت کے پاس کہلا بھیجا۔ حضرت والا کے اس جواب میں اسی کا تذکرہ ہے۔

(گرامی نامہ حضرت مصلح الامۃ بنام جناب ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہ العالی)

عنایت فرمائے بندہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

اسلام اللہ آئے ان سے معلوم ہوا کہ آنجناب کا کوئی خط آیا تھا اس کا جواب میں نے خود اپنے قلم سے نہیں دیا جس کی وجہ سے آپ کو رنج ہے تو عرض ہے کہ مجھے بالکل یاد نہیں پڑتا کہ کب آپ کا خط آیا تھا۔ اب تو اکثر بیمار ہی رہتا ہوں درد قولنج کا شدید دورہ پڑجاتا ہے جس کی وجہ سے بالکل معذور ہوجاتا ہوں۔ تمازلیٹ کر پڑھنے لگتا ہوں۔ شاید اسی حالت میں آپ کا خط آیا اور میں نے کسی دوسرے سے لکھوادیا ہو۔ یا ہوسکتا ہے کہ میں نے خط سے آپ کو پہچانا نہ ہو۔ بہرحال کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا صورت ہوئی۔ مجھے خود حیرت ہے کہ کیسے یہ بات ہوئی اس لئے کہ اکثر وبیشتر میں ہی جواب بقلم خود لکھتا ہوں۔ لہٰذا آنجناب للہ معاف فرمادیں۔ والسلام وصی اللہ عفی عنہ

اس خط کا جواب جناب ڈاکٹر صاحب مدظلہ کے یہاں سے یہ آیا۔

(نقل خط جناب ڈاکٹر محمد عبدالحی صاحب بنام حضرت مصلح الامۃ)

یکم ربیع الثانی ۱۳۸۰ھ

معظمی ومحترمی زاداللہ مجدہم وفیوضہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کا غیر متوقع محبت نامہ دل مشتاق کے لیے نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ دیر تک اس کا کیف وسرور دل میں رہا اور اب تک ہے' اللہ تعالیٰ اس مخلصانہ یاد فرمائی کا اجر عظیم عطا فرمادیں۔

میں حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ سے مخصوص تعلق رکھنے والوں کے ساتھ اپنے دل میں بہت محبت کا احساس رکھتا ہوں۔ ایک مدت سے آپ کے حالات فیض رسانی اور حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک وطریقہ تربیت واصلاح کی اشاعت کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں بہت دل خوش ہوتا ہے اور دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ نے آپ کے فیوض و

برکات روحانی کو ہمیشہ دائم قائم رکھیں ۔ آمین اور خلق اللہ کی دینی تشنگی کی سیرابی کے لئے تا دیر چشمۂ ہدایت بنائے رکھیں ۔ آمین ۔

میں نے قیام جونپور میں ایک مرتبہ اور ایک مرتبہ کراچی سے تقریباً سات آٹھ سال ہوئے دریافت خیریت و طلب دعا کے لئے ایک عریضہ ارسال خدمت کیا تھا مگر دو نو بار یہ معلوم ہوکر کہ جناب والا نے اپنے دست مبارک سے جواب تحریر نہیں فرمایا ۔ کچھ طبعی ملال ضرور ہوا ۔ میں تو توجہ خاص کا منتظر اور جویا تھا حضرت اقدس نور اللہ مرقدہٗ کا مذاق خصوصی یہ تھا کہ اپنے خادمانِ خاص اور اعزہ کو بطور خود بھی یاد فرمالیتے تھے اور خطوط تو ہمیشہ اپنے ہی دست مبارک سے اُن کو تحریر فرماتے تھے بعض وقت خصوصی تعلق والوں سے جوابی لفافے یا ٹکٹ بھیجنے پر شکایت بھی فرماتے تھے ۔ اگر غور کیا جائے تو حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے اس اندازِ خیال فرمائی میں تعلقات محبت کی ترقی کیلئے بڑی جاذبیت محسوس ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمادیں مجھے آپ کی تحریرات نہ ملنے پر یہ گمان پیدا ہوا کہ آپ نے حضرت والا رحمۃ اللہ کے اس مذاق کی رعایت نہیں فرمائی اور آپ نے اس ناکارہ کو براہ راست قابل التفات نہ سمجھا ۔ حالانکہ مجھے اس کا کوئی استحقاق نہ تھا پھر بھی قلق ہوا اور آئندہ خط و کتابت جاری رکھنے کے لئے دل آمادہ نہیں ہوا ۔

یوں تو مجھے آپ سے زیادہ ملنے جلنے کا موقعہ اور سعادت زیادہ نصیب نہیں ہوئی لیکن آپ کی محبت و بے تکلفانہ اور سادگی طبع کی ہمیشہ قدر رہی اور آپ جب بھی ملے بہت ہی مخلصانہ انداز سے ملے میرا جی چاہتا تھا کہ اگر ملاقات کے امکانات بعید ہیں تو خط و کتابت ہی سے زیادہ سے زیادہ آپ کا قرب باطنی حاصل کروں اور آپ کی توجہات محبت سے بہرہ اندوز ہوں ۔ یہی جذبہ داعی ہوا کہ مولوی اسلام اللہ صاحب جب آپ کی خدمت میں جانے لگے تو میں نے خاص طور پر اپنی پُرخلوص و محبت آمیز شکایت آپ تک پہونچائی ۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مراتب بلند فرمادیں آپ نے بہت جلد تلافیٔ مافات کے لئے مری دلجوئی اور دل نوازی فرمائی ۔ میں اس کو اپنے لئے سرمایہ

سعادت سمجھتا ہوں۔ جزاکم اللہ خیراً

آپ کی صاحبزادیوں کے انتقال کی المناک خبر موصول ہوئی تھی۔ ان کے لئے دعائے مغفرت اور آپ کے لئے صبر جمیل کی دعا کرتا رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے قلب حزیں کو اپنی صلوات و رحمت سے سکینۂ تام عطا فرماتے رہیں۔ آمین

میں اپنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خادموں کے سلسلہ میں ایک بہت ہی ناکارہ اور کم عمل غافل فرد ہوں۔ مری خراب شدہ استعداد باطنی کی درستی اور صلاح و فلاح دارین اور عافیت بخیر ہونے کے لئے دعا فرمائیں۔ میں بھی دل و جان سے آپ کے تمام مقاصد قلبی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ فقط احقر محمد عبدالحیٔ عفی عنہ

اس خط کا جواب حضرت اقدس کے یہاں سے جو گیا ناظرین کرام اس کو ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف نے جب انتہائی خلوص کے ساتھ دل میں جو کچھ تھا اس کو صاف صاف حضرت سے بیان فرما دیا تو حضرت والا پر ان کے اس پُرخلوص شکوہ کا اور محبت آمیز شکایت کا کتنا شیریں اثر پڑا کہ سارا خط ہی کیف و سرور اور خلوص و محبت اور عنایت و الفت سے پُر ہے۔ اور آج جب کہ ہم پر ان شیریں الفاظ کا اثر ہو رہا ہے اور اس کی چاشنی سے ہمارے کام و دہن لطف اندوز ہو رہے ہیں تو خود صاحبِ معاملہ کو ان کا کیا کچھ لطف آیا ہوگا ؎

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا
جب تو نے یہ مے ساقی ساغر میں بھری ہوگی

اور اس لذت کا منشاء اور سبب وہی قلبی اور روحانی دلی اور باطنی۔ اور للہ فی اللہ محبت تھی جس سے ان بزرگوں نے حصۂ وافر پایا تھا۔ کیونکہ ؎

بے محبت نہیں لے ذوقِ شکایت کے مزے

اور — بے شکایت نہیں لے ذوقِ محبت کے مزے

اللہ تعالیٰ اس صدق و صفائی اور خلوص و محبت کا کچھ حصہ ہمیں بھی نصیب فرما دیں آمین۔ اب حضرت والا کا وہ جواب ملاحظہ فرمائیے۔

(جواب حضرت مصلح الامۃ بنام ڈاکٹر محمد عبدالحئی صاحب مدظلہ)

عنایت و کرم فرمائے بندہ دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ کہ میرے خط سے جناب والا کو کیف و سرور رہا اور اب تک ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ پر کیف رکھے آپ نے جو کلمات محبت تحریر فرمائے ہیں وہ ہمارے لئے بہت کچھ ہیں بھائی اسلام اللہ صاحب اس وقت موجود ہیں ان سے دریافت فرمالیجئے گا معالج نے کام کرنے سے منع فرمادیا تھا نے اکابر کے خطوط کے جواب بھی دوسروں کے قلم سے جاتے تھے باقی مضمون میں خود بتاتا تھا اور خطوط پڑھوا کے سنتا تھا بعض دفعہ بہت مجبوری ہو جاتی ہے بہر کیف آپ کی دلی محبت و عنایت کا ممنون ہوں کہ آپ نے اس کا شکوہ بھائی سے کیا کہ جس سے مجھ کو معذرت کا موقع ملا اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے میری لڑکیوں کی مغفرت کے لئے دعا فرماتے رہیے اور میری صحت کے لئے بھی اور خدمت دین اور اس میں خلوص کے لئے بھی اللہ تعالیٰ ہم دونوں میں کامل الفت عطا فرمادیں۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ بقلم خود

(اس کے جواب میں جناب ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کا یہ خط آیا)

معظمی و محترمی دامت فیوضہم و برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا۔ آپ کے محبت نامہ سے محبت دینی کے منتظر جذبات پھر بیدار ہوگئے۔ جزاک اللہ تعالیٰ۔ آپ نے آخر میں جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم دونوں میں کامل الفت عطا فرمادیں اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمالیں اور میرے لئے اس کو سرمایۂ آخرت بنادیں۔ مجھے آپ حضرات کی مخلصانہ دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب اکثر دریافت خیریت اور

طلب دعا کی سعادت حاصل کرتا رہوں گا۔ اس خط کے جواب کی اب زحمت نہ فرماویں آپ کی خیریت مزاج مختلف ذرائع سے معلوم ہوتی رہتی ہے۔ میں انشاء اللہ خود لکھتا رہوں گا آپ اب بلا تکلف جواب خط دوسروں سے لکھوا دیا کریں۔ مجھے آپ کا عذر معلوم ہو کر الحمد للہ اب کسی قسم کا وہم بھی نہ رہا اور آپ کے اخلاص و محبت کی بے انتہا قدر ہوئی مجھے آپ سے یہی توقع تھی۔ میں بہت ہی ناکارہ ہوں۔ بزرگوں کی چشم کرم سے بڑی تقویت ہو جاتی ہے۔

آپ کی صاحبزادیوں کے لئے دعائے مغفرت اور آپ کے لئے دعائے صبر جمیل کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ قبول فرماویں۔ فقط برادرم اسلام اللہ صاحب کی خدمت میں ہدیہ سلام مسنون اور استدعائے دعائے خیر معروض ہے۔

طالب دعائے خیر احقر محمد عبد الحئی

رابسن روڈ۔ کراچی

۱۵؍ اکتوبر ۶۶ء ۱۳؍ رجب ۸۶ھ

اس کے بعد حضرت والا کا کوئی اور خط گیا تھا جس کی نقل مجھے نہ مل سکی۔ ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالے کے یہاں سے اس کا یہ جواب آیا۔

(نقل خط جناب ڈاکٹر محمد عبد الحئی صاحب مدظلہ العالے)

محترمی و معظمی دامت فیوضہم و مدظلہم العالے

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

محبت و شفقت نامہ سے دل کو بڑی تسکین و مسرت ہوئی۔ بحمد اللہ تعالےٰ اب صحت و قوت بحال ہو رہی ہے۔ مزید بلکہ مستقل دعاؤں کے لئے بشرطیا مستدعی ہوں آپ کی صحت و تندرستی اور تا دیر فیوض و برکات روحانی جاری رہنے کے لئے دل و جان سے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ قبول فرماویں۔

آپ نے جو اس تعلق خصوصی کا اظہار فرمایا ہے میرا دل اس کے کیف سے معمور ہے

جزاک اللہ خیراً کثیراً ہ

ادائے حق محبت عنایتے است نہ دوست
وگرنہ بندۂ مسکین بہ ہیچ خرسندہ است

آپ نے مجھے جوابی لفافہ وغیرہ بھیجنے سے منع فرمایا ہے۔ میں تو صرف آنجناب کی فکر و زحمت بچانے کے لئے اور جواب میں سہولت کے لئے ایسا انتظام کرتا تھا۔ مگر آپ نے کچھ ایسے تعلق خاص اور خلوص و محبت کے انداز میں اس سے منع فرمایا ہے کہ اس کی قدر نہ کرنا بڑی سعادت سے محرومی ہے۔ ہمارے حضرت قدس سرہٗ العزیز کا بھی مذاق یہی تھا کہ اعزا و احباب خاص سے جوابی لفافہ کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ انھیں الفاظ میں منع فرماتے تھے جو آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔

چونکہ ابھی میرے پاس چند لفافے موجود ہیں اس لئے اجازت چاہتا ہوں کہ انکو استعمال کر لوں۔ فقط والسلام۔ احقر محمد عبد الحیٔ عفی عنہ

۱۵ر شعبان المبارک ۱۳۸۰ھ

روز دوشنبہ

(جواب حضرت مصلح الامۃ بنام جناب ڈاکٹر محمد عبد الحیٔ صاحب مدظلہٗ)

محبی و محترمی دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ بخیریت ہوں آپ کی خیریت سے مسرت ہوئی اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کامل کے ساتھ رکھے آپ کی دعاؤں سے بہت خوشی ہوتی ہے اور دل میں قوت پیدا ہو جاتی ہے برابر دعا کرتے رہیے جب یہ لفافے باقی نہ رہیں ضرورت جوابی لفافہ کی نہیں ہے۔ والسلام عفی عنہ

وصی اللہ عفی عنہ

(حضرت مولانا مسیح اللہ خانصاحب مدظلہ العالی اور حضرت مصلح الامۃ رح)

تھانہ بھون سے دو تین میل کے فاصلہ پر جلال آباد نامی ایک پرانا قصبہ آباد ہے۔ حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ کے مخصوص خلفاء میں سے ایک بزرگ مسیح الامت حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خانصاحب علی گڑھی مدظلہ العالی نے اسی کو اپنا مسکن تجویز فرمایا۔ چنانچہ یہاں ایک بہت بڑا عربی مدرسہ اور ایک نہایت ہی خوشنما اور عالیشان مسجد تعمیر فرمائی اور اس طرح سے حضرت مولانا ہی کی زیر سرپرستی یہاں مدرسہ اور خانقاہ دونوں کا نظم ساتھ ساتھ چل رہا ہے اور طلبہ اور طالبین دونوں ہی جماعتوں کو حضرت مولانا مدظلہٗ سے استفاضہ کا موقع حاصل ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

حضرت مولانا جلال آبادی مدظلہٗ نے پورب کا سفر غالباً نہیں فرمایا یا کم فرمایا کیونکہ ادھر اطراف الہ آباد یا اعظم گڈھ وغیرہ میں مولانا کا آنا کبھی سنا نہیں گیا اور شاید یہی وجہ اسکی بھی ہوئی ہو کہ قیام تھانہ بھون کے بعد سے مولانا موصوف کی ہمارے حضرت مصلح الامۃ رح سے ملاقات عرصہ تک نہو سکی اور کم از کم میرے علم میں تو ان دونوں بزرگوں کے درمیان مکاتبت کا ہونا بھی نہیں آیا تاہم قلتِ مکاتبت یا عدم مکاتبت کے یہ معنی بھی نہیں کہ باہم ان حضرات میں تعلق اور محبت کی کمی تھی، نہیں بلکہ بات یہ تھی کہ ان دونوں بزرگوں کے پاس مستقل ایک ایک کام تھا جسمیں یہ حضرات مشغول تھے اور یہ مشغولی دوسری جانب توجہ کرنے کا موقع ہی نہ دیتی تھی جیسا کہ آپ نے ابھی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ کے حالات میں بھی ملاحظہ فرمایا کہ انھوں نے بھی اسکا اظہار فرمایا تھا کہ ــــ " خط لکھنے کا اتفاق طرفین سے کم تھا " ــــ لیکن اسکے باوجود آپ نے یہ بھی دیکھا کہ قلبی تعلق اور محبت میں اس قلتِ مکاتبت کا کوئی اثر نہ تھا۔ اسی طرح سے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب مدظلہٗ کا بھی آنا جانا گو کم رہا تاہم دلی لگاؤ اور قلبی محبت میں ان دونوں بزرگوں میں مطلقاً کمی نہ تھی بلکہ جس طرح اسماءً یہ دونوں حضرات توام تھے قلباً بھی محبت میں کم نہ تھے۔

حالات مصلح الامۃؒ کے سلسلہ میں جی چاہتا تھا کہ مولانا جلال آبادی مدظلہ کے بھی کچھ ارشادات اور واقعات اگر مل جاتے تو یہاں پیش کرتا لیکن مولانا جلال آبادی مدظلہ سے دوایک بار زیارت و ملاقات کے باوجود اتنا قرب و تعارف اس خادم کو نہ ہوسکا کہ خود براہ راست حضرت ہی سے کچھ دریافت کرنے کی جسارت کرتا لیکن طلب شاید صادق تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں مدد فرمائی اور حضرت مولانا جلال آبادی مدظلہ کے کچھ ارشادات بھی مل گئے نیز حضرت مصلح الامۃؒ سے مولانا موصوف مدظلہ کی ایک دو ملاقات کی روداد بھی معلوم ہوئی۔ چنانچہ ہم پہلے اسی ملاقات کی تفصیل عرض کرتے ہیں۔ اسکے بعد بعض ارشادات پیش کریں گے۔

(حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب مدظلہ کی حضرت مصلح الامۃؒ سے ملاقات)

غالباً صفر ۸۵ھ میں جس زمانہ میں کہ حضرت مصلح الامتؒ کا قیام بمبئی میں تھا اور حضرت اقدسؒ علیل وضعیف تھے مولانا مسیح اللہ صاحب مدظلہ کا اپنے ایک طویل سفر کے سلسلہ میں بمبئی بھی جانا ہوا، حضرت مصلح الامتؒ کے قیام کی خبر پاکر ملاقات کے لئے ایک دن حضرتؒ کے پاس کرلا تشریف لے گئے اور سفر سے واپسی کے بعد اپنی اس ملاقات کا مفصل حال خود مولانا موصوف ہی نے کسی کو لکھا

تحریر فرمایا کہ بمبئی سے جلال آباد پرسوں واپس آیا سفر میں بیمار رہا۔ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے ملاقات ہوئی اور دوبار ہوئی۔ پہلی بار شام کو پہونچا تو مجلس ہورہی تھی باوجود لاؤڈ اسپیکر کے آواز لوگوں تک کم پہونچتی تھی، حاضری کی اطلاع دی گئی فوراً ارشادات بند فرماکر یاد فرمایا۔ بندہ حاضر ہوا خود مولانا (ملاقات و معانقہ) کے لئے اٹھنے لگے۔ میں نے کاندھے پر ہاتھ رکھکر بیٹھے ہی رہنے کے لئے اصرار کیا۔ بہت کمزور ہیں بات بھی مشکل سے سمجھ میں آتی ہے۔ (راقم عرض کرتا ہے کہ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ دیوبند سے جناب قاری طیب صاحب مدظلہ کا دعوت نامہ ۱۱/۸۴ کا بھیجا ہوا آچکا تھا اور عام چرچا تھا کہ حضرت اقدسؒ دیوبند تشریف لے جانے والے ہیں حالانکہ حضرت نے کوئی وعدہ ابھی نہیں فرمایا تھا بلکہ

بعض حالات کا انتظار تھا جس کے سبب تردد تھا مگر عام شہرت کی وجہ سے حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب نے بھی یہ تحریر فرمایا تھا کہ مجھے حضرت والاؒ کا ارادۂ سفر بہت بڑی خوش نصیبی اور سعادت سمجھ میں آتی ہے اور اب بات کا یقین پختہ تر ہوتا جارہا ہے کہ اولیاء امت بالخصوص حضرت والاؒ دارالعلوم کی نشاۃ ثانیہ اور استحکام کی طرف پوری طرح متوجہ ہیں۔ انھیں حالات سے متاثر ہوکر مولانا جلال آبادی نے بھی اگلی گفتگو فرمائی) اثناء گفتگو میں میں نے مدرسہ دیوبند تشریف آوری کیلئے عرض کیا تو فرمایا کہ اب میں وہاں کیا جاؤں وہاں تو اکابر موجود ہی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں کے حضرات کی خواہش ہے کہ آپ وہاں تشریف لیجائیں۔ فرمایا یہ صحیح ہے مگر مجھ سے وہاں بھلا کیا کام ہوسکے گا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر آپ تشریف لیجائیں تو لوگوں کو آپ سے مناسبت ہوگی اور منشاء والا کے مطابق کام کرنے کا احساس پیدا ہوگا۔ فرمایا کہ اچھا تو پھر آپ ہی مشورہ دیجئے کہ اس سلسلہ میں آپکی کیا رائے ہے۔ آیا میرا وہاں جانا کچھ مفید ہوگا؟ اس پر بندہ خاموش ہوگیا اور پھر دوسری باتیں ہونے لگیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد میں مولاناؒ سے رخصت ہوکر کار پر چلا آیا ابھی بیٹھا ہی تھا کہ دیکھا پیچھے پیچھے حضرت مولاناؒ کے بڑے داماد (جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ) چلے آرہے ہیں انھوں نے ایک رقم پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت والاؒ نے یہ ہدیہ جناب کو مرحمت فرمایا ہے۔ بندہ نے یہ کہتے ہوئے لے لیا کہ بہتر ہے حضرتؒ کا تبرک ہے۔ اس کے بعد ایک اور صاحب آئے اور کہا کہ حضرت والاؒ نے فرمایا ہے کہ دیوبند جانے کے متعلق آپ جو فرمادیں وہی منظور ہے۔ بس فیصلہ آپ ہی کی رائے پر موقوف ہے بندہ نے عرض کیا کہ حضرت سے فرمادیجئے کہ اب تو کل مجھے ایک سفر پر جانا ہے واپسی میں میں خود حاضر ہوکر اس سلسلہ میں کچھ عرض کرونگا۔

(دوسری ملاقات)

سفر سے واپسی کے بعد میں پھر شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیر تک

گفتگو رہی اسمیں سفرِ دیوبند کا بھی ذکر آیا میں نے لوگوں کی خواہش اور انتظار کا بھی ذکر کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ اپنے اکابر کے طرز پر طریق اور تصوف کا پیش کرنے والا اب کوئی نہیں ہے اسلئے ظاہر ہے کہ طریق سے لوگوں کو بُعد ہوتا جارہا ہے۔ آپ کی تشریف بری پر لوگوں کی مجالس میں حاضری ہوگی اسکی وجہ سے مناسبت پیدا ہونے کی اُمید ہے۔ مگر مولاناؒ آخر تک یہی فرماتے رہے کہ بس آپ ہی پر موقوف ہے۔ لہٰذا آپ ہی دوٹوک بات کہدیں کہ وہاں جاؤں یا نہ جاؤں۔ اسپر بندہ نے عرض کیا کہ حضرت کی طبیعت میں ذرا قوت آجائے تو وطن کی واپسی پر کیا حرج ہے ایکبار وہاں بھی جاکر دیکھ لیا جائے لوگوں کی توجہ اور احساس اور انکے طرزِ عمل کا حال معلوم ہو جائے گا۔ پھر جناب کے دل میں جیسا کچھ آئے اسی کے مطابق عمل فرمائیں۔ فرمایا اچھی بات ہے۔ بس اسپر بات ختم ہوگئی اور بندہ واپس چلا آیا۔

دوسرے دن خود مولاناؒ نے ایک صاحب کو بندہ کے پاس بھیجا انھوں نے کہا کہ حضرت والاؒ نے سلام فرمایا ہے اور یہ ہدیہ جناب کیخدمت میں بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ آپ کے آنے کے بعد فوراً ہی اسے بھیجا تھا مگر آپ کی کار روانہ ہوچکی تھی۔ بہرحال بندہ نے یہ خیال کر کے اس دفعہ بھی قبول کر لیا کہ یہ ناکارہ کیلئے خوش نصیبی ہے۔ اور ان صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت والاؒ نے فرمایا ہے کہ تعجب ہے کہ دیوبند کے لوگ مجھے تو اتنی دور سے بلاتے ہیں درانحالیکہ میں بیمار بھی ہوں اور کمزور بھی اور آپ کو کیوں نہیں بلا لیتے۔ یعنی جو کام مجھ سے لینا چاہتے ہیں آپ سے کیوں نہیں لیتے۔ بندہ نے اسکے جواب میں عرض کیا کہ حضرتؒ سے سلام کہئے گا اور کہئیے گا کہ وہ حضرات سب کے سب بڑے ہیں اکابر ہیں بندہ چھوٹا ہے انکے آگے کا بچہ ہے، اور آپ بھی بڑے ہیں قلب میں جسکی جسقدر عظمت و وقعت اور جسدرجہ جس سے مناسبت و عقیدت ہوگی اسی کے بقدر نفع ہوتا ہے۔ آپکی جانب رغبت ہے خواہش ہے اس لئے آپ تشریف لیجائیے انکو نفع زیادہ ہوگا۔ اور ان صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ حضرتؒ نے فرمایا ہے کہ جناب قاری (محمد طیب) صاحب وہاں خود ہی موجود ہیں ان سے کام لیا جا سکتا ہے۔

میں نے کہا کہ حضرتؒ سے فرما دیجئے گا کہ یہ درست ہے لیکن بات یہ ہے کہ جناب قاری صاحب مقامی شخص ہیں دوسرے ہر وقت انھیں من حیث الاہتمام مختلف معاملات سے سابقہ رہتا ہے۔ اور پھر اسفار وغیرہ بھی پیش آتے رہتے ہیں اور امور مدرسہ نیز اور دوسرے تذکرے (انکی مجلس میں) آتے رہتے ہیں جن پر وہ مجبور بھی ہیں۔ اور آپ کا سفر اور مجالس خالص اسی غرض اور مقصد سے ہونگی اور لوگوں کا آنا بھی اسی اصلاحی غرض سے ہوگا۔ اور آپکی مجلس میں بس اصلاحی تذکرے، تربیت سے متعلق بیانات اور ارشادات ہونگے، نیز دیگر اوقات کے ملفوظات بھی اسی عنوان کے ہونگے۔ پھر خصوصی مجالس کی خصوصیات اور تاثرات اور نیت وارادہ کے اثرات ہی کچھ اور ہوتے ہیں اور یہ سب باتیں آپ ہی میں مجتمع ہیں۔ دوسرے کے لئے ان سب کی رعایت مشکل ہے۔ اسلئے ایک مرتبہ تشریف لیجاکر دیکھ لیا جائے اور آئندہ کے لئے قلب کی شہادت کے بعد فیصلہ کا اختیار باقی ہے اسی پر عمل فرمایا جائے۔ اس کے بعد وہ صاحب واپس چلے گئے۔

ملاقات اور اسکی گفتگو تو ختم ہوئی اب اسکے بعد حضرت مولانا جلال آبادی مدظلہ نے اپنی مختلف مجالس میں حضرت مصلح الامۃؒ کے متعلق کبھی کبھی جو کچھ ارشاد فرمایا جو کہ میرے ایک دوست اور حضرت مولانا موصوف کے ایک شاگرد کے ذریعہ مجھے پہونچا اسکو بیان کرتا ہوں:۔

ان صاحب نے مجھے لکھا کہ اس ناکارہ نے حضرت استاد مدظلہ، (یعنی حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب مدظلہ العالی) سے حضرت مصلح الامت قدس اللہ سرہٗ کے متعلق جو ارشادات سنے ہیں جنھیں حضرت استاذی مدظلہ نے ایک خاص تاثر کے ساتھ بیان فرمایا پیش کرتا ہوں امید کہ آپ بھی محظوظ ہونگے۔

فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ مجھ سے بہت محبت فرماتے تھے چنانچہ میں جب دارالعلوم میں پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب (یعنی حضرت مصلح الامۃؒ) اسی وقت مجاز بھی ہو چکے تھے۔ میں کم عمر تھا اور شاہ صاحبؒ ادھیڑ عمر کے تھے۔ اور

شاہ صاحبؒ پر جو کیفیت اپنے سر اور کان پر ہاتھ ملنے کی بعد تک سننے میں آئی وہ اسوقت بھی تھی بلکہ اسوقت تو عام اوقات ہی میں ایک جذب سا طاری ہوا محسوس ہوتا تھا۔

ایک دن فرمایا کہ حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں حضرت شاہ صاحب (یعنی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ) میں سب سے زیادہ یکسوئی اور خلوت گزینی تھی۔ حضرتؒ اپنے مزاج اور حالات میں منفرد تھے۔ چنانچہ شاہ صاحب جیسا مزاج حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں سے کسی نے نہیں پایا تھا۔ شاہ صاحبؒ کو تصوف میں خاص ملکہ اور ادراک حاصل تھا۔ نیز شاہ صاحب کا انداز اصلاح بھی بہت عجیب و غریب تھا (راقم عرض کرتا ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ کے انداز اصلاح کا نمونہ تو حالات والا میں جگہ جگہ نظر سے گذرے گا اسوقت اس سلسلہ کا ایک واقعہ یاد آگیا عرض کرتا ہوں۔ ہمارے ایک دوست ہیں چودھری حبیب الرحمان صاحب جو کہ (مضافات الٰہ آباد میں ایک قریبی دیہات ہے) بمرولی وہاں کے رہنے والے ہیں ہمارے حضرتؒ سے بیعت ہیں۔ حضرت والاؒ کبھی کبھی جب شہر کی فضا سے گھبراتے تو ان ہی کے دیہات چلے جاتے تھے، ایک دفعہ بعض وقتی حالات کیوجہ سے حضرت والاؒ مع متعلقین کے ہمراہ وہاں تشریف لے گئے اور دو تین ماہ قیام فرمایا اس درمیان میں مہمان جو الٰہ آباد آتے تھے وہ بھی وہیں چلے جاتے تھے یہ مثل مشہور ہے کہ "صدر ہر جا کہ بنشیند صدر است" حضرت والاؒ بھی جس جنگل میں قیام فرماتے تھے اسمیں منگل ہو جاتا۔ چنانچہ یہاں بھی حضرت والاؒ کے طول قیام کیوجہ سے مہمانوں کی آمد و رفت کثرت سے ہونے لگی حتیٰ کہ انکے کھانے پینے کے لئے ہوٹل وغیرہ بھی قائم ہو گئے۔ انھیں دنوں مئو سے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی مدظلہ بھی تشریف لائے غالباً تین دن قیام فرمایا انکے لئے جناب چودھری صاحب نے علحدہ کمرے میں ٹھہرنے کا انتظام کیا خود چودھری صاحب بیان فرماتے تھے کہ ایک دن میں حضرت والاؒ کی خدمت میں حاضر تھا حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ چودھری صاحب آپ کے ہمنام ایک مولانا صاحب

اعظم گڑھ سے تشریف لائے ہیں آپ انکو پہچانتے ہیں چودھری صاحب نے عرض کیا جی ہاں ۔ فرمایا کہ انکے پاس جائیے اور میری جانب سے ان سے دریافت کیجئے کہ اخلاص کسے کہتے ہیں ؟ چودھری صاحب کہتے ہیں کہ میں گیا تو مولانا حبیب الرحمان صاحب لیٹے ہوئے تھے میں نے سلام کیا اور قریب جاکر بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ حضرت والاؒ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اخلاص کسے کہتے ہیں ؟ میرے منھ سے حضرتؒ کا یہ سوال سنتے ہی مولانا لیٹے تھے اٹھکر بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھ سے اپنا سر پکڑ لیا اور ایک دو منٹ تک سر جھکائے کچھ سوچنے لگے۔ (راقم عرض کرتا ہے کہ ناظرین کرام حضرت مصلح الامۃ کی عظمت شان اور شان اصلاح و تربیت کا یہ منظر دیکھیں کہ حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب جیسی عظیم المرتبت شخصیت جو کہ اسوقت استاذ العلماء کے منصب پر فائز ہے اور فن حدیث میں تو اپنی خداداد حذاقت اور لیاقت اور اپنی بعض خصوصیات کیوجہ سے عجب نہیں کہ ہند میں فوق الکل ہونے کا مقام آپکو حاصل ہو وہ بھی طریق باطن میں آکر اس سے متعلق "شیخ وقت" کے ایک سوال کو کس قدر عظمت اور تادب کے ساتھ سُن رہے ہیں اور پھر اسکا جو جواب دیا ہے حق یہ ہے کہ وہ مولانا ہی کا حق تھا۔ سچ ہے ؎ قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری)

اصل یہ ہے کہ مولانا پر اس سوال کا منشا منکشف ہوا اور اس سے مولانا نے یہ سمجھا کہ حضرت والاؒ اس کے ذریعہ کوئی اہم علم عطا فرمانا چاہتے ہیں اور کسی خاص چیز کی جانب متوجہ فرمانا چاہتے ہیں ورنہ تو اخلاص کے لفظی معنی کون نہیں جانتا اسلئے قدرے تامل کیا اور پھر سر اُٹھاکر فرمایا کہ حضرتؒ سے جاکر عرض کر دیجئے کہ حضرت اخلاص اسکو کہتے ہیں کہ "آدمی جس کا ہو جائے بس اسی کا ہو رہے" چودھری صاحب کہتے تھے کہ میں نے حضرت والاؒ سے جاکر حضرت مولانا کا جواب نقل کر دیا حضرتؒ جواب سنکر مسکرائے جس سے میں نے اندازہ کیا کہ حضرتؒ نے بھی اس جواب کو پسند فرمایا۔

راقم عرض کرتا ہے کہ جواب کی خوبی میں کیا کلام ہے۔ سبحان اللہ کیا کہنا۔ یہی دیکھئے کہ اس بات کو ہوئے عرصہ ہو چکا ہے اور دوسرے لوگوں کے ساتھ پیش آئی

ہوئی ایک گفتگو ہے مگر آپ سے کہتا ہوں کہ آج بھی اسکو نقل کرتے ہوئے قلب و قلم ہر دو وجد کناں ہیں اور میرا خیال یہ ہے کہ آپ بھی اگر جسماً وقالباً نہیں تو قلباً تو ضرور ہی اسکو سنکر جھوم گئے ہوں گے۔ واقعی سچ ہے کلام الملوک ملوک الکلام یعنی بڑے آدمی کی بڑی بات۔ سوال تو خوب تھا ہی جواب بھی بہت خوب ہے۔ اور حضرت والا رح کے اس نوع کے معاملات (یعنی سوال و جواب وغیرہ میں) بہت سی حکمتیں پنہاں ہوتی تھیں۔ چنانچہ کبھی تو اسکے ذریعہ ذی واسطہ ہی کو کچھ تعلیم و تنبیہ کرنا مقصود ہوتا تھا اور کبھی اس طرز کے ذریعہ خود واسطہ ہی کو سمجھانا منظور ہوتا تھا کہ وہ کسی ذی فہم سے یہ سوال خود کرے اور پھر اسکے جواب کو اپنے حال پر منطبق کرے اور دیکھے کہ جب ایسے ایسے بڑے لوگ یہاں اس عقیدت اور تواضع کے ساتھ خود کو پیش کرتے ہیں تو ہم کو کیسا کچھ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ہمارے حضرت رح کے یہاں یہ چیز بکثرت ملتی ہے کہ ؎

آنچہ خوش باشد کہ سر دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

فرماتے ہیں کہ بھائی اس زمانہ میں کسی کو یہ کہنا کہ تم منافق ہو بڑا مشکل کام ہے اور کوئی شخص اسکو سننے کے لئے تیار بھی نہیں ہے البتہ اسپر اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ دیکھو مخلص کے یہ معنی ہیں جس کو وہ اپنے اوپر منطبق کرکے خود ہی فیصلہ کرلے کہ ہم میں تو مخلصین کی سی بات پائی نہیں جاتی ہم تو منافق معلوم ہوتے ہیں یہ بلاشبہ مفید ہے اور اس کے لئے نافع بھی ہے۔

یہ واقعہ مجھے اس پر یاد آگیا تھا کہ مولانا جلال آبادی مدظلہ نے فرمایا تھا کہ "شاہ صاحب رح کا اندازِ اصلاح بھی بہت ہی عجیب و غریب تھا"۔ چنانچہ اس سلسلہ کے اور بھی بعض واقعات یاد آئے مگر جملہ معترضہ کے اصل مضمون سے طویل ہو جانے کے خوف سے آئندہ تجدید تنشیط کے لئے اسے محفوظ رکھتا ہوں۔

باقی حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب مدظلہ نے یہ جو فرمایا کہ "شاہ صاحبؒ میں ہم سب لوگوں سے زیادہ یکسوئی اور خلوت گزینی تھی" تو یہ حضرتؒ کے ابتدائی مجاہدہ کا بیان تھا اور ایک طالب حق کے لئے راہِ سلوک میں یہ ناگزیر بھی ہوتا ہے۔ حضرت جنیدؒ کا مقولہ حضرت والاؒ سے سنا فرماتے تھے کہ الا تصال بالحق بقدر انفصال عن الخلق یعنی جسقدر بندہ مخلوق سے کٹتا ہے اتنا ہی خالق سے جڑتا ہے۔ یعنی مخلوق سے جسقدر دوری ہوگی اسی قدر خالق سے قرب ہوگا۔ بقول خواجہ صاحبؒ سے

ایک تم سے کیا محبت ہوگئی　　ساری دنیا ہی سے نفرت ہوگئی

چنانچہ حضرتؒ ہی کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا کہ بھائی طریق میں اوّل مجاہدہ ہے پھر مشاہدہ ہے اور یہ اسی مجاہدہ پر مرتب ہوتا ہے۔ اب لوگ مشاہدہ کے تو طالب ہوتے ہیں مگر اسکی جو شرط ہے یعنی مجاہدہ اس سے گھبراتے ہیں۔ یہ بات اس پر عرض کی کہ مولانا جلال آبادی مدظلہ نے فرمایا تھا کہ شاہ صاحبؒ میں یکسوئی اور خلوت گزینی اور دوسرے حضرات کے مقابلہ میں نمایاں تھی، اور مقصد اس سے یہ تھا کہ ناظرین کی خدمت میں یہ مضمون واضح ہو جائے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ ؏

کچھ دنوں غم سہہ لیا پھر عمر بھر مسرور ہے

بالکل صحیح ہے۔ چنانچہ حضرت مصلح الامۃؒ بھی جو آخر میں بڑھے اور چمکے تو یہ اسی ابتدائی سکوت و خمول کا اثر اور نتیجہ تھا۔

اب آگے حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی مدظلہ العالی کا ایک طویل ملفوظ بلکہ مختصر سی مجلس جو ٹیپ سے نقل ہو کر مجھے ملی پیش کرتا ہوں۔ مجلس کی ابتدار تو حضرت مصلح الامۃؒ کے حالات کے بیان ہی سے ہوئی لیکن آگے بات میں بات نکلتی رہی اور ایک لمبا مستقل بیان ہی ہو گیا گو درمیان درمیان حضرت مولاناؒ کا ذکر بھی آتا رہا لیکن دراصل اسمیں حضرتؒ کے صرف ایک ہی حال کا بیان ہے

جس کے بیان کے سلسلہ میں خود حضرت مولانا جلال آبادی بھی ایک مخصوص حال سے متصف ہوگئے ہیں اور اسی کے تحت ایک نہایت ہی مفید مضمون ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی اپنے ان دونوں بزرگوں کے مخصوص حالات سے کچھ حصہ نصیب فرادے۔ چنانچہ اسکی افادیت ہی کے خیال سے اسکو ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

فرمایا کہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی عجیب ہی طبیعت کے مالک تھے خانقاہ میں سب سے الگ تھلگ رہتے تھے حضرت اقدس تھانوی رح کی جہاں نشست ہوتی تھی تو جس وقت حضرت مولاناؒ وہاں تشریف فرما ہیں بھی ہوتے تھے تو بھی دیکھا جاتا تھا کہ مولانا شاہ وصی اللہ صاحب ستون سے اپنی کمر لگائے ہوئے وہاں کھڑے ہوتے تھے۔ نیز یہ بھی دیکھا جاتا تھا کہ اور خلفا تو باہم کچھ ہنس بول بھی لیتے تھے لیکن ان کا عجیب رنگ تھا۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ طے کرنے والے پر بہت سے حالات طاری ہوتے ہیں اور اسکو بہت سے مقامات پر سے گذرنا ہوتا ہے ان میں ایک مقام مقامِ حیرت بھی ہے کہ آدمی اپنے خیال کو ہر طرف سے ہٹا کر اپنے مطلوب اور محبوب حقیقی کیجانب توجہ کر کے اور اپنے خیال کو اسکی جانب جما کر اسطرح بیٹھے کہ پھر اس کو کسی آنے جانے والے کی بھی کچھ خبر نہ ہو۔ یہ حیرت ہے اس کے بعد پھر غیبت آتی ہے پھر استغراق ہوتا ہے پھر سکر کی حالت ہو جاتی ہے۔ گویا ایک ہی جڑ سے مختلف قسم کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ چنانچہ اسی ذوق ایمانی میں جوں جوں معرفت اللہ تعالیٰ کی بڑھتی جاتی ہے مختلف شاخیں پھیلتی رہتی ہیں جن کے یہ نام ہیں۔ وجد۔ بشاشت۔ حضورِ قلب۔ مقامِ احسان۔ مقامِ حیرت۔ استغراق وغیرہ۔ یہ سب شاخیں ذوقِ ایمان ہی کی ہیں۔ سالک پر جب سکر کی حالت طاری ہوتی ہے تو پھر وہ لوٹتا ہے یا لوٹا دیا جاتا ہے۔ اگر اسکو کوئی شیخ کامل ملگیا یا اسکے کان میں پہلے سے سلوک کے مسائل پڑے ہوتے ہیں تب تو وہ خود بخود لوٹ آتا ہے ورنہ اگر حق تعالیٰ ہی کو اس سے کچھ اور منظور ہوا تو وہ سکر ہی میں رہتا ہے۔ تشریعی سلسلہ میں اگر

اللہ تعالیٰ کو اس سے خدمتِ خلق لینا نہیں ہوتا تو پھر اسکا تعلق تکوینی امور سے فرما دیتے ہیں اور تکلیف جس عقل کی متقاضی ہوتی ہے اسکے معدوم ہونے کیوجہ سے شرع اسکو معذور قرار دیدیتی ہے۔ پھر کبھی وہ قطب التکوین کے عہدے پر فائز کر دیا جاتا ہے یا وہ ابدال بنا دیا جاتا ہے۔ پھر انھیں میں کچھ اوتاد ہوتے ہیں جو عالم کے چاروں کونوں میں مقرر کیے جاتے ہیں اور انھیں میں سے جو چھپا ہوا ہوتا ہے اسکو مکتوم کہا جاتا ہے اور وہ ان پر بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ غرض سکر میں پہونچکر کبھی تو وہ لوٹا دیا جاتا ہے یا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں ہی رہجاتا تو مولانا وصی اللہ صاحبؒ بیچارے الگ تھلگ رہتے تھے نماز بھی عجیب کیفیت سے پڑھتے تھے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ مولانا جلال آبادی مدظلہٗ نے حضرتؒ کے ذکر پر اور انکے حالات کے بیان کے سلسلہ میں مقام حیرت کا جو تذکرہ فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مدظلہٗ کے نزدیک زمانۂ قیام تھانہ بھون میں حضرت والاؒ کچھ اسی قسم کے حالات سے متصف تھے۔ اب جو لوگ اس راہ سے گذرے ہوتے ہیں یا کسی اور طرح سے انکو اہل اللہ کے ان حالات کا علم ہوتا ہے وہ تو اس حال کو اور ایسے صاحبِ حال کو تحسر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ سبحان اللہ انکا حال کیسا اچھا ہے! اے کاش ہم کو بھی اسکا کچھ حصہ نصیب ہوتا اور جو شخص اس کوچہ سے نابلد ہوتا ہے اسکو اس پر تحیر ہوتا ہے کہ یہ کیسا شخص ہے کہ عام لوگوں کی طرح سے اسکے حالات نہیں ہیں نہ ہنستا ہے نہ بولتا ہے نہ کسی سے ملتا جلتا ہے۔ بالکل مردم بیزار سا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ مردم بیزار نہیں ہوتا بلکہ اسکا مصداق ہوتا ہے کہ ؎

عشق نے غالبؔ نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اب حضرت مولانا مدظلہٗ کے اس اشارہ کے بعد سمجھ میں آیا کہ واقعی حضرت اقدسؒ پر فنا فی اللہ کا ایک خاص حال طاری تھا جس کے لوازم سے فنا فی الشیخ بھی ہوتا ہے کہ وہی چونکہ ذریعہ ہوتا ہے وصول الی اللہ کا اسلئے سالک شیخ سے بھی

کم محبت نہیں کرتا اور طلب مولیٰ کیلئے یہ تحیر لازم ہے۔ ہمارے حضرتؒ کو یہ مقام حال اور اتصاف کے درجہ میں حاصل تھا چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خود حضرت والاؒ نے بھی ایک مقام پر اسی تحیر کا عجب انداز میں ذکر فرمایا ہے اور الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ بیتی سنا رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکا کسی قدر حصہ یہاں بھی بیان کر دیا جائے۔ اپنے ایک مشہور رسالہ "تلاشِ مرشد" کی ابتدا ہی ان لفظوں سے فرماتے ہیں کہ

اللہ تعالیٰ کی طلب، اس دار دنیا میں ایمان کے لوازم سے ہے جس قدر ایمان ہوگا اسی قدر طلب ہوگی اور جس طرح سے یہ طلب ایمان کے لوازم سے ہے اسی طرح سے حیرانی اور سرگردانی بھی طلب کے لوازم سے ہے۔ اس حال کو صوفیہ بھی حیرت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ حیرت محمود ہے کیونکہ ان حضرات کے یہاں حیرت کی دو قسمیں ہیں محمود اور مذموم۔ مذموم یہ ہے کہ انسان کو محبوب کی طلب سے غفلت ہو جاتی ہے جسکی وجہ سے وہ راستہ ہی چھوڑ دیتا ہے اور راستہ کے چھوڑ دینے کے لئے بھی حیرانی اور سرگردانی لازم ہے یہ حیرانی مذموم ہے اور تمام دنیا داروں کو حاصل ہوتی ہے بلکہ انکے لازم حال ہوتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اپنے مستقل مرکز یعنی اللہ تعالیٰ سے ہٹ جاتے ہیں۔ اور پھر انکا کوئی مستقل مرکز نہیں رہ جاتا یہی سبب بنتا ہے انکی حیرانی اور پریشانی کا کسی نے خوب کہا ہے ؎

رہے نہ دل کیلئے کوئی مستقل مرکز ۔۔۔ یہی ہے عقل تو دل اس سے دور ہی اچھا

اور ایک حیرانی اللہ تعالیٰ کی طلب میں ہوتی ہے جو تمام انبیاء علیہم السلام اور مومنین صالحین کو حاصل ہوتی ہے چنانچہ ووجدك ضالا فهدى کی ایک تفسیر حیرانی اور سرگردانی سے فرمائی گئی ہے (یعنی ہم نے آپکو طلب مولا میں) حیران و سرگرداں پایا پس وصال کی دولت سے آپکو نواز دیا) اور یہ حیرانی اسلئے ہوتی ہے کہ ادھر کا راستہ اس قدر وسیع ہے کہ یہ حضرات اسمیں حیران رہ جاتے ہیں اور یہ حیرانی کیوں نہو؟ یہ راہ بھی تو کس کی

راہ ہے؟ یہ محبوب حقیقی کی راہ ہے ۔ اس راہ میں تو جب کسی کو ذرا سی بھی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو بس وہ حیران رہ جاتا ہے یہاں تک کہ بعض بعض اس مرتبہ میں مجذوب تک ہو جاتے ہیں ۔ بس اسی حیرانی میں کبھی ان حضرات سے بظاہر کچھ خلاف اور خطا کا صدور بھی ہو جاتا ہے لیکن یہ مذموم نہیں ۔

چنانچہ امیر خسرو جو حضرت نظام الدین اولیاؒ کے خلفاء میں سے ہیں فرماتے ہیں ؎

حیراں شدہ ام در آرزویت — اے چشم جہانیاں بسویت
ما ایم تحیر و خموشی — آفاق ہمہ بگفتگویت
خسرو بکمند تو اسیر است — بیچارہ کجا رود ز کویت

یعنی میں تو تیری طلب اور جستجو میں حیران اور سرگرداں ہوں اے وہ ذات کہ دنیا کی نظریں تیری ہی جانب لگی ہوئی ہیں ۔ ہم ہیں اور ہمارے لئے حیرانی وخموشی ہے اور دنیا ہے کہ تیری گفتگو میں مشغول ہے ۔ خسرو تو اب تیرے کمند کا قیدی ہو چکا ہے اب وہ غریب بیچارہ تیری گلی کو چھوڑ کر کہاں جائے ۔

اور مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ؎

کاملاں کز سر تحقیق آگہند — بے خود و حیران و مست و والہ اند
نے چنیں حیراں کہ پشتش سوئے اوست — بل چنیں حیراں کہ غرق و مست دوست

یعنی کاملین جو کہ راز حقیقت سے آگاہ ہیں وہ تو ہر معاملہ قدرت میں حکمت کو دیکھ دیکھکر ہر وقت حیران و مست رہتے ہیں لیکن ایسے شخص کی طرح حیران نہیں جسکی پشت دوست کی طرف ہو یعنی حق تعالے سے غافل و محجوب ہو بلکہ وہ ایسے حیران ہیں کہ علوم الٰہیہ میں مستغرق اور مست ہیں ۔

اب اس حیرانی کے اسباب کا بیان کچھ آسان نہیں ہے یہ وہ حیرانی ہے جو محبوب حقیقی کی طرف سے پیش آتی ہے اور ہر ایک کو اسکے حال کے مناسب پیش آتی ہے ۔ (بات یہ ہے کہ) وہ غنی ہیں طالب سے بھی اور طالبین کی طلب سے

بھی اسلئے وہ اپنے طالبین سے بھی استغنار ظاہر کرتے ہیں۔ اب جبکہ محبوب ہی استغنار ظاہر کرے تو ایک طالب و محب بیچارہ کیا کرے اور کہاں جائے بس وہ حیران و ششدر رہ جاتا ہے اور بالکل اسکا مصداق ہو جاتا ہے کہ ؎

دیدار مینمائی و پرہیز می کنی بازار خویش و آتش ما تیز می کنی

یعنی اے محبوب تو اپنا دیدار بھی دکھاتا ہے اور مجھ سے اعراض و استغنار بھی برتتا ہے اسکے ذریعہ تو تو اپنے حسن کے بازار کو اور میرے عشق کی آگ کو تیز سے تیز تر کر دیتا ہے اور زبانِ حال سے یہ کہتا ہے کہ

اشاهد من اهوی بغیر وسیلة فیلحقنی شان اضل طریقاً
یوجج ناراً ثم یطفی برشة لذالك ترانی محرقاً و غریقاً

یعنی میں اپنے محبوب کو بغیر کسی وسیلہ کے براہ راست ہی مشاہدہ کرتا ہوں تو مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ میں راستہ ہی بھول جاتا ہوں۔ وہ محبوب میرے دل کی آگ کو اوّل تو بھڑکاتا ہے پھر اس پر چھینٹے ڈال کر بجھا بھی دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ جسکی بنا پر تم مجھکو آگ میں پڑا ہوا اور پانی میں ڈوبا ہوا دیکھتے ہو۔ اور اسی حال میں وہ کہتا ہے کہ ؎

باغ میں لگتا نہیں صحرا سے گھبراتا ہے دل اب کہاں لیجا کے بٹھیں ایسے دیوانے کو ہم

اور محبوب کے لئے تو یہ بے نیازی لازمی ہے جیسے عشاق کیلئے نیاز و طلب لازم ہے۔ چنانچہ وہ اپنے عشاق کا اس میں امتحان لیتے ہیں ؎

مزا آتا ہے انکو چھیڑنے میں اپنے عاشق کے کبھی مسرور کرتے ہیں کبھی رنجور کرتے ہیں

اس پر کسی عاشق نے بھی خوب ہی کہا ہے ؎

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے بے نیازی تری عادت ہی سہی

یہی وجہ ہے کہ سالک کو کبھی کبھی قبض پیش آ جاتا ہے۔ پس جب حیرانی طریق کے لوازم سے ہے تو ہر طالب میں اسکا کم و بیش ہونا ضروری اسی لئے کسی طالب کو کوئی اصول اور طریقہ جب سکھایا جائے گا تو بصیرت حاصل ہونے سے پہلے وہ کسی اصول

رہے گا نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہی اسکے شامل حال ہو جائے اور وہ اپنے طلب کے امتحان میں کامیاب ہو جائے۔“ انتہیٰ۔ (تلاشِ مرشد ص۳)

دیکھا آپ نے۔ سبحان اللہ کیا کلام فرمایا، چونکہ قاعدہ ہے کہ ”از دل خیزد بر دل ریزد“ ؏ بات جب دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ اس کلام کا بیّن اثر آپ بھی محسوس فرما رہے ہوں گے۔ تو مولانا جلال آبادی مدظلہ نے یہ فرمایا کہ ”مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ عجیب طبیعت کے مالک تھے۔ خانقاہ میں سب سے الگ تھلگ رہتے تھے دیر دیر تک شیخ تھانویؒ کی نشست گاہ میں تنہا ستون سے ٹیک لگائے خاموش کھڑے رہتے تھے سکوت و خاموشی لازم حال تھی غرضیکہ انکا عجیب رنگ تھا اور کوئی بھی انکا ہمرنگ نہ تھا۔ اور تحیّر و سکوت کے مقامات پر پہونچکر وہاں سے مخلوق خدا کی خدمت تشریعی کے لئے واپس کر دیئے گئے تھے یعنی مجذوب نہیں تھے بلکہ نہایت ہی باہوش سالک تھے۔ چنانچہ مولانا جلال آبادی مدظلہ ہی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شاہ صاحبؒ کو تصوف میں خاص ملکہ اور درک حاصل تھا یہ خلاصہ ہے مولانا موصوف کے یہاں تک کے ارشاد کا ——— اب آگے مولانا جلال آبادی مدظلہ کی بقیہ تقریر سنیئے:۔

فرمایا کہ مولانا وصی اللہ صاحبؒ بیچارے سب سے الگ تھلگ رہتے تھے اور نماز تو عجیب کیفیت سے پڑھتے تھے۔ خیر میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ایمان اصل ہے اور اسکی بہت سی شاخیں ہیں مقام حیرت بھی اسکی ایک شاخ ہے ایمان سبکی اصل ہے۔ چنانچہ ایک مومن کو من حیثیت الایمان یہ لازم ہے کہ وہ سوچتا رہے کہ میں ہوں کیا؟ تاکہ اپنی معرفت کے بعد اسکے لئے اپنے منصب کا سنبھالنا آسان ہو جائے۔ جس طرح کہ ایک شیر ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو سمجھ لیتا ہے کہ میں شیر ہوں تب وہ اپنا منصب سنبھالتا ہے یعنی شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے لہذا وہ اور دوسرے جانوروں کے ساتھ کوئی چھچھوری حرکت نہیں کرتا نہ انکو چھیڑتا ہے نہ ان سے غراتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ میں ان سب کا حاکم ہوں میرا کام تحمل ہے۔ ایثار اور

رحمدلی میرا پیشہ ہے۔ یہ میں بطور تمثیل کے بیان کر رہا ہوں۔ آپ خود دیکھئے فرض کیجئے کہ ایک شیر جا رہا ہے ریل کی پٹڑی پر ادھر سے ایک آدمی آ رہا ہے آدمی کو دیکھکر شیر کھڑا ہو گیا دوسری جانب وہ آدمی بھی شیر کو دیکھکر ڈر گیا اور کھڑا ہو گیا۔ شیر نے جب یہ دیکھا کہ آدمی ڈر رہا ہے تو اپنا رخ ادھر سے پھیر لیا اور جسم کو سادھ کر ایک جست لگا کر دوسری پٹڑی پر چلا گیا اور راستہ اس آدمی کے لئے چھوڑ دیا کتنا ایثار کیا اس آدمی کیلئے جانتے ہو کیا بات ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ میں بڑا ہوں، اس سے زبردست ہوں۔ اور ہم نے تو اب تک یہ بھی نہ جانا کہ بڑا کہتے کس کو ہیں؟ کسی بڑے کی پیشانی پر تو لکھا ہوتا نہیں کہ وہ بڑا ہے۔ بڑا اپنے حالات اور صفات سے پہچانا جاتا ہے۔ اس کے اندر تواضع ہوتی ہے، دوسروں کی رعایت ہوتی ہے، ایثار اور تسامح ہوتا ہے۔ چنانچہ تکبر کرنا بڑے کا شیوہ نہیں۔ دیکھو شیر نے جب اپنا بڑا ہونا جان لیا تو اسکے اندر ایثار، چشم پوشی، رعایت یہ سب خصلتیں آئیں اور تکبر اور اوچھا پن سے وہ دور رہا۔

اسی طرح سے سمجھو کہ دنیا میں ایمان کی روشنی مومن کو اسی لئے دی گئی ہے کہ وہ اس سے پہلے اپنے کو پہچانے اگر کسی نے اپنے ایمان سے خود اپنے ہی کو نہ پہچانا تو اس نے کیا کیا؟ مؤمن کی نظر اپنی حقیقت پر ہونی چاہیئے کیونکہ وہ بہت بڑے وصف کا حامل ہے۔ مؤمن ذات باری تعالیٰ کی صفت ہے جس کے ساتھ یہ مؤمن بھی متصف ہے۔ اللہ تعالےٰ نے کلام پاک میں فرمایا ہے اَلْقُدُّوْسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ تو دیکھو! المؤمن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ پس مومن کا باری تعالےٰ کے ساتھ یہ اشتراک اسم جو ہے یہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے یہ اشتراک اسمی بہت بڑا شرف ہے۔

لہٰذا اب مؤمن سوچے کہ جب مجھے شرکت اسمی حاصل ہے تو اللہ تعالیٰ کی صفات کیا ہیں اور ہمارے اوصاف کیا ہیں اور اس شرف کے تقاضے ہم میں کیسے ہونے چاہئیں اگر مومن صرف اسی ایک بات کا مراقبہ کرے کیا یہ اسکی اصلاح کیلئے کافی نہیں؟ بیشک کافی ہے یہ تصور قلب میں ایک تحریک پیدا کر دیگا۔

مگر ہمارا یہ حال ہے کہ آج اگر تھوڑی دیر ذکر کر لیا یا اگر تھوڑی دیر تلاوت کر لی تو بس اسکو کافی سمجھ لیا حالانکہ یہ سب مبادی ہیں مقاصد ان سے بہت آگے ہیں۔ ہم مبادی ہی پر قناعت کر لیتے ہیں اور سُست ہو جاتے ہیں یہ حال صحیح نہیں ہے مقاصد تک پہونچنے کی کوشش ہونی چاہیئے۔ سالکین کی یہ انتہائی کم ہمتی اور سستی ہے کہ وہ مقصد کے حصول میں نہیں لگتے اور لطف یہ کہ پھر جب وہی سست ہو گئے تو مشائخ نے بھی صبر کر لیا اور ان سے اعلیٰ مقاصد تک سلوک کا مطالبہ ہی ختم کر دیا اور یہ کہکر تسلی کر لی کہ خیر اس زمانہ میں اتنا بھی بہت ہے۔ حالانکہ سلوک کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ صرف منہیات اور محرمات سے بچ جائے اور بس، یہ تو عام ایمان کا تقاضا ہے یعنی اتنا تو ہر عامی مسلمان کو کرنا ہی چاہیئے۔ باقی رہا سلوک تو اسمیں آکر تو کچھ اور بھی کرنا پڑتا ہے۔ وہ کیا کرنا پڑتا ہے سنیئے!

دو شخص ہندوستان سے بخارا گئے حضرت شیخ نظام الدین بلخیؒ کی خدمت میں بیعت ہونے کے لئے حوض پر وضو کر رہے تھے اور حسب عادت دنیا کی بات چیت بھی جاری تھی۔ شیخ نے انکی جانب دیکھا انکا موقع پر گفتگو کرنا پسند نہیں ہوا کیونکہ وضو کے وقت دنیا کی بات چیت کرنا ویسے بھی مکروہ ہے، پھر ایک سالک سے جو کہ ایک شیخ سے مرید ہونے گیا ہو اور خود کو سالکین راہ مولیٰ کے زمرہ میں داخل کرنا چاہتا ہو اس سے تو نہایت درجہ بُرا ہے اس لئے کہ وضو آلہ اور وسیلہ ہے نماز کا اور آلہ جسقدر عمدہ ہوتا ہے مقصود اسی قدر اچھی طرح حاصل ہوتا ہے۔ دیکھو! چاقو تیز ہوگا تو قلم ٹھیک بنے گا۔ کلہاڑی تیز ہوگی تو لکڑی جلد اور آسانی سے پھاڑی جا سکے گی۔ جب آدمی چیزوں کا یہ حال ہے تو اسی طرح سے روحانی چیزوں میں سے جو چیز عبادت بلکہ افضل العبادۃ ہو اسکا آلہ کیسا ہونا چاہیئے لہذا جبکہ نماز اعظم مقاصد دین سے ہے تو اسکا آلہ بھی کسدرجہ مہتمم بالشان ہونا چاہیئے! پس وضو کرتے میں دنیا کی بات چیت کیسی؟ اسی لئے شیخ کو ناگوار ہوا

ان سے دریافت فرمایا کہ کیا بات کر رہے تھے ایک نے عرض کیا کہ حضرت میں حوض کے متعلق ان سے کہہ رہا تھا کہ ہمارے یہاں کا حوض اس سے بہت بڑا ہے۔ شیخ نے یہ سنکر فرمایا کہ تم دونوں ابھی ہندوستان واپس جاؤ اور اپنے حوض کو ناپ کر آؤ اور بتاؤ کہ اس حوض سے وہ کتنا بڑا ہے۔ شیخ کا حکم پاکر وہ دونوں واپس آئے اور حوض کی پیمائش کی اور پھر ہندوستان سے بخارا گئے اور جاکر شیخ سے عرض کیا کہ حضرت وہ حوض اس حوض سے ایک بالشت بڑا ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ تم تو کہہ رہے تھے کہ بہت بڑا ہے ایک بالشت بڑے ہونے کو تو "بہت بڑا" نہیں کہا جاتا پھر تم نے اس مبالغہ اور غلط بیانی سے کیوں کام لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمھاری طبیعت میں جھوٹ بولنے کی اور مبالغہ آمیزی کی عادت ہے۔ مزاج میں احتیاط نہیں ہے۔ جاؤ ہم تمکو بیعت نہیں کرتے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جب ایسی موٹی موٹی باتوں سے نہیں بچتے ہو تو میں تمھیں باریک باریک باتیں طریق کی کیا تعلیم دے سکوں گا۔ آدمی کو تو اس قسم کی برائیوں کو اپنے گھر ہی پر سے ترک کر کے آنا چاہیئے۔

یہاں پر ایک طالبعلمانہ شبہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ تو اپنی اصلاح کے لیئے گئے تھے پھر شیخ نے انکو نکال کیوں دیا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ شیخ نے ایسا انکی اصلاح ہی کے لیئے کیا اور اسکے ذریعہ انکو اس قسم کے محرمات سے تو ساری عمر ہی کیلیئے تنبیہہ فرمادی اور اصلاح کے لیئے ہمت پیدا کردی کیونکہ اصلاح کے لیئے ہمت ہی تو اصل چیز ہے۔ سبحان اللہ شیخ نے کس قدر فوری داعیہ اصلاح اور استقامت کا انکے اندر فرما دیا۔ ایک نکتہ پیدا فرمادی انکے دماغ کے اندر۔ کیونکہ شیخ اتنا تو سمجھتے ہی تھے کہ طالب صادق ہیں اور نفع طالب صادق ہی کو پہونچتا ہے، صرف مجلس میں آکر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ دوسری بات یہ کہ جیسا مرض ہوتا ہے ویسے ہی علاج کی ضرورت ہوتی ہے۔ دیکھو! چھوٹی سی پھنسی ہوتی ہے تو مرہم کا پھویا رکھدو تو فائدہ ہوجاتا ہے اور بڑے دنبل میں آپریشن کرانا پڑتا ہے اسی طرح سے شیخ کو جب انکے اندر کذب کا مرض معلوم ہوا تو انھوں نے خیال کیا کہ او ہو یہ تو بہت بڑا مرض ہے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مومن زنا کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ ہاں کر سکتا ہے۔ عرض کیا گیا کہ کیا وہ جھوٹ بول سکتا ہے فرمایا کہ نہیں، مومن جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کے ساتھ جھوٹ جمع نہیں ہو سکتا۔ معلوم ہوا کہ جھوٹ زنا سے بھی بدتر ہے۔

لیکن آج یہ حال ہے کہ مسلمان جھوٹ کو اتنا بُرا نہیں سمجھتا جتنا زنا کو۔ ایک صحابی گاؤں کے رہنے والے تھے جب وہ ایمان لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دین کی تمام باتیں تو مجھے بھلا کہاں یاد رہیں گی کوئی ایک بات مجھے ایسی بتا دیجئے کہ وہ میرے لئے نفع بخش ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو جھوٹ نہ بولنا۔ ان صحابی میں زمانۂ جاہلیت کی تین عادتیں تھیں۔ زنا، شراب، چوری۔ چنانچہ اب جب رات ہوئی تو حسب سابق زنا کا تقاضا طبیعت پر ہوا لیکن معاً خیال ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر توبہ کر چکا ہوں اگر آپ کو معلوم ہو گیا تو کیا جواب دونگا جھوٹ تو بولوں گا نہیں۔ یہ خیال کر کے زنا سے باز رہے۔ پھر شراب پینے کا تقاضا پیدا ہوا اسوقت بھی یہی خیال سامنے آیا کہ اگر حضورؐ کو علم ہوا اور آپ نے دریافت فرمایا تو کیا جواب دونگا یہ خیال کر کے اس سے بھی باز رہے۔ اسی طرح چوری کا ارادہ کیا اسے بھی یہی سوچکر چھوڑ دیا کہ اگر حضورؐ کو معلوم ہو گیا تو کیسے چھپاؤں گا۔ جھوٹ بولنے کو تو حضورؐ نے منع فرمایا ہے۔ غرض اس سے بھی باز رہے۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس چیز کی انسان کو عادت ہوتی ہے وقت پر اسکا تقاضا ہوتا ہی ہے۔ علاج اسکا صرف یہ ہے کہ ہمت کر کے اس کام سے رُکا رہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔

میں ایک دفعہ کراچی گیا تھا وہاں پر ایک دن ایک شخص سُرخ سفید نہایت ہی خوش پوشاک مجلس میں آیا اسکو بھی سگریٹ کی عادت مجلس کے بعد جب وہ صاحب گھر گئے تو دل مچلنے لگا کہ سگریٹ پیو، یہاں مجلس میں کچھ اثر لیکر دل ہی دل میں عہد کیا کہ آج سے سگریٹ چھوڑ دونگا، گھر پر جب تقاضا شدید ہوا تو بہت پریشان ہوئے

بالآخر ہمت ہی سے کام لیا اور جتنی سگریٹ انکے جیب میں پڑی تھیں سب توڑ کر پھینکدیں اور گھر پر جو کچھ رکھی تھیں سب نکال باہر کیا حالانکہ انکے لئے سگریٹ لندن سے آتی تھی۔ دیکھئے! اس شخص نے کتنی ہمت سے کام لیا حالانکہ میں نے اس سے کہا بھی نہیں تھا لیکن اس نے خود بخود چھوڑ دی اور آج ہمارا یہ حال ہے کہ شیخ سے محبت کا دعوی بھی کرتے ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی چیزیں چھوڑنے کو تیار نہیں۔ برائی کا تقاضا تو نفس میں پیدا ہوتا ہی ہے۔ اسی نفسانی تقاضے کے روکنے کا نام مجاہدہ ہے۔

دیکھئے! ان صحابیؓ نے بھی اپنی طبیعت کے تقاضے کو روکا اور ایک جھوٹ سے تینوں برائیاں چھوڑ دیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد فرمودہ ایک نسخہ تینوں امراض کا علاج ہو گیا۔ اسی طرح سے حضرت نظام الدین بلخیؒ نے بھی اُن جانیوالوں کے لئے یہ نسخہ تجویز فرمایا جسکی وجہ سے ایک ہی چیز نہیں انکی کامل اصلاح کر دی ایک ذراسے مجاہدہ کے ذریعہ ان سے ساری عمر کا روگ ہی ختم کر دیا اور گھر بیٹھے بیٹھے محرمات سے بچنے کا ذریعہ انکے ہاتھ آگیا تو یہ انکی کتنی بڑی اصلاح ہوگئی۔

محرمات وغیرہ کی بات تو بعد کی ہے سالک کو تو مکروہات سے بھی بچنا چاہیئے بلکہ خلاف اولیٰ اور شبہات سے بھی اسکے لئے بچنا ضروری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نکھارو اور صاف کرو تم اپنے ایمان کو مشتبہات سے بچکر۔ گھی اگر اچھی طرح نتھرا ہوا نہ ہو تو اسکو کون صاف کہے گا؟ کوئی بھی نہیں۔ لہٰذا اے مسلمان تیرے اندر طلب ہونی چاہیئے اور تیرے دین اور ایمان میں نکھار ہونا چاہیئے۔ اور وہ پیدا ہوگا مشتبہات اور محرمات وغیرہ سے بچنے سے اور قاعدے کی بات یہ ہے کہ اگر مرض شدید ہوتا ہے تو شفا خانے میں داخل ہونا پڑتا ہے یہی حال روحانی امراض کا بھی ہے کہ اسکے لئے بھی شفا خانے ہیں اور وہ یہی بزرگوں کی خانقاہیں ہیں۔ حضرت شیخؒ نے انکا ایک کلی مرض تشخیص فرما کر انکے گھر ہی کو شفا خانہ تجویز فرما دیا اور یہ کہکر واپس فرما دیا کہ دیکھو تمہارے اندر جھوٹ بولنے کا بہت بڑا مرض ہے

خدا سے ڈرو اور اس سے بچو۔ اور یہ تو ایسا مرض ہے جس کو تم بھی سمجھ سکتے ہو۔ جاؤ جب اسکی اصلاح ہو جاوے اور باریک باریک چیزیں رہ جائیں جنکو تم خود نہیں سمجھ سکتے تو انکے لئے یہاں آکر رہنا۔ ابھی یہاں تمہارا رہنا کچھ زیادہ نفع بخش نہیں ہے۔ دیکھو دھوبی کے یہاں وہی کپڑے بھیجتے ہیں جن کو ہم خود نہیں دھو سکتے حاصل یہ کہ شیخ نے ان دونوں کو واپس کر کے ان پر سختی نہیں کی بلکہ انکے ساتھ رحم اور شفقت کا ہی معاملہ فرمایا۔ اب یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی۔

الغرض مومن نے اپنے آپ کو پہچانا نہیں۔ اگر ذات باری تعالےٰ کے ساتھ اپنی اشتراکیت کو پہچانتے تو اسکی اصلاح ہی ہو جاتی۔ غور فرمائیے کہ ایمان کس بات کو چاہتا ہے؟ ایمان کے اندر خود امن موجود ہے بس ایمان امن کو چاہتا ہے اپنے لئے بھی دوسروں کے لئے بھی۔ دنیا کے مصائب سے بھی امن اور آخرت کے عذاب سے بھی امن۔ غرض لفظ ایمان ایک مومن سے اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مومن سے ایسے اعمال اور اخلاق صادر ہوں جو اسکو دنیا اور آخرت میں نافع ہوں۔ صرف نماز روزہ سے تو کام چلتا نہیں یہ تو عادت کے طور پر بھی آدمی کر لیتا ہے مگر یہ تکبر، بڑائی اور شیخی اور دوسروں کو حقیر سمجھنا ایمان کے ساتھ یہ سب کیسا؟ ایثار اور مروت کیوں نہیں ہوتی۔ کسی کا مذاق اڑانا کسی کو بنانا کیسا؟ یہ سب تو بالکل ایمان کے خلاف ہے۔ لہٰذا صرف تسبیح اور ذکر ہی سے تو کام نہیں چلے گا بلکہ اسکے ساتھ ساتھ اخلاق کی بھی درستی ہونی چاہیئے جسکی طرف سالکوں کو بھی توجہ کم ہے۔ سالک جسکو کہتے ہیں وہ تو کچھ اور ہی چیز ہے اسکو تو بہت احتیاط سے کام کرنا پڑتا ہے کیونکہ سالک کے معنی ہیں چلتا رہنے والا جو کسی مقام پر نہ ٹھہرے۔

خیر بات چلی تھی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے جذب اور حال کی کہ اور خلفاء تو کچھ ہنس مسکرا بھی لیتے تھے لیکن شاہ صاحب بالکل الگ تھلگ رہتے تھے۔ بات یہ ہے کہ کام کرنے والا اگر کام کرتا رہے تو اسپر بہت سے حالات کا ورود ہوتا ہے اور کام تو کام کرتے رہنے ہی سے بنتا ہے اور پھر اس کی حد

کیسے ہوسکتی ہے یہ تو وصول الی اللہ کا جادہ ہے اس راستہ میں تو قناعت نہیں اسکی
تو کوئی انتہا ہی نہیں ہے مگر مشائخ نے زمانہ کے حالات (اور اہل زمانہ کے ضعف کو)
دیکھکر قناعت کر لی جیسے مدارس کے اندر بھی یہی ہو گیا ہے کہ سب طلبار کو داخل
کر لیتے ہیں بعضوں میں ایسی ایسی عادتیں بھی ہوتی ہیں اور کچھ اچھے اخلاق
والے بھی ہوتے ہیں۔ یہ اسلئے کہ اگر بری عادت والے کو خارج کر دیا جائے تو باہر
جاکر وہ نہ معلوم کیا کیا کرے گا مدرسہ میں رہ کر تو پوشیدہ طور پر حرکات کرتا تھا اگر آزاد
ہو جائیگا تو کھلم کھلا گناہ کرے گا خود بھی کرے گا اور دوسروں کو بھی ترغیب دیگا
بخلاف مدرسہ کے کہ وہاں خود ہی چور بنا رہے گا۔ اور اگر خدا نے توفیق دیدی تو توبہ
کے بھی مواقع ہیں ہوسکتا ہے کہ کبھی توبہ ہی کر لے۔ اور آزادی میں توبے باکی
کے ساتھ نماز وغیرہ چھوڑ دیگا۔ اور مدرسہ میں اوّلاً تو اسکا علم ہی طالب علم کو غیرت
دلائے گا تو جو چیز وقایہ بن جائے کسی بڑے گناہ کا یا بڑے جرم کا وہ بھی اچھی چیز
ہے۔ اس پر ایک واقعہ سنیئے! حضرت تھانویؒ کو معلوم ہوا کہ فلاں جگہ کے لوگ
اسلام سے پھرنے کا خیال کر رہے ہیں۔ حضرتؒ وہاں تشریف لے گئے اور وہاں کے
چودھری لوگ اور بڑے لوگوں سے ملاقات کی اور فرمایا کہ ہم نے ایسا ایسا سنا ہے
اسپر بڑے چودھری نے کہا کہ بالکل غلط ہے آپ بالکل فکر میں نہ پڑیں ایسا نہیں
ہوسکتا اور کیسے ہوسکتا ہے ہم لوگوں کے یہاں تو تعزیہ بنتا ہے اور غیر مسلموں کے
یہاں تو نہیں بنتا پھر ہم ان کا مذہب کیوں قبول کرنے لگے۔ حضرتؒ نے یہ سنکر
فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے جاؤ خوب اچھے تعزیے بناؤ۔ اب ہم جیسا کوئی ہوتا تو معلوم نہیں
اس موقع پر کیا کہتا۔ کسی نے بعد میں حضرتؒ سے دریافت کیا کہ حضرت تعزیہ داری
تو منع ہے آپ نے انکو کیسے اجازت دیدی؟ فرمایا کہ میں نے تعزیہ داری کی حمایت
نہیں کی ہے بلکہ انکو کفر سے بچایا ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک بدعملی اور گناہ میں مبتلا
رہیں گے مگر ایمان تو سالم رہے گا اور اسوقت اگر اس سے منع کر دیتا تو ہو سکتا تھا
کہ ارتداد کیجانب رُخ ہو جاتا۔ تو دیکھئے حضرتؒ نے کیسے حکمت کی بات فرمائی

ایسے موقع پر محققین علماء ہی کا کام ہے۔ اسی طرح سے مدارس کے اندر طلبا کو ایکطرف سے بدون چھانٹے ہوئے جو داخل کرلیا جاتا ہے تو یہ بھی دراصل انکے لئے بڑی بُرائی سے وقایہ ہے کہ انکو دیگر محرمات سے بچا رہے ہیں اگر یہ نہیں ہوگا تو وہ بہت سی بلاؤں اور گناہوں میں مبتلا ہوتا رہے گا اور یہاں چاہے بد عمل رہے مگر علم تو کچھ نہ کچھ سیکھ ہی جائے گا۔ جسکی وجہ سے بہت سی بُرائیوں سے محفوظ بھی رہیگا کیونکہ عامی جسکو علم نہیں ہوتا وہ زبان سے کیسے کیسے کلمے نکالدیتا ہے حتیٰ کی کفر اور شرک تک نوبت پہونچ جاتی ہے چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ جاہل کی موت اکثر کفر پر ہوتی ہے اور عالم و جاہل کے گناہ میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ عالم کی توبہ بھی عجیب و غریب ہوتی ہے۔ اسی لئے عالموں کے گناہوں پر عامیوں کو نظر نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اسکو چاہیئے کہ خود اپنے عیب کو دیکھے اسلئے کہ عالم کے اندر ایک بہت بڑی خوبی رکھی ہوئی ہے علم کی' جاہل اس سے محروم ہے۔ پھر یہ کہ انھیں طلباء میں سے کوئی کوئی موتی بھی نکل آتا ہے۔ تو اسی ایک موتی کیلئے مدرسہ والے بھی اتنی خاک چھانتے ہیں۔ جیساکہ مشہور ہے کہ کسی شاہزادہ کا قیمتی موتی کہیں جنگل میں گر گیا بہت تلاش کیا نہیں ملا اُسنے یہ کیا کہ حکم دیدیا کہ راستہ کی سب کنکریاں جمع کر کے لائی جائیں چنانچہ محل میں سب لائی گئیں اور ان میں تلاش کیا گیا تو وہ موتی مل گیا۔ اب دیکھئے ایک موتی کیلئے اتنی ساری کنکریوں کو چھاننا پڑا ایسے ہی مدارس والوں نے بھی جال بچھایا ہے ہما کو شکار کرنے کے لئے کہ کوئی نہ کوئی تو نکل ہی آئے گا کہ جو اشاعت اسلام کا باعث بنے گا جیسے کہ مدرسہ دیوبند سے ہمارے حضرت (مولانا تھانویؒ) موتی بنکر نکلے کہ آج ہرطرف انکی اشاعت اسلام کا چرچا ہے اور ہر جگہ فیض جاری ہے (راقم عرض کرتا ہے یا جیسے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے دریائے معرفت سے ہمارے مصلح الامۃؒ موتی بنکر نکلے اور عالم میں چمکے اور پھر بحر عرب میں جاڈوبے) جب ایسا ہے تو پھر ابتدا ہی سے یہ انتخاب کیسا؟ مگر اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ یہ حضرات طلباء کی کچھ روک ٹوک ہی نہیں کرتے، ایسا نہیں ہے۔ مدرسہ میں طلبہ کی روک ٹوک بھی کیجاتی ہے۔ بہرحال مدرسہ کا ذکر تو ضمناً آگیا تھا کہہ یہ رہا تھا کہ اس راہ

یں قناعت نہیں ہے سالک کو تو ہمیشہ آگے ہی بڑھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ایک صاحب حضرت تھانویؒ کی خدمت میں آم لائے جس کو انھوں نے بازار سے خرید کیا تھا۔ چونکہ آموں کی بیع ہمارے دیار میں عموماً قبل از وقت ہوتی ہے اسلئے بیع درست نہیں ہوتی۔ وہ بھی مشتبہ تھے حضرتؒ نے ان سے فرمایا کہ میں بازار کا آم نہیں کھایا کرتا' یہ نہیں فرمایا کہ تم نے بازار سے آم کیوں خریدے اور تم نے اسکی تحقیق کیوں نہیں کی۔ یہ سب نہیں فرمایا اس میں کتنی رعایت ہے اس کی اصلاح بھی ہوگئی اور تبلیغ بھی ہوگئی کیونکہ اگر اسکو شیخ سے واقعی تعلق اور محبت ہے تو آئندہ اس حرکت کے قریب بھی نہ جائے گا۔ شریعت میں مختلف درجے ہیں حرام مکروہ تحریمی مکروہ تنزیہی ۔ خلاف اولیٰ وغیرہ جیساکہ مادی چیزوں میں بھی درجات ہوتے ہیں ادنیٰ واعلیٰ ۔ کھانے میں بھی درجات ہوتے ہیں ایک تو ہے مدارس کا شوربا کہ بعضوں کو شبہ ہو کہ شاید اس سے وضو جائز ہو اور ایک ہوتا ہے گھر کا قورمہ دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح سے باطنی غذا بھی مختلف ہوتی ہیں اگر اسمیں بھی مشتبہ شے کا غبار پڑ جائے تو اس سے سالک کیوں نہ احتیاط کرے گا۔ ضرور کرے گا۔ آخر آدمی جب جسمانی غذا میں سے اعلیٰ درجہ کو پسند کرتا ہے تو روحانی میں ادنیٰ پر کیوں راضی ہے اور اسی پر کیوں قناعت کیے ہوئے ہے اسکو تو مشتبہات سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ سلوک تو بہت لطیف چیز ہے یہ تو فرشتہ کی روح سے بھی زیادہ لطیف ہے۔ پھر جب حضرت والاؒ ہی اسکو لطیف فرما رہے ہیں تو ہم کیوں نہ اسکو لطیف سمجھیں اور کیوں نہ اسمیں کوشش کریں۔ جسقدر بھی کوشش اور مجاہدہ کرکے اسکو حاصل کریں کم ہے

(ع۔ متاع جانِ جاناں جان دینے پر بھی سستی ہے)

یہ بات مولانا شاہ وصی اللہ صاحبؒ کے جذب اور حال پر چلی تھی، اللہ تعالےٰ ہم سب کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔ (حضرت مولانا جلال آبادی مدظلہ کا بیان ختم ہوا)

گذشتہ صفحات میں ناظرین کرام نے حضرت مصلح الامۃؒ کے متعلق حضرت مسیح الامۃ مولانا شاہ مسیح اللہ صاحب دامت برکاتہم کے ارشادات ملاحظہ فرمائے، مولانا مدظلہ العالی نے حضرت رحمۃ اللہ کی گوشہ نشینی، خمول اور خلوت گزینی کا تذکرہ فرماتے ہوئے جو تقریر فرمائی ہے بلاشبہ وہ اپنے دیگر مضامین اصلاحیہ کی بنا پر بھی نہایت ہی مفید اور پُرلطف ہے چنانچہ بعض حضرات نے اس سے متاثر ہو کر دفتر کو لکھا کہ حضرت مولانا جلال آبادی مدظلہ العالی یا اسی طرح کے اور موجودہ بزرگان دین کے ملفوظات اور ارشادات بھی کیوں نہ معرفت حق میں مسلسل ہی شائع ہوتے رہیں؟ اس سے نفع کی امید ہے۔ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ کا یہ پُرخلوص مشورہ ہمارے نزدیک بھی نہایت ہی درست اور وقیع ہے تاہم دشواری سر دست جو اس سلسلہ میں ہمارے لئے ہے وہ یہ کہ ابھی ہمارے حضرت مصلح الامۃ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات وملفوظات کا خاصا ذخیرہ موجود ہے اور خود حضرتؒ نے بھی اس رسالہ کا اجراء اپنے انھیں مضامین کی اشاعت کے لئے فرمایا تھا جیسا کہ حضرتؒ کی اس تحریر سے ظاہر ہے جو بطور یادگار رسال میں دوبار (جنوری اور جولائی میں) ٹائیٹل کے اندرونی جانب طبع ہوتی رہتی ہے (چنانچہ حسن اتفاق کہ اس ماہ میں بھی طبع ہو رہی ہے) جس میں یہ ہے کہ "ایک رسالہ شائع ہو رہا ہے۔ اس میں مضامین شاید میرے شائع ہوا کریں گے"

انتہیٰ

اس لئے جی یہی چاہتا ہے کہ پہلے حضرت رحمۃ اللہ ہی کے مضامین اور ملفوظات جلد از جلد منصۂ شہود پر آجائیں۔ نیز دیگر اکابر کے ارشادات وملفوظات کی اشاعت کے تو اور دوسرے ذرائع بھی الحمد للہ موجود ہیں اور حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی اصلاحی باتوں کو امت مسلمہ کے سامنے پیش کرنے کا ذریعہ اس وقت بظاہر صرف "معرفت حق" ہے اس لئے اصالۃً تو مضامین اس میں حضرت مصلح الامۃؒ ہی کے ہوتے ہیں یوں ضمناً اور دوسرے حضرات کی باتیں بھی ذکر ہو جاتی ہیں۔ اب اس کے بعد اس سلسلہ میں ہم آپ کے سامنے حضرت مصلح الامۃ اور شیخ الحدیث مولانا

محمد زکریا صاحب مدظلہٗ العالی کے مابین جو مکاتبت رہی اس کو پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ کے خطوط تو زیادہ نہ مل سکے تاہم ان دونوں بزرگوں کے باہمی تعلقات ظاہر کرنے کے لئے جو کچھ بھی مل سکے وہ بھی بہت کافی ہیں۔

(حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ العالی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور اور حضرت مصلح الامتہؒ)

سب سے پہلا خط جو اس سلسلہ میں مجھے مل سکا وہ حضرت مصلح الامتہؒ کا تحریری جواب ہے جو حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کے ایک زبانی پیام کے جواب میں حضرت والاؒ کی جانب سے بھیجا گیا تھا۔

(حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کا سلام و پیام آنے پر حضرت مصلح الامتہؒ کا جواب)

مکرمی و محترمی زیدت مکارمکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کا سلام و پیام بذریعہ مولوی عبدالقیوم صاحب والد بزرگوار عزیزم ولی اللہ سلمہٗ پہونچا۔ آپ کی محبت اور عنایات کا دل سے ممنون ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو جس دینی کام کے لئے منتخب فرمایا ہے وہ دوسروں کے لئے نمونہ اور آپ حضرات کے لئے صد شکر کا مقام ہے اللہ تعالیٰ آپ کے فیض کو عام و تام اور آپ کے مدارج میں یوماً فیوماً ترقی عطا فرمائے۔

اس دور پُر فتن میں اسلاف کے طریقہ پر باقی رہنے اور حسب استطاعت اس کی اشاعت کی توفیق ہونے میں آپ حضرات سے اپنے لئے دلی دعاؤں کا طلب گار ہوں حق تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ آپ بزرگوں کی قلبی توجہ مجھے بھی کسی کام کا بنا دے گی ورنہ تو اپنے پاس سوا اس کے اور کوئی بضاعۃ نہیں۔

والسلام خیر ختام وصی اللہ عفی عنہ

مقام فتح پور تال نرجا

یہ مولوی عبدالقیوم صاحب مدظلہٗ العالی چونکہ فتح پور تال نرجا ہی کے باشندے تھے اور

حضرتؒ کے مکان سے بالکل ہی متصل مولوی صاحب موصوف کا مکان تھا اور ان کے صاحبزادے مولوی قاری ولی اللہ صاحب سلمہٗ ان دنوں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں زیر تعلیم تھے اس لئے بذریعہ خط یا زبانی حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ نے حضرتؒ کے پاس مولوی صاحب موصوف کے واسطے سے سلام و پیام کہلایا جس کا تحریری جواب حضرتؒ کے یہاں سے بھی گیا جو اوپر نقل کیا گیا ہے۔

سلام و پیام سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کو حضرتؒ کا تعارف پہلے سے تھا اور ہو سکتا ہے کہ قاری ولی اللہ صاحب سلمہٗ کے وہاں مدرسہ کے قیام کے زمانہ میں موصوف کے ذریعہ حضرتؒ کے کچھ تفصیلی حالات کا علم ہو کر اس میں مزید اضافہ ہو گیا ہو بہرحال پیام کے الفاظ تو سامنے ہیں نہیں تاہم حضرتؒ کے جواب سے اتنا تو پتہ چلتا ہی ہے کہ کوئی "پیام محبت" ہی رہا ہوگا چنانچہ حضرت والا اس سے بہت مسرور ہوئے اور دل کھول کر دعائیں دیں۔

اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم دین خصوصاً احادیث سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تعلّم کی عظمت اور اس دَور ضلالت میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مشعل ہدایت کی بقا اور اشاعت کا مشغلہ اور فکر رکھنے والوں کی جلالت شان حضرت اقدسؒ پر کسی مخصوص شان کے ساتھ سامنے آئی۔ چنانچہ دین کی اس نوع کی خدمت کرنے والوں کی اپنی قلبی دعا سے نصرت فرماتے ہوئے حضرت نے یہ کلمات ارشاد فرمائے اور آخر میں خود اپنے لئے جن امور کی دعا کرنے کو فرمایا ہے وہ تو ہم جیسوں کے لئے ایک مستقل نصیحت ہے کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حضرات زمانہ کے فتنوں سے کس قدر خائف رہتے تھے چنانچہ ارشاد نبوی اللهم انی اعوذ بك من الفتن ما ظهر منها وما بطن گویا ایک قلبی حال بنکر ہر وقت ان حضرات کے پیش نظر رہتا تھا نیز یہ معلوم ہوا کہ اپنے اسلاف کا طریقہ بھی کوئی قابلِ حفاظت سرمایہ ہے اور بلاشبہ وہ ایسا سرمایہ ہے کہ اس کی حفاظت اور توفیق اشاعت کے لئے حق ہے کہ انسان خود بھی سعی اور اہتمام رکھے اور دوسروں سے بھی اس کی دعا کرائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ صالحین کی دعا بھی ایک ایسی بیش بہا پونجی ہے کہ آدمی کو اس

دولت سے بھی حصہ وافر جمع کرنے کی ضرورت ہے۔ خواہ وہ کسی مرتبہ کا ہو۔

سبحان اللہ! بزرگوں کی ایک ایک بات اور ان کی ایک ایک ادا بھی کتنی پُر بہا اور دلربا ہوتی ہے اور دوسروں کے لئے کس درجہ سبق آموز۔ اللہ تعالیٰ ان کے نقش قدم پر ہم سب کو چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

المخدوم المکرم زادت معالیکم بعد سلام مسنون۔ کئی دن ہوئے گرامی نامہ موجب عزت ہوا تھا۔ اس وقت سے برابر عریضہ ارسال کرنے کا ارادہ کرتا رہا مگر اپنی نااہلیت کے باوجود مشاغل کا اس قدر ہجوم رہتا ہے کہ ضروری عرائض میں بھی تاخیر ہو جاتی ہے۔ جناب کی دعوات صالحہ کو اپنے لئے باعث برکت اور موجب افتخار سمجھتا ہوں اور آئندہ کے لئے اضافہ کی درخواست کرتا ہوں حق تعالیٰ شانہ بدیں الطاف تادیر آپ کا سایہ خدام پر رکھے اور ترقی درجات سے نوازے۔

کل عزیزم مولوی ولی اللہ سلمہ دورہ کے آخری سبق بخاری شریف کے اختتام سے بھی فائز ہو گئے ہیں جس کی جناب والا کی خدمت میں اور جناب ہی کے توسط سے ان کے والد ماجد کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آخر میں اپنی صلاح و فلاح کے لئے مکرر دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

فقط والسلام زکریا مظاہر علوم

۶ر شعبان ۷۲ھ

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃؒ کے مابین مکاتبت میں تسلسل نہیں تھا تاہم کبھی کبھی اس سلسلہ میں جنبش ہوتی رہتی تھی چنانچہ ۷۹ھ میں جبکہ حضرت مصلح الامۃؒ کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے تھوڑے ہی وقفہ سے انتقال ہوا اور اس کی اطلاع حضرت شیخ الحدیث صاحب کو حکیم مولوی ہارون صاحب سہارنپوری کے خط سے ملی تو شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے حضرت مولاناؒ کو فوراً یہ خط تحریر فرمایا جو دراصل تعزیت نامہ تھا۔

(تعزیہ نامہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ بنام حضرت مصلح الامۃ)

المخدوم المکرم زادت معالیکم بعد سلام مسنون

اس وقت عزیزی حکیم ہارون سلمہ کے خط سے دوسرے حادثہ فاجعہ کا حال معلوم ہوکر طبیعت پر بہت ہی اثر ہوا کہ ابھی تک پہلا ہی حادثہ مندرس نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا اس سے بھی سخت پیش آگیا اور آپ پر ضعف و پیری میں یہ تواتر آلام بجز رفع مراتب اور کیا ہوسکتا ہے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل و کرم سے مرحومہ کی مغفرت فرماکر اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان خصوصاً جناب والا اور صغیر سن بچوں کو انتہائی صبر و سکون اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ یہاں اہل مدرسہ سب ہی مرحومہ کی مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر و اجر کی دعا کرتے ہیں۔ مدرسہ میں حکیم صاحب موصوف کا خط بھیجدیا کہ قرآن پاک ختم کراکر ہر دو مرحومہ کے لئے ایصال ثواب کرایا جائے۔ فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم ۸ر شوال ۷۹ھ

اس تعزیہ نامہ کے آنے پر جناب شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کو حضرت مصلح الامۃ کا جواب

بشرف ملاحظہ عالی جناب حضرت مولانا شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولوی ہارون صاحب نے بندہ کی دونوں لڑکیوں کے انتقال کی خبر جناب والا کو پہنچاکر جناب والا کی توجہ بندہ زادیوں کی طرف منعطف فرمائی شفقت اور عنایت بزرگانہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں نیز جناب والا نے لڑکیوں کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام فرمایا، بہت ہی ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ جناب والا کے سایۂ عاطفت کو بہت دنوں ہمارے سروں پر قائم رکھیں اور ہمیشہ ایسے ہی الطاف وعنایات برقرار رکھیں آمین یارب العالمین والسلام خیر ختام۔ وصی اللہ عفی عنہ

اس کے بعد کا جو خط حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا ہمارے پاس موجود ہے وہ ۸ شعبان کا ہے۔ ہوا یہ کہ اس درمیان میں حضرت اقدس کو درد قولنج کا دورہ شدید پڑا جس کے سبب حضرت بہت دنوں تک زیش فرش علالت رہے جس کی اطلاع جناب شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کو بھی مظاہر علوم کے ایک مدرس مولوی احمد اللہ صاحب بجنوری کے خط سے ہوئی جو ان دنوں حضرت والا ہی کے یہاں خانقاہ الہ آباد میں مقیم تھے اس پر شیخ الحدیث صاحب نے دریافت خیریت مزاج کے لئے حسب ذیل خط انھیں مولوی صاحب موصوف کے نام الہ آباد ارسال فرمایا۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا خط مولوی احمد اللہ صاحب بجنوری کے نام

مکرم محترم مدفیوضکم بعد سلام مسنون

اسی وقت عنایت نامہ پہونچا حضرت مولانا کی علالت سے فکر وقلق ہے حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل وکرم سے صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے اور تادیر اس مبارک سایہ کو ہم لوگوں کے سروں پر قائم رکھیں۔ بندہ کی طرف سے سلام کے بعد عیادت کر دیں یہ ناکارہ خود بھی دعاء صحت کرتا ہے اور احباب سے دوپہر میں فرمائش کر دی اور بعد عصر بھی انشاء اللہ کروں گا اور سبق کے بعد بھی دعا کراؤں گا۔ فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم، ۲ ربیع الاول ۷۴ھ چہارشنبہ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا یہ گرامی نامہ۔ عیادت اس میں شک نہیں کہ سنت ہے اور منجملہ حقوق مسلم کے ایک حق ہے لیکن شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کے اس خط اور عیادت سے حضرت والاؒ کے ساتھ ان کی جس محبت اور تعلق کا اندازہ ہوتا ہے وہ اہل فہم پر مخفی نہیں دیکھئے علالت کی خبر سنتے ہی فوراً خط تحریر فرمایا اور خود دعا فرمائی اور احباب سے اہتمام کے ساتھ دعا کرائی یعنی بعد ظہر بھی کرائی اور پھر عصر بعد کے لئے بھی اہتمام فرمایا۔ نیز اسباق کے بعد بھی صحت والا کے لئے دعا کا التزام فرمایا۔ اب اس قدر

اہتمام اور التزام بدون کسی خاص قلبی داعیہ کے وجود میں آنا مشکل ہے اور یہی داعیہ کا نام تعلق اور محبت ہے بات یہ ہے کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ حضرت مصلح الامۃ رح کی شخصیت۔ آپ کے کام اور آپ کی برکات سے خوب واقف تھے سمجھتے تھے کہ حضرت کی علالت کی وجہ سے جتنے دن بھی حضرت کی اصلاحی مجالس اور نورانی اجتماع بند رہے گا امت کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہوگا اس لئے حضرت کی خبر علالت سنتے ہی گھبرا گئے اور اس سلسلہ میں جو کچھ کر سکتے تھے کیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کی دعائیں سنی اور متوسلین کے حال زار پر رحم فرمایا یعنی حضرت والا جلد ہی صحت یاب ہوگئے اور اس ناکارہ ہی سے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی خدمت میں صحت یابی کی اطلاع کے لئے خط لکھوایا چونکہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کی پریشانی اور ان کا تعلق خاطر ان کے خط سے ملاحظ فرما چکے تھے اس لئے چاہا کہ صحت کی اطلاع بھی فوراً انھیں کر دی جائے۔ چنانچہ راقم نے عریضہ لکھا اور اس کے جواب میں حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ العالی کا جو گرامی نامہ احقر کے نام آیا وہ یہ تھا۔

(نقل گرامی نامہ حضرت استاذی شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ بنام خادم عبد الرحمٰن جامی عفی عنہ)

مکرم و محترم زید بعد سلام مسنون

اس وقت گرامی نامہ پہونچا۔ مولانا کی صحت کے مژدہ سے بہت مسرت ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ اپنے فضل و کرم سے صحت و قوت کے ساتھ تا دیر اس مبارک سایہ کو ہم لوگوں کے سر پر قائم رکھے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ تمتع نصیب فرمائے۔

آپ کی کرم فرمائی کا شکریہ کہ آپ نے بندہ کا سلام مسنون مولانا سے عرض کر دیا۔ بلا کسی تصنع اور مبالغہ کے یہ ناکارہ مولانا کی صحت اور تا دیر زندہ و سلامت رہنے کے لئے

دعاگو ہے کہ اکابر کا سایہ اٹھ جانے کے بعد اب ان جانشینوں کا وجود بہت زیادہ غنیمت ہے کہ صلحاء کا وجود ہی فتن سے امن وتحفظ ہے بخاری شریف کے سبق کے بعد مولانا کی صحت کے لئے دعا کرائی گئی۔ حضرت مولانا کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد دعا کی درخواست۔ فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم ۵ ار ربیع الاول ۸۰ھ

(حضرتؒ کا جواب حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کے نام)

(جو ان کے مضمون سابق سے متاثر ہو کر احقر کے قلم سے گیا)

گرامی نامہ حضرت والا مدظلہ کو سنایا بہت مسرور ہوئے۔ فرمایا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب کو میرا ابھی سلام لکھ دو اور یہ لکھ دو کہ الحمد للہ اب طبیعت بہت اچھی ہے معالج صاحب نے ابھی کام سے منع کیا ہے ورنہ خود اپنے قلم سے جواب دیتا آپ کے خط کے ایک ایک لفظ سے قلب متاثر ہوا اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ میری صحت میں بڑا حصہ آپ حضرات کی دلی دعاؤں کا اور صالحین کی اس قسم کی تحریروں کا ہے ان کے پڑھنے سے بدن میں طاقت اور قلب میں ایک قوت محسوس کرتا ہوں چنانچہ آپ نے جو یہ تحریر فرمایا کہ اکابر کا سایہ اٹھ جانے کے بعد اب ان جانشینوں کا وجود سب سے زیادہ غنیمت ہے کہ صلحاء کا وجود ہی فتن سے امن وتحفظ ہے۔ یہ بات فی نفسہ نہایت عمدہ اور بالکل صحیح ہے لیکن جانشینی بزرگوں کی آسان چیز نہیں ہے یہ ایک بڑا مرتبہ ہے اس کا اپنے کو بالکل ہی اہل نہیں پاتا تاہم جیسا کچھ بھی ہوں اس کے باوجود صلحاء زمانہ کے اپنے ساتھ اس حسن ظن کو اپنے لئے سعادت عظمیٰ ضرور تصور کرتا ہوں اور یہ یقین رکھتا ہوں کہ اگر آپ حضرات کی توجہ اس ناچیز پر اسی طرح سے رہی تو انشاء اللہ تعالیٰ گمراہی سے تو ضرور ہی بچ جاؤں گا اور نیک لوگوں کی اس توجہ کی برکت سے میرا قدم دنیا میں جادۂ شریعت سے انشاء اللہ تعالیٰ ڈگے گا نہیں اس طرح سے آخرت میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ سرخروئی نصیب ہوگی۔ (انتہی)

حضرت والا کا مرض تو بحمد اللہ رفع ہو چکا ہے لیکن اس دفعہ دورہ چونکہ شدید ہوا اس لئے اسکے بعد اثرات ابھی موجود ہیں جسکی وجہ سے مجلس خطوط کے جواب درس اور عام گفتگو تقریباً بند ہے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ جلد ان سلسلوں کو جاری فرماوے۔ والسلام

خادم جامی

حضرت اقدسؒ کو یہ تکلیف اور علالت غالباً ۸۰ھ میں پیش آئی تھی اس کے بعد الحمدللہ حضرت والا صحت یاب ہوکر اپنے منصب پر علیٰ وجہ الاتم فائز ہوگئے۔ چنانچہ پھر تھوڑے ہی دنوں بعد علی گڑھ کا سفر شوال ۸۴ھ میں پیش آیا وہاں سے واپسی کے بعد اکابر دیوبند نے دیوبند تشریف آوری کی دعوت دی، وہاں تشریف لیجانے کے متعلق حضرت والاؒ کچھ تیار کچھ متردد تھے کہ اچانک فالج کا دوسرا دورہ پڑجانے کی وجہ سے وہاں کا سفر تو ملتوی ہوگیا اور حضرت والاؒ علاج کے لئے لکھنؤ تشریف لے گئے۔

اس موقع پر حضرت شیخ الحدیث کا پھر ایک عیادت نامہ حضرت والاؒ کے نام آیا۔

نقل مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ

المخدوم المکرم زادت معالیکم۔ بعد سلام مسنون

اسی وقت حضرت ناظم صاحب دام مجدہم سے (یعنی حضرت استاذی مولانا شاہ اسعداللہ صاحب دامت برکاتہم ناظم مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور سے) علالت مزاج وہاج معلوم ہوکر بہت ہی قلق اور فکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل وکرم سے صحت کاملہ عاجلہ مستمرہ عطا فرمائے کہ اکابر کے تشریف لیجانے کے بعد آپ ہی لوگوں کی دنیا کو ضرورت ہے کہ اہل اللہ کا وجود فتن اور شرور سے حفاظت ہے۔ جناب والا کی علی گڑھ تشریف آوری کے موقع پر بہت ہی جی چاہتا رہا کہ سہارنپور تشریف آوری کی درخواست پیش کروں مگر یہ حیا مانع رہی کہ یہ ناکارہ جب خود علی گڑھ حاضر نہیں ہوسکتا تو کس منہ سے لکھوں۔ یہ بھی خیال رہا کہ علی گڑھ تشریف آوری پر تھانہ بھون تشریف آوری تو ہوگی ہی اسوقت درخواست کرونگا کہ الہ آباد کا راستہ بجائے دہلی کے سہارنپور سے

زیادہ قریب ہے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ علی گڑھ ہی سے وابستہ ہو گئی۔

اللہ جل شانہٗ ہمت وقوت عطا فرما دیں اور دوبارہ علی گڑھ تشریف آوری یہ کرم فرمائی کا موقع میسر فرمائیں۔ یہاں ختم خواجگان کا معمول ناظم صاحب کا ہے یہ ناکارہ کبھی اسمیں حاضر ہوتا ہے اسمیں دعائے صحت کرائی جا رہی ہے۔ یہ ناکارہ خود بھی دعاؤں کا بہت محتاج ہے، امراض ظاہرہ و باطنہ دونوں کا شکار ہے اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔ فقط۔ والسلام۔

زکریا مظاہر علوم

اس خط کا جواب حضرت اقدسؒ کے یہاں سے کیا گیا ہمیں وہ نہ مل سکا تاہم مضمون اس خط کا قریب قریب ویسا ہی ہے جیسا اس سے قبل راقم کے خط میں گذر چکا ہے اسلئے اسکے جواب کو اس پر ہی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اب اسکے بعد ایک آخری مکاتبت اور ملاحظہ فرمالیجئے ۸۲ھ میں کہ یہی سال حضرتؒ کا سن وصال ہے حضرتؒ کے سفر حج میں روانگی سے چند ہی ماہ قبل جناب شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کا یہ خط آیا:۔

(حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہٗ کا آخری خط مصلح الامۃؒ کے نام)

المخدوم المکرم زادت معالیکم۔

بعد سلام مسنون! امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے۔ ایک خاص ضرورت سے یہ عریضہ لکھ رہا ہوں۔ جمعہ کے دن کچھ لوگ آجایا کرتے ہیں، ایک مولوی صاحب نے یہ دریافت کیا کہ کیا وصول کے بعد بھی معصیت ہو سکتی ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ممکن ہے عصمت تو انبیاء کے لئے ہے اس پر انھوں نے کہا کہ حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ نے لکھا ہے کہ وصول کے بعد معصیت نہیں ہو سکتی۔ اسوقت تو میں نے انکو ڈانٹ دیا کہ جب حضرتؒ کا ارشاد معلوم تھا تو تم نے پوچھا کیوں؟ لیکن اسی وقت سے خیال آیا کہ جناب سے اسکے متعلق کچھ استفسار کروں کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کا کوئی ارشاد اس سلسلہ

میں آپ کے علم میں ہے۔ اگر وصول سے نسبت مراد ہے تو مشائخ کے یہاں اجازت
کے بعد اسکا نسخ تو منقول ہے۔ خود حضرت قدس سرہ کے یہاں بھی اجازت کے بعد
بعض خلفاء کی اجازت منسوخ کی گئی ہے۔ اور اگر وصول سے مراد کوئی اوپر کا درجہ
ہے تو وہ کیا ہے؟ معصیت کا صدور تو صحابہؓ سے بھی ہوا ہے اور قدمار مشائخ میں
سے بھی بعض حضرات سے اس قسم کی لغزشیں منقول ہیں شیخ ابوعبداللہ اندلسی کا واقعہ
تو بہت مشہور و معروف ہے۔ اور بھی اس نوع کے واقعات مشائخ سلوک کے واقعات
میں ملتے ہیں۔

دعاؤں کا یہ ناکارہ بھی بہت محتاج ہے، امید ہے کہ دعا سے مدد فرمائیں گے۔

فقط والسلام

(حضرت مولانا) محمد زکریا (شیخ الحدیث)

بقلم محمد سلیمان راقم، سلام و استدعار دعار

(حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا جواب باصواب)

عنایت فرمائے بندہ جناب مولانا صاحب دام عنایتکم وفضلکم

الحمد للہ بخیریت ہوں۔ گرامی نامہ ملا آپ نے اس مسئلہ کو مجھ سے دریافت فرمایا حالانکہ
آپ ماشاء اللہ خود بھی عالم ہیں کتاب و سنت پر آپکی نظر ہے۔ طریق کا کوئی مسئلہ کتاب و
سنت کے خلاف تھوڑا ہی ہے۔ اگر خدانخواستہ اسکے خلاف کسی نے کوئی بات کہی بھی ہو
تو وہ قبول کب کیجائیگی۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے معلوم نہیں کس موقع پر کیا فرمایا۔ حضرتؒ کے
الفاظ سامنے ہوتے تو اسکے متعلق کچھ عرض کرتا تاہم آپ نے جو فرمایا ہے وہ صحیح فرمایا ہے۔
میں نے حضرتؒ سے اسکے بالکل خلاف سنا جو وہ صاحب فرما رہے ہیں۔ حضرتؒ نے حضرت جنید
قدس سرہٗ کا ارشاد نقل فرمایا کہ سئل الجنید هل العارف یزنی فاطرق رأسه ملیاً ثم
رفع وقال وکان امر الله قدراً مقدوراً اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ احیاناً معصیت
کا صادر ہو جانا ولایت کے منافی نہیں ہے اسلئے کہ ولی معصوم نہیں ہوتا۔ رسالہ قشیریہ کے

حاشیہ میں اسکے متعلق بہت عمدہ بحث فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ فصل ولاینبغی للمرید ان یعتقد فی المشائخ العصمۃ وان کانوا محفوظین لان ذلک یخالف الواقع ولانہ یؤدی الی نفرتہ منھم وعدم انتفاعہ بھم اذا صدر منھم ذنب۔ والفرق بین العصمۃ والحفظ ان العصمۃ تمنع جواز وقوع الذنب والحفظ لا یمنع عنہ ولان اللہ تعالیٰ یحفظ من یشاء ویترک من یشاء لان الاولیاء لایقدح زللھم قواعد الدین بخلاف الانبیاء فان المعجزۃ دلت علی عصمتھم فیما یخبرون بہ من اللہ تعالیٰ وفیما یفعلونہ بیاناً للتکلیف فعلم انہ لیس للمرید ان یعتقد العصمۃ فی المشائخ (ص۲۰۱ رسالہ قشیریہ)۔

البتہ ایک اور مسئلہ اسی کے قریب قریب صوفیا اور بیان فرماتے ہیں وہ یہ کہ الفانی لایرد یعنی فنا اور وصول کے بعد پھر کوئی شخص اپنے پچھلے حالات کی جانب راجع نہیں ہوتا جس طرح سے کہ پھل پکنے کے بعد خام نہیں ہوا کرتا۔ تو اسکے متعلق قاضی ثناء اللہ صاحبؒ پانی پتی ارشاد الطالبین میں لکھتے ہیں کہ **مسئلہ**: صوفیہ را بعد فنا رجوع نیست ہر کہ رجوع کردہ است پیش از فنا کردہ است۔ فقیر بر ایں مسئلہ استدلال میکند بقولہٖ تعالیٰ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرؤف رحیم۔ ورسول فرمودہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حق تعالیٰ بازنمی ستاند از بندگان لیکن علم را قبض خواہد کرد بقبض علماء، ازیں معلوم می شود کہ حق تعالےٰ ایمان حقیقی وعلم باطنی را قبض نخواہد کرد۔ (ارشاد الطالبین ص۲)۔

میں کہتا ہوں وکذلک الایمان حین تخالط بشاشۃ القلوب جواب ہرقل بسوال سفیان وسئلتک ایرتد احد سخطۃ لدینہ بعد ان یدخل فیہ فذکرت لا ففیہ دلیل صریح لھذہ المسئلۃ۔ واللہ اعلم۔ اس تائید سے امید ہے آپکی مزید تشفی ہوگئی ہوگی۔ فقط آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے آپسے طالب دعا ہوں۔ والسلام خیر ختام۔

وصی اللہ عفی عنہٗ۔ ۵ ۶/۸۶ ھ

(حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا آخری خط)

المخدوم المکرم زادت معالیکم۔ بعد سلام مسنون

اسیوقت گرامی نامہ موجب عزت اور موجب طمانینت ہوا۔ اس ناکارہ کے ذہن میں تو خود یہ مضمون تھا لیکن اُن صاحب نے حضرت حکیم الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا ارشاد اسکے خلاف نقل کیا تھا اسلئے فکر ہو گیا تھا جو جناب والا کی تحریر سے رفع ہو گیا۔ جزاکم اللہ۔ یہ ناکارہ جناب کی صحت و قوت اور افاضۂ فیوض و برکات کے ساتھ تا دیر زندہ و سلامت رہنے کی دعا کرتا ہے اور اپنے لئے بھی مغفرت اور معافیٔ سیئات کی دعاؤں کا طالب ہے۔ چونکہ جناب والا کا پتہ اب بھی معلوم نہ ہوا اس لئے اس کارڈ کو بھی جناب الحاج محمد یعقوب صاحب کے توسط سے ارسال کرتا ہوں۔ فقط والسلام۔ دعاگو و دعاجو۔

زکریا کاندھلوی۔ ۳؍۸

(حضرت مصلح الامۃؒ کا آخری جواب)

عنایت فرمائے بندہ جناب شیخ الحدیث صاحب دام عنایتکم و فضلکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہم

الحمد للہ کہ تحریر موجب مزید طمانینت ہوئی اور ذریعہ ازالہ فکر بنی۔ یوں طبیعت آجکل بحمد اللہ بہت اچھی چل رہی ہے جس کو آپ حضرات ہی کی پُرخلوص دعاؤں کا ثمرہ تصور کرتا ہوں۔ آپ حضرات کچھ فرما دیتے یا لکھ دیتے ہیں تو اس سے بڑی قوت آجاتی ہے۔ آپ کے لئے بھی امور مطلوبہ کی دعائیں کرتا ہوں اور خود اپنے لئے طالبِ دعا ہوں۔ والسلام خیر ختام۔

وصی اللہ عفی عنہٗ

(مقیم حال سلیمان کھتری بلڈنگ۔ بلاک ڈی۔ آگرہ روڈ۔ کرلا بمبئی)

حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامۃ نوراللہ مرقدہ کے مابین جن مکاتبات کا اس ناکارہ کو علم تھا وہ ذکر ہو چکے اسکے مطالعہ سے ناظرین کو بھی اندازہ ہوا ہوگا کہ ہمارے ان دونوں اکابر میں بھی کیسا تعلق تھا۔ چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ہر بزرگ دوسرے کے مرتبہ سے واقف اور اسکی دینی خدمات اور برکات کا معترف اور دل سے قدر داں تھا اور آخری چند خطوط سے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ رشتہ محبت یوماً فیوماً کچھ اس طرح ترقی پذیر تھا کہ دعا اور طلب خیریت سے آگے بڑھکر معاملہ افادہ واستفادہ کی سرحد میں بھی داخل ہو رہا تھا اور دونوں بزرگوں کی طبیعتیں ایک دوسرے سے کھل رہی تھیں اور فی الجملہ اجنبیت کا حجاب اٹھ رہا تھا لیکن اللہ تعالےٰ کے معاملات میں کس کو دخل! اپنے افعال کی حکمتوں کو وہی خوب جانتے ہیں۔ ادہر ان دونوں بزرگوں کے قلوب باہم گھلے ملے ہی تھے کہ اُدہر حضرت مصلح الامۃ حق تعالےٰ شانہ سے جا ملے اور یہ تعلق اسکا مصداق ہو کر رہ گیا کہ ؎

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

چنانچہ حضرت والاؒ کی جدائی پر جس قلق کا اظہار حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اپنے تعزیت نامہ میں فرمایا ہے (جس کا بیان آگے آرہا ہے) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نے بزبان حال اس موقع پر اس مضمون کو دہرایا ہوگا ؎

وکنا کندمانی جذیمۃ حقبۃً من الدھر حتی قیل من یتصدعا

فلما تفرقنا کأنی ومالکاً لطول اجتماع لم نبت لیلۃ معا

شاعر اپنے بھائی مالک کا مرثیہ کہتے ہوئے کہتا ہے کہ۔ افسوس! ہم اور مالک ایک طویل مدت تک باہم اسطرح ساتھ ساتھ رہے جیسے جذیمہ کے دو مصاحبوں کا باہم ساتھ ساتھ رہنا مشہور تھا یہاں تک کہ کہنے والوں نے تو یہاں تک کہدیا تھا کہ یہ دونوں اب جدا ہونے والے ہی نہیں ہیں، لیکن مقدر سے جب ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ایسا جدا ہوئے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم اور مالک دونوں ایک شب بھی ایک ساتھ نہیں رہے۔ کل شیئ ھالک الا وجہہ لہ الحکم والیہ ترجعون۔

(حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا تعزیت نامہ جو الہ آباد آیا)

آج دل کو (حضرت ولا الشیخ مولانا الحاج وصی اللہ صاحبؒ کے وصال کی خبر جانکاہ سنکر) سخت ترین صدمہ ہوا۔ حق تعالیٰ شانہٗ انکو جنت الفردوس میں مقام عالی عطا فرمائیں۔ آمین۔

حضرت کا وجود باجود دنیائے اسلام کے لئے باعث خیر وبرکت بنا اور سالکین کے لئے خصوصاً ایک باب عالی۔ اللہ پسماندگان ومتوسلین کو صبر جمیل مرحمت فرمائیں بندہ بھی اس سانحۂ عظیم کے غم میں آپ کا شریک ہے۔ فقط۔ والسلام۔

زکریا۔ مظاہر علوم سہارنپور

ملاحظہ فرمایا آپ نے، حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کا یہ تعزیت نامہ ہے تو نہایت ہی مختصر لیکن کسقدر پرمغز ہے۔ فرما رہے ہیں کہ 'حضرتؒ کا وجود باجود دنیائے اسلام کے لئے باعث خیر وبرکت بنا اور سالکین کے لئے خصوصاً ایک باب عالی'۔ اس میں اظہار فرمایا ہے کہ حضرت مصلح الامۃ نوّر اللہ مرقدہٗ کا فیض اور آپ کی برکات نہ صرف ایک ضلع اور ایک صوبہ ہی تک محدود رہا بلکہ تمام دنیائے اسلام کے لئے سبب خیر بنا۔ اور سالکین کے (قصر باطن) کے لئے تو آپ کا وجود بمنزلہ ایک بلند دروازہ ہی کے تھا۔ چنانچہ بیشمار اللہ کے بندوں نے اس دروازے سے اپنے محبوب حقیقی تک رسائی حاصل کی۔ فللہ الحمد۔

اور اسمیں شک نہیں کہ حضرت والاؒ کا فیض ہند وپاک سے متجاوز ہو رہا تھا یہاں تک کہ عرب کے بعض بعض علماء بھی غائبانہ طور پر حضرت والاؒ کے منتسبین کے ذریعہ حضرتؒ سے روشناس ہو رہے تھے اور تشریف آوری کی اطلاع پاکر نہایت ہی اشتیاق کے ساتھ آپ کے دیدار کے مشتاق اور آمد کے لئے چشم براہ تھے جسکا صحیح اندازہ ہم لوگوں کو سفر حج میں وہاں کے علماء کرام سے ملاقات پر ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا ان حضرات کی آرزو پوری نہ ہوسکی۔ ع۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

علاوہ ان مکاتیبی تعلق کے حضرت مصلح الامۃؒ سے حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ

کی ایک دفعہ ملاقات بھی ہوئی ہے۔ مجھے چونکہ اسکی تفصیل پہلے سے نہ معلوم تھی اس لئے ہوسکتا تھا کہ یہ جزو بھی حالات سے حذف ہوجاتا لیکن میرے بعض احباب نے بتایا کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے اپنی کتاب "آپ بیتی" میں اس ملاقات کا تذکرہ خود اپنے الفاظ میں فرمایا ہے اسلئے وہاں سے اسکو بعینہٖ نقل کرتا ہوں

(حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کی حضرت مصلح الامۃ سے ملاقات)

(شیخ الحدیث صاحب مدظلہ نے فرمایا کہ) میں بمبئی پہونچا اترتے ہی حضرت مولانا وصی اللہ صاحب (رحمۃ اللہ علیہ) کے مستقر پر انکی زیارت کیلئے سب گئے۔ وہاں پہونچکر معلوم ہوا کہ مولانا آج ہی صبح اس جگہ (کرلا) سے کسی دوسری جگہ (اہل مجلس سے) ناراض ہوکر منتقل ہوگئے (ہیں) (جسکی وجہ یہ ہوئی تھی کہ الکشن کا زمانہ تھا کسی صاحب نے اخبار میں چھاپ دیا (تھا) کہ مولانا ۔۔۔ صاحب فلاں صاحب کے حامی ہیں۔ فریق مخالف نے اسکی پرزور تردید کی۔ مولانا صاحبؒ کو اس پر غصہ آیا کہ غلط طور پر الکشن والے انکے نام کو استعمال کر رہے ہیں) اسلئے مولاناؒ کے سابقہ مستقر سے دوسرے مستقر پر حاضر ہوئے۔ مولانا بہت ہی شفقت اور محبت سے ملے اور باصرار سو روپیہ ہدیہ کے طور پر مرحمت فرمائے۔

(آپ بیتی ۴ یادایام ۳ ص۲۷۳)

ناظرین کرام کو اس واقعہ سے حضرتؒ کی ناراضگی اور اسکی وجہ کا بھی علم ہوا تاہم ہوسکتا ہے کہ حضرت والاؒ کے حالات اور مزاج نیز حضرت کے طرز تربیت سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے کسی کو یہاں کچھ الجھن ہو کہ بظاہر بات تو بہت ذرا سی تھی اس پر حضرتؒ نے اتنی خفگی اور ناراضگی ظاہر فرمائی! اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں قدرے تفصیل سے عرض کردوں۔

یہ واقعہ جسے حضرت شیخ مدظلہ نے یہاں بیان فرمایا ہے جولائی ۵۴ء کے معرفت حق میں بھی ہے مگر وہاں بھی اجمالاً ہی ذکر ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ:۔

روانگی سے ایک دن قبل صبح تفریح میں جاتے ہوئے کسی نے حضرتؒ سے بیان کیا کہ آج اخبار میں آپ کا نام آیا ہے۔ الکشن کا زمانہ تھا کسی اخبار والے نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے لکھدیا تھا کہ ـــــ فلاں آدمی نے حضرت مولاناؒ . . . کی طرف سے جو کچھ کہا ہے وہ غلط ہے حضرتؒ ان چیزوں میں رہتے ہی نہیں ـــــ اس میں گو حضرتؒ کا تبریہ ہی کیا تھا لیکن حضرتؒ کو اتنا بھی اسلئے ناگوار گذرا کہ جس چیز میں حضرتؒ رہتے ہی نہیں اور نہ اسکی گفتگو تک اپنے یہاں پسند کرتے ہیں نہ اثباتاً نہ نفیاً تو پھر حضرت والا کا نام ہی اس سلسلہ میں کیوں لیا گیا؟ اور اپنے مطلب براری کیلئے حضرت کی ذات کو کیوں استعمال کیا گیا۔

چونکہ آج ہی اس سفر کی آخری مجلس تھی کل الہ آباد کا سفر کرنا تھا اس لئے مجمع بھی بہت کافی تھا، مزاج والا جب مکدر ہو گیا تو حضرتؒ نے مجلس نہیں فرمائی موٹر منگوائی اور اس میں بیٹھکر کرلا سے شہر بمبئی روانہ ہو گئے۔ ہمت کر کے حکیم اجمیری صاحب مدظلہ ہمراہ ہو گئے تھے۔ حضرت سیدھے اسٹیشن کے قریب قہوہ خانہ کی مسجد پر تشریف لے گئے یہاں کے امام صاحب فتحپور تال نرجا ہی کے رہنے والے تھے، غالباً اسی مسجد کے حجرہ میں حضرت شیخ الحدیث صاحب تشریف لائے تھے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت کرلا میں نہیں ہیں بمبئی تشریف لے گئے ہیں تو اپنے لوگوں سے فرمایا کہ بھائی اسوقت اپنے اکابر میں سے آپ ہی تو رہ گئے ہیں لہٰذا پہلے آپ سے ملاقات کو چلوں گا اور اپنے لئے آپ سے دعا کراؤنگا۔ چنانچہ تشریف لائے اور ملاقات ہوئی۔ اب رہی یہ بات کہ یہ ملاقات کس فضا میں ہوئی تو اسکا ذکر خود حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کے اس ارشاد میں موجود ہے کہ "مولاناؒ بہت ہی شفقت اور محبت سے ملے اور باصرار سو روپیہ بطور ہدیہ سنیہ کے مرحمت فرمائے" غور کرنے کی بات ہے کہ جو شخص ابھی چند منٹ قبل کسی نہایت

غصہ کے معاملہ سے دو چار رہ چکا ہو وہ کس طرح اتنی جلدی اپنے غصہ کے تیور کو اور آثار غضب کو اسطرح بدل سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت مولاناؒ اور حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ وہاں بس آگے پیچھے ہی پہونچے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہم لوگ اگر اپنے خادم پر غصہ کرتے ہیں تو دیر دیر تک اس کے اثرات ہمارے معاملات میں نمایاں رہتے ہیں لیکن بارہا کا مشاہدہ ہے کہ ابھی حضرت والا کسی شخص پر عتاب فرما رہے ہیں اور دوسرے منٹ کسی دوسرے شخص نے کوئی بات کہی یا ملاقات کی تو اکثر و بیشتر حضرت کو ہنستا ہوا دیکھا گیا اس سے معلوم ہوا کہ حضرتؒ کا غصہ اور طرح کا ہوتا تھا اور ہم لوگوں کا اور طرح کا ہوتا ہے۔ ہمارا غصہ تو نفسانی ہوتا ہے جو اپنے اندر طرح طرح کی ظلمت لئے ہوتا ہے اور ان حضرات کا غضب فی اللہ ہوتا ہے جو مثمر نور ہوتا ہے چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت کرلا سے مجمع کو چھوڑ کر چلے آئے تو مجمع نے یہ نہیں کیا کہ اپنے اپنے گھر چلا گیا ہو بلکہ سب کو فکر ہوئی کہ حضرت کہاں تشریف لے گئے بالآخر پتہ چلا کہ اسوقت حضرت حکیم اجمیری صاحب کے مکان پر ہیں (حضرت والا حکیم صاحب کی درخواست پر مسجد سے ان کے گھر تشریف لیگئے تھے) چنانچہ آہستہ آہستہ کر کے لوگ یہاں آنا شروع ہوئے اور اسوقت سے لیکر اگلے دن روانگی کے وقت تک سب نے اپنے فعل اور حال سے جس محبت اور عقیدت کا ثبوت دیا ہے وہ اس منظر کے دیکھنے والوں کے قلوب پر نقش ہے، حتّٰی کہ بوقت روانگی ایک کثیر مجمع بڑے طبقہ کا اسٹیشن پر رخصت کرنے کیلئے آیا جن میں سے اکثر زار و قطار رو رہے تھے اور انکے چہروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ حضرت والا کی اس طرح کی روانگی پر بہت ہی نادم اور شرمندہ ہیں اور انکا یہ قلبی تاثر کچھ وقتی نہ تھا بلکہ بعد تک بہت دنوں رہا، چنانچہ حکیم صاحب کا خط جب بمبئی سے آیا تو اس میں بھی انھوں نے لکھا تھا کہ

"اس دفعہ عام متوسلین اور مستند حضرات بیحد متاثر اور حضرت والا کی مفارقت سے بیحد گرفتہ دل ہیں چہروں پر رونق نہیں معلوم ہوتی حق تعالے ظلِ رحمت کو بکمالِ صحت و سلامتی ہمیشہ کرم پاشِ خلائق رکھیں۔"

ملاحظہ فرمایا آپ نے حکیم اجمیری صاحب مدظلہ بڑے شخص ہیں اور باوزن انسان ہیں انھوں نے

اہل بمبئی کے حال کی کیسی ترجمانی فرمائی ہے۔ قلب کی جس کیفیت کا اظہار فرمایا ہے یہ اسی نورانی غضب کا اثر تھا اور قلب میں ایسی کچوک اور کسک کا پیدا ہونا مطلوب ہے اور کبھی بھی ایسی حرکت نہ ہو تو وہ قلب بے حس ہے نہ اس میں خدا کی محبت جاگزیں ہو سکتی ہے اور نہ دین کی۔ اہل اللہ اس راز کو سمجھتے ہیں اسلئے وہ طالبین کو کبھی کبھی ایسے کچوکے لگایا کرتے ہیں تاکہ دل دنیا کی لذات سے ہٹکر اور غفلت سے نکلکر دوسری جانب بھی تو آئے چنانچہ حضرت تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ شیخ تو ہوتا ہے مربی اور مرید ہوتا مربیٰ اور جانتے ہو مربیٰ کب عمدہ اور مزیدار ہوتا ہے جبکہ اسکو پہلے کانٹے سے کونچتے ہیں اور ضرورت ہوئی تو دانتوں تلے داب کر بھی دیکھتے ہیں کہ تیار ہو گیا یا نہیں اور شیرہ جذب کرنے کی ان میں صلاحیت ہوگئی یا نہیں پھر جب وہ شیرہ میں پڑتا ہے تو نہایت عمدہ مربیٰ ہوتا ہے۔ اسی طرح سے مرید کو بھی مشائخ پہلے مواخذہ اور تنبیہات کے ذریعہ گویا کچوکے لگاتے ہیں تاکہ وہ نہایت ہی عمدہ اور کامل انسان بن سکے اور اخلاص کی شیرینی اس میں خوب جذب ہو جائے۔

حضرت والاؒ نے بھی یہ حالت غضب اور مواخذہ قصداً طاری فرمائی تاکہ اس کے ذریعہ سے اصلاحی کام لیں چنانچہ لیا اور الحمد للہ اہل بمبئی اس امتحان میں کامیاب بھی ہو گئے جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہوا کہ اسٹیشن پر مجمع کے رنج و غم اور حزن و بکا کو دیکھکر ریلوے عملہ متحیر تھا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ اسکی سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کہ کسی پیر کی روانگی پر اتنے مجمع کے آخر رونے کی کیا وجہ ہے وہ بھی تعلیم یافتہ اور اونچا طبقہ، علماء اور صلحاء قسم کے انسان سب کا ایک حال۔ کسی دنیوی مسلم لیڈر یا مذہبی پیشوا کی آمد یا روانگی پر نعرۂ تکبیر تو اسٹیشن والوں نے بہت سنا تھا لیکن کسی زندہ کو رخصت کرنے والے مجمع کا مجلس عزا و بکا بن جانا انھوں نے شاید اس سے قبل نہ دیکھا ہوگا۔ اور ع۔ بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ چونکہ تمام اہل بمبئی اپنے شہر میں کی جانے والی غلطی پر دل سے نادم تھے اس لئے حضرت والاؒ نے بھی انکی اس حالت کی مدح فرمائی اور اسکو سراہا چنانچہ فرمایا کہ " میں نے کچھ اس نیت سے یہ سب نہیں کیا تھا مگر دیکھا کہ نتیجہ کے اعتبار سے اس ایک ہی واقعہ کا اتنا اثر پڑا جتنا کہ بہت دنوں کی تعلیم و تربیت

سے کبھی نہ پڑا ہوگا۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے اسی کو راقم نے کہا تھا کہ ان حضرات کا غصہ نفسانی نہیں نورانی ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھئے خود حضرتؒ اس ایک ہی معاملہ کو (جو کہ اہل ظاہر کی نظر میں صرف غصہ کا ایک معاملہ تھا) ہمیوں کی تعلیم و تربیت سے بڑھکر مؤثر فرما رہے ہیں گر اسمیں شک نہیں کہ اب بات کا ہم جیسوں کی سمجھ میں بھی آجاتا ہے ذرا مشکل مرحلہ اور یہ بزرگوں کے حالات نہ جاننے بلکہ دین ہی سے ناواقفیت کا اثر ہے ورنہ تو خود حدیث شریف ہی میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مسجد کی دیوار پر جانب قبلہ تھوک دیکھا اس پر بہت خفا ہوئے اور سب مجمع سے عتاب فرمایا پھر خود ہی اسکو کھرچ کر صاف فرما دیا۔ شراح حدیث اسپر لکھتے ہیں کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ ایک شخص کی غلطی پر سارے مجمع کو تنبیہ کی جاسکتی ہے ملاحظہ فرمائیے یہ واقعہ بخاری شریف میں موجود ہے اب اسکو کیا کہیئے گا۔ بات یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کیلئے غصہ اور دین کے لئے غصہ کرنا بھی سنت نبوی ہی ہے۔ بزرگان دین بھی کبھی کبھی اس قسم کی سنتوں کا احیار فرمایا کرتے ہیں۔ امید کہ حضرات ناظرین کرام اس توضیح سے مطمئن اور محظوظ ہوئے ہونگے۔

حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مصلح الامۃؒ کا عنوان تو ختم ہوا اب حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور حضرت مصلح الامتؒ کے مابین چند مکاتبات جو ہوئیں اسکو پیش کرتا ہوں۔

(حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور)
(حضرت مصلح الامۃؒ)

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالے بھی حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ حضرت کا وطن اصلی تو ریاست رامپور ہے لیکن عرصہ سے اب

مستقلاً قیام سہارنپور میں رہتا ہے۔ مدرسہ مظاہر علوم کے مایۂ ناز مدرسین میں آپ کا شمار ہے آپ نہایت درجہ ذہین خوش طبع، خوش مزاج اور بلا کے حاضر جواب واقع ہوئے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے ان چند مناظرین میں سے ایک آپ بھی ہیں جو انگلیوں پر گنے جاتے ہیں۔ آپنے عیسائیوں اور آریوں سے متعدد مناظرے کئے۔ حضرت مولانا ایک بلند پایہ خطیب اور ماہر شاعر بھی ہیں کبھی کوئی نو وارد آپ سے آپ کا تعارف چاہتا تو یوں فرماتے ع اسعد ہے میرا نام وطن رامپور ہے تقریر عمدہ اور فاضلانہ فرماتے اور نہایت صاف بہت تیز بولا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ الحمدللہ میں اسی قدر تیزی کے ساتھ اردو کے علاوہ فارسی اور عربی میں بھی تقریر کرسکتا ہوں۔ ایک موقع پر حضرت تھانویؒ سے متعلق ایک نظم لکھی جو ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کو بھی بیحد پسند ہوئی چنانچہ حضرت والا کے بیاض میں وہ نقل کی ہوئی ملی۔ ناظرین کرام بھی اس سے محظوظ ہوں۔ وہو ہذا۔

اک گذارش ہے حکیم الامت تھانہ بھون ۔۔۔ چاہتے ہیں اپنے حال زار کی باتیں کریں
دل کے جذباتِ الم کا یہ تقاضا ہے حضور ۔۔۔ رنج کے قصے کہیں آزار کی باتیں کریں
آؤ بیٹھیں مرکز انوار کی باتیں کریں ۔۔۔ نور برسائیں رخ دلدار کی باتیں کریں
شور ہے جنکی مسیحائی کا سارے دہر میں ۔۔۔ آؤ ان سے اسعدِ بیمار کی باتیں کریں
کسقدر ہے ہمت رندانِ بدمستاں بلند ۔۔۔ چاہتے ہیں حسرتِ دیدار کی باتیں کریں
خاک سمجھیں گے وہ ظاہر بیں رموزِ معرفت ۔۔۔ جو ہمیشہ شاہدِ بازار کی باتیں کریں
دوستوں کو یہ وصیت ہے چراغاں کی جگہ ۔۔۔ میری تربت پر جمالِ یار کی باتیں کریں

اے اسیر النفس اسعد یہ ترے فعل قبیح
پھر یہ خواہش تجھ سے حضرت پیار کی باتیں کریں

واقعی عمدہ نظم ہے جس سوز و درد سے مولانا مدظلہ العالی نے یہ کلام فرمایا ہے اسکا کیف وسرور اپنے اندر آپ اسے پڑھکر یا سنکر آج بھی محسوس کرتے ہوں گے ہمارے حضرت اس نظم کا شعر ۳ اور ۶ اکثر و بیشتر پڑھا کرتے

آپ مدرسہ مظاہر علوم کے ناظم بھی ہیں پیرانہ سالی اور عرصہ سے مزمن امراض کا شکار ہونے کے

سبب انتہائی ضعیف ہو گئے ہیں چنانچہ تعلیم و نظامت کے کاموں سے اب قطعی معذور ہیں مدرسہ ہی کے ایک کمرہ میں جو حضرت کی درس گاہ بھی تھی فریش فرش علالت ہیں اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو ہر قسم کا سکون و راحت نصیب فرمائے صحت و قوت عطا فرمائے۔ طبیعت کے موافق حالات پیدا فرما کر حضرت کے قلب مبارک اور آنکھوں کو ٹھنڈا رکھے۔ آمین

بہر حال یوں تو مولانا موصوف ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے پیر بھائی ہی تھے لیکن مجھے عرصہ تک ان دونوں بزرگوں کے مابین کسی خاص نوع کے تعلق کا علم نہ ہو سکا اور نہ ہی پیام و مکاتبت کا کوئی سلسلہ میرے علم میں آیا لیکن ۱۹۶۰ء میں جبکہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی دو صاحبزادیوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہوا انکی تعزیت کے سلسلہ میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالی کا گرامی نامہ حضرتؒ کے نام آیا بس یہیں سے مجھے ان حضرات کے مابین مکاتبتی تعلق کا علم ہوا پھر اسکے بعد سے تو آنے جانے والے کے ذریعہ جانبین سے سلام و پیام کا سلسلہ برابر قائم رہا اور لوگوں نے بتلایا کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ بھی بڑی عظمت و محبت کے ساتھ حضرت کا حال دریافت فرماتے تھے جس کا اندازہ ناظرین کو بھی ان چند خطوط سے ہو جائے گا جو جانبین کے درمیان آئے گئے۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالی کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

(تعزیت نامہ)

حضرت اقدس محترم مخدوم و مکرم مدت فیوضکم دامت برکاتکم علیٰ رؤس المسترشدین

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے نام موصولہ ایک صاحب کے مکتوب اور اخبار ریاست جدید کانپور سے حضرت کی دو صاحبزادیوں کے انتقال کی خبر معلوم ہو کر بہت زیادہ افسوس اور رنج ہوا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان حوادث جانکاہ سے دل پر ایک

چوٹ لگی اور طبیعت کو انتہائی تاثر ہوا۔ اس اندوہناک موقع پر حضرت کے طبعی تاثرات کے خیال سے خصوصیت سے دل کو شدید قلق اور احساس ہے مگر مقدرات میں کسی کا چارہ نہیں صبر اور اسکے فضائل پر کچھ عرض کرنا "حکمت بہ لقماں آموختن" کے مترادف ہے۔

ارباب مدرسہ حضرت کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں اظہار تعزیت وہمدردی کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحبزادیوں کو جنت الفردوس میں درجات عالیہ عطا فرمائے اور حضرت اور جملہ متعلقین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔ مدرسہ میں مرحوما کے لئے قرآن شریف ختم کرا کے ایصال ثواب کرا دیا گیا ہے اور دعائے مغفرت کی گئی ہے

میری صحت خراب سے خراب تر ہوتی جاتی ہے۔ مجموعہ اسقام و امراض ہو کر رہ گیا ہوں ضعف یوماً فیوماً متزائد ہے۔ زیارت کا متمنی ہوں لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شدہ حضرت والا دعا فرمائیں۔ حضرت والا کے جملہ متعلقین وخدام کی خدمت میں نیز مولوی جامی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ فقط والسلام۔

خادم قدیم۔ محمد اسعد اللہ ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارن پور

(حضرت مصلح الامۃ کا جواب)

معظم ومحترم حضرت مولانا دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ'

واقعی احباب نے بندہ کے غم کو تقسیم فرمالیا ہے، اب بہت کچھ غم ہلکا ہو گیا ہے ورنہ بیشک بہت زیادہ غم تھا۔ ایصال ثواب کا حال معلوم کر کے بھی بہت مطمئن ہوا۔ اللہ تعالیٰ اس کو انکی مغفرت کا ذریعہ بنا دے۔

آپ کی صحت کا حال معلوم کر کے بہت رنج ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کامل بخشیں۔ آپنے ملاقات کی تمنا ظاہر فرمائی ہے اگر یہ مقدر ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ ضرور ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے اسباب بھی پیدا فرما دیویں ۔ والسلام

وصی اللہ عفی عنہ'

ان دنوں سہارنپور کے ایک مدرس مولوی احمد اللہ صاحب بجنوری جو حضرت مصلح الامۃ سے متعلق تھے الہ آباد تشریف لائے تھے (ان کا ذکر حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ کے خطوط میں بھی آچکا ہے) انھوں نے الہ آباد کی خانقاہ سے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ کو خط لکھا اسکا جو جواب حضرت ناظم صاحب مدظلہ نے ارسال فرمایا چونکہ حضرتؒ کا بھی اس میں تذکرہ ہے اسلئے اسکو بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہٗ کا خط مولوی احمد اللہ صاحب بجنوری کے نام

مکرم و محترم!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

مرسلہ مکتوب موصول ہو کر کاشف ما فیہ ہوا۔ آپ کی مطلوبہ رخصت منظور ہے۔ حضرت اقدس مولانا مدظلہٗ کے لئے بصمیم قلب دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انکو صحت کاملِ عاجل مستمر دائم عطا فرمائے اور انکے فیوض و برکات کو دائم قائم رکھے۔ دارین میں روز افزوں رفعت و عظمت عطا فرمائے۔ میرے لئے جناب بھی دعا فرمائیں اور مناسب موقع پر حضرت مصلح الامۃ مدظلہٗ العالی سے بھی بعد سلام مسنون دعا کی درخواست فرمادیں۔ والسلام۔

اسعد

اسکے بعد کچھ عرصہ تک درمیانی مدت کا کوئی خط مجھے نہیں مل سکا لیکن ۶۵ء میں حضرت مصلح الامۃؒ جب علیل ہو کر برائے علاج لکھنؤ تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہٗ کا یہ خط لکھنؤ آیا۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہٗ کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

حضرت اقدس زید مجدکم و مدظلکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جیسے ہی حضرت کی ناسازئ طبع مبارک کا علم ہوا تھا میں نے ایک مختصر خیریت طلب جوابی عریضہ الہ آباد کے پتہ پر ارسال خدمت کیا تھا پھر اسکے بعد معلوم ہوا کہ حضرت لکھنؤ تشریف لے آئے ہیں پھر جناب کا والا نامہ (مولوی جامی صاحب کا لکھا ہوا) باعث اعزاز ہوا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ حضرت کو میرا عریضہ نہیں ملا ۔ اس گرامی نامہ پر پتہ تحریر نہیں تھا مجبوراً مولانا علی میاں صاحب کے پتہ پر بھیج رہا ہوں خدا کرے جناب کی خدمت میں پہونچ جائے ۔ خدا کرے اب طبع سامی بہمہ وجوہ بعافیت ہو ۔ میں اب نسبتاً بہت اچھا ہوں مگر کمزوری و ناطاقتی جزو زندگی بن گئی ہیں حضرت دعا فرمائیں ، اور اگر کوئی صاحب دو سطروں میں کیفیت مزاج سامی سے مطلع فرمائیں گے تو ممنون ہوں گا ۔

حضرت کی توجہات سامی کیلئے سراپا سپاس ہوں ۔ زیارت کا بہت مشتاق و محتاج ہوں لیکن صحت بالکل جواب دے چکی ہے

محمد اسعد اللہ

(بقلم یکے از خدام ۔ ۶ / اپریل ۶۵ء مظاہر علوم سہارنپور)

اس خط کے جواب میں حضرت والا کا کوئی خط گیا یا نہیں مجھے اسکا علم نہیں نیز اسکے بعد کی بھی درمیانی مکاتبت رجسٹر میں محفوظ نہیں ہے تاہم اسکے ایک سال کے بعد حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہٗ کا ایک اور خط آیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرتؒ کے خطوط مولانا کے پاس گئے

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہٗ کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

سیدنا و مرشدنا حضرت مولانا صاحب مدظلہٗ العالی !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ اس سے پہلے بھی ایک گرامی نامہ صادر ہوا تھا میں لکھنے سے معذور ہوں ایک صاحب سے جواب لکھنے کو کہدیا تھا میں سمجھتا تھا کہ انھوں نے لکھدیا ہوگا شرمندگی ہوئی۔ بہت ہی کمزور اور ضعیف ہوگیا ہوں کوئی کام نہیں کرسکتا۔ ذہنی انتشار رہتا ہے بہت ہی ادب سے درخواست ہے کہ جب یاد آجاؤں حضرت میرے لئے دعاء فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایۂ عاطفت کو مسترشدین کے سر پر بہت عرصہ تک قائم و دائم رکھیں۔

مجھے تو حضرت کے والا نامہ اور توجہات عالیہ سے بہت تقویت ہوئی۔ حضرت کی دعاؤں کی بہت ہی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ میری تو دلی تمنا ہے کہ میں حضرت اقدس کے گرامی نامہ کو اپنی نجات کے لئے بارگاہ خداوندی میں پیش کرسکوں اور مجھے یقین بھی یہی ہے کہ حضرت کی توجہات عالیہ میری نجات کا باعث ہوگی۔

(راقم نامہ محمد اللہ بہت ہی ادب سے سلام مسنون عرض کرنے کے بعد دعاء کی درخواست کرتا ہے۔ میری تمام اولاد کے لئے حضرت والا دعاء فرمائیں)۔

والسلام

محمد اسعد اللہ (بقلم محمد اللہ)

مظاہر علوم سہارن پور۔ ۲۷ محرم ۸۶ھ ۱۹۶۵ء

(حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کا جواب)

عنایت فرمائے بندہ، جناب مولانا صاحب دام مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

الحمد للہ بخیریت ہوں آپ کی علالت سے اچانک جو تشویش ہوگئی تھی آپ کے اس خط سے کسی قدر اطمینان ہوا باقی آپکی صحت اور کمزوری کا تو رنج ہے ہی اللہ تعالےٰ صحت و عافیت سے رکھے اور ذہنی افکار زائل فرمادے۔

آپ کے یاد آنے کا کیا سوال ہے آپ تو یاد ہی رہتے ہیں۔ دعاء کرتا ہوں۔ آئندہ بھی

کروں گا۔ اور خود اپنے لئے بھی آپ سے مزید صحت و قوت کی دعا چاہتا ہوں تاکہ کچھ کام کرسکوں اب یہاں گو اچھا ہوں اور یوماً فیوماً طاقت بھی بڑھ رہی ہے تاہم تھوڑا سا کام کرتا ہوں تو تھک جاتا ہوں. ضعف اعصاب اسکا سبب ہے علاج کر رہا ہوں۔ دعا بھی فرمائیے آپ کے لئے اور آپ کے سب بچوں کے لئے دعا کرتا ہوں۔ عزیزم محمد اللہ صاحب کو سلام مسنون فرمادیں ان کے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔ والسلام خیر ختام

وصی اللہ عفی عنہ

ناظرین کرام نے حضرت ناظم صاحب مدظلہ العالی کا خط اور حضرت اقدسؒ کا جواب ملاحظہ فرمایا! جہاں تک میرا اندازہ ہے کہ صرف یہی ایک خط اور اسکا جواب حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامتؒ کے مابین جو قلبی تعلقات تھے انکے اظہار کے لئے کافی ووافی ہے۔ حضرت ناظم صاحب کے خط کے آخری چند جملے ملاحظہ فرمائیے کہ کس قدر عقیدت اور کیسی محبت اور کس درجہ احترام و عظمت کے ترجمان ہیں۔ اپنے ایک پیر بھائی کو یہ لکھنا کہ ـــــ "میری تو یہ دلی تمنا ہے کہ میں حضرت کے گرامی نامہ کو اپنی نجات کے لئے بارگاہِ خداوندی میں پیش کرسکوں اور مجھے یقین بھی یہی ہے کہ حضرت کی توجہات عالیہ میری نجات کا باعث ہوگی ـــــ آج کے اس نفسا نفسی کی دنیا میں اور ایسے دور میں جبکہ معاصرانہ چشمک اپنے شباب پر ہو کیا آپ سمجھتے ہیں کہ آسان بات ہے! بڑا مشکل ہے ایسے ہی موقعوں پر لوگوں کی بے نفسی اور انکے مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسی طرح سے حضرت اقدسؒ کے جواب سے اندازہ ہوا کہ صرف یہی نہیں کہ ان ہی حضرات کو حضرت مصلح الامتؒ کی علالت کا غم ہو بلکہ خود حضرت والا بھی موجودہ اکابر علماء میں سے کسی کو علیل اور بیمار سن پاتے تھے تو حد درجہ فکر مند ہو جاتے تھے اور سچ پوچھئے تو تعلق اور محبت کا لطف اور مزا بھی کچھ اسی وقت ہے جب۔ ع

دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

اب اس کے بعد ایک آخری خط اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالی کا ملاحظہ فرمائیے:۔

(مکتوب گرامی حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ العالی

حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

گرامی نامہ باعث اعزاز واکرام ہوا۔ دلی دعا ہے اور تمنائے قلبی ہے کہ اللہ تعالےٰ حضرت کے سایہ کو تادیر سلامتی کے ساتھ قائم ودائم رکھیں۔ مزاج سامی کی صحت اور توانائی اور حضرت کے درجات عالیہ کی رفعت کیلئے دعا کرتا ہوں اور اپنے لئے حضرت کی توجہات گرامی اور دعاؤں کا طالب ہوں۔ میری بہت خوش قسمتی ہے کہ حضرت مجھے یاد فرماتے ہیں اور میرے لئے دعا فرماتے ہیں۔

ایک صاحب میرے قدیم کرم فرما ہیں اسعدی صاحب رسالہ بیباک کے اڈیٹر ہیں حضرت سے عقیدت وارادت رکھتے ہیں میں اجمالی طور پر انکی پریشان حالی سے واقف تھا لیکن کل مجھے تفصیلی طور پر معلوم ہوا کہ وہ بہت زائد پریشان ہیں، انھوں نے حضرت کیخدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا ہے وہ چاہتے ہیں کہ ایک سفارشی خط بھی حضرت کی خدمت میں انکے لئے لکھدوں اسکے لئے گو میں نے ان سے معذرت کردی ہے البتہ یہ میری بھی خواہش ہے کہ حضرت ان کے لئے دعا فرمادیں کیا عجب ہے حضرت کی دعاؤں کی برکت سے انکی پریشانی دور ہوجائے۔ نگاہِ شیخ کامل سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

محمد اسعد اللہ۔ بقلم محمد اللہ

(حضرت مصلح الامتؒ کا جواب)

محبت نامہ کاشف حالات ہوا آپ کی دعاؤں کا بہت ممنون ہوں۔ آپ کے لئے بھی دعا کرتا ہوں۔ اسعدی صاحب کے حالات معلوم ہوئے بہت رنج ہوا ان کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ انکی پریشانیوں کو دور فرمادیں۔ اور آپ سے تعلقات ایسے نہیں ہیں کہ آپ کی سفارش بار خاطر ہو۔ سفارش کی بھی اجازت دیتا ہوں۔ آپ کو بھی ثواب ہی

مل جائے گا۔

الحمدللہ یہاں سب متعلقین بعافیت ہیں موسم بھی خوشگوار ہے الٰہ آباد سے البتہ سخت گرمی اور لو کی اطلاعات آرہی ہیں اللہ تعالےٰ سب کو بعافیت رکھے۔

وصی اللہ۔ از کرلا بمبئی

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ نے اپنے گرامی نامہ میں جن اسعدی صاحب کے متعلق کچھ سفارش فرمائی ہے ان صاحب کا خط برابر حضرت والا کے پاس طلب دعا وغیرہ کے سلسلہ میں آتا رہا ان میں سے ایک خط جو مفید ہدایات پر مشتمل تھا ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

(جناب اسعدی صاحب مدیر اخبار بیباک کا خط حضرتؒ کے نام

حال: میں جسم و روح اور دین و دنیا کی سخت محرومیوں اور اضطراب انگیزیوں میں مبتلا ہوں عرصہ سے متلاشی ہوں کہ کوئی شفیق طبیب کامل مل جائے۔ 'صدق' میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی کا ایک مضمون دیکھا اور محسوس کیا کہ شاید حضرت والا ہی کے دارالشفاء میں میرا علاج ممکن ہو۔ ع۔ بر کریماں کارہا دشوار نیست۔

اس امید پر یہ عریضہ ہدیۂ خدمت کر رہا ہوں کہ اگر حضرت کی اجازت حاصل ہو جائے تو اپنے شرمناک حالات بیان کر کے حضرت کی توجہات و برکات کے لئے درخواست کروں۔

تحقیق: محبت نامہ ملا، آپ نے بھی کمال ہی کر دیا محض ایک رسالہ میں مضمون دیکھ کر کسی کے اس درجہ معتقد ہو گئے۔ عقیدت کا یہ طریقہ تو کچھ زیادہ مستحکم نہیں ہے اور پھر میں اسکا اہل بھی نہیں ہوں کہ حضرات اہل علم مجھ سے رجوع ہوں۔ تاہم اگر آپ کو مجھ سے حسن ظن ہے تو اگر آپ مجھ سے کچھ دریافت کریں گے تو دو چار حرف جاننے کی وجہ سے جو سمجھ میں آجائے گا جواب دے ہی دوں گا۔ اس سے کیسے انکار کر سکتا ہوں۔

باقی صحیح طریقہ یہ تھا کہ مجھے آپ کی اور آپ کو میری معرفت براہ راست ہوتی۔ تصانیف کا مطالعہ فرماتے۔ کبھی موقع ہوتا تو تشریف لاتے۔ بہرحال میری جانب سے اجازت مکاتبت ہے اپنی مناسبت کو ملاحظہ فرمائیں۔ اسپر ایک واقعہ یاد آیا مولانا سید سلیمان صاحب ندویؒ نے

تھانہ بھون حاضری سے قبل دس سال تک حضرتؒ کی کتب کا مطالعہ فرمایا اسکے بعد رجوع ہوئے فرماتے تھے کہ کسی سے تعلق قائم کرنے سے پہلے تو تحقیق کا موقع ہے مگر جب اسکو شیخ تجویز کرلیا تو پھر اب تقلید ضروری ہے، اب چون وچرا کی گنجائش نہیں۔ آپ کے لئے دعا کرتا ہوں۔

والسلام

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والا کا طریقہ کہ کسی کی محض تعریف سے جو اعتقاد پیدا ہوجاتا ہے اسکو ناکافی سمجھتے تھے چاہتے تھے کہ لوگ طریق کا کام بھی اصول کے ساتھ کریں اور اس باب میں اصول یہی تھا کہ دوسرے لوگوں کی تعریف کالعدم بھی اعتبار اسکا تھا کہ ہر شخص خود اپنا معاملہ درست کرے۔ حتّی کہ شیخ کے انتخاب میں بھی خود اپنی مناسبت اپنی محبت اور کوشش پیش نظر رکھے کہ راستہ خدا کا ہے اور معاملہ دیانت کا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس باب میں اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے کہ وہ توفیق کو اسکا خیر رفیق بنادے۔ کوئی بزرگ نہ جنچے تو دوسرا راستہ دیکھے لیکن ایک مرتبہ جس نے سمجھ بوجھکر عقیدت اور تعلق قائم کرلیا تو بس پھر اسکا اتباع کرے۔ اب نہ چون وچرا ہی کی گنجائش ہے اور نہ اپنی تحقیقات بگھارنے کی حاجت ہے بلکہ اب تو تقلید ہی ضروری ہے۔

صرف اسی زریں افادہ کی خاطر اسعدی صاحب کا یہ خط یہاں نقل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے سب کو مستفید فرمادے۔ اس خط پر حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ اور حضرت مصلح الامتؒ کے مابین کے حالات ختم ہوئے اب آگے حضرت شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہ پھولپوری اور حضرت مصلح الامۃؒ کے مابین دو ایک خطوط جو مل سکے ملاحظہ فرمادیں۔

(حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ اور حضرت مصلح الامتؒ)

حضرت مولانا پھولپوری بھی ضلع اعظم گڈھ کے ایک قصبہ پھولپور کے قریبی ایک موضع کے باشندے تھے۔ حضرت پھولپوریؒ کے وطن کے قریب پھولپور اور سرائے میر دو قصبے واقع تھے حضرت پھولپوریؒ نے دونوں جگہ ع.بی مدرسہ قائم فرمایا۔ پھولپور کے مدرسہ کی بنیاد تو حضرتؒ نے

اپنے پیر و مرشد حضرت تھانویؒ کے مشورہ سے اور حضرتؒ ہی کے ہاتھوں ڈالی۔ چنانچہ پھولپور کی مناسبت سے حضرت تھانویؒ نے یہاں کے مدرسہ کا نام "روضۃ العلوم" تجویز فرمایا اور سر آئیر کے مدرسہ کی سرپرستی کے لئے بھی حضرت تھانویؒ سے درخواست کی حضرتؒ نے قبول فرمالیا اور کسر نفسی کے طور پر مدرسہ کا نام بیت العلوم تجویز فرمایا (بیت عربی میں کہتے ہیں کوٹھری کو) اور یہ فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اس کو دار العلوم بنادے (دار کہتے ہیں صحن والے بڑے گھر کو)۔

حضرت پھولپوریؒ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں بہت بڑے تھے اور حضرت تھانویؒ کے خلفاء میں چونکہ آپ کو بڑا مقام حاصل تھا اسلئے حضرت والا بھی انکا بیحد ادب فرماتے تھے بلکہ اپنی جماعت کا سرخیل تصور فرماتے تھے اور اپنے مزاج خاص اور طبعی خمول پسندی کی وجہ سے جن چیزوں میں عملاً بڑا ناپسند نہ بھی فرماتے ان میں بھی حضرت مولانا پھولپوریؒ کی رائے سے پورا اتفاق اور کامل تائید فرماتے۔

اس سلسلہ کے دو واقعات تو خود اس راقم الحروف کے بھی علم میں ہیں کہ جہاں حضرت والا کا تقاضائے مذاق کچھ اور تھا لیکن جب کسی نے حضرتؒ کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا تو فرمایا کہ اس مسئلہ میں ہماری بھی وہی رائے اور ہمارا بھی وہی مسلک ہے جو حضرت پھولپوریؒ کا ہے۔ چنانچہ ...... جماعت کے متعلق جیسا کہ عام طور سے لوگوں کے علم میں ہے حضرت والا کچھ نہیں فرماتے تھے نہ تائید نہ تردید چنانچہ حضرتؒ کی مجلس کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی شمار کیجاتی تھی کہ غیر کا وہاں بالکل تذکرہ نہیں ہوتا۔ اور خود حضرت والا بھی فرمایا کرتے تھے کہ اجی! ع۔ 'احباب حاضراند با عدا چہ حاجت است'۔ یعنی جب احباب موجود ہیں تو پھر اور دوسروں کا کیا ذکر۔ ہمارے پاس اللہ اور رسول اور بزرگان دین کی باتیں کیا کم ہیں کہ ہم اغیار کے تذکرہ سے اپنی مجلس کو رونق دیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہ صرف اُسی جماعت کا بلکہ روافض اور مبتدعین کسی بھی جماعت کے لوگوں کا تذکرہ حضرت والا کی مجلس میں کبھی نہیں آتا تھا۔ یوں کبھی ضمناً یا اشارۃً روافض یا اہل بدعت کے طریقہ کی تردید بھی فرمائی تو اس سے زیادہ نہیں کہ مثلاً حضرت امیر معاویہؓ کا کوئی واقعہ بیان فرمانا ہوا تو اسکو اس انداز سے فرماتے کہ 'اب خوف و خشیت کے سلسلہ کا ایک واقعہ ایک صحابیٔ رسول کا سنیئے' لوگ تو ان سے خفا ہیں مگر دیکھئے اس واقعہ سے

اندازہ ہوتا ہے کہ یہ صحابیٔ رسول اس باب میں بھی (یعنی خوف آخرت اور اللہ تعالےٰ کی خشیت کے باب میں بھی) کس قدر متبع رسول تھے ــــــ اب ظاہر ہے کہ حضرتؒ کے ان لفظوں سے کہ "لوگ تو ان سے خفا ہیں" روافض ہی مراد ہیں لیکن عنوان کیسا پیارا اور ناصحانہ اختیار فرمایا۔ اسی طرح ایک موقع پر مولانا اسماعیل صاحب شہیدؒ کا کوئی کلام نقل فرمانا ہوا تو یوں فرمایا کہ ــــ "اب ایک عالم ربانی کا ارشاد سنیئے لوگ تو ان سے ناخوش ہیں گر دیکھئے کہ ان بزرگ نے کیسی عمدہ اور محققانہ بات ارشاد فرمائی" ــــ اس طرح سے حضرت شہید کی نصرت اور تائید فرماتے اور انکو برا سمجھنے والوں کی تحمیق اور تردید اسطرح کے نرم عنوان سے فرماتے۔

غرض حضرت اقدسؒ کا مزاج ہی کچھ ایسا تھا کہ اختلاف اور اختلافیات کا چرچا اپنی مجلس میں ہیچ ناپسند نہیں فرماتے تھے لیکن اسکا منشا یہ ہرگز نہ تھا کہ حضرت والا کچھ اپنے مسلک میں نرم تھے یعنی محض ایک صلح کل قسم کے انسان تھے ایسا نہیں تھا کیونکہ خود فرماتے تھے کہ بھائی اتنا کچا نہیں ہوں کہ اپنے بزرگوں کے طریقہ کے خلاف کسی طریقہ اور مسلک کی تائید کرنے لگ جاؤں میں اپنے مسلک میں نہایت مضبوط ہوں ہاں البتہ طریقہ اصلاح میں ذرا نرم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی موقع پر حضرت والاؒ کے سکوت سے کسی نے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا تو پھر وہاں حضرتؒ نے صاف صاف اور کھلکر کہہ بھی دیا ہے مثلاً حضرت پھولپوریؒ کی رائے ایک جماعت کے متعلق کچھ سخت تھی۔ مولاناؒ خود بھی زبردست عالم تھے مفتی تھے اس جماعت کی کتابوں اور انکے لوگوں کے حالات اور کام کے رخ پر مولاناؒ کی نظر تھی اور اس اطراف میں اس جماعت کا کچھ زور بھی رہا ہوگا اسلئے غالباً مولاناؒ کی مجلس اور وعظ و تذکرہ میں اسکا ذکر زیادہ آتا تھا برخلاف اسکے ہمارے حضرتؒ کے اطراف کی یہ فضا ہی نہ تھی اسلئے اس جماعت کا ذکر برائے نام ہی کبھی حضرتؒ کے یہاں آتا تھا اس فرق کیوجہ سے خود غلط فہمی میں پڑکر یا دوسروں کو غلط فہمی میں ڈالنے کیلئے بعض لوگوں نے اس سے یہ مستنبط کیا کہ مولانا پھولپوریؒ تو فلاں جماعت کے بارے میں متشدد ہیں اور مولانا فتحپوریؒ (یعنی ہمارے حضرت مصلح الامتؒ) نرم ہیں ظاہر ہے کہ اس سے یہ نکلا کہ اس جماعت کے متعلق گویا ان دونوں بزرگوں میں اختلاف رائے ہے حضرت اقدسؒ کو جب اسکی اطلاع ملی کہ لوگوں میں کچھ اس قسم کا چرچا ہو رہا ہے تو فرمایا کہ بھائی مولانا پھولپوریؒ ہماری جماعت کے بڑے لوگوں میں سے ہیں ہمکو ان سے کوئی اختلاف نہیں ہے اس جماعت کے بارے میں ہماری رائے بھی وہی ہے جو مولانا پھولپوری کی ہے اس طرح سے حضرت والاؒ نے اس امر کا اظہار فرماکر اس فتنہ کا سد باب ہی فرما دیا جو ایسے موقعوں پر اکابر میں باہم اختلاف ظاہر کرکے اہل غرض بالعموم پیدا کیا کرتے ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، حضرت مولانا فتحپوری نور اللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا پھولپوریؒ کا بہت ادب ولحاظ فرماتے تھے ظاہر ہے کہ پھر ان سے اختلاف کیسے گوارا فرما سکتے تھے اور اختلاف تو بجائے خود رہا حضرت پھولپوریؒ اگر کبھی اپنے کسی مرید سے ناراض ہو جاتے اور اپنا تعلق اس سے قطع فرما لیتے تو یہ ناممکن تھا کہ پھر وہ ہمارے حضرتؒ کے یہاں کبھی باریابی حاصل کر سکے چنانچہ اس بات کے ثبوت کے لئے ایک طالب کا خط اور حضرت مصلح الامتؒ کا جواب نقل کرتا ہوں :۔

(حضرت مولانا پھولپوریؒ کے ایک مرید کا خط

حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

خادم نے جو جوابی کارڈ حضرت کی خدمت میں روانہ کیا تھا اس کے جواب میں حضرت والا کا خط ملا۔ خیریت آنجناب کی معلوم ہو کر الحمد للہ خوشی ہوئی۔ دوسری گذارش حضرت کی خدمت میں یہ ہے کہ بندہ کا اصلاحی تعلق حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ سے تھا مگر کچھ مناسبت میں کمی کی وجہ سے انھوں نے بندہ کو لکھا ہے کہ تم دوسرا مصلح تجویز کر لو۔ لہٰذا خادم حضرت والا کو اپنا مصلح تجویز کرتا ہے اس لئے آپ سے گذارش ہے کہ اللہ واسطے خادم کی اصلاح فرمائیں۔

(حضرت مصلح الامتؒ کا مشفقانہ اور اصلاحی جواب)

بھائی حضرت مولانا صاحب نے دوسرا مصلح تجویز کرنے کو کیوں فرمایا؟ آپ نے کوئی بے ادبی تو نہیں کی؟ اگر بے ادبی کی تو حضرت مولانا سے معافی نہیں مانگی اور ان کو خوش نہیں کیا؟ یہ چیز آپ کے خسران کا سبب ہے فوراً تدارک کیجئے اور حضرت مولانا کو راضی کیجئے اور جب مولانا سے مناسبت نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ مجھ سے مناسبت کی کیا امید ہے۔

خوب سمجھ لیجئے ـــــــــــــــــــ والسلام

وصی اللہ عفی عنہٗ

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت اقدسؒ نے یہ نہیں کیا کہ لاؤ ایک مرید مل رہا ہے فوراً اسکو داخل سلسلہ کرلیں بلکہ حضرت پھولپوری کی عظمت اور خود اس طالب کی شفقت اور اسکی دینی مصلحت کے پیش نظر اسکو کیسا خیرخواہانہ مشورہ مرحمت فرمایا اور آخری جملہ سے اپنے اور انکے اتحاد معاملہ کو کیسا ظاہر فرما دیا۔ ع۔ تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔

اسکے بعد اب دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو کہ حضرت پھولپوریؒ کو بھی حضرت والاؒ پر کسقدر اعتماد تھا کہ اپنے لوگوں میں سے جس کو مناسب سمجھتے تھے حضرت مصلح الامۃؒ کیجانب رجوع فرما دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت پھولپوریؒ کے کسی مرید نے مولاناؒ کے بعد ہمارے حضرتؒ کو ایک خط لکھا ہم یہاں اسکو اور حضرت مصلح الامتؒ کے جواب کو نقل کرتے ہیں۔ ہوا یہ کہ ان صاحب نے حضرت والاؒ سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا لیکن اپنے بعض احباب کی گفتگو کیوجہ سے انکے ارادہ میں تزلزل پیدا ہو گیا اسکے لئے انھوں نے دیوان حافظ سے فال نکالا اور پھر حضرت والاؒ سے اصلاحی تعلق قائم کیا اور اپنا یہ سب حال (ارادہ سے لیکر مرید ہونے تک) حضرت والاؒ کو لکھا۔ انکا حال ملخصاً اور حضرت اقدس کا مفصل جواب ملاحظہ ہو۔

(حضرت پھولپوریؒ کے ایک اور مرید کا حضرت مصلح الامۃؒ کے نام خط)

اپنے ہی سلسلہ کے چند حضرات کے سرسری انداز گفتگو سے شک وشبہ نے میرے یقین کا دامن چھو لیا۔ اسی اضطراب میں دیوانِ حافظ تبرکاً اٹھاکر دیکھا اور ذہن میں خیال رکھا کہ اپنا رشتہ (یعنی تعلق اصلاحی) حضرت (فتحپوری یعنی ہمارے حضرت والاؒ) سے مناسب ہوگا یا نہیں؟ (یعنی دیوان حافظ سے فال نکالا) تو پہلی بار یہ شعر سامنے آیا ؎

بندۂ پیر خراباتم کہ درویشانِ او ـــ گنج را از بے نیازی خاک بر سر میکنند

پھر دوسری بار یہ سوچکر کہ (آخر) لوگوں نے جو میرے ذہن کو منتشر کر دیا اسمیں وہ کہاں تک

؎ میں ایسے پیر خرابات کا غلام ہوں جس کے فقیروں کا حال یہ ہے کہ وہ خزانوں سے بے نیاز ہوکر اسکو خاک دفن کر دیا کرتے ہیں۔

صحیح المراسے ہیں پھر دیکھا تو یہ شعر سامنے آیا ؎

خانہ خالی کن دلا! تا منزل جاناں شود ؏۵ کیں ہوسناکاں دل و جاں جائے دیگر میکنند

حضرت والا! مجھے ان اشعار سے بالکل اطمینان ہوگیا اور فوراً اسکے بعد ہی اولین درخواست اپنی اصلاح کے لئے پیش کی جس کے جواب باصواب سے جو سرورِ غیر فانی حاصل ہوا وہ بیرون از قیاس ہے۔

(حضرت مصلح الامتؒ کا ان فال والے صاحب کو جواب)

ایک بات خدمت مبارک میں عرض ہے کہ کیا شیخ سے رجوع کرنے کے لئے دیوانِ حافظ سے فال لینا کافی ہوگا؟ ہمارے مشائخ کی کیا تعلیم ہے؟ (اسکے متعلق کچھ فرمائیے)۔

اور ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ لوگوں نے میرے پاس خطوط لکھے ہیں کہ حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے فرمایا ہے کہ ان سے (یعنی وصی اللہ سے) تعلق رکھو۔ اسیطرح سے ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں نے ایک خواب دیکھا اور اسکی تعبیر حضرت مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوریؒ سے دریافت کیا تو مولانا (پھولپوریؒ) نے فرمایا کہ اسمیں اشارہ اسطرف ہے کہ تم ان سے (یعنی وصی اللہ سے) رجوع کرو تم کو وہاں نفع ہوگا۔

اب اسکے بعد آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کے (سابق) شیخ جن سے آپ کو عقیدت ضرور ہی رہی ہوگی وہ تو یہ فرما رہے ہیں نیز مولاناؒ یہاں الہ آباد تشریف لابھی چکے ہیں میرا مکان اور میرا رہن سہن ملاحظہ فرماچکے ہیں اسکے بعد بھی مولاناؒ کی میرے متعلق جو رائے تھی وہ اوپر کے واقعات سے ظاہر ہے اور یوں بھی حضرت مولاناؒ میرے صرف پیر بھائی ہی نہ تھے بلکہ ہر معاملہ میں ہم اور وہ ایک رائے ایک خیال ہوتے تھے ادھر گو ملنا جلنا کم رہا تاہم جس معاملہ میں جو انکی رائے ہوتی رہی میری ہوتی اور جو میری ہوتی وہی انکی ہوتی۔ آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟

اب ان حالات کی روشنی میں فرمائیے کہ آپ لوگ اپنے شک و شبہ میں کہاں تک حق بجانب ہیں؟ ۔ والسلام

وصی اللہ (از معرفت حق مئی ۱۹۶۰ء)

؏۵ یعنی اے دل تو اپنے گھر کو خالی کرتا کہ وہ محبوب کا جائے قیام بن سکے کیونکہ یہ ہوسناک لوگ ہیں انھوں نے اپنے دل و جاں کو کہیں اور لگا رکھا ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت اقدس کا جواب۔ یوں تو اس خط میں اور باتیں بھی ہیں تاہم خط کشیدہ عبارت میرے مدعا کے اثبات کے لئے کافی و وافی ہے۔ وہ یہی کہ یہ دونوں بزرگ ہم مسلک اور ہم مشرب ہونے کے علاوہ متفق الخیال و متحد الرائے بھی تھے۔

ایک موقع تو یہ تھا۔ دوسرا موقع وہ دیکھا کہ جب ایک خاص مسئلہ کے متعلق حضرت پھولپوری ؒ نے اپنا رسالہ "اعلام الطالبین بخروج البعض من المجازین" مرتب فرمایا اور علماء و مشائخ نے اس پر اپنی آرا کا اظہار فرمایا تو ہمارے حضرت مصلح الامۃ ؒ نے اسکی تائید ان لفظوں سے فرمائی۔ ارقام فرمایا کہ

> "حضرت مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوری مدظلہ العالی نے جو کچھ تجویز فرمایا ہے وہ محض دیانت اور مسلمانوں کے دین کی صیانت نیز حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے مسلک کی حفاظت پر مبنی ہے اور میں بھی اس سے متفق ہوں کوئی صاحب مناظرہ کا باب کشادہ نہ کریں۔ جواب نہیں دیا جائے گا۔
>
> (وصی اللہ عفی عنہ بقلم خود مقیم حال ۲۳ بخشی بازار الٰہ آباد)
>
> ۵ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ۔ (اعلام الطالبین ص۲۲)

اس میں بھی حضرت مولانا پھولپوری ؒ پر حضرت ؒ کا کامل اعتماد اور معاملہ خاص میں انکا اتباع اور انقیاد نمایاں طور پر معلوم ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت پھولپوری ہمارے نزدیک چونکہ ایک متدین بزرگ ہیں نفسانیت سے خالی اور حضرت تھانوی ؒ کے مسلک کی حفاظت میں مخلص ہیں اور مسلمانوں کے دین کے سچے خیر خواہ ہیں۔ اسلئے جو کچھ انھوں نے فرمایا ہے اور کہا ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے اور میں بھی اس میں ان سے متفق ہوں۔

دیکھئے! دونوں حضرات مستقل ہیں اور صاحب سلسلہ شیخ ہیں اور ہر ایک کے ساتھ ماننے والوں کی خاصی تعداد موجود ہے مگر رائے اور خیالات کی یہ ہم آہنگی اور ہمرنگی اس اعجاب کل ذی رأی برأیہ کے دور میں ہوا سکے کہ اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع کی برکت کہئے اور ان حضرات کی کرامت اور انکی للہیت اور بے نفسی کی دلیل سمجھئے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اور اسمیں بھی شک نہیں کہ دو ایسے بڑے شیخ کے باہمی تعلقات

کی یہ فضا مرشد تھانوی قدس اللہ سرہ کی تعلیم وتربیت کا ایک روشن نمونہ اور بلاشبہ انکا ایک مجددانہ کارنامہ ہے۔ واقعی آج حضرت تھانوی رح کے جس خلیفہ کو دیکھئے فیض کا ایک معتدبہ سلسلہ انکی ذات سے قائم ہے۔ کسی بزرگ کے اس قدر کثیر تعداد میں کثیر الفیض خلفاء کم ہوئے ہیں اسی کو دیکھئے کہ ایک طرف حضرت پھولپوری نے معیتہ اور معرفت الٰہیہ کے پھولوں سے اطراف واکناف ھند کو معطر فرمایا تو دوسری جانب ہمارے حضرت مصلح الامۃ نوراللہ مرقدہ نے بھی معرفت حق اور نسبت صوفیہ کو آسان اور محبوب بناکر مسلمانوں کے سامنے اسطرح سے پیش فرمایا کہ کبار علماء ومشائخ کو حضرت کی دینی وروحانی اور اصلاحی خدمات کی داد دینی پڑی اور جہاں کہیں حضرت والا تشریف لے گئے وہاں کے عوام وخواص سبھی کے قلوب تو فتح پوری ہی حاصل فرمالی۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

اور ایک یہی دونوں بزرگ کیا آج ہندوپاک میں کون ساخطہ ایسا ہے جہاں اس تھانوی شمس کے فیض کی شعاعیں نہیں پہونچیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے فیض سے اقصائے عالم کو فیضیاب فرمادے۔ آمین۔

مجھے یاد ہے کہ ایکمرتبہ حضرت مولانا علی میاں صاحب مدظلہ الہ آباد تشریف لائے ہندو مسلم مشترک مجمع میں "انسانیت" کے موضوع پر تقریر فرمائی اور اسکی دعوت دی اور یہ فرمایا کہ ہم سب لوگ اپنا اپنا الگ الگ مذہب رکھنے کے باوجود "انسانیت" میں شریک ہیں چنانچہ اسکی بہت سی ایسی قدریں ہیں کہ اسکو ہر شخص بلاتفریق مذہب وملت پسند کرےگا مثلاً سچ بولنا غریبوں اور کمزوروں کی ہمدردی کرنا۔ بھوکے کو کھانا کھلانا۔ پڑوسی کو آرام پہونچانا اور کسی کو دھوکہ نہ دینا۔ چوری۔ حرامکاری۔ رشوت۔ ظلم۔ خودغرضی اور ذخیرہ اندوزی وغیرہ ان سب چیزوں کو ہر شخص ناپسند کرتا ہے لہٰذا اگر ایک جماعت ایسے لوگوں کی جوان اچھائیوں کو پھیلانا اور ان برائیوں کو مٹانا چاہتے ہیں تیار ہوجائے اور سب مل کر اس کام کو کریں تو آج دنیا سے بہت سی برائیوں کا خاتمہ ہوسکتا ہے، اور زندگی جو بلاتفریق مذہب ہر انسان پر عذاب بنی ہوئی ہے وہ راحت اور چین سے گذرسکتی ہے۔ مولانا کی تقریر طویل تھی حاصل اسکا اخلاقیات کی جانب لوگوں کو متوجہ کرنا اور موجودہ بداخلاقیوں کے انسداد کی فکر پیدا کرنا تھا۔

بات کی صداقت اور مقصد کی پاکیزگی میں کسکو کلام ہو سکتا ہے لیکن اس موقع پر مجھے خیال گذرا کہ ابھی مولانا ندوی مدظلہ نے تو آج وہی بات بیان فرمائی جواب سے بہت پہلے حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نور اللہ مرقدہ نے تھانہ بھون کے مسند ارشاد سے بیان فرمائی تھی ——۔ فرمایا کرتے تھے کہ "بھائی یہاں بزرگی وزرگی تو ہے نہیں جس کو بزرگ بننا ہو وہ کہیں اور جائے میں تو صرف انسان بناتا ہوں اور لوگوں کو انسانیت سکھلاتا ہوں لہٰذا جسکو انسان بننا ہو وہ یہاں آئے اور یہ بھی فرماتے تھے کہ غوث اور قطب بننا آسان ہے مگر انسان بننا مشکل ہے"۔ حضرت رحؒ کی یہ بات بہت مشہور ہوئی۔ بس فرق یہ ہے کہ مولانا ندوی مدظلہ نے اسے اسٹیج پر بیان فرمایا اور حضرت تھانویؒ نے چند بوریہ نشینوں کے مجمع میں اسکو فرمایا تھا تاہم انکے اخلاص کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اسکو پہونچا ہر جگہ دیا۔ آپنے بھی سنا ہوگا ہم نے بھی سنا اور بہت سے اللہ کے بندوں تک حضرتؒ کی یہ آواز پہونچی۔

اور سچ پوچھئے تو حضرت تھانویؒ بھی کہاں سے فرماتے دراصل یہ بات تو اب سے بہت پہلے لسان نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم سے نکل چکی تھی۔ فرمایا کہ بعثت لا تمم مکارم الاخلاق (میں اسلئے بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں)۔

بہرحال مولانا ندوی کی تقریر بہت خوب تھی، مفید اور مؤثر تھی، باقی اس سے میں نے اپنے ذہن میں یہی سمجھا کہ الحمدللہ خانقاہیں گو اس زمانہ میں ختم ہوتی جارہی ہیں لیکن جو پیغام وہاں سے ملتا تھا وہ زندہ ہے گویا مولانا ندوی الحمدللہ اس تخریب خانقاہ کے دور میں پیغام خانقاہ پہونچا رہے ہیں کیونکہ علم تصوف ہی کا دوسرا نام علم الاخلاق بھی ہے اور تہذیب الاخلاق کا گہوارہ اب تک یہی خوانق ہی رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارباب خوانق کو ان جھگڑوں سے پھر وہی کام لینے کی توفیق عطا فرمائے جسکے لئے انکی اصل وضع تھی و ما ذالک علی اللہ بعزیز۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ بات کہیں سے کہیں پہونچ گئی تاہم دو بات سابق خط اور تحریر کے سلسلہ میں اور سن لیجئے :-

ایک تو یہ کہ ان فال والے طالب نے حضرت والا کو یہ جو لکھا تھا کہ "چند حضرات کے

انداز گفتگو سے شک وشبہ نے میرے یقین کے دامن کو چھولیا ــــــــ اس سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے جن کو ہمارے حضرت سے عقیدت اور مناسبت نہ رہی ہوگی انکو ادہر سے بہکایا تھا اور یہ صاحب اسی وجہ سے شک میں پڑ بھی گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دیکھا آپ نے نفسانیت کی دنیا میں یہ بھی ہوتا ہے۔ اپنا پیر اور شیخ تو کسی سے پورا مطمئن ہوتا ہے مگر مرید لوگ شک وشبہ ہی میں پڑے رہتے ہیں۔ ایسا پہلے بھی ہوا ہے اور ہم آج بھی اپنے حالات میں اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی فتنہ سے محفوظ رکھنے والے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت والاؒ نے اپنی تائیدی تحریر میں مولانا پھولپوریؒ کا ایک وصف (اور وہ بھی حضرت والاؒ کی تائید کی ایک وجہ تھی) یہ بیان فرمائی کہ (مولانا پھولپوریؒ کی یہ تجویز) حضرت مولانا تھانویؒ قدس سرہ کے مسلک کی حفاظت پر مبنی ہے ــــــــ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے شیخ کا مسلک بھی کوئی چیز ہے جو قابل حفاظت ہوا کرتا ہے اور اسکی حفاظت کرنے والا قابل تحسین وتقلید ہوتا ہے نہ یہ کہ اسکو جامد اور اسکی حفاظت کو جمود وتعذب اور تنگ نظری سے تعبیر کیا جائے۔ نیز معلوم ہوا کہ کتاب وسنت پر عمل کے بعد کسی عالم ربانی اور شیخ حقانی کا مسلک بھی کوئی درجہ رکھتا ہے (جاہلوں اور دنیا دار پیروں کا یہاں ذکر نہیں ہے) ورنہ تو حضرت نور اللہ مرقدہٗ کا یہ فرمانا بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت والاؒ نے دین ودیانت کا ذکر الگ فرمایا اور اسکے بعد حضرت مولانا تھانویؒ کے مسلک کو بھی ذکر فرمایا چنانچہ آج عام طور سے یہ مغالطہ بھی دیا جا رہا ہے کہ کسی شیخ کا مسلک کیا چیز ہے؟ بس قرآن و حدیث اصل ہے۔ اس میں شک نہیں اس قول کا ظاہر جسقدر حسین اور آراستہ ہے اسی قدر یہ قول (کسی شیخ ربانی وحقانی کے مسلک کی پیروی سے الگ ہونے کے بعد) دین ودیانت ہی قید سے آزادی کا زہر بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور اس قید سے چھوٹ کر پھر اسکے بعد اپنے نفس کی اتباع کا نہایت ہی لذیذ اور ہر دلعزیز مسلک کی دعوت پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نفس کی فریب کاریوں سے ہماری حفاظت فرماویں۔ آمین۔ مقدر سے اگر کوئی مسلّم بزرگ کسی کو مل جائے تو پھر دین پر چلنے کے لئے اسی کی تعلیمات اور ہدایات اور مسلک کو اپنا پیشوا بنانا اور اطمینان کے ساتھ اسی راہ پر چلے چلنا اس زمانہ میں عوام کیلئے

ازبس ضروری ہے اور طرح طرح کے فتنوں اور گمراہیوں سے بچنے کا سہل ترین ذریعہ ہے۔

بہرحال میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ان دونوں حضرات یعنی حضرت پھولپوریؒ اور حضرت فتحپوریؒ کا تعلق باہمی للہ اور فی اللہ تھا چنانچہ ہر ایک دوسرے کے غم میں برابر کے شریک رہا کرتے تھے۔ باقی جیسا کہ خود حضرت والاؒ نے فرمایا کہ آخر میں ملنا جلنا کم ہوتا تھا تو ظاہر ہے کہ مکاتبت کی نوبت بھی کم ہی آتی رہی ہوگی۔ چنانچہ مجھے تو اس سلسلہ کا صرف ایک تعزیت نامہ مل سکا جو حضرت والا کی دونوں صاحبزادیوں کے انتقال پر حضرت پھولپوریؒ نے ہمارے حضرتؒ کے پاس ارسال فرمایا تھا۔ وھو ہذا۔

(حضرت پھولپوریؒ کا تعزیت نامہ حضرت مصلح الامتہؒ کے نام)

مشفقم سلمک اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

یہ معلوم کر کے کہ دو دو صاحبزادیاں ہفتہ عشرہ کے اندر اس دار الفنار سے دار البقار کو تشریف لے گئیں (رحمہا اللہ تعالیٰ) بیحد رنج وقلق ہوا۔ اللہ تعالیٰ متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمادیں اور صاحبزادیوں کو جنت الفردوس عطا فرمادیں۔

دنیا سے رحلت ناگزیر ہے اور مفارقت عزیزاں بھی یکے بعد دیگرے ضروری ہے سوائے صبر جمیل کے چارہ نہیں۔ دل سے دردمند

عبدالغنی (از کانپور۔ کرنیل گنج۔ مکان حاجی سلام الدین صاحب)

(حضرت والاؒ کا جواب حضرت مولانا پھولپوریؒ کے نام)

حضرت مولانا دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

جب حضرت میرے دل سے دردمند ہیں جیسا کہ حضرت اقدس نے تحریر فرمایا تو مجھکو کیا کچھ درد ہوگا۔ بہرکیف اکابر کی تعزیت میرے لئے کیا کم ہے اس سے بہت کچھ تسلی ہو رہی ہے۔ دل سے دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ بالکلیہ اپنی طرف متوجہ فرمالیں اور اپنا بنالیں۔ والسلام۔

وصی اللہ عفی عنہ'

مکاتبت بالا میں حضرت پھولپوریؒ کی شفقت اور حضرت مصلح الامۃ کے رنج وغم سے دردمند ہوتا اور ہمارے حضرتؒ کا تادّب اور قلبی عظمت نمایاں ہے اور جواب کے آخری جملہ سے تو کہ ـــــ "دل سے دعاء فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بالکلیہ اپنی طرف متوجہ فرمالیں اور اپنا بنالیں" ـــــ حضرت والاؒ کی کیفیت قلبی کا بھی کچھ سراغ لگتا ہے کہ اولاد کی محبت اور اسکی جدائی کے درد وغم کو جو کہ ایک فطری اور طبعی چیز ہوتی ہے اور شرعاً کچھ مذموم بھی نہیں ہے مگر حضرتؒ کی دلی خواہش یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو بھی اپنی محبت سے تبدیل فرما دیں یعنی یہ حاصل ہو جاوے اور وہ بالکلیہ زائل ہو جائے، ورنہ تو حق تعالیٰ کی محبت کو غیر اللہ کی محبت پر صرف غالب ہی رکھنا یہ تو ہر مومن کے لئے ضروری ہے۔ چنانچہ ہمارے صوفی عبدالرب صاحب مرحوم نے اپنی روانگیٔ حج کے وقت خالق ومخلوق کی محبت کا خوب تقابل کیا ہے فرماتے ہیں کہ ؎

تمنا ہے کوئی اللہ والا پھر دعاء کر دے ۔۔۔ کہ مجھکو ربِ کعبہ دولتِ حج پھر عطا کر دے

وہی تیاریاں ہوں پھر علائق سے جدا ہو کر ۔۔۔ یہ بندہ پھر خدا کا ہو کے ترکِ ماسوا کر دے

گلے سے اپنے بچوں کو لگا دل ور جدا کر دوں ۔۔۔ محبت اپنی غالب ہر محبت پر خدا کر دے

لیکن اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت کچھ دوسرے ہی انداز کی ہوتی ہے کہ پھر وہ اسکے بعد از خود کسی غیر سے دل لگانے ہی کو پسند نہیں فرماتے۔ اور طبعی محبت جس سے ہوتی ہے شرع کے مطابق اسکا حق ادا کرتے ہیں لیکن دل سے اللہ تعالیٰ سے انکی آرزو یہی ہوتی ہے کہ اسکی جگہ خدا اپنی ہی محبت قائم فرما دے۔

بہرحال میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت والاؒ حضرت پھولپوریؒ کا بہت ہی ادب فرماتے تھے۔ خود راقم نے دیکھا ہے کہ حضرت پھولپوریؒ اپنے اخیر زمانہ میں ایک مرتبہ الہ آباد تشریف لائے (حضرت پھولپوریؒ کی صاحبزادی صاحبہ یہیں تشریف رکھتی تھیں وہیں حضرت کا قیام تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت پھولپوریؒ نے کسی خادم سے ہمارے حضرتؒ کے متعلق

دریافت فرمایا ہوگا کہ مولوی وصی اللہ صاحب کہاں رہتے ہیں انکے یہاں بھی چلنا ہے) کسی ذریعہ سے ہمارے حضرتؒ کو حضرت پھولپوریؒ کا الہ آباد تشریف لانا اور حضرت والاؒ کے یہاں تشریف لانے کا ارادہ معلوم ہوگیا تو ہمارے حضرتؒ نے اپنے بعض خدام سے فرمایا کہ اجی! مولانا پھولپوریؒ آئے ہوئے ہیں کوئی شخص انکے جائے قیام سے واقف ہے؟ مولاناؒ کے کے یہاں ابھی چلنا ہے۔ چنانچہ حضرت والاؒ چند خدام کے ہمراہ مولانا پھولپوریؒ سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئے (راقم السطور بھی ہمراہ تھا) حضرت پھولپوریؒ بڑی تپاک اور محبت سے ملے اور فرمایا مجھے تو آپکا مکان دیکھنا ہی تھا (جو آپ نے یہاں خریدا ہے) اسلئے میں خود آنیوالا ہی تھا آپ نے کیوں تکلیف کی؟ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ حضرت! مکان تو حضرت ہی کا ہے جب مرضی ہو تشریف لیچلیں باقی آنا تو مجھے ہی چاہیئے تھا۔ یہ غالباً دوپہر (قبل دوپہر) کی بات ہے' اسکے بعد بعد ظہر حضرت پھولپوریؒ تشریف لائے حضرت والاؒ نے غالباً تادّباً ہی حضرت کے لئے اپنے کمرہ کے علاوہ دوسرے کمرہ میں مستقل مسند بچھوایا اور خود بھی دوسرے اور لوگوں کی طرح سے حاضرین کے حلقہ میں ایک جانب خاموش بیٹھ گئے اس طرح سے حضرتؒ کا کسی کے سامنے بیٹھنا اس سے قبل میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بہر حال اسکے بعد چائے لائی گئی حضرت والاؒ نے قاری مبین صاحب مدظلہ سے فرمایا کہ مبین! وہ فنجان جو آیا ہوا ہے وہ لاؤ (مولوی حاجی عبدالغفار صاحبؒ الہ آبادی ثم مکی (سنا ہے کہ انکا بھی مکہ معظمہ میں انتقال ہوگیا اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادیں) نے مکہ شریف سے کچھ نئے فنجان حضرت والا کے لئے تحفۃً ارسال فرمائے تھے وہی حضرت کی مراد تھی) قاری صاحب مدظلہ نے لاکر دسترخوان پر رکھدیا' حضرت پھولپوری کے سامنے بھی ان میں سے ایک رکھا گیا' اسے دیکھکر فرمایا اجی! یہ کیا لائے؟ اتنی مختصر سی پیالی؟ ہم دیہاتی لوگ ہیں ہم لوگ چائے اتنے بڑے قدحے میں پیتے ہیں (اور دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر اس سے اشارہ فرمایا) ہمارے حضرتؒ نے جو قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے آہستہ سے حضرتؒ سے عرض کیا کہ حضرت یہ فنجان مکہ شریف سے آیا ہے اور آج ہی آیا ہے اس لیے میں نے چاہا کہ حضرت ہی سے اسکی ابتدا کروں۔ یہ سنتے ہی حضرت پھولپوری نے فوراً فنجان کو اٹھا کر چوم لیا آنکھوں سے

لگایا اور فرمایا کہ ارے نہیں! پھر تو یہ بہت بڑا ہے بہت بڑا ہے۔ سبحان اللہ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔

حافظ فریدالدین خاں صاحب بیان کرتے تھے کہ حضرت مولانا پھولپوریؒ فتحپور بھی متعدد بار تشریف لائے ہیں اور کبھی کبھی وعظ بھی فرمایا ہے۔ زیادہ تر ایسا ہوتا تھا کہ حضرت پورہ معروف تشریف لاتے تھے وہاں سے فتحپور قریب ہی تھا اس لئے یہاں بھی محض حضرت والاؒ سے ملاقات کے لئے آجاتے تھے۔ اور حافظ صاحب کہتے تھے کہ حضرت چونکہ لاٹھی اور بنوٹ بہت عمدہ جانتے تھے اس لئے کبھی کبھی اس کے ہاتھ ہم لوگوں کو بھی دکھاتے اور سکھاتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ تشریف لائے تو ہم لوگ خدمت میں حاضر تھے فرمایا کہ تم لوگ مجھے چاروں طرف سے گھیر لو اور بلا تکلف مجھ پر لاٹھی سے وار کرو ہم سب نے لاٹھیاں ماریں اس پر حضرت پھولپوریؒ نے نہایت ہی پھرتی کے ساتھ جب اپنی لکڑی گھمائی ہے تو ہم سب کی لاٹھیاں ہاتھ سے چھوٹ گئیں اور کسی کسی کو کچھ معمولی سی چوٹ بھی آئی۔ ہمارے حضرتؒ بھی وہاں کھڑے ہوئے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور مسکرا رہے تھے۔ اسکے بعد مولانا پھولپوریؒ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ آپ لوگوں کی کلائی میں قوت نہیں ہے ارے کسی کو لاٹھی مارے تو ایسی تو مارے کہ پھر وہ در سے اٹھ نہ سکے۔

قاری عبدالسلام صاحب نے بھی ان دونوں بزرگوں کا ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے حضرتؒ اور مولانا پھولپوریؒ تھانہ بھون تشریف لیجارہے تھے باہم طے یہ ہوا کہ فلاں تاریخ کو ہم لوگ اپنے گھروں سے چلکر فلاں وقت فلاں جگہ ملیں پھر ساتھ سفر ہوگا چنانچہ اس جگہ دونوں حضرات مجتمع ہوئے (اس واقعہ کو خود حضرتؒ نے ہی بیان فرمایا تھا) یوں فرمایا کہ میرا معمول تھا کہ سفر میں لوٹا ضرور ساتھ رکھتا تھا چاہے مٹی ہی کا ہو مگر اتفاق سے اس مرتبہ لوٹا لانا بھول گیا اور عجب اتفاق کہ مولانا پھولپوریؒ کے ہمراہ بھی لوٹا نہیں تھا شاہ گنج پہونچکر خیال ہوا کہ اتنے طویل سفر میں لوٹا تو ساتھ ہونا ضروری ہے لوگوں سے معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب ہی کوئی بازار لگتا ہے آج بازار کا دن بھی ہے

یہ خیال کرکے ہم اور مولاناؒ دونوں بازار کی طرف چلے راستہ میں مولانا پھولپوریؒ کی لنگی جو کاندھے پر پڑی تھی کہیں سرک کر گر گئی، مولاناؒ کو احساس ہوا نہ میں نے گرتے دیکھا۔ بہرحال لوٹا تو اس بازار میں بھی نہیں ملا بدرجہ مجبوری ایک مٹی کی ہانڈی خرید لی کہ وضو وغیرہ کیلئے پانی کا ذخیرہ تو ہمراہ رہے گا، اور اس آنے جانے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا، واپسی میں دیکھتے کیا ہیں کہ حضرت کی تہبند راستہ میں پڑی ہوئی ہے حضرت نے خوش ہوکر بطور شکر کے فرمایا کہ جس اللہ نے فرعون کی گود میں موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت فرمائی تھی اسی اللہ نے میری لنگی کی بھی حفاظت کی۔ اس پر ہمارے حضرتؒ نے فرمایا کہ حضرت! یہ تو آپکی کرامت ہے کہ اس قدر چالو راستہ پر کسی نے اسکو اٹھایا بھی نہیں۔ یہ سنکر حضرت مولانا پھولپوریؒ نے فرمایا کہ اجی کرامت ورامت کچھ نہیں اسکی دوسری ہی وجہ ہے وہ یہ کہ دیکھتے نہیں ہو کہ یہ سب لوگ راستہ کے کنارہ پر پاخانہ کر رہے ہیں تو راہگیر سب یہ سمجھتے ہوں گے کہ تہبند بھی انھیں میں سے کسی کا ہوگا سوچتے ہونگے کہ اٹھائیں اور جس کی ہے وہ دیکھ لے، بس اسی مغالطہ میں پڑ کر اسکو نہیں اٹھایا اور یہ بچ گیا۔

سبحان اللہ! ہمارے حضرات بھی شہرت اور بڑائی سے کس قدر بچتے تھے۔ اور کوئی دوسرا ہوتا تو اس واقعہ پر دو چار اس قسم کے اپنے واقعات اور سنا دیتا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ایک یہی کیا ایسی ایسی تو بہت سی کرامتیں حضرت سے صادر ہوتی رہتی ہیں۔ اور ایک ہمارے حضرت پھولپوریؒ ہیں کہ کس قدر اخفاء حال فرما رہے ہیں۔

اسی طرح سے ایک اور واقعہ مکرمی جناب قاری عبدالسلام ہی نے یہ بیان کیا کہ عزیزم قاری ولی اللہ سلمہٗ کے برادر نسبتی محمد کبیر خان کہتے تھے کہ ایک مرتبہ مولانا پھولپوریؒ دیوگاؤں تشریف لے گئے وہ کہتے تھے کہ میری مولاناؒ سے وہیں پہلی ملاقات ہوئی مجھ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا تعلق کس سے ہے؟ کبیر خان کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا فتحپوریؒ سے میرا تعلق ہے، یہ سنکر بہت خوش ہوئے اور حضرت مولاناؒ کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے فرمایا کہ ہاں بھائی! ہم دونوں پٹواری کے درجہ میں بھرتی ہوئے تھے لیکن وہ (یعنی حضرت فتحپوریؒ) تو پٹواری سے قانون گو ہوئے پھر قانون گو سے تحصیلدار پھر تحصیلدار سے

ڈپٹی کلکٹر پھر ڈپٹی کلکٹر سے کلکٹر ہوئے اور پھر کلکٹر سے نہ معلوم کس درجہ پر پہونچ گئے اور ہم پٹواری کے پٹواری ہی رہے۔

خیر یہ تو حضرت مولانا پھولپوری کی غایت تواضع تھی جو انھوں نے اپنے متعلق ایسا فرمایا باقی ہمارے حضرت مولاناؒ کے متعلق حضرتؒ کا کیا خیال تھا اور حضرتؒ کو کتنا بلند سمجھتے تھے دیہات والوں کو انکے فہم کے مطابق روزمرہ کی مثال سے کیسا سمجھایا۔ سبحان اللہ

حضرت مصلح الامۃؒ کے ایک خادم نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مولاناؒ حضرت پھولپوریؒ کا یہ واقعہ خود بیان کرتے تھے کہ جن دنوں حضرت مولانا تھانویؒ لکھنؤ بغرض علاج تشریف لائے ہوئے تھے تو بہت سے لوگ حضرتؒ کی ملاقات و زیارت کے لئے حاضر ہوئے چنانچہ میں بھی گیا اور مولانا پھولپوریؒ بھی تشریف لے گئے نیز قرب و جوار کے اور بہت سے لوگ بھی آئے تھے واپسی میں مجمع زیادہ ہو جانے کے سبب سے ریل پر جگہ بدقت ملی لیکن کچھ لوگ حضرت مولانا کے ہمراہ تھے اور کچھ احباب میرے ساتھ تھے ان سب نے یہ کیا کہ ایک سیٹ پر قبضہ کر لیا اور بستر بچھا کر ہم دونوں کو اس پر آرام سے بٹھلا دیا اور خود کھڑے رہے سیٹ پر چار پانچ آدمی کی جگہ ہوتی ہے لہٰذا دو آدمی کے بیٹھنے کی وجہ سے ادھر ادھر تھوڑی جگہ بچ رہی اتنے میں ایک غیر مسلم مسافر آیا اور مجھ سے یہ کہکر کہ تنی اور کھسکا ہو مولانا صاحب (یعنی مولانا صاحب ذرا اور کھسک جایئے) جگہ بنا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی اسی طرح سے کیا کہ اس سے کہا کہ 'تنی اور کھسکا ہو' اور یہ کہکر تنگی کے ساتھ وہ بھی اسی جگہ بیٹھ گیا' تھے وہ دونوں موٹے موٹے دیہاتی جگہ تنگ ہو گئی حضرت مولانا پھولپوری یہ سب دیکھ رہے تھے پہلی بار تو تسامح فرمایا لیکن اب دوسری بار حضرت پھولپوری سے نہ برداشت ہوا' ڈنڈا تو ہاتھ میں رکھتے ہی تھے' مجاہد آدمی تھے' ڈانٹ کر ان لوگوں سے کہا کہ سنو جی! یہ دیکھو یہ سب لوگ بیچارے جو کھڑے ہوئے ہیں یہ اسیر بیٹھے ہوئے تھے اور ہم لوگوں کو دیکھکر ہماری محبت میں انھوں نے ایثار کیا ہے کہ خود کھڑے ہو گئے ہیں اور ہم کو آرام سے اپنی جگہ بٹھا دیا ہے چنانچہ یہ جگہ ان لوگوں کی ہے خالی نہیں ہے اگر کسی کو بیٹھنا ہی ہوتا تو انھیں لوگوں نے کیا قصور کیا تھا کہ نہ بیٹھتے، لہٰذا اٹھو چلو ادھر جا کر کھڑے ہو اور جیسے یہ سب

لوگ چل رہے ہیں تم بھی چلو نہیں تو ایک ایک کو دھکا دیکر یہاں سے اٹھا تا ہوں۔ سنکر وہ دونوں دھیرے سے سیٹ پر سے اٹھ گئے اور کھڑے کھڑے چلنے والوں کی صف میں شامل ہو گئے

حضرت والا نے فرمایا اجی! کہیں کہیں اسکی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر حضرت پھولپوریؒ نہ ہوتے تو یہ سب تو ہم کو یہیں ہی ڈالتے۔

اسی طرح وہی صاحب حضرت پھولپوریؒ کی جرأت وہمت کا ایک اور واقعہ سناتے تھے (غالباً اسکو بھی حضرت والاؒ ہی نے بیان فرمایا تھا کہ) ایک مرتبہ گاؤں کا ایک پنساری کہیں سے ردی کاغذ خرید لایا جس میں قرآن شریف کے بھی کافی اوراق تھے نہ معلوم کس ظالم نے انھیں بھی ردی میں شامل کر کے فروخت کر دیا تھا اسی میں وہ پڑیہ باندھ باندھ کر لوگوں کو دے رہا تھا لوگوں نے اسکو روکا مگر وہ باز نہیں آیا۔ مولانا پھولپوریؒ کو بھی اس واقعہ کی اطلاع ہوئی فوراً ڈنڈا لیئے اس پنساری کی دوکان پر پہنچے اور اس سے کہا بھائی تمھارے پاس قرآن شریف کے جو اوراق ردی میں آگئے ہیں وہ سب مجھے دیدو اور اسکے جو پیسے ہوتے ہوں مجھ سے لیلو۔ خدا معلوم اسکو کیا ضد تھی کہ نہیں دیا انکار کر دیا اسپر حضرت پھولپوریؒ کو غصہ آیا زور سے ڈنڈا زمین پر مار کر فرمایا کہ ہم تو اسکو لیکر ہی اب یہاں سے جائیں گے اس تو تو میں میں میں بات بڑھ گئی اور ایک اچھا خاصا مجمع اکٹھا ہو گیا، لوگوں نے ہی بعد تحقیق اس بنیئے سے کہا کہ مولانا صاحب ٹھیک تو فرما رہے ہیں تمکو قرآن والا سب کاغذ دینا ہوگا چنانچہ وہ اندر سے ایک ڈھیر نکال کر لایا اور جو قیمت مانگی مولاناؒ نے دیکر اسکو خرید لیا اور پھر اس سب کو لاکر دفن کر دیا۔

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ زمانۂ قیام تھانہ بھون میں خانقاہ کے تین ہی حضرات سے میرا زیادہ ربط وضبط رہا کرتا تھا ایک تو خواجہ صاحبؒ سے دوسرے مولانا محمد عیسیٰ صاحبؒ الٰہ آبادی سے اور تیسرے یہی مولانا عبد الغنی صاحب پھولپوریؒ سے اکثر حالات میں ہم تینوں ایک رائے اور ایک خیال ہوتے تھے۔ یہاں پر حضرت پھولپوریؒ سے متعلق احوال ختم ہوئے اب اس کے بعد حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ اور حضرت مصلح الامتؒ سے متعلق بعض حالات پیش کرتا ہوں۔

معرفت حق کے ان صفحات ہیں (جیساکہ ناظرین کو علم ہے) حضرت مرشدی و مولائی مصلح الامت نوراللہ مرقدہٗ کے کچھ حالات فراہم کرنے کی کوشش کیجارہی ہے جس کا سب سے پہلا باب یعنی "حضرت مصلح الامۃؒ اکابر علماء و مشائخ ہند کی نظر ہیں" پیش بھی کیا جارہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت اقدسؒ کی سوانح جس شان کی ہونی چاہیئے تھی اسکا حق اداکرنے سے ہم اپنے علم کی کمی، تمام حالات سے قلتِ واقفیت اور تحریری سلیقہ کے فقدان کے سبب قاصر ضرور ہیں تاہم کیف ما اتفق جسقدر بھی حالات ان صفحات ہیں جمع ہوگئے ہیں وہ بھی انشاءاللہ تعالےٰ آئندہ حضرت اقدسؒ کی ذات والا صفات سے واقفیت حاصل کرنے والوں کیلئے شمع راہ اور منارۂ منزل بننے کے لئے کافی ووافی ہیں۔

میرے خیال ہیں حضرت والاؒ کے زمانے کے جتنے بھی اکابر اہل حق تھے کسی نہ کسی عنوان سے ان سب کے جذبات اور خیالات حضرت والاؒ سے متعلق ہمارے سابقہ بیان ہیں آچکے ہیں یا آئندہ آجائیں گے الا ماشاءاللہ۔ چنانچہ انھیں اکابر ہیں سے ایک شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ بھی ہیں کہ حضرت والاؒ نے انکا زمانہ بھی پایا تھا۔ یوں حضرت شیخ الاسلام تو دراصل ہمعصر اور ہم طبقہ تھے حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ کے چنانچہ حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہٗ کے یہ ہر دو بزرگ شاگرد تھے اور اس نسبت سے گویا یہ دونوں خواجہ تاش تھے۔ اور اساتذہ سے سنا ہے کہ مولانا مدنیؒ حضرت گنگوہیؒ کے خلیفہ اور مجاز تو تھے ہی خود حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بھی براہ راست شرف زیارت وصحبت آپکو حاصل تھی۔ اگر حافظہ غلطی نہیں کررہا ہے تو یاد پڑتا ہے کہ ایک دفعہ مدرسہ مظاہرالعلوم سہارنپور کے جلسۂ سالانہ ہیں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ تشریف لائے تھے طلباء کی تقاریر اور رودادِ مدرسہ کے سنا لینے کے بعد جب علماء کی تقریر کا نمبر آیا تو حضرت مولانا اسعداللہ صاحب مدظلہ العالی نے

ابتدائی تعارفی تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ـــــ الحمد للہ ہماری یہ انتہائی خوش نصیبی ہے کہ آج ہمارے درمیان حضرت حاجی صاحب مہاجر مکیؒ کے ایک بلاواسطہ فیضیاب موجود ہیں ابھی وہ آپ کے سامنے جلوہ افروز ہو کر اپنے ایمانی اور عرفانی وعظ سے آپ کو اور ہم کو مستفید فرمائیں گے۔(بات عرصہ کی ہے الفاظ میں تغیر ممکن ہے باقی مفہوم یہی تھا) چنانچہ سب لوگ متحیر ہوئے ہم بھی متحیر ہوئے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کا دیکھنے والا اس مجمع میں کون ہے؟ حضرت مدنیؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے تعلق کچھ ایسا مشہور و معروف تھا کہ انکی طرف ذہن ہی نہیں گیا اور عام لوگوں کو اسکا علم بھی نہیں تھا۔ غالباً اسی تعلق کو ظاہر فرمانے کے لیئے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب مدظلہ نے یہ عنوان اختیار فرمایا تھا غرض دیکھا کہ اعلان کے بعد حضرت مولانا مدنیؒ اپنے مسند سے اٹھے اور ممبر پر تشریف لا کر وعظ بیان فرمایا تب سب کو معلوم ہوا کہ اچھا حضرت مولاناؒ کا تعلق حضرت حاجی صاحبؒ سے براہِ راست بھی ہے یہ واقعہ میں نے اس پر عرض کیا کہ حضرت مدنیؒ تو دراصل ہم طبقہ تھے حضرت مولانا تھانویؒ کے اور ان دونوں بزرگوں میں ابتداءً بڑی ہی محبت اور بے تکلفی بھی تھی چنانچہ مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی نے حضرت مولانا تھانویؒ سے اپنے استفادہ کی تفصیل کے سلسلہ میں جو کتاب لکھی ہے "حکیم الامت" اسکی ابتدا ہی جس واقعہ سے فرمائی ہے حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت مولانا مدنیؒ کے باہمی روابط اور تعلقات نمایاں کرنے کے لیئے وہی کافی ہے، ہم یہاں اسی کا کچھ اقتباس درج کرتے ہیں اقتباس اسلیئے کہا کہ تمہید و تشریح اور آمدم برسر مطلب اگر سب لیا جائے تو مل ملا کر ایک واقعہ ہی تقریباً بیس پچیس صفحات پر بیان ہوا ہے جس کا سب یہاں نقل کرنا طول سے خالی نہ ہوگا تاہم جتنا بیان کیا گیا ہے وہ بھی گو طویل ہے مگر خالی از نفع و لذت نہیں ؏

"لذید بود حکایت دراز تر گفتم"۔ چنانچہ اب مولانا دریاآبادی مدظلہ کا بیان سنیئے جس سے مقصد یہاں صرف حضرت مولانا تھانویؒ اور مولانا مدنیؒ کے مابین روابط اور تعلقات کا اظہار کرنا ہے۔ حکیم الامتؒ میں لکھتے ہیں کہ :ـــ

"مہینہ یہی جولائی کا تھا، ہائے یہی مہینہ جس نے پندرہ سال کے بعد دل وجگر کا خون کر ڈالا" اور بالکل شروع کی کوئی تاریخ عجب نہیں کہ ۳۰ جون ہی کی شب ہو کہ سہارن پور شاہ دزا (ریلوے) کے قدیم اسٹیشن تھانہ بھون (جلال آباد) پر تین مسافر کا ایک مختصر سا قافلہ سہارن پور کی طرف سے کوئی دس ساڑھے دس بجے اترا سالار قافلہ دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا حسین احمد صاحب اور باقی دو میں سے ایک مولانا عبدالباری اور دوسرا یہ نامہ سیاہ"۔ (آپکی اس قافلہ سے ملاقات تھوڑی دیر بعد اور تھوڑی دور بعد ہوگی)۔

آگے مولانا عبدالماجد صاحب مدظلہ نے اپنے اس سفر کی غایت خود ہی بیان فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ:۔

"مرشد کی تلاش ایک عرصہ سے جاری تھی تصوف اور سلوک کا ذخیرہ جتنا کچھ بھی فارسی اردو اور عربی میں ہاتھ لگ سکا تھا پڑھ لیا گیا تھا اتنی کتابیں پڑھ ڈالنے اور اتنے ملفوظات چاٹ جانے کے بعد اب آرزو اگر تھی تو ایک زندہ بزرگ کی۔ حیدرآباد، دہلی اور لکھنؤ جیسے مرکزی شہر اور اجمیر، کلیر، دیوہ، بانسہ، ردولی اور صفی پور چھوٹے بڑے آستانے خدا معلوم کتنے دیکھ ڈالے اور سن گن جہاں کہیں کسی بزرگ کی بھی پائی حاضری میں دیر نہ لگائی۔ حال والے بھی دیکھنے میں آئے اور قال والے بھی، اچھے اچھے عابد زاہد مرتاض بھی اور بعض نرے دکاندار قسم کے گیسو دراز بھی، آخر میں دل نے کہا کہ حق حلقۂ دیوبند میں محصور ہے۔ انتخاب کے دائرے کو محدود کر کے اب تفصیلی جائزہ اسی حلقہ کا لیجئے، اور جس نے بہترین متن سلوک (مثنوی معنوی) کی بہترین شرح لکھ ڈالی اور اپنے چھوٹے چھوٹے سہل فقروں میں حقائق و معارف کی روح بھر دی دامن اسی کے کسی تربیت یافتہ کا تھامئے (اشارہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی مشہور شارح مثنوی کی جانب ہے جو بزرگان دیوبند و تھانہ بھون کے شیخ یا شیخ الشیوخ تھے)"۔

پھر اسکے بعد مولانا نے لکھا ہے کہ اس ارادہ کے بعد اپنے ایک رفیق سفر حضرت وصل بلگرامی اور اپنے ایک دوسرے رفیق قدیم حاجی ظفرالملک بہادر کی وساطت

سے خواجہ عزیز الحسنؒ صاحب غوری خلیفہ خاص حضرت تھانویؒ کی ملاقاتوں، باتوں اور اور مولانا تھانویؒ کی بعض کتب کے مطالعہ سے حضرت تھانویؒ سے ایسی عقیدت ہوئی کہ جو اسکا مصداق تھی کہ ع۔ "اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں"۔ "یہ ٹھہری کہ خط مولاناؒ کیخدمت میں لکھیئے اور اپنا کچا چٹھا کہہ سنائیے۔ اپنی کہانی اپنی ہی زبانی"۔

"عقیدت ہوئی مگر اندھی نہیں۔ نظر اپنی خطا کاریوں پر بھی رہی اور مکتوب الیہ کی بشریت پر بھی۔ سیاسی اختلافات خصوصاً تحریک خلافت سے مخالفت کا کانٹا دل میں کھٹکے گیا۔ عقل نے سمجھایا کہ معالج کا انتخاب انھیں سے کرائیے، مبصران سے زیادہ گہرا اور کون ملے گا۔ یہ نہ کہا کہ ہاتھ انھیں کے ہاتھ میں آنکھ بند کرکے دے دیجیے۔ نظر کے سامنے مولانا حسین احمد صاحبؒ تھے انکا سیاسی مسلک خوب جانا پہچانا ہوا تھا شخصی نیاز بھی ایک عرصہ سے حاصل۔ خلافت کمیٹی کے جلسوں اور سفر وغیرہ میں انکے ساتھ کا تجربہ ایک بار کا نہیں بارہا کا۔ تواضع، انکسار، خدمت خلق میں اپنی نظیر آپ۔ پھر (انکے بعد) ملک کے نامور فاضل اور محدث مولانا انور شاہ کشمیریؒ تھے تبحر علمی میں لاجواب اور دیوبند ہی حلقہ کے ایک آدھ بزرگ اور بھی۔ خط لکھنے بیٹھا تو رک رک کر ڈر ڈر کر لیکن ساتھ ہی خوب کھل کر خط طویل تھا اسکا خلاصہ سن لیجیے"۔ (یعنی مولانا عبدالماجد صاحب نے مولانا تھانویؒ کو یہ لکھا)

"ایک انگریزی خواں ہوں مدتوں مغربی فلسفہ کے اثر ضلالت بلکہ الحاد کی وادیوں میں ٹھوکریں کھاتا رہا، خدا اور رسولؐ کی شان میں گستاخیاں کرتا رہا۔ برسوں کے بعد ایمان اور اسلام کی طرف مراجعت نصیب ہوئی زیادہ تر مثنوی کی برکت سے گو اسے بھی بے سمجھے ہی پڑھا۔ اکبر الہ آبادیؒ کی صحبتیں بھی اصلاحی اثر ڈالتی رہیں (یہ[عہ] مولانا تھانویؒ کے بڑے معتقد اور مداح تھے اور مولاناؒ بھی انکے بڑے معترف) اب "سچ" ہفتہ وار کے ذریعہ سے اپنی بساط کے لائق دین کیخدمت میں لگا لپٹا ہوا ہوں اور اپنے لکھے ہوئے کو آپ ہی مٹاتا رہتا ہوں۔ ماضی کی بیہودگیوں کا تو ذکر حساب ہی نہیں بڑی فکر حال کی ہے۔ خدا معلوم اب بھی صراط مستقیم سے کتنا دور ہوں؟ اب تک کسی بزرگ سے نہ بیعت نصیب ہوئی، نہ طویل صحبت دلی کشش صاحب مثنویؒ کے بعد شارح مثنوی حاجی صاحب

عہ یعنی اکبر الہ آبادی

مہاجر مکیؒ سے رہی زندہ ہستیوں میں نظر بار بار مولانا حسین احمد صاحب کی جانب اُٹھتی ہے۔ بعض احباب کا مشورہ مولانا انور شاہ صاحب کے متعلق ہے۔ مُشیر اور مبصّر آپ سے بڑھکر کون ہوسکتا ہے؟ جناب کی تصانیف سلوک حال ہی میں دیکھیں اور دل پھڑک گیا اب تک آپکو صرف مولوی کی حیثیت سے جانتا تھا عارفانہ کمال کا حال تو اب کھلا، گو (گستاخی معاف) جناب کی سیاسی رائیں اب بھی میرے لئے ایک معمہ ہیں۔ بہرحال اب درخواست امورِ ذیل میں رہنمائی کی ہے:۔

١۔ موجودہ بزرگوں میں سے کس کا انتخاب بیعت یا صحبت کیلئے کروں؟

٢۔ اپنی اصلاح قلب کے لئے خود جناب والا سے بھی مراسلت اور تھانہ بھون میں حاضری کی اجازت چاہتا ہوں

یہ خط ١٨ر نومبر ١٩٢٦ء کو ڈاک میں پڑا اور جواب کا انتظار شروع ہوگیا جواب ٢٥ر نومبر کو لکھنؤ میں موصول ہوا۔ اشتیاق کے ہاتھوں سے کھولا عقیدت کی آنکھوں سے پڑھا۔ آیئے! آپ بھی شریک ہوجائیں۔

"از اشرف علی۔ السلام علیکم۔ آپ کی راستی وسادگی سے جی خوش ہوا اللہ تعالےٰ آپکو حقائقِ امور تک پہونچاوے۔ ہر جزو کا مفصل جواب غیر ضروری ہے بعد انتخاب مہمات کا جواب عرض کرتا ہوں۔

١۔ بیعت کا معیار آپ نے کیا تجویز کیا ہے؟ اسکی تنقیح اوّل ضروری ہے تاکہ اسی معیار پر شیخ کا انتخاب ہوسکے

٢۔ تھانہ بھون کا ارادہ کس خیال سے ہے۔ ضرورت تحقیق کی یہ ہے کہ میں دیکھ سکوں کہ آپکا مقصود یہاں آنے سے حاصل ہوسکتا ہے یا نہیں، نیز اسکا ظاہر فرمانا بھی ضروری ہے کہ آپ یہاں تشریف لاکر خاموش رہیں گے یا کچھ بولیں گے بھی؟

٣۔ امراضِ قلبی کا علاج ترتیب میں تجویزِ شیخ سے مؤخر ہے۔

والسلام۔ (از تھانہ بھون)

اس قلق و دل جواب کا آنا تھا کہ دل کی بساط پر انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی خوش ہو کر خدا جانے کتنوں کو دکھایا سنایا اور اپنی سادہ دلی سے دوسرا خط دوسرے ہی دن لکھ ڈالا۔ اقتباسات ملاحظہ ہوں :۔

۱۔ بیعت سے مقصود اپنے ذہن میں یہ ہے کہ نجات کی حقیقی و یقینی و سیدھی راہ عملاً نصیب ہو اور تسکین قلب اور پختگی ایمان نصیب ہو۔

۲۔ حاضری سے غرض ایک تو یہی ہے کہ ایک برگزیدہ بزرگ کی زیارت (الف) یک زمان صحبت با اولیاء الخ (ب) اور بہر حال جتنی دیر حاضری رہے گی بہت سی اچھی باتیں دیکھنے اور سننے میں آئیں گی (ج) ساتھ ہی اپنے حق میں دعائے خیر کرانا اور (د) ارشادات حسنہ سے مستفید ہونا بھی مقصود ہے (ہ) جناب کی عملی زندگی کی بھی بہت تعریف سننے میں آئی ہے (و) علمی حالات کا پتہ تو تصانیف سے چل جاتا ہے لیکن عملی زندگی کا تجربہ بغیر حاضری ممکن نہیں۔

۳۔ ارادہ اپنی طرف سے تو محض خاموشی کے ساتھ دیکھنے اور سننے کا ہے اِں جناب کا ارشاد ہوگا تو کچھ عرض بھی کر دیا کروں گا۔ ارادہ ہے کہ اوّل بار مختصر قیام کی نیت سے آؤنگا پھر اگر طبیعت نے اچھا اثر قبول کیا اور جناب والا کی بھی رضا ہوئی تو دوبارہ طویل قیام کا قصد کروں گا۔

۴۔ جناب سے بیعت ہونے پر جو زیادہ زور نہیں دیتا تو اسلئے کہ جناب ہی کی تصانیف میں پڑھا ہے کہ حصول فیض کے لئے بیعت کوئی لازمی شرط نہیں، بلا بیعت بھی امراضِ نفس کا علاج ہو سکتا ہے۔"

اسکا جو جواب[ف] آیا ملاحظہ ہو :۔

۱۔ میں نے مقصود نہیں پوچھا تھا معیار پوچھا تھا جسکی بنا پر شیخ کی تعیین میں سہولت ہو۔ مکرر عرض کرتا ہوں کہ شیخ کامل کی پہچان آپ کے ذہن میں کیا ہے ؟

۲۔ (الف) میں سچی اطلاع کرتا ہوں کہ میں اس صفت کا نہیں

(ب) یہ محض ذہنی حساب ہے ممکن ہے کہ خیال صحیح ثابت نہ ہو۔

ف۔ جواب کے ہر نمبر سے پہلے سوال کا وہی نمبر ۵۵۵ مکرر پڑھ لیا جائے ۱۲۔

(ج) یہ خطا سے بھی ممکن ہے (د) حسنہ کی قید مثل سابق کے ذہنی ہے (۸) مجدد سے اس کے خلاف سن لیجئے کہ بیہودہ زندگی ہے۔ اب کس سننے کو صحیح سمجھیے گا؟ (۹) میں نے تجربہ کا نتیجہ بلا مشقتِ تجربہ عرض کر دیا۔

۳۔ ابھی تو آنے ہی کی غرض متعین نہیں ہوئی مجھکو اس میں جو کلام تھا اوپر عرض کر دیا۔ اس نمبر کا درجہ اسکے بعد ہے۔

۴۔ جب تک معیار بیعت کا نہ تجویز ہو جائے کسی پر زور نہ دینا چاہیئے۔

مولاناؒ نرے صوفی، محض عارف، صرف زاہد نہ تھے متکلم بھی تھے معقولی بھی تھے اور سب سے بڑھکر مصلح اور معلم تھے۔ اتنا جان لینے کے لئے اتنی مراسلت بھی بس تھی۔ (اب) اس دوسرے مکتوب گرامی کے بعد مراسلت جاری رکھنا ذرا ہمت کا کام تھا، سلسلہ بند ہوگیا اور ایک عرصہ تک بند رہا۔۔

"مرشد کی تلاش" کے عنوان پر قلم ذرا تفصیل کے ساتھ "سچ" کے صفحات میں چل چکا تھا اب دل بے چین تھا کہ اس تلاش میں حرکت قلم سے زیادہ قدم کو ہو۔ نام ذہن میں گھوم پھر کر وہی دیو بند کے دونوں بزرگوں کے آرہے تھے (یعنی مولانا مدنیؒ اور انور شاہ صاحبؒ کے) مئی میں دلی جانا ہوا محمد علی ہر چیز کے رازدار اور بہترین مخلص ترین مشیر تھے ذکران سے آیا تو انھوں بلا تامل ووٹ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے حق میں دیئے۔ غرض دوستوں سے، رفیقوں سے گفتگو گھنٹوں اسی موضوع پر رہا کرتی بچپن کے ایک رفیق عبدالباری ندوی تھے ان سے برابر تذکرے چرچے یہی ہوتے رہتے عقیدت سب سے زیادہ اسوقت مولانا تھانویؒ سے تھی، بزرگی اسوقت سب سے بڑھکر انہی کی مسلم تھی دل سب سے زیادہ انہی کی طرف کھنچ رہا تھا لیکن ساتھ ہی اختلاف کی خلیج بھی اپنے اور انکے درمیان پار رہا تھا ان میں سب سے بڑھکر سیاسی اختلاف تھا۔ دل اس پر آمادہ نہ ہوا کہ آنکھ بند کر کے انکے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا جائے۔ مولانا حسین احمد سے عقیدت اس درجہ کی نہ تھی لیکن ساتھ ہی اختلاف کسی بھی شدید قسم کا نہ تھا اور سیاسیات میں تو بالکل ہم رنگی تھی، پھر نفس نے یہ بھی سمجھایا کہ حضرت تھانویؒ حاذق ترین طبیب سہی انکا

ع۵۔ مراد مولانا محمد علی جوہر ہیں۔

معالجہ موثر ترین اور کامیاب ترین سہی لیکن انکے باقاعدہ علاج اور منضبط پرہیز کی پابندی کس سے برداشت ہونگی طبیب کی حذاقت سے قطع نظر مریض کی ہمت اور برداشت بھی تو ایک چیز ہوتی ہے۔ مولانائے دیوبند (یعنی مولانا حسین احمد صاحب) کے مزاج کی سادگی تواضع، فروتنی دیکھکر خیال پیدا ہوا کہ یہاں کوئی پابندی کسی شدید قسم کی نہ ہوگی۔ پس ہاتھ انہی کے ہاتھ میں دے دیئے جائیں، نفع کامل میں کچھ دیر سہی لیکن دوا کی تلخیوں سے تو جان بچی رہیگی۔ مریض کے لئے یہ لالچ کچھ کم ہوتا ہے؟

الغرض رفیق قدیم مولوی عبدالباری صاحب ندوی کے ساتھ ملکر چلنے کی ٹھہرگئی اور جون ۲۸ء کی کوئی آخری تاریخ تھی کہ صبح کے وقت ہم دیوبند پہونچ گئے۔ تین دن کے قیام دیوبند میں روایتیں مشاہدہ بنکر رہیں اور شنیدہ دیدہ میں تبدیل ہوکر تکلفات اور خاطریں اور مہمان واریاں کھانے پر کھانا اور چائے پر چائے۔ بعیت کے سوال پر ارشاد ہوا کہ یہاں کیا رکھا ہے ذرا تھانہ بھون تو چلئے۔ یہاں تو نیت ہی یہی تھی۔ ایک روز سہ پہر کو یہ مختصر سا قافلہ چل کھڑا ہوا گویا۔ ع۔ مومن چلا ہے کعبہ کو اک پارسا کے ساتھ البتہ یہاں اپنے ساتھ پارسا ایک نہیں دو تھے، سفر کعبہ کا نہیں کعبۂ مقصود کا تھا۔

(اس اتنے بڑے جملۂ معترضہ کے بعد ابتدائی بیان سے کلام کو جوڑ دیجئے یعنی)

"قافلہ مختصر سا قافلہ جلال آباد اسٹیشن پر جسکا نام تھانہ بھون تھا اور ٹاون والا اسٹیشن اس وقت تک نہ بنا تھا اُترا۔ یہاں سے قصبہ تھانہ بھون کا فاصلہ کوئی تین میل کا ہوگا تانگہ کرایہ پر کیا اور سنسان راستوں سے گذرتے کوئی آدھ گھنٹہ میں قصبہ کے اندر پہونچ گئے۔ تانگہ "خانقاہ امدادیہ" کے دروازہ پر رکا۔ رات زیادہ ہوچلی تھی خانقاہ کا پھاٹک قدرۃً بند ملا۔ مولانا حسین احمد صاحب کی رفاقت پھر کام آئی چند منٹ کی تلاش کے بعد حکیم الامت کے ایک خادم کو ڈھونڈھ نکالا۔ وہ بیچارے سوتے سے اُٹھے، آئے اور پڑوس کے ایک چھوٹے سے مکان کے صحن میں تین چارپایوں کا انتظام کردیا۔

کچھ سوتے کچھ جاگتے باقی رات بھی کٹ گئی۔ نماز فجر کا بالکل اول ہی وقت تھا کہ ہم لوگ دیدار اشرف کے لئے تیار ہو گئے۔ مولانا (مدنی) تو انکے بڑے پرانے ملنے والے اور رفیق ہی تھے، دوسرے ساتھی مولوی عبدالباری ندوی بھی چند سال قبل زیارت سے مشرّف ہو چکے تھے، نادیدہ مشتاق بالکل اکیلا - ع-

اے اسیرانِ قفس میں نو گرفتاروں میں ہوں

کی تسبیح پڑھنے والا بس یہی ایک نامہ سیاہ تھا۔

جہاں ہم لوگ ٹھہرائے گئے تھے حضرتؒ کا راستہ اسی طرف سے تھا، میں اشتیاق کا مارا بہت تڑکے گھر سے نکل، عین راستہ پر ذرا کنارے ہٹ کر کھڑا ہو گیا کہ زیارت جمال پہلے یہیں ہو جائے۔ چند ہی منٹ گذرے ہوں گے کہ آرزو پوری ہوئی ایک بزرگ ادھر سے گذرے، مسن لیکن خوش رُو، نظریں نیچی، چال متین، نورانی چہرہ نورانی داڑھی، زیادہ سفید کچھ سیاہ اور شاید اسی نورانیت کی مناسبت سے لباس بھی خوب سفید براق، سر پر نازک سی گول ابھری ٹوپی، جسم لمبا، کرتا لمبا، نازک و نفیس غالباً تن زیب کا تھا، تاریکی ابھی کچھ باقی تھی ذرا فاصلہ بھی تھا نگاہ سے نگاہ ملنے کا کوئی موقع نہ تھا اور کہنا چاہیئے کہ صرف جھلک ہی دیکھنے میں آئی تھی اس پر بھی دلکشی، رعنائی زیبائی بہ حیثیت مجموعی ایسی محسوس ہوئی کہ زبان نہ سہی دل تو بے اختیار آواز دے ہی اٹھا ع- قربانِ یک نگاہ تو عمرِ دراز ما (آپکی ایک نظر پر میری عمر دراز قربان)۔

نماز ہوئی حضرتؒ ہی نے پڑھائی، سلام پھیرا۔ دعا مانگ کر جوں ہی حضرتؒ اٹھے ہیں نگاہ پہلی صف میں مولانا حسین احمد صاحبؒ پر پڑ گئی انکی طرف خود بڑے ہی تپاک سے بڑھے اور بڑے التفات سے ملے ——— لوگ تو کہتے تھے بڑے خشک مزاج ہیں۔ خشک مزاج ایسے ہی ہوتے ہیں؟ یہ نرم بشاش چہرہ، یہ ہنستا مسکراتا ہوا بشرہ

کسی خشک مزاج کا ہو سکتا ہے ؟ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ اِن کے اور ان کے بے لطفی بے نا چاقی ہے۔ کانوں نے بیشک یہی سنا تھا لیکن اسوقت آنکھیں یہ دیکھ رہی تھیں کہ وہ دو دشمن نہیں دو دوست آپس میں گلے مل رہے تھے۔ تعظیم و تکریم مولانا حسین احمد صاحب کی طرف سے تو خیر ہوتی ہی عادت طبعی ہونے کی بنا پر بھی اور سن میں چھوٹے ہونے کی بنا پر بھی، لیکن مشاہدہ یہ ہو رہا تھا کہ اُدھر سے بھی آداب و رسوم تکریم میں کوئی کمی نہ تھی۔ لاحول ولا قوۃ لوگ بھی کیسی کیسی بے پر کی اڑایا کرتے ہیں۔

حضرتؒ ہم تینوں کو لئے ہوئے صحن مسجد سے چار قدم چل کر بیٹھے سہ دری کے آگے والے سائبان کے نیچے جہاں سنتیں پڑھنے کا معمول تھا۔ اب اخلاق و التفات ہم تینوں سے فرداً فرداً شروع ہوا جسکی تفصیل اب کہاں یاد! اتنا یاد ہے کہ بار بار فرماتے تھے اچھی طرح بیٹھئے، کھلکر بیٹھئے یہاں ہیبت شروع سے دل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرتؒ ہم لوگوں کی خاطر میں لگے رہے۔ چائے منگائی گئی حالانکہ حضرت خود چائے نہیں پیتے تھے، اور مکالمت پُرشفقت کا سلسلہ کوئی پون گھنٹہ تک جاری رہا۔ کچھ دیر بعد حضرتؒ نے اپنے دوسرے معمولات پورے کرنے کے لئے ہم سے رخصت چاہی۔ لیکن قبل اسکے کہ حضرت روانہ ہوں مولاناؔ دیوبندی نے دیوار کی آڑ میں رُک کر گفتگو شروع کر دی۔ مولانا کا لہجہ تو سرگوشی کا تھا البتہ حضرت کی آواز نسبتاً بلند تھی اور میرے کانوں تک پہونچ رہی تھی۔ حضرت کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ

"اچھا تو آپکے فرمانے سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دونوں صاحب مجھ سے بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ میں تو خیال کر رہا تھا کہ آپ ہی مناسب ہوں گے باقی میرا معمول تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ میں بہت سی مصلحتوں کی بنا پر عجلت اس باب میں پسند نہیں کرتا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ جو صاحب اسکے خواہشمند ہوں انکا اور میرا سابقہ کم از کم چھ ماہ کا رہے اور جانبین ایک دوسرے کو خوب جانچ پرکھ لیں۔ بغیر طول سابقہ کے ایک دوسرے کی مناسبت کا علم نہیں ہو سکتا اور اس طریق میں اہم اور مقدم شرط مناسبت ہی ہے آپ میرا یہی پیغام ان حضرات کو پہونچا دیجئے گا۔"

عہ۔ یعنی حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ ۱۲

دوسری نشست چاشت کے وقت شروع ہوئی اور کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ دوپہر کے وقت تک رہی اس میں حضرتؒ نے خوب کھل کر باتیں کیں۔ مختلف بزرگوں کے واقعات عام دینی ہدایات، اخلاقی و روحانی مذاکرات سب بڑے دلچسپ دلکش اور مؤثر انداز میں۔ واعظانہ خشکی کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ مولانا مدنیؒ سے ارشاد ہوا کہ آپ نے میرا پیام ان حضرات تک پہونچا دیا؟ پھر کیا رائے قرار پائی؟ جواب مولانا کیا دیتے میں خود ہمت و جرأت کر کے بولا کہ حضرت! معلوم ہوتا ہے کہ کچھ غلط فہمی ہو گئی درخواست تو صرف اسقدر تھی کہ حضرتؒ ہمیں انتخاب مرشد میں اپنے ارشاد و مشورہ سے مستفید فرمائیں۔ ہم لوگوں کی ناقص نظر میں جو چند بزرگ ہیں ان میں سے نمبر اول پر مولانا حسین احمد صاحبؒ ہیں اب آگے جناب کا جیسا ارشاد ہو یہی میں نے عریضہ میں بھی عرض کیا تھا اور اسی لئے یہ سفر بھی تھا۔

اب معاملہ بالکل صاف تھا حضرتؒ نے تبسم کے ساتھ مولاناؒ کی طرف دیکھکر فرمایا کہ آپ نے یہ کیا فرما دیا تھا۔ اور ہم لوگوں سے ارشاد ہوا کہ آپ کا انتخاب بالکل صحیح ہے میں اس سے بالکل اتفاق کرتا ہوں۔ آپ مولاناؒ ہی کے ہاتھ پر بیعت کیجئے (یہ سنکر مولانا مدنیؒ نے فرمایا کہ) لیکن مجھ میں تو اسکی بالکل اہلیت نہیں اور جناب کے ہوتے ہوئے کسی اور طرف رخ کرنے کے کوئی معنی ہی نہیں۔ (حضرت تھانویؒ نے فرمایا کہ) مگر مجھ پر تو آپ کو اعتماد ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ میں اہلیت ہے، آپ ہی ان حضرات کو لیجئے۔

اس سوال و جواب کے بعد مزید مکالمت کی گنجائش ہی اب کہاں تھی؟ یہ نشست حضرتؒ کی خاص سہ دری میں ہوئی۔ بائیں جانب مولاناؒ بٹھائے گئے اور اس کے بعد ہم لوگ —— باتیں خوب ہوئیں، یاد کر لیجئے کہ ۱۹۲۸ء تھا اور ایک مخاطب روزنامہ "ہمدرد" کا ڈائرکٹر تھا، صبح اور دوپہر کی طویل صحبت میں سیاسی پہلوؤں پر گفتگو آجانا ناگزیر سا تھا گفتگو آئی حضرتؒ نے اتنی معقولیت سے کی کہ ساری بدگمانیاں کافور ہو کر رہیں۔ کون کہتا ہے کہ حضرت گورنمنٹی آدمی ہیں! لاحول ولا قوۃ۔ جس نے بھی

بھی ایسا کہا جاتا کہ یا بے جانے بہر حال جھوٹ ہی کہا۔ یہ تو خالص مسلمان کی گفتگو تھی۔ مسلمان بھی ایسا جوجوش دینی اور غیرت ملی میں کسی "خلافتی" سے ہرگز کم نہیں۔ پاکستان کا تخیل، خالص اسلامی حکومت کا خیال یہ سب آوازیں بہت بعد کی ہیں۔ پہلے پہل اس قسم کی آواز یہیں کان میں پڑی۔ بس صرف حضرت کو ہم لوگوں کے اسوقت کے طریق کار سے پورا اتفاق نہ تھا۔ لیکن یہ اختلاف تو کچھ ایسا بڑا اختلاف نہیں نفس مقصد یعنی حکومت کا فرانہ سے گلو خلاصی اور دار الاسلام کے قیام میں تو حضرت ہم لوگوں سے کچھ پیچھے نہ تھے عجب نہیں جو کچھ آگے ہی ہوں۔

مجلس برخاست ہوئی ہم لوگوں کی واپسی کا وقت آگیا تانگہ آیا اور ہم لوگ خانقاہ سے رخصت ہوئے حضرتؒ کمال اخلاق سے رخصت کرنے پھاٹک تک تشریف لائے۔

حاضری ہوئی تھی عظمت وعقیدت کے جذبۂ بے پناہ کے ساتھ واپسی ہوئی تو اس ذخیرہ میں ذرہ بھر کمی کے بغیر محبت کے عنصر کی آمیزش کے ساتھ۔ بہرحال اب مراسلت کی راہ نسبتاً آسان ہوگئی چنانچہ پہلا عریضہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۲۸ء کو لکھا سب سے پہلے تو اسکا شکریہ کہ آپ ہی کی توجہ فرمائی سے مولانا حسین احمد صاحبؒ نے اپنے سلسلہ میں داخل فرمانا قبول فرمالیا۔ اس پر یہ جواب آیا کہ

"مبارک، لیکن یہ محض آپ کا حسن ظن ہے۔ آپ کا خلوص خود کافی شفیع تھا مگر آپکی برکت سے مجھکو بھی مفت کا ثواب مل گیا۔ اب ضرورت اسکی ہے کہ جناب مولانا سے فیوض وبرکات حاصل کئے جائیں اور مولانا سے انقیاد وتقلید کا تعلق رکھا جائے کہ اصل تحقیق کی تقلید ہے"

(انتہی ملخصاً از "حکیم الامت")

سبحان اللہ! حضرت حکیم الامتؒ نے مولانا دریاآبادی کو اپنے شیخ سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے کیسا گر تعلیم فرمایا بلاشبہ استفادہ اور استفاضہ کی چکی اسی دُھرے کے گرد گھومتی ہے۔

میں نے عرض کیا تھا کہ حضرت مولانا مدنیؒ حضرت تھانویؒ کے طبقہ کے بزرگ تھے۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں میں باہم بے تکلفی کے تعلقات تھے اسی کو ظاہر کرنے کے لئے یہ داستان آپکو سنائی جو کسی قدر طویل تو ضرور ہوگئی ہے لیکن انشاء اللہ لاطائل نہیں۔ اسی سلسلہ کا تھوڑا سا بیان حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں بھی سن لیجئے:۔

"فرمایا میرے پاس مولوی حسین احمد صاحب آئے تھے۔ مولوی عبدالماجد صاحب اور مولوی عبدالباری صاحب کیلئے سفارش کی کہ آپ انھیں بیعت کریں انھیں بہت اشتیاق ہے میں نے کہا کہ آپ ہی کرلیں۔ انھوں نے کہا کہ میں تو اس لائق نہیں۔ میں نے کہا کہ یہ تو میں بھی کہہ سکتا ہوں لیکن سچی بات یہ ہے کہ جنیدؒ اور شبلیؒ نہ تو میں ہوں نہ آپ لیکن انھیں جنید و شبلی کی ضرورت نہیں انکی خدمت کے لائق میں بھی ہوں اور آپ بھی۔ اب جس طرح اساتذۂ حدیث میں بخاری اور مسلم نہیں ہیں اسی طرح مشائخ تصوف میں جنید اور شبلی نہیں ہیں مگر پھر بھی موجودہ اساتذہ اور مشائخ ہی سے بقدر ضرورت کام چل رہا ہے اگر تصوف میں جنید و شبلی ہی کی ضرورت سمجھی جائے تو پھر حدیث میں بھی بخاری اور مسلم ہی کی ضرورت سمجھی جائے جس کے معنی یہ ہونگے کہ آجکل کوئی علم ہی نہ حاصل کیا جائے' اسلئے آپ اور ہم یہ کہیں کہ ہم جنیدؒ و شبلیؒ نہیں ہیں تو آپ بھی سچے میں بھی سچا' اور اگر میں کہوں اور آپ کہیں کہ ہم لوگ انکی بھی خدمت کے لائق نہیں تو میں بھی جھوٹ بولتا ہوں اور آپ بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ کامل نہ تو میں اور نہ آپ لیکن انکی خدمت کے لئے میں بھی کافی ہوں اور آپ بھی۔ آپ تو تواضع فرما رہے ہیں لیکن اللہ نے جیسے مجھے کبر سے محفوظ رکھا ہے عُرفی تواضع سے بھی محروم رکھا ہے۔ ایسی تواضع میں طالبین کا ضرر ہے۔ اگر ہر مالدار یہی کہے کہ میں مفلس ہوں تو جو حاجتمند ہیں وہ کہاں جائیں اور کس کے سامنے اپنی حاجت پیش کریں یہ نہیں

چاہیئے بلکہ اگر کوئی ضرورت سے زائد مال رکھتا ہو اور اسکے پاس کوئی حاجتمند آئے تو بجائے اسکے کہ یوں کہے کہ میں مفلس ہوں یہ کہے کہ میں گو قارون کے برابر نہیں لیکن اللہ کا شکر ہے تیری خدمت کے لائق مال میرے پاس موجود ہے۔ خود حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مالدار آدمی کو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ اللہ تعالےٰ پسند فرماتے ہیں کہ اپنے بندے پر اپنی نعمت کا اثر دیکھیں۔ جب خدا نے پہننے کھانے کو دیا ہے تو پہنو کھاؤ۔ اس میں یہ مصلحت بھی ہے کہ حاجتمندوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ موقع ہیں حاجت پیش کرنے کے۔ نہیں تو بیچاروں کو کیا معلوم کہ کس کے سامنے اپنی حاجت پیش کریں۔

غرض میں نے کہا کہ ان کی خدمت کے لائق تو میں بھی ہوں اور آپ بھی لیکن اس طریق میں شرط نفع مناسبت ہے اور مناسبت انکو جیسی آپ سے ہے مجھ سے نہیں چونکہ آپ بھی خادم قوم ہیں اور یہ بھی خادمِ قوم ہیں اور میں ہوں نادمِ قوم"۔ (الافاضات یومیہ حصہ ہفتم ص۱۴۶)۔

یہاں تو اتنا ہی نقل فرمایا لیکن میں نے کہیں اور دیکھا ہے کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اس فرمانے پر کہ مجھ سے مناسبت کم ہے یہ حضرات منشار والا کو سمجھ گئے اور عرض کیا کہ حضرت یہ اپنے اصلاحی زمانہ تک سیاسیات حاضرہ سے کنارہ کش رہیں گے اس پر حکیم الامتؒ نے ارشاد فرمایا کہ طریق میں جس طرح سے کہ موجودہ تعلق مضر ہوتا ہے اسی طرح سے آئندہ کیلئے عزم تعلق بھی مضر ہے۔ یعنی کوئی شخص عارضی طور پر علائق سے جدا ہو جائے لیکن دل میں سکے یہ ہو گا کہ اتنی مدت کے بعد پھر اسے اختیار کرنا ہے تو طریق میں یہ بھی مضر ہے اس پر وہ حضرات خاموش ہو گئے اور بالآخر طے یہ ہوا کہ مرید تو حضرت مولانا مدنیؒ فرمالیں اور اصلاحی مکاتبت وہ حضرت مولانا تھانویؒ سے رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ناظرین کرام کے سامنے راقم نے یہ تفصیل اسلئے بھی رکھی کہ حضرت مولانا مدنیؒ اور حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے مابین خلوص و محبت کے جو تعلقات تھے اسکا بھی کچھ خاکہ

ذہن نشین ہو جائے اور گو ان دونوں بزرگوں میں سیاسیات کے سلسلہ میں اختلاف بھی رہا تاہم جہاں تک ان حضرات کی ذات کا تعلق تھا وہ اختلاف اپنی حد پر ہی رہا اور اسکے باوجود قلبی محبت جانبین میں موجود تھی۔ میں نے معتبر حضرات سے سنا ہے کہ آخر آخر جب مولانا مدنی گرفتار ہو کر جیل چلے گئے اس گرفتاری کی اطلاع غالباً بذریعہ اخبار حضرت حکیم الامتؒ کو بھی کسی نے سنائی تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہکر سر پکڑ کر بیٹھ گئے یعنی حضرت کو اسکا سخت صدمہ اور قلق ہوا۔ تھوڑی دیر اسی حالت پر گذری تھی کہ حاضرین مجلس میں سے کسی صاحب نے (غالباً حضرت خواجہ صاحبؒ نے) عرض کیا کہ حضرت وہ تو بڑے دلیر اور مجاہد شخص تھے وہ اس جیل ویل سے ڈرتے کب تھے؟ حضرت تھانویؒ نے یہ سنکر یہ فرمایا کہ آپ اس جملہ کے ذریعہ میرے صدمہ کو کم کرنا چاہتے ہیں بھائی وہ بہادر سہی لیکن جیل بہر حال جیل ہے خالہ بی بی کا گھر تو نہیں ہے وہاں کی تکلیف اور اس خبر کی اطلاع پر انکی بیوی بچوں کا کیا حال ہوا ہوگا؟ پھر یہ کہ اتنے دنوں کا طلبا رکا حدیث کا جو نقصان ہوا ان سب امور کے پیش نظر مجھے سخت افسوس ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (بات عرصہ کی ہے یاد ایسا ہی پڑتا ہے کہ حضرتؒ کے یہاں اس قسم کی گفتگو آئی تھی) اس سے حضرت تھانویؒ کی شفقت علی الخلق اور مولانا مدنیؒ کی تکلیف سے تکلیف کا اندازہ فرمالیجئے۔

اسی طرح مولانا مدنیؒ بھی حضرت تھانویؒ کے علو مرتبت سے بخوبی واقف تھے اور حضرت مولاناؒ کی شان اصلاح و وعظ اور تعلیم و تربیت کی افادیت کے شروع ہی سے قائل تھے۔ چنانچہ 'نقش حیات' میں غالباً دیوبند کے جلسہ کی روداد کے بیان کے سلسلہ میں ہے کہ

> فرمایا کہ "حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریروں سے لوگوں نے بہت حظ لیا اور بہت زیادہ فوائد عام حاضرین کو حاصل ہوئے (نقش حیات ص۱۴۷ جلد۱)

دیکھئے! مولانا مدنیؒ نے مولانا تھانویؒ کے مواعظ کے عموم افادیت کو کیسا محسوس فرمایا کہ

لوگوں نے اس سے بڑا ہی لطف لیا اور عام حضرات کو نفع ہوا اور کیوں نہ محسوس فرماتے حضرت مولانا مدنی بھی باطن کے جوہر شناس اور اہل دل بزرگ تھے۔ اللہ اللہ کرنے والوں میں سے تھے اور اکابر مشائخ سے فیض یاب اور اجازت یاب تھے یوں انکے کام کا میدان دوسرا بھی ہوگیا تھا اسلئے اسی میں زیادہ نمایاں اور مشہور رہے ورنہ تو انکے قلب بریاں اور چشم گریاں کی کیفیت کی ترجمانی انکی اُن آہوں سے ہوتی ہے جنھیں وہ تنہائی میں کھینچا کرتے تھے اور پاس والوں نے انکیں ان لفظوں میں سنا کہ کبھی یوں مترنم ہوتے کہ ؎

ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک　　اسکو سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

اور کبھی اپنے وجود پر اس طرح تعجب اور حیرت بھی فرماتے کہ ؎

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم
در حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

(میں نہ تو پھول ہی ہوں اور نہ کوئی سبز پتہ ہی ہوں اور نہ کوئی سایہ دار درخت ہی ہوں (کہ کسی کے کام آسکوں) پھر حیران ہوں کہ آخر مالی نے اس چمن میں مجھے کیوں اُگایا ہے؟ اور میرے وجود میں لانے سے اسکی کیا غرض ہے)۔

اور کبھی حق تعالیٰ کی جانب اسطرح سے اپنے افتقار کا اظہار اور انھیں سے عرض حال اور انھیں کی جانب اپنی حاجت پیش کرنے کو یوں ظاہر فرماتے کہ

بجز تو شاہا دگر نہ دارم، بجز درے تو درے ندانم
الیك اسعی ومنك ارجوان سألت بکم سؤالی

(یعنی شاہا! آپ کے علاوہ کوئی دوسرا بادشاہ نہیں اور آپ کے در کے سوا کوئی دوسرا در نہیں بس آپ ہی کی جانب میری بھاگ دوڑ ہے اور آپ ہی سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں اور اگر کچھ سوال کرنا ہوگا تو آپ ہی سے سوال کرونگا آپ کے سوا میرا کوئی ملجاوئی اور ماوی نہیں) ———— ملاحظہ فرمایا آپ نے ان اشعار کے مضمون سے معلوم ہوا کہ مولانا مدنی نے کیسا قلب پایا تھا۔ بہر حال وہ طریق سے بھی پوری طرح واقف تھے اور اہل طریق کی بھی خوب شناخت رکھتے تھے۔

(حضرت مدنیؒ اہل طریق اور اہل کمال کی شناخت رکھتے تھے)

چنانچہ حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے کمالات سے بھی آشنا تھے جیساکہ آپ نے ذرا پہلے ملاحظہ فرمایاکہ مولانا دریابادی سے فرمایاہی تھاکہ" ذرا تھانہ بھون تو چلئے" ۔ اسیطرح سے حضرت تھانویؒ کے خلفاء کی خدماتِ طریق بھی آپ کے پیش نظر تھیں ۔ اور یہاں مجھے یہی بیان کرنا مقصود ہے کہ حضرت مدنی اپنے سیاسی مشاغل کی بہتات کے باوجود سیر و سلوک کے مراکز اور اسکے جواہرات کے کانوں سے بھی پورے باخبر تھے چنانچہ خود بھی اصلاح و تربیت کرنے اور طالبین کو مرید فرمانے کے باوجود کبھی کبھی کسی طالب کو خود اسکی اصلاحی مصلحت کے پیش نظر (باوجود اختلافات سیاسیہ کے) حضرت حکیم الامتؒ کے خلفاء میں سے کسی کی جانب رجوع ہونے کا مشورہ دینے سے بھی دریغ نہ فرماتے تھے، اور یہ حقیقت ہے کہ کسی شخص کو کسی شیخ کیجانب رجوع کرنے اور اس سے تعلقِ بیعت و اصلاح رکھنے کا مشورہ دینا ایک بہت بڑی دینی ذمہ داری کی بات ہے اور المستشار مؤتمن کی رُو سے تو دیانۃً اسکی اجازت ہی نہیں کہ انسان کسی نااہل اور ناقص کیجانب اپنے کسی دوست اور محب کو رجوع کرادے

اس سے معلوم ہواکہ حضرت مدنیؒ نے اگر کسی کو کسی سے رجوع ہونے کا مشورہ دیا ہے تو وہ یقیناً حضرت کے نزدیک نہایت ہی معتبر اور کامل و مکمل شیخ تھا اور گویا اس پایہ کا تھاکہ حضرت مدنیؒ نے اپنی جگہ اسکو جانا۔

اس تمہید کے بعد اب آپ کے سامنے حضرت مولانا مدنیؒ کا ایک مکتوب گرامی پیش کرتا ہوں جس میں انھوں نے اپنے ایک شاگرد خاص کو اسکے بعض حالات کے پیش نظر مشورہ دیاکہ وہ حضرت مصلح الامۃ مولانا فتحپوریؒ سے اپنی اصلاح و بیعت کا تعلق قائم کریں اور اپنے اس مکتوب میں اس امر کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ ایسا میں کسی عتاب یا

ناراضگی کی بنا پر نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ تمہاری دینی مصلحت اسی امر کو مقتضی ہے. اب وہ خط ملاحظہ فرمایئے

(نقل خط حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ بنام مولانا... اعظم گڈھ)

محترم المقام زید مجدکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہٗ

مولانا وصی اللہ صاحب منقطع الی اللہ ہیں، سب جھنجھٹوں کو چھوڑ کر صرف باطنی اشغال اور توجہ الی اللہ میں منہمک ہیں۔ حسب قاعدہ ایک کام کی مداومت اس میں کمال پیدا کر دیتی ہے۔ پھر ماشاء اللہ انکو پیرو مرشد کے دربار میں مدتہائے دراز تک حاضر باشی اور ذکر وشغل کی نوبت نصیب ہوئی ہے۔ ذاتی حیثیت سے بھی کامل ہیں ہم تو ایسے بدنصیب ہیں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پہونچے تو تقریباً ایک ماہ سے کچھ زائد مکہ معظمہ میں رہنا نصیب ہوا مگر شعائر حج کی مشغولی کی بنا پر اس مدت قلیلہ میں بھی روزانہ حاضری نہ ہوسکی۔ حضرت پیرو مرشد گنگوہیؒ کی بارگاہ میں ڈھائی مہینہ سے زیادہ رہنا نصیب نہ ہوا۔ حضرت استاذ شیخ الہندؒ کی خدمت میں البتہ کچھ رہنا نصیب ہوا تو محرومیت نے دامن نہ چھوڑا کذلک فی الدنیا تعلیش البھائم۔

حضرت تھانوی قدس سرہٗ العزیز نے مولانا وصی اللہ صاحب کو اپنا خلیفہ اور مجاز بنایا ہے۔ انکی بارگاہ میں سیکڑوں بلکہ ہزاروں کو فیض حاصل ہو رہا ہے اس لئے موقع مت گنوایئے اور ان سے استفادہ کیجئے۔ خصوصاً جبکہ وہ آپ سے زیادہ قریب ہیں ہر بات ان سے دریافت کر سکتے ہیں، روزانہ انکی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ میں اتنی دور ہوں کہ نہ پہونچنا آسان ہے نہ جواب حاصل کرنا آسان ہے۔ اسلئے ضروری ہے کہ آپ ان ہی کی طرف رجوع فرما دیں۔ طریقہ بھی ایک ہی ہے اور مسلک بھی ایک ہی ہے وہ بھی حضرت حاجی صاحب قدس العزیز کے خلیفہ برحق کے خلیفہ اور مجاز ہیں اور میں بھی حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ برحق کا خاکروب ہوں پھر غصہ یا خفگی کیسے ہوسکتی

الحکمۃ ضالۃ المومن من اینما وجدھا فھو احق بھا۔

بہرحال میرا یہ لکھنا واقعی تھا۔ خاک از تودہ بزرگ باید گرفت۔ بیعت ہو نیکو

میں نے اس وجہ سے بھی لکھا تھا کہ وہ آپ کو اپنا سمجھیں اور آپ کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں کیونکہ انسان کی طبعی بات ہے کہ اپنے کی طرف خصوصی توجہ کرتا ہے اور غیر کی طرف منسوب ہونے والے سے کچھ نہ کچھ غیریت ہی برتتا ہے مثل مشہور ہے کہ "پرائے پوت کس نے پالے"۔ والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ، ۷ ربیع ۲ ۱۳۷۰ھ

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ۲)

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کا یہ خط ۔ اسمیں حضرت مدنیؒ نے ہمارے حضرت مصلح الامتؒ کے متعلق جو جو الفاظ استعمال فرمائے ہیں ہم جیسے کم علموں نے تو اس سے یہی سمجھا کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی نظر میں بھی حضرت مصلح الامتؒ کا کوئی خاص مقام تھا۔ گو یہ صحیح ہے کہ انسان جو کچھ زبانِ قلم یا قلم زبان سے کہتا ہے تو کبھی وہ الفاظ خود قائل کے مخصوص اخلاق و مزاج کی ترجمانی کرتے ہیں یعنی ان الفاظ سے خود قائل کے خُلق حسن اور کریم النفسی کا اندازہ بہ نسبت دوسروں کے حالات کے سمجھنے سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں حضرت مدنیؒ نے بہت سے الفاظ ایسے ارشاد فرمائے ہیں جن کا مفہوم مطابقی صرف حضرت مصلح الامتؒ ہی کے فضل وکمال کا بیان فرماتا ہے اور موقع و محل ان کا چونکہ ایک دینی معاملہ ہے اس لئے انکو صرف مبالغہ پر محمول کرنے سے دیانت مانع ہے۔ مثلاً مولانا مدنیؒ کا یہ فرمانا کہ مولانا (فتحپوریؒ) منقطع الی اللہ ہیں، توجہ الی اللہ میں منہمک ہیں، اور اسی مداومت کیوجہ سے طریق میں وہ کامل بھی ہیں، انکو اپنے شیخ کی طویل صحبت نصیب ہوئی ہے۔ اور پھر شیخ بھی کیسے کہ وہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کے خلیفہ برحق تھے۔ اور نہ صرف یہ کہ ایسے شیخ کی انھوں نے صرف صحبت ہی پائی بلکہ وہ انکے خلیفہ اور مجاز بھی ہیں اور نہ صرف خلیفہ اور مجاز ہی بلکہ ایسے بابرکت اور بافیض خلیفہ ہیں کہ جن سے آج سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کو فیض بھی حاصل ہو رہا ہے۔

اب ان کلمات طیبات میں غور فرمایئے اور پھر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا ان سے

صرف حضرت مدنی کی تواضع اور انکساری ہی کا اثبات ہوتا ہے اور حضرت مصلح الامۃؒ کی تعریف و توصیف اور بیان واقعہ سے اسکو اصلا تعلق نہیں ہے۔ میں تو نہیں سمجھ سکتا کہ زبان اردو سے ادنیٰ مہارت رکھنے والا کوئی بھی شخص ان کلمات کو حضرت مصلح الامۃؒ کی کمال مدح بلکہ شہادتِ علی الکمال کے علاوہ کسی اور معنی پر بھی محمول کر سکتا ہے۔

بہرحال اس خط کو پیش کرنے سے غرض صرف یہی ہے کہ اس امر کا اثبات کروں کہ حضرت مولانا مدنیؒ بھی ہمارے حضرتؒ کو ایک کامل اور مکمل اور بافیض بزرگ جانتے تھے۔ چنانچہ میرے اس مدعا کی تائید الجمعیۃ دہلی کے شیخ الاسلام نمبر کے اس مضمون سے بھی ہوتی ہے کہ لکھتے ہیں کہ

"ضلع اعظم گڈھ کے ایک صاحب آئے ان سے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب مدظلہ خلیفہ حضرت تھانویؒ کی خیریت دریافت فرمائی انھوں نے ..... کہا کہ میں وہاں نہیں جاتا۔ حضرت نے (یعنی مولانا مدنی نے ان صاحب کے اس جملہ کو تنقیص اور بے ادبی سمجھتے ہوئے) انکو تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تم نہیں جانتے ہو! وہ شیخ وقت ہیں"۔ نقل کردہ مولانا عبدالسلام صاحب فیض آبادی۔ انتہی۔

راقم عرض کرتا ہے کہ ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت شیخ الاسلام کا کسی کو "شیخ وقت" فرمانا کوئی معمولی تعریف نہیں ہے بلکہ یہ ایک غیر معمولی توصیف ہے اور غالباً اس میں دو رائے نہ ہوگی کہ یہ ایک ایسی تعریف ہے کہ سابق کی جملہ تعریفیں اسکے اندر مدغم ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ ایک ایسا لقب ہے جو ہر بزرگ کو دیا بھی نہیں جاتا بلکہ اسکا مصداق ایسی ہی کوئی ذات ہو سکتی ہے جو یا تو اپنے طبقے اور زمانے میں سب سے ممتاز و برتر ہو یا کم از کم ان چند افراد میں سے ایک ہو جو انگلیوں پر گنے جاتے ہوں اور مشائخ وقت میں سے شمار ہوتے ہوں۔

پھر الجمعیۃ کے اس مقولہ کی تصدیق اس سے بھی ہوئی کہ جن مولوی صاحب

کے حوالہ سے حضرت شیخ الاسلامؒ کا یہ ارشاد یہاں نقل ہوا ہے عجیب اتفاق کہ حضرت مدنیؒ کے وصال کے بعد انھیں مولوی صاحب نے حضرت مصلح الامتؒ کی خدمت میں اپنا یہ عریضہ ارسال فرمایا:-

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنیؒ کے ایک مسترشد کا عریضہ حضرت مصلح الامتؒ کے نام

یہ روسیاہ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ رحمۃ اللہ علیہ کے غلاموں میں سے ہے حضرت کے وصال کے بعد جیسے چراغ گل ہو جانے سے تاریکی زیادہ محسوس ہونے لگتی ہے اس ڈیڑھ سال میں یہی حال رہا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جیسی رحمت و شفقت والی شخصیت کہیں نظر نہ آئی۔ وصال کے بعد عرصہ تک روتا رہا۔ دو دن متواتر یہ خواب دیکھا کہ حضرت (مدنی) رحمۃ اللہ علیہ میرے قریب بیٹھے ہوئے ہیں پھر دیکھتا ہوں کہ یہ تو حضرت فتحپوری مدظلہ العالی ہیں۔ پھر وہ صورت حضرت مدنی کی ہو گئی پھر تھوڑی دیر بعد حضرت فتحپوری کی شکل میں بدل گئی۔ پھر خواب میں ہی یہ اشارہ ملا کہ اب میرے بجائے یہ ہیں (یعنی آپ) آنکھ کھلنے پر یقین ہو گیا کہ حضرت (مدنی) رحمۃ اللہ کی ہدایت یہی ہے کہ حضرت فتحپوری سے رجوع کروں۔ مگر شیطانی وسوسے اب تک سد راہ ہوتے رہے۔ اس ہدایت کے خلاف جی چاہتا رہا کہ حضرت مدنی ہی کے خلفاء میں سے کسی سے مناسبت ہو جائے تو حضرت کی مناسبت باقی رہ جاتی جو مجھے زیادہ محبوب ہے مگر کسی سے مناسبت نہ ہو سکی۔

ایک بار میرے سامنے بھی ایک عالم سے حضرت مدنیؒ نے فرمایا تھا کہ مولانا وصی اللہ صاحب شیخ وقت ہیں۔ مجھے کیا خبر تھی کہ مجھے جتانا منظور ہے۔ آج شب میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ آپ تقریر فرما رہے ہیں اور نظر آپکی میری طرف ہے، فرماتے ہیں کہ کسی کے انتقال کی وجہ سے دین کا کام بند نہیں ہو جاتا اللہ کے بندے جو زندہ ہوتے ہیں کام کرتے رہتے ہیں اور اسی طرح قیامت تک یہ کام جاری رہے گا۔ پھر آپ میری طرف

بڑھے ہیں اور میں بھی آگے بڑھا ہوں میں نے مصافحہ کیا ہے اور پورا دست مبارک میں نے اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے پھر آپ نے چھوٹا سا اپنا مستعمل رومال ہاتھ میں لیکر دوبارہ مصافحہ فرمایا ہے۔

آج میں اپنا تعلق آپ سے جوڑتا ہوں اگر آپ قبول فرمائیں۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے مجھے دوازدہ تسبیح بعد ضرب و جہر پھر پاس انفاس پھر اسکی مشق و اجراء کے بعد ذکر قلبی کی تعلیم تھی۔ پہلے کچھ محنت کرتا تھا مگر حضرت کے وصال کے بعد سے تو بالکل ہی سب کچھ چھوڑے بیٹھا ہوں۔ میرا ظاہر و باطن سیاہ، میری دنیا و آخرت برباد ہے۔ حضرت میری رہبری فرمائیں۔ آپ جو کچھ ہدایت فرمائیں گے اس پر عمل کرونگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند　　آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔ اگر اجازت ہو تو حاضر بھی ہو جاؤں۔ والسلام۔

..... از فیض آباد

(حضرت مصلح الامۃؒ کا لطف بھرا جواب)

خواب اور اسکی تعبیر آپ کے لئے ہدایت اور میرے لئے بشارت ہے۔ حضرت مولانا (مدنی) رحمۃ اللہ علیہ کے بعض مطبوعہ ملفوظات سے میری نسبت حسن ظن معلوم ہوا تھا (اغلب یہ ہے کہ مراد اس سے یہی الجمعیۃ کا سابق مقولہ ہے) آپ کی شہادت سے کہ آپ کے سامنے بھی حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا سنایا اسکی مزید تائید ہوئی اور جی خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ کو جب کسی کی ہدایت کرنا ہوتی ہے تو اس کی یہی صورت ہوتی ہے کہ لطیفۂ غیبی سے رہنمائی کیجاتی ہے اور وہ لطیفۂ غیبی کسی مانوس شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ مجھے خدمت سے انکار نہیں۔ وظائف جو حضرت مولاناؒ کے ارشاد فرمودہ ہیں انھیں کو پابندی کے ساتھ جاری رکھیں۔ اسکے ساتھ میری تصانیف مہیا ہو جائیں تو انکا مطالعہ کرتے رہیں۔ جب موقع ہو تشریف لائیں۔ میری طرف سے

اجازت ہے۔ والسلام

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ خط اور اسکا جواب۔ مولوی صاحب موصوف نے کس قدر صحیح ترجمانی اپنے قلبی حالت کی فرمائی کیونکہ یہ کیفیت ایک مرشد شفیق کے جدا ہوجانے کے بعد ہر مرید رشید ہی کو پیش آتی ہے اور حضرت مصلح الامۃؒ نے بھی اپنے جواب میں کیسا مرہم ان کے الم رسیدہ اور محزون قلب پر رکھا اور حضرت مدنیؒ کا ذکر جس عنوان سے فرمایا ہے اس سے از روے طریق حضرت مولاناؒ کی جو عظمت حضرت مصلح الامۃؒ کے قلب میں تھی اسکا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

جی چاہتا ہے کہ اس موقع پر مولوی فیض آبادی سلمہٗ کے خط مذکور میں آئے ہوئے دو جملوں کی توضیح و تائید میں دو واقعات بیان کرتا چلوں جنھیں راقم سے خود صاحب واقعہ نے بیان کئے۔

ان میں سے ایک جملہ تو یہ تھا کہ "پھر خواب میں اشارہ ملا کہ اب میرے بجائے یہ ہیں" یعنی حضرت مدنیؒ نے ان مولوی صاحب سے فرمایا کہ اب میرے بجائے مولانا شاہ وصی اللہ صاحب ہیں اس پر اسی نوع کا یہ واقعہ یاد آیا

میرے ایک دوست مولوی محمد سالم صاحب ہسوی جو مولانا علی میاں صاحب ندوی مدظلہ کے عزیز خاص ہیں مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں جب پہلی بار حضرت شاہ صاحب (یعنی حضرت مصلح الامۃؒ) سے ملا تو اپنا تعارف یوں کرایا کہ حضرت الہ آباد سے متصل ایک ضلع ہے فتحپور ہسوہ میں وہیں کا رہنے والا ہوں اور وہاں ایک مشہور بزرگ گذرے ہیں حضرت مولانا عبدالسلام صاحب ہسویؒ وہ میرے نانا بھی ہوتے تھے اور دادا بھی۔ یہ سنکر حضرتؒ نے مجھے سینہ سے لپٹا لیا اور اسکے بعد پھر جب بھی میں حاضر ہوتا تو پہچان لیتے اور بڑی شفقت و محبت فرماتے۔ چنانچہ حضرت کی اسی شفقت اور محبت کو دیکھکر میں نے اپنے نکاح کے موقع پر حضرتؒ کو خط لکھا کہ حضرت اسوقت میرے یہاں میرا کوئی بڑا بزرگ موجود نہیں ہے تمنا ہے کہ حضرت ہی میری سرپرستی فرماتے اور میرے نکاح میں شرکت فرماتے۔ چنانچہ حضرت نے منظور فرمالیا تھا مگر عین وقت پر کسی خاص مہمان

آ جانے کیوجہ سے حضرت تشریف نہیں لیجاسکے حالانکہ اسکی اطلاع رائے بریلی بھی جہاں نکاح کے لئے جانا تھا ہوچکی تھی اور بہت سے لوگ محض حضرتؒ کی تشریف آوری کی خبر سنکر اطراف وجوانب سے آگئے تھے لیکن حق تعالیٰ کو منظور نہ تھا حضرتؒ نہ جاسکے خیر الخیر فیما وقع۔

یہی مولوی صاحب بیان کرتے تھے کہ مجھے کبھی کبھی یہ خیال ہوتا تھا کہ لوگوں سے سنا ہے کہ بزرگوں کی نسبت منتقل ہوتی رہتی ہے تو جی چاہتا کہ حضرت شاہ صاحب سے دریافت کروں کہ حضرت ہمارے نانا مولانا شاہ عبدالسلام صاحب ہسوی کی نسبت انکے بعد کہاں منتقل ہوئی ؟ لیکن ہمت نہ پڑتی تھی کہ ایکدن وطن ہی میں بیٹھا ہوا تھا اور یہی خیال اپنے ذہن میں لئے ہوئے تھا کہ مجھے ایک آواز سنائی دی کہ کسی نے کہا کہ "مولانا عبدالسلام صاحبؒ کی نسبت اب مولانا وصی اللہ صاحبؒ کی طرف منتقل ہوگئی ہے" یہ سنکر میں چونک پڑا۔ اِدھر اُدھر دیکھا مگر کوئی نظر نہ آیا۔ ذرا دیر میں پھر دوبارہ وہی آواز سنی اسی طرح سے دوبار یا تین بار آواز آئی جسے اپنے کانوں سے میں نے سنا اور یہ بھی اندازہ ہورہا تھا کہ یہ انسانی آواز نہیں ہے بہت خوشی ہوئی اور اسکے بعد جب حضرت شاہ صاحبؒ سے ملاقات ہوئی تو کئی بار یہ خیال ہوا کہ اس واقعہ کو عرض کروں مگر ہمت ہی نہیں پڑی۔ پھر اسی نوع کا ایک دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ ایک مرتبہ نانا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا فرمارہے ہیں کہ مجھے چادر دو، میں نے چادر پیش کی تو اسکو اوڑھکر لیٹ رہے اور منھ کھلا ہوا تھا لیکن میں نے قریب سے جاکر جب دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چہرہ انکا جناب صوفی عبدالرب صاحبؒ جیسا تھا مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے ؟ یہاں تو نانا صاحب لیٹے تھے یہ صوفی صاحب کہاں سے آگئے ؟ ایک مولوی صاحب سے میں نے اس خواب کا واقعہ ذکر کیا تو انھوں نے برجستہ فرمایا کہ ہوسکتا ہے یہ خواب اس پہلی بیداری میں سنی ہوئی بات کی تشریح ہو کیونکہ جناب صوفی صاحبؒ بھی حضرت مصلح الامتؒ سے بیعت تھے اور حضرتؒ کی نسبت سے متصف اور اس کے حامل تھے۔ پس حضرت مولانا ہسویؒ کیجگہ انکا ہوجانا اسی اتحاد وانتقال نسبۃ کیجانب اشارہ رہا ہوگا یعنی یہ کہ جناب صوفی صاحب سے یہاں مقصود نسبۃ وصی اللہی ہوگی اور انکے نانا صاحب قدس سرہٗ کیجگہ صوفی صاحبؒ کا آجانا اس امر کیجانب مشعر تھا کہ اب اُن فتحپوری بزرگ (یعنی شاہ عبدالسلام صاحبؒ) کی نسبۃ اِن فتحپوری بزرگ یعنی حضرت مصلح الامۃؒ کیجانب منتقل ہوگئی ہے۔ واللہ اعلم

غرض اس واقعہ کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر کسی ذات پر اپنا فضل فرما دے اور بہت سے بزرگوں کی نسبتوں کو اُس ایک کی جانب منتقل فرما دے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ؎

ولیس علی اللہ بمستنکرٍ ان یجمع العالم فی واحدٍ

اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کیا مشکل ہے اور کوئی اچنبھے کی بات بھی نہیں ہے کہ تمام عالم کو ایک ذات میں سمیٹ دے اور جمع فرما دے۔ اور یہ واقعات دلائل تو نہیں تاہم قرائن ضرور بن سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضرت مصلح الامت کو اس مرتبہ سے نوازا تھا وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

دوسرا جملہ مولوی صاحب کے خط میں یہ تھا کہ ـــــ جی چاہتا تھا کہ حضرت مدنی ہی کے خلفاء میں سے کسی سے مناسبت ہو جاتی تو حضرت کی نسبت باقی رہ جاتی ـــــ سبحان اللہ! ایک مرید صادق کیلئے کس قدر پاکیزہ یہ خواہش ہوتی ہے اور اسکا یہ جذبہ حبِ شیخ اور محبت سلسلہ سے ناشی ہے۔ اور یہ نہایت ہی محمود قابل قدر لائق تقلید اور سالکین کے لئے درس عبرت اور انکو غیرت کا سبق دینے والا جذبہ ہے بشرطیکہ اسکو رسم کا درجہ نہ دیدیا جائے۔ یعنی اپنے شیخ کے یا شیخ کے شیخ کے خلفاء اگر موجود ہوں اور ان میں سے کسی سے مناسبت بھی ہو یا آئندہ ہو سکتی ہو تو پھر اسمیں شک نہیں کہ اپنا ہی سلسلہ سیر وسلوک کیلئے اسہل بھی ہے اور انفع بھی۔ باقی مقدر سے اگر کسی کو اپنے سابق شیخ کے سلسلہ کا فی الحقیقۃ کوئی مجاز ہی نہ مل سکے یا ملے تو مگر اس سے نہ فی الحال مناسبت معلوم ہوتی ہو اور نہ آئندہ ہی ہو سکنے کی توقع ہو تو اسوقت یہی کہا جائے گا کہ بھائی مقصود تو خدا ہے نہ کہ کوئی خاص شخص یا سلسلہ اگر ایک سے کامیابی نہیں ہو رہی ہے تو دوسرے کو اختیار کرے اور فیض باطنی کو ایک ہی سلسلہ یا ایک ہی شخص میں محصور نہ جان لے ورنہ یہی سمجھا جائے گا کہ اس شخص کا

مقصود بس وہ شخص اور خاص سلسلہ ہے خدا تعالیٰ نہیں ہیں۔ یہ بات تو بالکل صحیح ہے مگر خدا کے لئے اسکا یہ مطلب بھی نہ سمجھ لیا جائے کہ سلسلہ کوئی کھیل اور مذاق ہے کہ جب اور جس سے چاہا جوڑا اور جب چاہا توڑا۔ ایسا بھی نہیں ہے۔ اور ایسا خیال کرنے والا سلاسل کی تخفیف اور اہانت کرنے والا ہے کیونکہ بزرگوں نے اپنے اپنے مسلک اور سلسلہ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز جانا ہے، تا زیست اسکی حفاظت فرمائی ہے اور اپنے بعد کے لوگوں کو بھی اس پر چلنے اور رہنے کی نصیحت اور وصیت فرمائی ہے۔ مثال کے طور پر آپ کے سامنے خاتمۃ المشائخ مصلح الامۃ حضرت مولائی و مرشدی کا ایک ارشاد نقل کرتا ہوں جس سے اپنے شیخ کے مسلک اور مشرب کا ثبوت اور اسکے ضمن میں سلسلہ کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جائیگا حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ نے (جنھیں آج سب سے پہلی بار رحمہ اللہ لکھنا پڑ رہا ہے) اپنی مشہور تالیفات جامع المجددین، تجدید سلوک و تصوف اور تجدید تعلیم و تربیت وغیرہ جب تصنیف فرمائیں تو انکو بنظر اصلاحی ملاحظہ فرمانے کے لئے حضرت مصلح الامۃؒ کی خدمت میں بھی ارسال فرمایا۔ حضرتؒ کے یہاں سے علاوہ رجسٹری کی رسید کے اور کوئی جواب نہیں گیا اس لئے مولانا ندویؒ نے دوسرا عریضہ حضرت والا کو ارسال فرمایا جس میں تحریر فرمایا کہ

حضرت مولانا عبدالباریؒ صاحب ندوی کا گرامی نامہ حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

جامع المجددین۔ تجدید تصوف وغیرہ یہاں سے کوئی تین ہفتے سے زائد ہوتے ہیں کہ بذریعۂ رجسٹری روانہ کر دی گئی تھیں رسیدی والا نامہ کا انتظار رہا امید کہ اب ملاحظہ سے بھی گذر چکی ہونگی۔ بنظر اصلاح ملاحظہ کرنے کی درخواست تواضعاً نہ تھی واقعاً اپنی غلطیوں پر مطلع ہونا مقصود ہے تاکہ دوسری طباعت میں اصلاح

ہو سکے اہل علم بھی کب اس سے مستغنی ہوئے ہیں تو یہ ناکارہ تو یقین فرمائیں کہ علم و عمل دونوں ہی سے خالی ہے۔ بس حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے سہارے کچھ اٹک اٹک کر چل لیتا ہے۔ اب چوتھا اور آخری حصہ تجدید سیاسیات و معاشیات کا زیر تحریر ہے جسمیں سب سے زیادہ دشواری پیش آرہی ہے اسلئے خصوصیت سے تیسیر و تکمیل کی دعا کا طالب ہوں۔ والسلام مع الاکرام

عبدالباری غفرلہٗ

حضرت مصلح الامۃؒ نے اسکا جو جواب مرحمت فرمایا وہی اسوقت آپ کو سنانا مقصود ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور قرطاس نہیں بلکہ لوحِ قلب پر لکھے جانے کے لائق ہے۔ وھو ھٰذا۔

(جواب مستطاب من جانب حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ)

(بنام مولانا عبدالباری صاحب ندوی رحمہ اللہ)

آپ کی مرسلہ ہر سہ کتب موصول ہوئیں ڈاکخانہ کی رسید کو رسیدی خط سے مغنی سمجھکر الگ سے کوئی خط نہیں لکھا آپ کو اسکی وجہ سے انتظار کی جو زحمت گوارا کرنی پڑی اسکی معذرت چاہتا ہوں۔ قلتِ فرصت اور کثرت مشاغل کی بناء پر کچھ ہی حصہ انکا دیکھ سکا ہوں بقیہ ابھی زیر مطالعہ ہے۔ تاہم اس اتنے کے دیکھنے سے بھی اندازہ ہوا کہ آپ کی نیت درخواست سے خواہ تواضع کی رہی ہو یا نہ رہی ہو لیکن دوسروں کو تو آپ کے سامنے تواضع کرنی ہی پڑے گی اسلئے کہ خلاف تواضع وہ شخص کچھ کر سکتا ہے جو پہلے اس سے بڑھکر یا کم از کم اسکے برابر ہی کوئی خدمت اس کے مقابلہ میں پیش کرے اور اگر اپنا دامن اس سے خالی ہے تو اہل خدمت کی خدمت کا اعتراف کئے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت (مولانا تھانوی) علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور حضرت کے مسلک کو اس

اس علمی دنیا میں انھیں کی زبان میں آپ نے ایک نئے (انداز) اور مخصوص طریقہ (اور اسلوب) سے پیش فرما دیا ہے۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ۔ (اور اسکے بعد حضرتؒ نے جو کلمات تحریر فرمائے ہیں وہی یہاں مقصود بالذکر اور حرزِ جاں بنانے کے لائق ہیں تحریر فرمایا کہ):-

"اب ضرورت صرف اسکی ہے کہ حضرتؒ کے مسلک کے افراد پیدا کئے جائیں اور اس جماعت میں یوماً فیوماً اضافہ ہو۔ کیونکہ جب تک کسی مسلک کی پشت پناہ کوئی جماعت نہ ہو اسکا اعتبار ہی کیا؟" انتہی۔

ملاحظہ فرمایا آپنے حضرت مصلح الامتؒ کی یہ دوررسی اور دقت نظری کہ اس نکتہ کی جانب اس ذات کو متوجہ فرمایا جارہا ہے جو کہ جامع المجددین۔ تجدید تصوف۔ تجدید تعلیم اور تجدید سیاسیات و معاشیات کا مصنف ہے بات کس قدر واضح اور صاف ہے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ فوق کل ذی علم علیم۔

میرا تو خیال ہے کہ حضرتؒ کے اس ارشاد میں ادنیٰ تامل سے بھی سلسلہ، مسلک اور مشرب سب ہی کا مفہوم اور انکی اہمیت اور ضرورت کا اثبات ہوجاتا ہے تاہم اگر اس "عبارت کافیہ" کے لئے شرح جامی ہی کی ضرورت محسوس ہو تو عرض ہے کہ حضرتؒ کے اس ارشاد کا حاصل تو یہی ہے کہ آپ نے حضرت مولانا تھانویؒ کے مسلک اور طریق کو تو کتاب میں مدوّن اور جمع فرما دیا ہے لیکن محض اسی اتنے سے مسلک تھانوی کے افراد تو پیدا نہ ہوجائیں گے اور ضرورت ہے مردم سازی کی اور جماعت سازی کی کیونکہ جب تک یہ نہ ہو اسوقت تک کوئی بھی مشرب اور مسلک نہ پھل پھول سکتا ہے اور نہ باقی ہی رہ سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسی بات کو یوں کہہ لیجئے کہ آپ کی اس خدمت سے لوگوں میں مسلک تھانوی کا دانستن تو بلاشبہ عام ہوجائے گا (اور یہ بھی ایک کام ہے) مگر داشتن والے افراد پیدا کرنے کے لئے یہ قدر کافی نہیں ہے اور ضرورت اسی قسم کے لوگوں کی ہے کیونکہ کسی مسلک کے ساتھ دوسرے لوگ متصف جب ہی ہونگے جبکہ اسکی پشت پر اسکی

جانب دعوت دینے والی اور خود اسکے ساتھ متصف کوئی جماعت بھی ہو ورنہ تو بدون اس اتصاف اور دعوت کے دوسروں کو اس مشرب کا علم تو ہو جائے گا مگر اس کا جماعتی تعدیہ نہ ہوگا چنانچہ دیکھئے ہمارے دینی مدارس میں جو تعلیم ہوتی ہے اسکے ذریعہ آپ کو حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مسلک کا تعارف تو ہو جائے گا کیونکہ ہمارے یہاں بھی اس سے بحث کیجاتی ہے لیکن طلبہ میں شافعی یا مالکی مسلک سے اتصاف کا جذبہ نہیں پیدا ہوگا اسلئے کہ مدارس حنفیہ والے نہ تو اس مسلک سے متصف ہوتے ہیں اور نہ اس کے داعی ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے حضرت تھانویؒ کے مسلک کے افراد پیدا کرنے کے لئے صرف کتاب کافی نہ ہوگی بلکہ اسکی پشت پر ایک داعی جماعت اور اس مسلک سے متصف افراد کی بھی ضرورت ہے۔ حضرت والاؒ اسی امر کی جانب تنبیہ فرمانا چاہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باقی رہا یہ کہ حضرتؒ کی مراد "مسلک کے افراد" اور "اس جماعت" سے یہاں کس قسم کے لوگ ہیں؟ تو بظاہر فہم ناقص میں تو یہی آتا ہے کہ اس میں اہل سنۃ والجماعۃ کی سی تعمیم تو مراد ہے نہیں اور نہ ہی عام دیوبندی مسلک جسے کہا جاتا ہے اس کے ساتھ اتصاف تھانویت کے مرادف ہے بلکہ ضرور ان دونوں ہی سے اخص کوئی درجہ مراد لیا جائے گا جسے حضرت تھانویؒ کا مسلک فرمایا جارہا ہے اور وہی حضرت مصلح الامۃؒ کی بھی مراد ہے اب رہی اس درجہ کی بھی تعیین سو اسکو میں فہم احباب اور ناظرین ہی کی تجویز پر چھوڑتا ہوں۔

باقی یہاں اتنا ضرور عرض کرونگا کہ حضرت مصلح الامۃؒ کا یہ ارشاد کہ ـــــ "اب ضرورت صرف اسکی ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ کے مسلک کے افراد پیدا کئے جائیں اور اس مسلک میں یوماً فیوماً اضافہ ہو کیونکہ جب تک کسی مسلک کی پشت پناہ کوئی جماعت نہ ہو اسکا اعتبار ہی کیا؟" ـــــ (بیاض نقل خصوصی خطوط)

یہ کچھ ایسا ارشاد نہیں ہے کہ حضرت مصلح الامۃؒ کے محبین اور معتقدین اسکا کچھ اثر نہ لیں۔ بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ حضرت والاؒ کی ارشاد فرمودہ اس "ضرورت"

کا پورا کرنا اور کامل اخلاص کے ساتھ حضرت کی اس تمنا کو بروئے کار لانا حضرت رحمۃ اللہ کے متوسلین کا اپنا اخلاقی اور جماعتی فریضہ ہے۔ ورنہ تو بقول سرمدؒ ؎

سرمد گلہ اختصار می باید کرد ۔۔۔ یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن بہ رضائے دوست میباید داد ۔۔۔ یا قطع نظر ز یار می باید کرد

فرماتے کہ سرمد شکوہ وشکایت سے کچھ حاصل نہیں بات کو بس مختصر ہی کرنا چاہیئے اور ان دو چیزوں میں سے بس ایک کو اختیار کر لینا چاہیئے۔ یعنی یا تو دوست کی رضا اور اسکی مرضی پر راضی ہو کر اس پر اپنے تن بدن کو ڈال دینا چاہیئے (اور انکی مرضی ہی پر چلنا چاہیئے) اور یا نہیں تو پھر یار اور محبوب سے الفت کے دعوے کو خیر باد کہدینا چاہیئے (یہ کیا کہ کسی کی ذات کو ماننا اور اسکی بات کو نہ ماننا۔ یہ بھی کوئی ماننا ہوا)۔

غرض یہ کہ بزرگوں نے مسلک کے تحفظ کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے اس سلسلہ میں اولاً حضرت مصلح الامۃؒ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا اب اسکے بعد حضرت مولانا تھانویؒ کا بھی عمل پیش کرتا ہوں کیونکہ حضرت حکیم الامتؒ کا عمل ہمارے لئے تو بہر حال سند بن ہی سکتا ہے۔ حضرت کا معاملہ دیکھئے کہ آخر عمر شریف میں جب اصلاح و تربیۃ کے ۔۔۔ کام سے معذور ہو گئے اور اطبار نے حضرتؒ کو کام کرنے سے منع کر دیا تو طالبین کے خطوط کے جواب میں ایک مطبوعہ پرچہ اس تحریر کے ہمراہ ارسال فرما دیتے تھے کہ "اب مجھ میں قوت نہیں ہے اعلان دیکھو" آپ بھی حضرت حکیم الامۃؒ کا وہ اعلان ملاحظہ فرمائیے

(طریق تسہیل خدمت سالکین سبیل)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ بوجوہ چند مثل زیادت سن وغیرہ عرصہ سے مجھ میں کام کرنے کی طاقت نہ تھی مگر اپنی ہمت سے کام کرتا تھا۔ آخر کار اس سے نقصان عظیم ہوا جس سے بعض سخت خطرناک حالات پیش آ گئے اس سے میں نے

خود بھی محسوس کیا اور ڈاکٹروں اور طبیبوں نے بھی سخت تاکید کے ساتھ مشورہ دیا کہ کام کرنا بالکل چھوڑ دیا جائے اسلئے میں نے ڈاک لکھنا بھی چھوڑ دیا ہے مگر طالبوں کی سہولت کیلئے ذیل میں اپنے چند مجازین کے نام لکھتا ہوں جن کے طرز تعلیم پر مجھے اعتماد ہے ان میں سے جن صاحب سے جی چاہے اپنی تربیت متعلق کریں لیکن صرف دریافت خیریت و طلب اجمالی دعا ریا بعد تکمیل شرائط درخواست بیعت کے لئے دو سطریں لکھنے کی اجازت ہے۔

(وہ نام یہ ہیں)

(۱) مولوی محمد عیسیٰ صاحب محی الدین پور (رحمۃ اللہ علیہ)۔
(۲) مولوی حکیم محمد مصطفیٰ صاحب میرٹھ (رحمۃ اللہ علیہ)۔
(۳) مولوی ظفر احمد صاحب تھانوی۔ مظفر نگر (رحمۃ اللہ علیہ)۔
(۴) مولوی محمد حسن صاحب۔ امرت سر (رحمۃ اللہ علیہ)۔
(۵) مولوی عبد الغنی صاحب۔ پھولپور۔ اعظم گڈھ (رحمۃ اللہ علیہ)۔
(۶) مولوی خیر محمد صاحب جالندھر شہر (رحمۃ اللہ علیہ)۔
(۷) مولوی وصی اللہ صاحب۔ فتحپور تال نرجا اعظم گڈھ (نور اللہ مرقدہ)۔
(۸) حقدا د خاں صاحب۔ مولوی گنج لکھنؤ (رحمۃ اللہ علیہ)۔
(۹) مولوی ولی احمد صاحب۔ حسن پورہ مراد آباد (لا اعلم حالہ)۔
(۱۰) مولوی مسیح اللہ صاحب جلال آباد مظفر (الحمد للہ حیات ہیں)۔
(۱۱) مولوی نور بخش صاحب نواکھالی چاٹگام (لا اعلم حالہ)

اور بھی بہت سے حضرات ہیں جنکی فہرست اشرف السوانح حصہ سوم کے اخیر میں شائع ہوئی ہے مگر نمونہ کے طور پر بعض ان اصحاب کے نام لکھدیئے ہیں جن سے جواب جلد مل جانے کی غالب توقع ہے۔ اگر ان کے علاوہ بوجہ مناسبت کے دوسرے مجازین سے رجوع کریں اجازت ہے۔ فقط اشرف علی تھانہ بھون۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت حکیم الامتؒ کا یہ اعلان ۔ اب ظاہر ہے کہ اسکا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ مشائخ زمانہ بس اسی فہرست میں منحصر اور محصور تھے یعنی ان کے علاوہ نہ تو کوئی اور شیخ تھا نہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ مجھے جو عرض کرنا ہے وہ یہ کہ دیکھئے حضرت تھانویؒ نے اس فہرست میں کسی غیر سلسلہ کے ایک بزرگ کا بھی ذکر نہیں فرمایا اور ان مذکورین کے علاوہ بوجہ مناسبت کے جن دوسروں سے رجوع ہونے کی اجازت بھی دی تو مجازین کی قید لگا کر اسکو بھی اپنے ہی سلسلہ کے ساتھ مخصوص فرما دیا۔ حالانکہ حضرت تھانویؒ کے زمانہ میں دیگر سلاسل کے مشائخ بھی موجود تھے اور ان حضرات کا سلسلۂ فیض بھی جاری تھا اور یہ بات عقلاً بعید ہے کہ حضرت تھانویؒ ان حضرات مشائخ اور انکی بزرگی کے قائل یا ان سے واقف ہی نہ رہے ہوں۔ ایسا نہیں تھا۔ حضرتؒ واقف تھے اور خوب واقف تھے مگر سلسلہ کی حفاظت، طریق شیخ سے وفاداری اور انسانیت کا فطری تقاضا ہی یہی ہوتا ہے کہ انسان جسکا کھائے اسی کی گائے اور جس شیریں گھاٹ سے خود اسنے پانی پیا ہو دوسرو کو بھی اسی کی جانب رہنمائی کرے ۔ پس یہاں بھی ذکر غیر سے تسامح اور صرف نظر کا یہی منشا معلوم ہوتا ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

اور یوں بھی یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ ہر سلسلہ کی کچھ خصوصیات کچھ امتیازات ہوتے ہیں ۔ انسان ایک مدت تک ایک سلسلہ سے راستہ طے کرتا ہے اب اسکو ترک کر کے دوسرا طریق اختیار کرنا بلا شبہ سکے لئے کچھ تشتت ہی کا باعث ہوا کرتا ہے کہ پہلے سے اپنی قدیم مناسبت کو ختم کر کے شیخ جدید سے جدید مناسبت پیدا کرے تب اسکے طریق پر گامزن ہو بس عمر کا ایک حصہ ہی ختم ہو جاتا ہے بخلاف اسکے اگر شیخ اول ہی کا کوئی خلیفہ ملجائے تو پھر کیا کہنا سبحان اللہ اس سے تو سلسلہ گویا متصل ہی رہتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فصل وانفصال ہی گویا نہیں ہوتا۔ ایطرح سے شیخ کے شیخ کا سلسلہ بھی کچھ ایسا اجنبی نہیں ہوتا کہ اس سے جدید مناسبت پیدا کرنیکی ضرورت پیش آئے۔ ہاں دوسرے سلسلہ کے شیخ سے اگر مناسبت ہو گئی تو اس سے بھی سلوک کے طے ہو جانیکی توقع کیجا سکتی ہے ورنہ تو اگر مناسبت ہی پیدا کرنیکی ضرورت پیش آگئی تو پھر تو اپنے ہی سلسلہ والے

کسی بزرگ سے مناسبت کا پیدا کر لینا زیادہ آسان ہے بہ نسبت دوسرے سلسلہ کے کسی شیخ سے مناسبت پیدا کرنے کے۔

اور طریق میں اصل شے مناسبت ہی ہے۔ یہی مسئلہ ان مولوی صاحب کو بھی پریشان کیے ہوئے تھا جسکی وجہ سے وہ حضرت مدنیؒ ہی کے سلسلہ کے کسی بزرگ کی تلاش میں تھے مگر انکے معیار پر کوئی انکو نہ مل سکا اور ایک یہی بزرگ کیا بہتوں کیلئے ہر زمانہ میں یہی مسئلہ الجھن اور پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ اسی مسئلہ کو ایک دن ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک صاحب کے سامنے بیان فرمایا جو کہ حضرت مدنیؒ کے مرید تھے اور جنھوں نے مولاناؒ کے وصال کے بعد ہمارے حضرت کے یہاں آمد و رفت شروع کر دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؒ نے اپنی بصیرت سے اس قسم کے لوگوں کا یہ خاص حال اور اسکی وجہ سے کسی دوسرے کی جانب دل سے رجوع ہونے میں رکاوٹ کا اندازہ فرما کر مسئلہ کی وضاحت کو ضروری سمجھا چنانچہ ان صاحب کے سامنے بھی مجلس میں یہ تقریر فرمائی جس کو خود انھوں نے راقم سے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ حضرت والاؒ نے مجھے اپنے کرم سے اپنے درس میں (جس میں حدیث و تفسیر کا سبق ہوتا تھا) شرکت اور سماعت کی اجازت فرما رکھی تھی ایک دن سبق میں کچھ ذکر نسبت اور مناسبت کا آیا اس پر حضرت والاؒ نے ذرا مفصل گفتگو فرمائی جسکا خلاصہ یہ تھا کہ فرمایا کہ ـــــــــ مناسبت کیلئے مجانست کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ دو غیر جنسوں میں بھی کسی جہت سے باہم مناسبت ہو سکتی ہے۔ اسکا ایک واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ ایک کبوتر اور ایک کوّے کو لوگوں نے کسی دیوار پر ایک ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا تعجب کیا کہ ان دونوں میں بھلا کیا مناسبت ہے؟ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں لنگڑے تھے۔

تو دیکھئے جنس دونوں کی الگ الگ تھی مگر مرض میں دونوں شریک تھے یہی ان کے لئے وجہ مناسبت بن گئی۔ درس ختم ہونے کے بعد حضرت والاؒ نے مجھے اپنے قریب بلایا اور فرمایا کہ حافظ جی آج کا مضمون جو بیان ہوا کچھ آپکی سمجھ میں آیا؟ حافظ صاحب کہتے تھے کہ میری سمجھ ہی میں نہ آیا کہ کیا کہوں؟ اگر کہتا ہوں کہ جی ہاں حضرت سمجھ میں آگیا تو یہ تو فہم کا دعویٰ ہو جاتا ہے اسلئے عرض کیا کہ حضرت جو کچھ سمجھا ہوں اسکو عرض کرتا ہوں اگر کچھ غلطی ہو تو حضرت والاؒ اسکی اصلاح فرما دیں۔ وہ یہ کہ حضرت کے فرمانے سے یہ سمجھ میں آیا کہ مناسبت کیلئے مجانست شرط نہیں ہے بلکہ دو نا جنسوں میں بھی کسی وجہ سے باہم مناسبت ہو سکتی ہے۔ جسکی مثال حضرت نے کبوتر اور کوّے

کے واقعہ سے بیان فرمائی۔ حضرت والاؒ نے اس واقعہ سے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ دیکھو جبکہ دو جانوروں میں بھی باہم مناسبت شرکت مرض کے سبب سے ہو سکتی ہے تو پھر تو دو انسانوں میں بہت سی چیزیں ما بہ الاشتراک ہوا کرتی ہیں انکی وجہ سے ان میں باہم کبھی مناسبت ہی نہو سکے یہ تو نہایت ہی حیرت اور افسوس کی بات ہے۔ حافظ صاحبؒ نے کہا کہ حضرت والاؒ میرے اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور حاضرین میں سے کسی سے فرمایا کہ دیکھو جی! حافظ جی بات سمجھ گئے۔ اور شاید آپ نے یہ فرمایا کہ جامی اسکو لکھ لو حافظ صاحب نے بہت عمدہ جواب دیا ہے۔ انتہیٰ۔

راقم عرض کرتا ہے کہ سبحان اللہ ہمارے حضرتؒ کا کیا ہی عمدہ طرز تعلیم تھا اور کیسا عجیب انداز تفہیم تھا رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ اور ان حافظ کا تعلق بھی چونکہ پہلے حضرت مدنیؒ سے تھا پھر حضرت مولاناؒ کے وصال کے بعد حضرت مصلح الامۃؒ کی خدمت میں آنے جانے لگے تھے تو گو ان دونوں بزرگوں کا سلسلہ ایک ہی تھا پھر بھی کبھی نفس یا شیطان سالک کو پریشان کرنے کے لئے اس قسم کے وساوس قلب میں پیدا کرتا رہتا ہے کہ ــــ اجی تمہارے شیخ تو دوسرے تھے اور یہ دوسرے ہیں لہٰذا تم کو یہاں نفع نہ ہوگا اس طور پر اسکو یہاں سے باوجود اسکی قلبی رغبت کے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت والاؒ نے ان صاحب کے حالات کے پیش نظر انکو طریق کا یہ مسئلہ سمجھانا چاہا کہ میاں دراصل مدارِ فیض تو کسی شیخ سے مناسبت کا ہونا ہی ہے اور مناسبت چونکہ مجانست پر موقوف نہیں ہے تو پھر سلسلہ کا اتنا جزئی اختلاف اس میں کیا قادح ہو سکتا ہے۔

اور یوں تو مناسبت کے اسباب بہت ہیں تاہم ان میں بعض اختیاری بھی ہوتے ہیں۔ پس جہاں مناسبت نہو وہاں اسکے اسباب اختیاریہ کے اختیار کرنے سے مناسبت ہو بھی جاتی ہے لہٰذا کسی بھی شیخ سے اگر فی الحال کسی کو قلبی مناسبت نہ بھی معلوم ہوتی ہو مگر اپنا عقلی رجحان اگر کسی وجہ سے اسکی جانب پاوے تو اسباب مناسبت اختیار کرے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے دلی مناسبت بھی ہو جائیگی۔

اب ان حافظ صاحب کا تو حال معلوم نہیں کہ انھیں بھی کچھ تردد تھا یا نہیں مگر ان ہی مولوی صاحب نے تو اپنے اس تردد کو صاف لفظوں میں ظاہر ہی فرما دیا تھا اور یہ بھی کہ پھر حضرت مدنیؒ کے (خواب میں اس طرح سے) فرما دینے سے کہ "اب میرے بجائے یہ ہیں" الحمد للہ میرا یہ تردد

رفع بھی ہوگیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کامل شیخ کا کسی کو شیخ کامل فرما دینا بھی اسکی جانب توجہ اور رجحان ہو جانے کا ذریعہ بن سکتا ہے لہٰذا طالب کو چاہیئے کہ اپنے شیخ اول کے اس نوع کے ارشادات کو شیخ جدید سے حصول مناسبت یا اضافۂ مناسبت کا ذریعہ بنائے۔ اب اگر طالب کی جانب سے کچھ ارادہ و کوشش بھی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اسکی تکمیل بھی فرما دیں گے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

بہرحال بات ذرا دور چلی گئی عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرت مدنیؒ نے ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ کی تحریراً و تقریراً جو تعریف توصیف فرمائی ہے اس سے ان کے تعلق اور محبت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہاں تک تو تعلقات کے ایک رخ کا بیان تھا۔ رہا دوسرا رخ یعنی حضرت مصلح الامۃؒ کو حضرت مدنیؒ سے کیسا تعلق تھا تو اسکا پورا اندازہ کم از کم مجھے تو اسوقت ہوا جبکہ مکرمی ڈاکٹر صلاح الدین صاحب نے یہ واقعہ بیان فرمایا کہ حضرت والاؒ کے ساتھ صبح و شام کی تفریح میں اکثر میں ہی رہا کرتا تھا ایک دن ہم دریائے جمن کے اس پار نینی (الہ آباد) کی جانب جا نکلے۔ جمنا کا پل پار کر کے جب ذرا آگے بڑھے تو سامنے جیل کی طول طویل فصیل نظر آئی میں نے عرض کیا کہ حضرت وہ جو سامنے دیوار نظر آرہی ہے وہ "نینی جیل" ہے یہ سنتے ہی فرمایا کہ اچھا یہی نینی جیل ہے؟ اسی میں ہمارے مولانا مدنیؒ کو انگریزوں نے قید کر رکھا تھا۔ اس جملہ کو حضرت والاؒ نے نہایت ہی تاسف اور تاثر کے ساتھ کئی بار دہرایا۔ اسیطرح سے جب حضرت مدنیؒ کا وصال ہوا تو حضرت کا قیام ان دنوں حسن منزل (الہ آباد) میں تھا صبح کو عین مجلس کے وقت کسی نے یہ خبر حضرت والاؒ کو بھی سنائی سنکر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور ہاتھوں پر ماتھا رکھکر سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور ایک آہ سرد کیساتھ یہ شعر پڑھا

لکھکر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا　　　انکا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

فوری طور پر تو سمجھ میں نہ آسکا تھا کہ آخر اسکا مطلب کیا ہے اور اس واقعۂ فاجعہ میں اور ان الفاظ کے ساتھ اظہار تاثر میں آخر باہم ربط کیا ہے لیکن بعد میں سمجھ میں آیا (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ ہمارے اقدسؒ کے قلب مبارک میں حضرت مدنیؒ کی شہرت اور انکی عظیم الشان شخصیت کا تصور آگیا۔ یعنی یہ کہ اللہ اللہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے زیارت و دیدار سے مشرف ہونے والی ذات، حضرت گنگوہیؒ کا مجاز اور خلیفہ، مدرسہ دیوبند کا شیخ الحدیث، ہند میں شیخ الہند کا جانشین اور شیخ الاسلام کے لقب سے معروف و مشہور شخصیت اللہ کی شان کہ آج دنیا سے وہ بھی رخصت ہوئی اور اہل زمانہ چاہے انکی کمی کی وجہ سے اپنے اندر نمایاں خلا کیوں نہ محسوس

کریں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی ہی مستغنی اور نہایت ہی بے نیاز ذات ہے ایک عالم اور ولی تو پھر عالم اور ولی ہے وقت جب پورا ہو گیا ہے تو نبیوں اور رسولوں کو بھی واپس بلا لیا گیا ہے لایستاخرون ساعۃً ولا یستقدمون اب اسکی وجہ سے مخلوق خواہ تڑپ ہی کیوں نہ جائے اور بلبلا ہی کیوں نہ اٹھے گر محبوب حقیقی جل جلالہ کے لئے تو یہ ایک معمولی سی بات بلکہ روزمرہ کا ایک کھیل ہے فَسُبۡحٰنَ الَّذِیۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝ سو پاک ہے وہ ذات جسکے ہاتھ میں ہر چیز کا پورا اختیار ہے اور تم سبکو بھی اسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضرت والا نے یہ خیال فرمایا ہو کہ عشاق کا اپنے محبوب کا نام ریگ اور زمین پر لکھنا اور اسے خاطر خود کو تسلی دینا تو معروف ہی چلا آرہا ہے لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خود محبوب بھی محض اپنی تفریح اور ہماری چھیڑ کی خاطر ہمارا نام زمین پر لکھتا اور مٹاتا ہے چنانچہ حضرت خواجہ صاحبؒ اسکو فرماتے ہیں کہ

مزا آتا ہے انکو چھیڑنے میں اپنے عاشق کے ۔۔۔ کبھی رنجور کرتے ہیں کبھی مسرور کرتے ہیں

مسرور تو کرتے ہیں اپنے ہاتھ سے ہمارا نام لکھکر اور رنجور کرتے ہیں پھر اسکو صفحہ ہستی سے مٹا کر باقی اس میں شک نہیں کہ اہل اللہ اور ارباب سلوک کیلئے تو ایک جہت سے یہ جانب بھی سبب مسرت بلکہ جان ہی دیدینے کا مقام ہوتا ہے۔ چنانچہ اہل محبت کا اس موقع پر خوش ہونا اور اس حالت کی تمنا کرنا تاریخ سے تو اثر ثابت ہے ایک عاشق کہتا ہے ؎

سر بوقت ذبح اپنا اسکے زیرِ پائے ہے ۔۔۔ یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے (ذوقؔ)

اسیطرح سے ایک محب نے تو اس بات تک کی خواہش کی ہے کہ کاش اپنے محبوب ہی کے ہاتھوں ہمارا کام تمام ہوتا کہتے ہیں کہ ؎

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت ۔۔۔ سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی (حافظ)

یعنی خدا نہ کرے کہ کسی دشمن کا نصیب ایسا ہو کہ وہ تیری تیغ کا نشانہ بنے۔ ہم دوستوں کے سر کو خدا سلامت رکھے کہ تو انھیں پر خنجر آزمائی کرے۔ اور ایک اہل دل نے اسی مضمون کی یوں تصویر کشی فرمائی ہے، فرماتے ہیں ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ بر کف ۔۔۔ بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

یعنی جنگل کے تمام ہرن اپنا اپنا سر ہتھیلی پر رکھے ہوئے اس امید میں گھوم رہے ہیں کہ کاش تو شکار کھیلتے کھیلتے ادھر آجائے اور وہ تیرے ہاتھوں شکار ہو جائیں۔ اور ایک اور عاشق نے

تو اپنے خوان کو یوں آراستہ کیا ہے ؎

ہم نے انکے سامنے اوّل تو خنجر رکھدیا — پھر کلیجہ رکھدیا، دل رکھدیا، سر رکھدیا

قطرۂ خونِ جگر ہے کی تواضع عشق کی — سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھدیا
(داغ)

حاصل یہ کہ حضرت والاؒ نے گویا مولانا مدنیؒ کی زبان سے یہ شعر پڑھا کہ ؎

ٹھکر ہمارا نام زمین پر مٹا دیا — انکا تو کھیل خاک ہیں ہم کو ملا دیا

مطلب یہ کہ گو ہم خاک ہیں مل گئے مگر محبوب حقیقی کی جانب سے پیش آئی ہوئی ہر تکلیف کو ہم اپنے لئے تحفہ ہی سمجھتے ہیں۔ ہمارے جس زخم سے آپکو خوشی ہو وہ ہمارے لئے قطعی سبب الم نہیں عارفین نے فرمایا ہے کہ

وامتاز قوم بالتذاذ ببلائہٖ حباً بربہٖ وقضائہٖ۔

یعنی ان اللہ والوں میں سے ایک جماعت تو ایسی بھی ہوئی ہے کہ جس نے محض اپنے رب کی محبت اور اسکے فیصلہ پر رضا اور اسکے احترام کی خاطر اپنے ہلاک کئے جانے میں ہی لذت اور مسرت محسوس کی ہے اور بزبان حال یہ کہا ہے کہ ـــــ اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے کہ میں ختم اور فنا ہو جاؤں اور آپ ہی کے لئے بقا رہے تو پھر مجھے ہلاک ہو جانے ہی میں مزا اور راحت ہے۔

غرض بزرگوں کے پیش نظر یہی جہت زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ موت ان حضرات کے نزدیک "مرگ ناگہانی" نہیں بلکہ جیل خانہ سے رہائی کا نام ہے۔ اسی لئے تو حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ نے بھی اپنے آخری وقت میں بعد والوں کو اپنے جدائی کے صدمہ سے اس طرح سے پہلے ہی تسلی دی پھر اس دنیا سے سفر فرمایا۔ فراتے ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ خوب ہی فرمایا ہے کہ ؎

لوگ کہتے ہیں کہ مظہر مر گیا — درحقیقت مظہر اپنے گھر گیا

بہرکیف حضرت مصلح الامۃؒ کا اس شعر کے پڑھنے سے جو بھی مقصود رہا ہو تا تو یقینی طور پر معلوم ہوا کہ اس خبر رنج اثر سے قلب مبارک بہت ہی محزون وغمگین ہوا جو کہ قلبی تعلق کی دلیل ہے۔

حضرت مصلح الامۃؒ اور حضرت مولانا مدنیؒ کے مابین براہ راست گو مکاتبت نہیں ہوئی تاہم بواسطہ بھی جو باتیں جانبین کی ہمارے علم میں آسکیں اور سطور بالا میں جو پیش کی گئیں ان دونوں بزرگوں کے باہمی قلبی تعلق ومحبت کے ظاہر کرنے کے لئے وہ بھی کافی ہیں بالخصوص مکتوبات شیخ الاسلام

حصہ دوم سے کسی اعظمی مولوی صاحب کے نام حضرت مولانا مدنیؒ کا جو مکتوب گرامی ابھی نقل کیا گیا ہے (جس کے شروع میں ہے کہ مولانا وصی اللہ صاحب منقطع الی اللہ ہیں الخ) وہ تو اس باب میں شاہد عدل ہی ہے۔

اب اس موقع پر جبکہ مکتوبات کا یہ صفحہ ہمارے سامنے کھلا ہوا ہے جسمیں مذکورہ بالا مکتوب گرامی موجود ہے بدون قصد وارادہ کے بھی نظر اسکے حاشیہ پر پڑہی جاتی ہے جس کے متعلق یہ کہنا تو بالکل صحیح ہے کہ ہمارے حضرتؒ تو اُن کا ریمارک دیکھکر اس مقام سے اپنے مرتبہ ومقام کی حیثیت سے یہ خیال فرماکر گذر گئے کہ و قلتُ لا یعنینی یعنی مجھے نہ کہتے ہونگے کسی اور کو کہتے ہوں گے لیکن کسی دوسرے شخص کا اسے دیکھکر یہاں سے یونہی گذر جانا بلاشبہ "حُبِ شیخ" اور اہل محبت کے اس مسلمہ آئین کیخلاف ہی معلوم ہوتا ہے کہ کہا گیا ہے کہ ؎

أأُحبهٗ و اُحبُّ فیہ ملامۃً ان الملامۃ فیہ من اعدآئہٖ

یعنی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اپنے محبوب کو بھی محبوب رکھوں اور اسکے بارے میں مذمت کو بھی پسند کروں، مذمت اور عیب گوئی تو شیوۂ معاندین ہوا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک محب معاند کیسے ہوسکتا ہے؟ ——— چنانچہ یہ بھی عجب لطف کی بات ہے کہ جس قدر حضرت شیخ الاسلامؒ کا یہ مکتوب شیرین تھا اسی قدر اسکا یہ حاشیہ تلخ ہے۔ اور ہم اس تلخ وشیریں کی بحث میں نہ پڑتے لیکن خیال یہ ہوا کہ رائے کے اختلاف کا تو خیر مضائقہ نہیں مگر واقعہ کے خلاف اگر کوئی بات معلوم ہوجائے تو اسکا ظاہر کردینا تو بہرحال ضروری ہی ہے۔ اسلئے بغرض ازالۂ غلط فہمی اور ناواقفین کو صحیح صورت حال پر واقف گردانئے کے لئے اس مسئلہ کی قدرے وضاحت ضروری ہوئی۔ نیز ایک مقصد اس کے بیان سے یہ بھی ہے کہ احباب کے سامنے حضرت مصلح الامۃؒ کی زندگی کے یہ مناظر بھی پیش کردئے جائیں تاکہ عمل کرنیوالوں کے لئے اس قسم کے معاملات میں اپنے لئے سبق لینا آسان ہو۔

ظاہر ہے کہ صفحات معرفت حق میں حضرت مصلح الامۃؒ کا جو نقشہ نظر میں کھنچ رہا ہے حاشیہ مذکورہ کا بیان اس سے بالکل متصادم ہے۔ اب جن لوگوں نے حضرت والاؒ کو دیکھا نہیں ہے بلکہ انکے لئے اب حضرت اقدسؒ کی معرفت کا ذریعہ صرف یہی تحریر و بیان ہے انکے سامنے جب یہ دونوں متضاد تحریریں ہونگی تو وہ لوگ کس قدر ضیق میں پڑجائیں گے یعنی انھیں اگر محشی کی بات پر یقین آگیا

تو وہ معرفت کے بیان کو "مریداں می پرانند" سے زیادہ کا درجہ نہ دے سکیں گے اور اگر معرفت کا پیش کردہ بیان انکو حق معلوم ہوا تو عجب نہیں کہ وہ محشی کی جانب سے کسی وسوسہ کا شکار ہو جائیں اس لئے حضرت مصلح الامۃ رحؒ کی سیرت نگار کے لئے یوں بھی لازم ہوا کہ مسئلہ سے کشف غطار کر کے حقیقت الامر سامنے لائے تاکہ لوگ بزرگوں کی جانب سے بھی بدگمان نہ ہوں اور کسی عالم کے متعلق بھی زبان نہ کھولیں بلکہ بعض عوارض کے پیش نظر اسے معذور جانیں۔

ایک اور سب سے بڑی وجہ اس گفتگو کے یہاں لانے کی یہ بھی ہوئی کہ دراصل ہم حضرت مرشدی مصلح الامۃ رحؒ کا ایک مضمون جو اسی دور کے حالات سے متاثر ہو کر حضرت نے تحریر فرمایا تھا ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں مگر وہ مضمون اپنی کامل افادیت سے قاصر رہے گا اگر اسکے ذکر سے پہلے ان حالات اور اس پس منظر اور فضار کا بھی کچھ ذکر نہ کر دیا جائے جن میں وہ معرض ظہور میں آیا تھا اس لئے بھی اس حاشیہ کا ذکر قدرے ناگزیر ہوا۔

باقی ناظرین ان صفحات میں مضمون حاشیہ کے منتظر نہ رہیں اسکو ہم اپنے قلم سے نقل بھی نہیں کر سکتے تاہم اتنا سمجھ لیجئے کہ جن اعظمی مولوی صاحب کو حضرت مولانا مدنی رحؒ نے حضرت مصلح الامۃ رحؒ کی جانب رجوع ہونے بلکہ بیعت ہو جانے کا مشورہ مرحمت فرمایا تھا محشی نے انکا کچھ ابتدائی حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"اس مکتوب گرامی کا شان نزول یہ ہے کہ مولوی ۔۔۔۔ (اعظمی صاحب) خواب میں اپنے کو کبھی شیخ الاسلام کی بارگاہ میں حاضر پاتے اور کبھی مولانا وصی اللہ صاحبؒ کی مجلس میں ہوتے مگر ان دونوں صحبتوں کا یہ اثر ہوتا تھا کہ شیخ الاسلام کی بارگاہ میں قرب اور مولانا وصی اللہ صاحب سے بُعد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی ۔۔۔۔ مولوی صاحب موصوف نے پوری حالت مولانا وصی اللہ صاحب کو لکھکر بھیجدی موصوف سے جو جواب موصول ہوا وہ درج ذیل ہے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا ۔۔۔۔ سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

مختصر یہ کہ جناب خود کو ایک بزرگ کے حوالے کر چکے ہیں آپ کو استفادہ کا حق ان ہی

سے ہے اب آپ کو یہاں نہ تشریف لانے کی اجازت ہے اور نہ خط وکتابت کی ضرورتؒ۔

(کتبہ: بشیر الدین عفی عنہ حسب الحکم حضرت والا مدظلہ العالی)

اتنا نقل کرکے اس پر دس پندرہ سطریں جو محشی نے تحریر کی ہیں وہ انتہائی تلخ تکلیف دہ اور دل آزار ہیں۔ چنانچہ اسکا اثر یہ ہوا کہ جب لوگوں کے ملاحظہ سے یہ حاشیہ گذرا تو اولاً حضرت والا کے پاس خطوط آنے شروع ہوئے کہ ایسا ایسا مضمون شایع ہوا ہے اس سے سخت تکلیف ہے۔ ثانیاً محبین اور منتسبین میں سے بعض مخلصین نے حضرت والاؒ سے اجازت چاہی کہ اگر اجازت ہو تو جن محترم علمار کرام نے اس پر مقدمہ لکھا ہے انکی توجہ اس جانب مبذول کرائی جائے شاید وہی حضرات اب سے اسکی کچھ تلافی فرماسکیں۔ ثالثاً بعض حضرات نے تو یہ ارادہ مصمم فرمالیا کہ اس اطراف کے کسی جلسہ میں جب حضرت مدنیؒ تشریف لاویں تو یہ سطور ان کے علم میں بھی لائی جائے اور ان سے ہی اسکی دادرسی چاہی جائے۔

چنانچہ آج آپ کے علم میں لاتا ہوں کہ یہ سب کچھ تجویز او ارادہ ہی کی حد تک نہیں رہا بلکہ وقوع میں بھی آیا چنانچہ خطوط جو اس سلسلہ میں حضرت والاؒ کے پاس آئے ان میں سے ایک خط یہاں نقل کرتا ہوں۔

(مولانا مفتی محمود حسن صاحب پرنام بٹ (مدراس) کا خط حضرت مصلح الامۃ کے نام)

حال: ۔ ایک بات ضمنی طور پر عرض کئے دیتا ہوں جو کل سے کھٹک ہی ہے ؎

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں رلائے کیوں

مکتوبات شیخ الاسلام کے اب تک دو حصے شائع ہوئے ہیں پہلی جلد گذشتہ سال نکلی تھی میں نے بھی دیکھی اسمیں مرتب نے مکتوب پر اپنی طرف سے حاشیہ چڑھایا ہے۔ بعض مواقع پر گستاخانہ اعتراضات تھے سخت رنج ہوا تھا ــــــ اب حصہ دوم شائع ہوا ہے۔ ایک دوست نے مطالعہ کے لئے کل بھیجی ہے میری طبیعت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ حضرت اقدس حکیم الامۃ قدس سرہ یا حضرت کے وابستگوں کے خلاف کتابوں اور بزرگوں سے وابستگی نہیں ہوتی پہلے فہرست مضامین دیکھتا ہوں اگر حضرتؒ کی مدح ہوتی ہے تو دل خوش ہوتا ہے ورنہ اعتراض کی صورت میں اس پوری کتاب ہی سے انقباض

ہونے لگتا ہے

تحقیق:۔ یہ تو اعتقاد و محبت کے لوازام سے ہے۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے یہ بھی عجب زمانہ کا انقلاب ہے کہ ابھی کل تک جو چیز اپنے مشائخ کے یہاں اعتقاد اور لوازم محبت کے قبیل سے شمار کیجاتی تھی آج وہ تحزب۔ تنگ نظری اور خلاف اعتدال شمار کیجاتی ہے۔ والی اللہ المشتکیٰ)

حال:۔ الغرض حصہ دوم میں دو چار موقع پر حضرت اقدس تھانویؒ کی اور حضرتؒ کے مواعظ کی تعریف اور مواعظ دیکھنے کی ترغیب ہے۔ بہرحال دونوں حصوں میں مکتوبات میں تو کوئی بات کہیں نہیں ہے لیکن حواشی میں جابجا حملے بزرگوں پر کئے گئے ہیں۔ حصہ دوم کی ورق گردانی کر رہا تھا کہ یک بیک حضرت والا کا نام نامی نظر سے گذرا فوراً رُکا اور دیکھا کہ کیا ہے؟ تو معلوم ہوا کہ کسی (اعظمی) مولوی صاحب کے نام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کا مکتوب ہے جس میں حضرت مولانا موصوف نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے باعث مسرت ہے باقی اس مکتوب پر مرتب نے جو حاشیہ چڑھایا ہے وہ انکا ہی حق ہے۔ کل سے دیکھنے کے بعد طبیعت میں ایک قسم کی بےچینی سی پیدا ہو گئی ہے بعض وقت بے تحاشا۔۔۔ ہے کہ (اللہ کے بندہ نے) اتنا نہیں سمجھا کہ اس واقعہ سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ اگر یہ معاملہ برعکس ہوتا تو حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی بھی وہی فرماتے یا اس بھی سخت جو کہ حضرت والا نے ان مولوی صاحب کو تحریر فرمایا ہے۔ اسلئے کہ اس طریق میں بڑی شرط شیخ سے مناسبت ہے اور "وحدت مطلب" ہے بنیاد ہی اگر مذبذب ہو تو پھر کیا خاک استفادہ ہو سکے گا

(راقم عرض کرتا ہے کہ ماشاء اللہ تعالیٰ جناب مولوی صاحب موصوف نے حضرت والاؒ کے جواب کو طریق پر کیسا منطبق فرمایا یہ انکی طریق سے مناسبت کی دلیل ہے چنانچہ ناظرین کرام بھی جب اِن مولوی اعظمی کا پورا خط جو آگے آرہا ہے ملاحظہ فرمائیں گے تو حرف بحرف مفتی صاحب موصوف کی تائید کریں گے کہ واقعی یہی بات تھی۔ باقی تعجب اس پر ضرور ہوتا ہے کہ حضرت مولانا فتحپوریؒ کا منشا، اور وہ بھی ناتمام حال اور عبارت سے مدراس کا ایک عالم تو سمجھ لے، اور خط کی پوری تفصیل ملاحظہ کرنے کے بعد بھی

اتر پردیش کے لوگ اسکا مفہوم اخذ کرنے سے قاصر رہ جائیں۔ ع۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیئے

مولوی صاحب آگے لکھتے ہیں کہ) ۔

حال :۔ پھر اندیشہ ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ مرتب سے غلطی سے اپنے شیخ سے محبت میں غلو کیوجہ سے اس قسم کی باتیں صادر ہوئی ہوں۔ حق تعالیٰ معاف فرماویں (ملخصاً)

تحقیق :۔ یہی بات اکثر ہوا کرتی ہے۔ آپ اسطرف التفات نہ فرمائیں۔ میں تو یہ معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں ۔

حال :۔ اس واقعہ کے نقل کرنے سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دیکھوں اسمیں میری طرف سے جو کوتاہی ہوئی ہو خواہ بیفائدہ چیز میں لگنا یا بے محل پریشان ہونا غرض جو بھی کوتاہی ہو اس کی اصلاح ہو جائے ۔

تحقیق :۔ محبت کا تو یہی اقتضا ہے مگر حد کے اندر رہنا بہر حال اہل حق کا شیوہ ہے ۔

(راقم عرض کرتا ہے کہ ۔۔۔ نہیں معلوم حضرت اقدسؒ کے آخر کے ان دو جوابات کو آپنے کس انداز سے پڑھا یا سنا، مجھے تو حضرت والاؒ اپنے ان جوابات میں سراپا حلم و کرم مجسمہ رافت والفت اور پیکر عدل واعتدال بنکر نظروں کے سامنے پھر گئے) ۔

بہر حال یہ تو اثرات کا ایک شعبہ تھا کہ اس نوع کے خطوط باہر سے آئے۔ اسطرح سے لوگوں نے قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی سے بھی اسکا ذکر کیا کہ انکا مقدمہ حصہ اول پر تھا۔ اور حضرت علی میاں صاحب ندوی مدظلہ العالی کی خدمت میں بھی اس مسئلہ کو پیش کیا گیا انکا مقدمہ حصہ دوم پر تھا۔۔۔ اور اتفاق سے اُن ہی دنوں سرائے میر کے جلسہ میں حضرت مولانا مدنیؒ صاحب بھی تشریف لائے تو نذوہ سرائے کے محمد نصیر خاں صاحب اور مولوی عبدالواسع صاحب صاحب جو کہ حضرت مدنیؒ کے شاگرد تھے، ان دونوں نے، حضرت کی خدمت میں وہ حاشیہ پیش کیا جو حصہ دوم کے مکتوب ص۵۶ پر ہمارے حضرت اقدسؒ کے متعلق تھا۔ جناب محمد نصیر خاں صاحب مجھ سے خود بیان فرماتے تھے کہ یہ کام ہم لوگوں نے اپنے ذمہ لیا تھا چنانچہ مناسب موقع سے حضرت مولانا مدنی کی خدمت میں وہ مقام نکالکر میں نے ہی پیش کیا۔ حضرت مولانا مدنیؒ نے اسکو پڑھا اور پڑھکر

فرمایا کہ ـــــ بھائی میں نے تو نہیں لکھا ہے۔ میری تحریر (یعنی مکتوبات) میں کہیں کچھ لکھا ہو تو بتاؤ۔ اور شاید یہ بھی فرمایا کہ اچھا میں مولوی ۔۔۔ صاحب کو سمجھا دونگا۔

اور حضرت قاری صاحب مدظلہٗ سے جو ذکر آیا تو اسکی تفصیل یہ ہے کہ جناب صوفی عبدالرّب صاحبؒ نے حضرت قاری محمد طیب صاحب اور حضرت علی میاں سے اس سلسلہ میں عرض کرنا اپنے ذمہ لیا تھا چنانچہ اپنے ایک خط میں انھوں نے حضرت اقدسؒ کو لکھا کہ :-

ابھی ناچیز نے ایک اور عریضہ جناب قاری صاحب کی خدمت میں پھر اسی مکتوب کے بارے میں لکھا ہے جس میں اہانت آمیز تنقید حضرت والا کی ذات با برکات کے متعلق محشی صاحب نے کی ہے ۔۔۔ قاری صاحب کا جو گرامی نامہ آج ملا ہے اس میں تحریر ہے کہ ـــــ اس کتاب کے سلسلہ میں میرے مقدمہ کی نوعیت یہ ہے کہ اسکے مکاتیب نہ میں نے اسوقت دیکھے اور نہ آج تک پڑھے ہیں۔ اسوقت ۔۔۔ صاحب نے مکاتیب کے عنوانات کی فہرست بھیجدی تھی اور بے حد اصرار تھا کہ بطور مقدمہ چند سطریں لکھدوں، معذرتیں بھی کیں، فرصت بھی نہ تھی مگر انکا اصرار بڑھتا رہا بالآخر شاید چھ سات ماہ بعد یہ چند سطریں کسی سفر میں قلمبند کیں۔ (انتہی بلفظہٖ)

اسیطرح سے حضرت علی میاں صاحب سے جو ذکر آیا اسکی تفصیل ملاحظہ ہو۔ صوفی صاحبؒ نے حضرت والاؒ کو لکھا کہ :-

اس ناچیز کو علی میاں صاحب سے بھی گفتگو کا برابر خیال رہا۔ چنانچہ وہ خود ہی آئے اور غریب خانہ پر تشریف لائے اور میرے ساتھ چائے نوشی میں شریک ہوئے۔ ناچیز نے مناسب عنوان سے بات کہی، علی میاں متأثر اور پُرقلق ہوئے اور بطور صفائی میرے ہاتھ سے جلد دوم لیکر اپنا مقدمہ کھولا اور یہ عبارت دکھلائی کہ ۔

" دوسرا حصہ ابھی پریس میں ہے میں اسکے مطالعہ سے مشرف نہیں ہو سکا لیکن مجھے توقع ہے کہ وہ بھی کافی ضخیم، پُراز معلومات اور شریعت وطریقت کے بہت سے علوم وحقائق پر مشتمل ہوگا ـــــ میری یہ بھی تمنا تھی کہ یہ حصہ معاصرانہ اشخاص اور وقتی تأثرات کے تذکرے سے بھی خالی ہو کہ اس چمن کا بے غبار ہونا

باغباں کی شہرت اور گلچیں کی قسمت دونوں کے لئے بہتر تھا۔"

ان سطور کو دکھلا کر علی میاں نے اپنی صفائی پیش کی ________ (انتہی)۔

راقم عرض کرتا ہے کہ حاصل ان دونوں بزرگوں کی صفائی کا ایک ہی تھا وہ یہ کہ کتاب کے حاشیہ میں کیا لکھا ہوا ہے ہم اس سے قطعی ناواقف اور ناآشنا تھے البتہ حضرت علی میاں مدظلہٗ نے اتنا مزید فرما دیا کہ معاصر تذکرے۔ بہ حصہ دوم کے خالی ہونے کی تمنا تو میں نے ظاہر ہی کر دی تھی۔

بہرحال اعتماد بھی تو آخر دنیا میں کوئی چیز ہے؟ انسان کتنے معاملات اسی کے بھروسے انجام دے لیتا ہے اس لئے ایسا ہو جانا تو چنداں عجیب نہیں البتہ ہم لوگوں کو ان واقعات سے یہ سبق ضرور ملا کہ اس زمانہ میں احوط یہی ہے کہ بدون دیکھے کوئی سودا نہ خریدا جائے اور اگر خریدے بھی تو خیار رویۃ کی شرط ضرور ہی لگا لیا کرے۔ اور یہ میں نے اسلئے عرض کیا کہ دیکھئے ایک ادنیٰ سی تسامح کی بناء پر ان دونوں بزرگوں کو کس قدر ذہنی الجھن اور قلبی کوفت اٹھانی پڑ گئی۔ رنج اور قلق بھی ہوا۔ چنانچہ حضرت قاری صاحب مدظلہٗ تو اتنا متاثر ہوئے کہ صوفی صاحب کو یہ لکھا کہ:۔

"بہرحال میں اس قسم کے مضامین سے بری ہوں اور میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اسکے بارے میں میرا خیال تو یہ ہے کہ اگر کوئی صاحب (مجھے فرصت نہیں ورنہ میں خود اپنے کو پیش کرتا) ان تمام مضامین پر سرخ نشان لگا کر مطلع فرمائیں تو ان پر ایک بیان بطور استدراک لکھدیا جائے۔ تو اس سے ان اثرات کی تلافی ہو جائے گی جو متوسلین پر پڑ رہے ہیں یا جماعتی بعد کی صورت میں نمایاں ہو سکتے ہیں" (انتہی بلفظہ)

ملاحظہ فرمایا آپ نے جناب قاری صاحب مدظلہ العالی کی یہ تحریر۔ اس سے متوسلین پر پڑنے والے اثرات اور جماعتی بُعد کے دور فرمانے کا کسقدر فکر اور احساس کا اندازہ ہوتا ہے کہ محض اسی مقصد کی خاطر "استدراک" لکھنے کو تیار ہو گئے اور اس سے قبل تحریر مقدمہ سے اپنی غرض بھی یہی ارشاد فرمائی تھی چنانچہ صوفی صاحب کو لکھا تھا کہ:۔

" مقدمہ میں اگر میں نے سعی کی ہے تو اسکی کہ اگر حضرت اقدس تھانوی قدس سرہٗ اور حضرت صاحب مکاتیب (یعنی حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ) میں کوئی بُعد بھی ہے اور اس سے ان حضرات کے متوسلین کچھ متاثر بھی ہیں تو وہ تاثر بھی

رفع ہوجائے۔ ایسا شخص بُعد پیدا کرنے والے مضامین کی تائید کس طرح کرسکتا تھا؟ یا مقدمہ کے ذریعہ ان پر پھر تصدیق کیسے ثبت کرسکتا تھا؟"

دیکھا آپ نے حضرت قاری صاحب مدظلہ کی قلبی دُکھن۔ چاہتے ہیں کہ کس طرح سے امت سے نزاع و خلاف کا خاتمہ ہو اور اب سے پہلے اگر کچھ بعد ہوچکا تھا تو اب اسکو ختم ہوجانا چاہیئے چنانچہ فرمارہے ہیں کہ یہی نیت میری جب تحریر مقدمہ سے تھی اور یہی نیت اب تجویز استدراک میں بھی ہے۔

الحاصل

مجھے یہاں اسوقت ناظرین کے سامنے حضرت حکیم الامۃ قدس سرہٗ اور حضرت مصلح الامۃ نور اللہ مرقدہٗ کے متوسلین کا یہی منظر پیش کرنا تھا کہ اس جماعت میں ایک خلجان بلکہ ہیجان پیدا ہوگیا تھا اور کیا عوام اور کیا خواص سب ہی کم و بیش ایک باہمی بدمزگی محسوس کررہے تھے اور اسکی وجہ اندیشہ تھا کہ جانبین سے تحریر مضامین کا سلسلہ نہ شروع ہوجائے کہ بروقت حضرت مصلح الامۃؒ نے ایک تحریر اپنے بعض خاص خاص احباب کے پاس ارسال فرمائی اور فرمایا کہ فوراً اسکی تشہیر کرادی جائے۔ چنانچہ حضرت مصلح الامۃؒ کا تشخیص فرمودہ یہ نسخہ امت کو راس آیا اور واقعی جیسے زخم پر مرہم رکھدیا جائے۔ فوراً ہی سب لوگوں کا جوش و خروش کافور ہوگیا امت ایک بڑے اختلاف کے کھڈ میں گرنے سے محفوظ رہی سچ ہے سہ

نشا پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

اسی تحریر کو پیش کرنا یہاں مجھے مقصود تھا اور اسی کے لئے میں نے یہ ناخوشگوار تمہید لکھنا بادل ناخواستہ گوارا کی۔ بے محل نہ ہوگا اگر حضرت اقدسؒ کی تحریر پیش کرنے سے پہلے جناب صوفی عبدالرب صاحب مرحوم کے دو خطوط بھی نقل کردوں جو علی الترتیب مولانا علی میاں صاحب دامت برکاتہم اور حضرت حکیم الاسلام جناب قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کے نام ایک ہی تاریخ میں ارسال کئے گئے تھے۔

(جناب صوفی عبدالرب صاحب کا خط حضرت علی میاں صاحب مدظلہ کے نام)

میں نے جو سُرخ پنسل کی تحریر آپ کی خدمت میں بھیجی تھی اسمیں درخواست تھی کہ حضرت اقدس مرشدی دامت برکاتہم کی تحریر گرامی کے ساتھ مناسب سیاق و سباق کا الحاق کرکے

"الفرقان" میں شائع کرا دیں کیونکہ آپ کو حضرت (مصلح الامتؒ) مدظلہ کے خیالات کا بھی علم ہے کہ وہ کسقدر احتیاط سے کام لینا چاہتے ہیں اور آپ کی تحریر خود بھی نرم و لطیف ہوتی ہے لیکن اب مجھے ایک لفافہ از طرف عزیزم مولوی عبدالرحمٰن جامی از خانقاہ فتحپور تال نرجا ملا جسکی نقل صحیح ارسال خدمت ہے۔ اب اسکی رو سے آپ کو تمہید یا سباق و سیاق کے لکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بہر حال حضرت اقدس کی طرف سے سہولت۔ نرمی۔ لطافت۔ احتیاط۔ سکوت۔ کفِ لسان۔ اتحاد و اتفاق۔ محبت و مروت۔ عجز و فروتنی۔ خود شکنی وغیرہ کے سوا اور کچھ وہم و گماں بھی نہیں آتا۔

دعا کا طالب ناچیز عبدالرب عفی عنہ۔ ۱۷ اپریل ۵۵ء

(جناب صوفی صاحب مرحوم کا خط حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے نام)

حضرت اقدس نے جو تجویز بابت حواشی ۔۔۔ ارشاد فرمائی تھی یہ تجویز میرے ذہن پر چھائی ہوئی تھی اور میں نشان لگانے کا خیال قائم کر چکا تھا لیکن میری حاضری مع علی میاں ۱۲ اپریل ۱۸ شعبان کو خانقاہ فتحپور تال نرجا میں حضرت مرشدی مدظلہ کی خدمت میں ہوئی۔ حضرت علیل تھے پھر بھی نہایت مفصل طریقہ پر اور بار بار سخت تاکیدات اور نہایت اہتمام سے مجھکو اور اور علی میاں کو اور سب کو کف لسان۔ سکوت۔ اتحاد و اتفاق۔ محبت و مروت کی تلقین فرمائی اور کچھ بھی لکھے جانے کی سختی سے ممانعت فرمائی اور مزید احتیاط کے لئے خود اپنے دست مبارک سے ایک تحریر مع تمہید تحریر فرما دی جسکو شائع کر دینا مناسب خیال فرمایا۔

اب یہ ناچیز حضرت مرشدی مدظلہ کی تحریر مع تمہید خدمت گرامی میں بھیجکر درخواست کرتا ہے کہ اب آپ استدراک لکھنے کا خیال ترک فرما دیں اور یہی تمہید و تقریر "دارالعلوم" کے ماہنامہ میں شائع کرا دیں انشاء اللہ تعالیٰ اس سے نفع ہوگا۔ امید کہ حضرت مرشدی کے اس نرم۔ پُر محبت و مروت طرز سے خود حضرت والا کو بھی اتفاق ہوگا۔

آنمخدوم کا کفش بردار ناچیز عبدالرب صوفی عفی عنہ ۱۷ اپریل ۵۵ء

اب اسکے بعد حضرت اقدس مصلح الامۃ رح کی وہ تحریر ملاحظہ فرمایئے جو ایسی پر آشوب فضا میں شایع ہوئی اور جس نے کہ مجروح قلوب کو تسکین بخشی اور ارباب فضل و کمال نے جسکی تحسین فرمائی ۔ چنانچہ مولانا عبدالباری صاحب نے صدق میں اسکو ملاحظہ کرکے کہا کہ بھائی مولانا وصی اللہ صاحب نے تو یالا مارلیا۔

(تحریر مصلح الامۃ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ)

(بعض مکتوبات کے حواشی)

بعض اکابر کے مکاتیب اسوقت شائع ہوئے ہیں اس میں کچھ محشی کی طرف سے اس قسم کے مضامین آگئے ہیں جو بعض طبائع کو ناگوار ہیں اور وہ اپنے اکابر کی توہین سمجھتے ہیں یہ امر چونکہ نااتفاقی کا سبب ہوسکتا ہے اسلیئے لوگوں کو اپنے اپنے طور پر منع کیا گیا اور سختی سے منع کیا گیا اور انھیں ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی گئی اور یہ خیال ہوا کہ شاید کوئی صاحب اسکے رد میں کوئی مضمون لکھدیں جو دوسری جانب کے تکدر کا سبب بنے ، اسلیئے یہ تحریر لکھدی کہ مہربانی فرماکر کوئی صاحب اپنے جوش محبت اور فرط عقیدت سے کام نہ لیں اور کوئی مضمون نہ لکھیں میں سب حضرات سے بالخصوص حضرات دیوبند سے درخواست کرتا ہوں کہ اب کوئی صاحب اسکا قصد نہ فرمائیں اور جماعت میں مزید انتشار نہ پیدا کریں ـــــ میں نے ایک مضمون لکھا ہے جسکو ذیل میں درج کرتا ہوں ۔ اسکو بغور پڑھیں ۔

وصی اللہ عفی عنہٗ مقام فتحپور تال نرجا

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۔ امابعد ۔ ناظرین باتمکین کی خدمت میں بصد ادب عرض ہے کہ میرے متعلق کسی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے تو میں تو ضرور صوفیائے کرام کا بدنام کنندہ ہوں انکی ایک بات بھی اپنے اندر نہیں پاتا لہٰذا میرے متعلق تو یہ بالکل صحیح ہے میں اسکے لیئے صرف کہتا ہوں کہ ع

بدم گفتی وخرسندم عفاک اللہ نکو گفتی

جب میں یہ سمجھتا ہوں تو میرے متعلقین محبین کو کیا حق پہونچتا ہے کہ اسکے خلاف سمجھیں یا کریں

باقی درباب حضرات اکابر جو کلام کیا گیا ہے انکا اسمیں کچھ ضرر نہیں کہ وہ سب دنیا میں نہیں ہیں۔ اب جو حضرات انکے معتقدین ہیں ان پر برا اثر نہیں پڑ سکتا اور جو معتقدین نہیں ہیں وہ جواب سے بھی مطمئن نہیں ہونگے۔ لہٰذا انکی طرف سے جواب دینا میرے خیال میں بیکار ہے۔ رہا بعض حضرات کا یہ کہنا کہ کچھ لکھکر رفع اشتباہ کیا جائے تاکہ جماعت میں بُعد نہ ہو تو میرا خیال ہے کہ جواب دینے ہی میں بُعد ہے والسلامۃ فی السکوت۔

اس سے زیادہ کلام کرنے کو مضر سمجھتا ہوں البتہ نصح نصیح کے طور پر بصد ادب اتنا ضرور عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر متبوع اپنے متعلقین کی اصلاح کرے اور اپنے متعلقین میں خلوص پیدا کرنے کی کوشش کرے، اور اپنے متعلقین کو ہر متبوع سختی کے ساتھ دوسرے متبوع بلکہ اسکے متوسلین کی اہانت و بے ادبی و ترک تکریم سے منع کرے اور دل سے منع کرے اور اس میں کسی قسم کی رعایت و مروت کو ہرگز دخل نہ دے اور جو اسکے خلاف کرے اسکو اپنے یہاں سے نکالدے۔ اسکے سوا باہمی ایتلاف کی کوئی صورت نہیں۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت پائیدار

وصی اللہ عفی عنہٗ مقام فتحپور تال نرجا

ملاحظہ فرمایا آپنے حضرت والا کی یہ تحریر۔ اب اسکے بعد اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنے کی نہ ضرورت تھی نہ اجازت ہی تھی اسلئے جواب اور اعتراض سے صرف نظر کرکے محض گذارش احوال واقعی کے طور پر اظہار واقعہ مناسب معلوم ہوا تاکہ آئندہ کوئی اللہ کا بندہ اللہ والوں کیجانب سے کسی بدگمانی اور اسکی وجہ سے بدزبانی کا شکار نہو اسی کو میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ ایک غلط فہمی کا ازالہ کردینا چاہتا ہوں مگر بات میں بات نکلتی ہی آئی اور ہنوز اسکی نوبت نہ آسکی بہرحال اس سلسلہ میں یہاں صرف دو باتیں عرض کرونگا ایک تو یہ کہ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کا خلق اور حضرت والا ہی کے ارشادات سے حضرتؒ کی افتاد طبع ناظرین کیخدمت میں پیش کرونگا۔ دوسرے ان اعظمی مولوی صاحب کا مفصل خط جو انھوں نے حضرت فتحپوریؒ کو لکھا نقل کرونگا اسکے مطالعہ کے بعد آپ اس فیصلہ پر مجبور ہونگے کہ حضرت والا کا جواب عین صواب تھا اور اقتضاء طبع کی جہت سے نہ تھا بلکہ مقتضائے حال کے مطابق تھا ــــ اب ان میں سے پہلی بات سنیئے :ــ

حسن اتفاق کہ جن دنوں یہ سطور لکھ رہا تھا جمعہ کے دن حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کی مجلس میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ اسدن جناب قاری صاحب مدظلہ نے رسالہ معرفت حق سے ایک مضمون سنایا جس سے میں نے اپنے طور پر یہ سمجھا کہ یہ حضرت اقدس رح کی روحانی توجہ ہے گویا اشارہ فرمایا جارہا ہے کہ میری ان باتوں کو بھی تو لوگوں کو پہونچاؤ تاکہ میری طبیعت کا انکو صحیح اندازہ ہو جائے۔ اور واقعی ہے بھی یہی بات کہ کسی کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے اسکی پوری زندگی کے حالات کا سامنے ہونا ضروری ہے محض ایک واقعہ سے کسی کی افتاد طبع کا پورا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

(حضرت مصلح الامۃ رح کے چند ارشادات

جن سے حضرت والا کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے

(۱) فرمایا کہ ــــ میں اس قسم کی باتیں اسلئے کرتا ہوں تاکہ لوگوں کو طریق بتاؤں باقی یہ راستہ کھلتا اسی پر ہے جس پر اللہ تعالیٰ کھولتے ہیں۔

(۲) فرمایا کہ ــــ صلاح کے مختلف درجے ہیں۔ ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی نماز روزہ کرتا ہو لیکن جیسی صلاح بزرگوں کو حاصل ہوئی ہے ویسی تمہیں حاصل نہ ہوگی۔ اسی کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ دوسرے تھے اور آپ لوگ دوسرے ہیں۔ کچھ آپ لوگوں کی توہین تھوڑے ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اور آپ لوگوں میں رہ کر آپ کی توہین کیسے کر سکتا ہوں؟ مگر یہ سب نہ کہوں اور فہم نہ سکھاؤں تو کیا کروں؟

(۳) فرمایا کہ ــــ میں جو کبھی کبھی کچھ تیز کہدیتا ہوں تو اسکی وجہ یہ ہے کہ لوگ میرے پاس اسی غرض سے آتے ہیں یعنی مجھ سے اصلاح کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اسلئے (ضرورۃً) کبھی کچھ تیز بھی کہدیتا ہوں۔ چنانچہ آپ لوگوں سے صاف کہتا ہوں کہ کوئی صاحب یہاں سے جاکر میری نقل نہ اتاریں، اسکی اجازت نہیں دیتا (اسکا مطلب یہ ہے کہ میں اگر کبھی سخت

کہتا ہوں تو اسکا موقع محل سمجھکر کہتا ہوں جس سے فائدہ ہوتا ہے اور اگر کوئی دوسرا جو ابھی عارف کامل نہیں ہے اور نفس سے نہیں چھوٹا ہے ایسا کریگا تو اسکے سخت کہنے سے فساد پیدا ہوگا اس لئے قاصر البصیرت کے لئے نرمی متعین ہے)۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت والا کے ان ارشادات کو، خود خیال فرمایئے کہ شدت اور تیزی جسکی افتاد طبع ہوگی وہ خود اپنے فعل کی مصلحت اور حکمت کہیں اسطرح سے بیان کرے گا۔ اور سنیئے:۔

(۴) فرمایا کہ ــــــ ایک صاحب مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میرے ایک دوست نے آپ کے متعلق ایکدن مجھ سے کہا کہ میں تو اُن کا معتقد ہوگیا ہوں انھوں نے کہا کہ خیر یہ تو بڑی اچھی بات ہے مگر یہ تو بتاؤ کہ آخر کس بات کیوجہ سے انکے معتقد ہوئے؟ کہا کہ کسی پر طنز وطعن اشارۃً وکنایۃً بھی نہیں کرتے انکی یہ چیز مجھکو بہت پسند آئی اسی لیے مجھے عقیدت ہوگئی۔ میں نے سنا تو کہا کہ بھائی اب میں سب کو ایک طرف سے بُرا بھلا کہنے لگوں آخر یہ کیا طریقہ ہے؟ باقی لوگوں کی اصلاح کی غرض سے اگر انکو کچھ تیز بھی کہدیا جائے تو لوگوں کو بُرا نہ ماننا چاہیئے باقی شرط یہی ہے کہ کہنے والے میں اخلاص ہو، لیکن اگر اخلاص ہی نہ ہو تو آپ اگر نرم بات بھی کہیں اور ہزاروں ہزار آدمی گرد جمع دیکھیں تو اسکا کچھ اعتبار نہیں۔ قیامت میں اس عدم اخلاص پر پرسش ہو جائیگی۔ میں آنے والوں کو کام پر لگانا چاہتا ہوں اسلئے کبھی کبھی کچھ کہدیتا ہوں ورنہ مجھے کیا ہوگیا ہے کہ لوگ تو میرے پاس اصلاح کیلئے آویں اور میں انکو نفرت دلاؤں۔ اسلام میں یہ طریقہ نہایت ناپسند ہے۔ (وَلاتنفروا ارشاد نبوی ہے)

(۵) فرمایا کہ ــــــ میں تو سمجھتا ہوں کہ علماء ومشائخ مستقل نہیں ہیں اگر سیاست بھی کریں گے تو حد شرع کے اندر ہی کرسکیں گے۔ یعنی جتنی اجازت اللہ ورسول کی طرف سے ملی ہوئی ہے اتنی ہی کرسکتے ہیں اسپر زیادتی جائز نہیں ہے۔ غرض ہم لوگوں کیلئے بڑی مشکلات ہیں۔ یعنی یہ کہ اب لوگوں کے ساتھ کوئی معاملہ کریں تو اس میں ہم آزاد نہیں ہیں اور نہ مستقل ہیں آپ بھی یہ سمجھ لیں تو معاملہ بہت آسان ہو جائے۔ لیکن آپ لوگ

سمجھتے ہیں اپنے آپ کو آزاد ہی نہ ہماری رعایت آپ کے پیش نظر ہے نہ شریعت ہی کی۔ اور یہ رعایت اسلئے نہیں کرتے ہیں کہ مشائخ کی معرفت نہیں ہے۔ محبت تو ہوتی ہے اسلئے کہ وہ آسان ہے مگر مشکل جو آپ کو پڑتی ہے وہ معرفت میں اسلئے کہ معرفت کسی کی آسان نہیں ہے۔

(٦) فرمایا کہ ——— اب تمہاری ظاہری صورت کو دیکھکر ہم تم کو عارف سمجھ لیں تو واقع میں تم عارف تھوڑا ہی ہو جاؤ گے۔ کوئی حاصل کرنے والی چیز جب حاصل کیجاتی تب ہی ملتی ہے اور اسکے لئے نفس کو مارا جاتا ہے۔ اب چاہتے ہو کہ نفس کو کھلی لئے رہو اسکی پرورش کرو اور پھر پا جاؤ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جانتے ہو تمہارا راستہ کس چیز نے بند کیا ہے؟ تمہارے عدم خلوص نے، اسی نے تم کو روکا ہے۔ تمہارے پیر میں زنجیر عدم خلوص کی لگی ہوئی ہے۔ نہیں سنا ہے کہ ؎

در میخانہ وا ہے سب کے لئے | بابِ رحمت کھلا ہے سب کے لئے
خوانِ نعمت بچھا ہے سب کے لئے | شرط لیکن وفا ہے سب کے لئے

میں کہتا ہوں خدا سب کیلئے ہے۔ دین سب کے لئے ہے۔ اسی طرح سے جو اس کی شرط ہے یعنی اخلاص وہ بھی سب کے لئے ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت مصلح الامۃؒ کا ذاتی خُلق، نیز حسن خلق کا لحاظ اور خوف خالق کا استحضار کہ کسی کے ساتھ کوئی معاملہ فرماتے تو حدود شرع کا برابر لحاظ رہتا اور یہ امر پیش نظر رہتا کہ یا اللہ تیرے اس بندہ کے ساتھ جو معاملہ کیا گیا ہے وہ محض اسکی اصلاح کی خاطر اور تیرے حکم کے ماتحت کیا گیا ہے ورنہ تو نہ یہ شخص میرا ذاتی مجرم تھا اور نہ میں ہی اس باب میں مستقل ہوں۔ اب خیال فرمایئے کہ جو ذات اس درجہ حدود کا لحاظ رکھنے والی ہو وہ اصلاح کے باب میں اقتضاء طبع کی اسیر کیوں رہیگی۔

بیان کے طول اور ناظرین کے ملول ہونے کے خیال سے یہاں چند ارشادات پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ تو حضرتؒ کے حالات زندگی میں ترحم علی الخلق اور شفقۃ علی الامۃ اور حق تعالیٰ سے خوف و خشیۃ کے بیشمار واقعات موجود ہیں جن پہ صفحات معرفت

شاہد ہیں ۔ یہاں تک تو ایک چیز کا بیان ہوا ، رہی دوسری چیز جو مجھے بیان کرنا ہے وہ
وہ ان مولوی اعظمی صاحب کا مفصل خط ہے جو حضرت والاؒ کے نام آیا لیکن قبل اس کے
کہ اسے پیش کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور سالک کا خط اور اسکا جواب ناظرین
کی خدمت میں پیش کردوں جو کہ ایک بڑے جزو میں ان اعظمی صاحب کی مکاتبت کے مشابہ
ہے ۔ اس کے مطالعہ سے ناظرین کرام کو طریق کی نزاکت اور نفس کی خفیہ شرارت کا کسی قدر
اندازہ ہو جائے گا نیز یہ کہ شیخ کے لئے (مریدین کی اصلاح کے باب میں) کیسی حذاقت کی
ضرورت ہوا کرتی ہے ۔ نیز یہ بھی سمجھ میں آجائے گا کہ ان مولوی اعظمی صاحب کو حضرت اقدسؒ
کا یہ جواب مرحمت فرمانا کہ ؎

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا   سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا

عین صواب بلکہ غیرتِ طریق پر مشتمل تھا یعنی اگر ان حالات میں یہ جواب نہ دیا جاتا تو باب
تربیت میں خیانت اور سلوک و تسلیک میں مداہنت ہوتی ۔ اب ان سالک کا خط اور
حضرتؒ کا جواب ملاحظہ فرمائیے ۔ ان سالک صاحب کا یہ واقعہ ہوا تھا کہ یہ صاحب پہلے
ایک اور بزرگ سے متعلق تھے شیخ کی وفات کے بعد ہمارے حضرت اقدسؒ سے متعلق
ہوئے اور عرصہ تک حضرت والاؒ سے تعلق رہا حتیٰ کہ ادھر سے اعتماد کا یہ حال ہو چکا تھا
کہ قریب ہی تھا کہ حضرت والاؒ ان پر اعتماد کر کے انکو اپنا معتمد علیہ فرما دیتے کہ انھوں نے
از روئے طریق کے اپنے میں خاطر خواہ فائدہ نہ محسوس کر کے ایک مرتبہ اسکی وجہ خود ہی
ڈھونڈھ نکالی اور اس پر بہت خوش ہو کر بڑے ترنگ کے ساتھ حضرت والاؒ کو اپنا یہ حال لکھا

(اُن سالک صاحب کا عریضۂ حال حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

حال : اس گذشتہ مدت میں مجھے ایک عظیم بصیرت حاصل ہوئی جس نے مجھے ایک
نیا زاویہ بخشا ہے ۔ اس بصیرت کو عام کرنا بھی ضروری ہے ایک بڑی مخلوق اس سے فیض یاب
ہو سکتی ہے وہ بصیرت یہ ہے کہ :۔
میرے دل میں حضرت صاحبِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی (یہ انکے شیخ اول تھے)

محبت کا اتنا غلبہ تھا کہ مقصود بھی نگاہوں سے اوجھل ہوچکا تھا۔ اب حضرتؒ کے انتقال کے بعد حضرت والا کی معرفت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تو بھی ایک عرصہ دراز تک حضرت صاحبؒ کے خیال میں محور ہا اور اس محبت کو حرزِ جاں بنائے رکھا اور یہ چیز حضرت والا سے اکتسابِ فیض کے سلسلہ میں سخت مانع بن گئی۔

تحقیق: پھر وہ معرفت کہاں باقی رہی؟

حال: اب جبکہ آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ جب تک کامل توجہ کسی ایک بزرگ کے ساتھ وابستہ نہ کیجائے کما حقہٗ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔ چنانچہ اسکا اثر یہ ہوا کہ اب میری وہ محبت غالب نہیں بلکہ مغلوب ہوگئی

تحقیق: معلوم نہیں کہاں تک اس میں صحت ہے!

حال: اب حضرت (مرشداول) صاحبؒ کی طرف التفات تامہ کی نوعیت بھی نہیں رہی۔

تحقیق: مگر ناقصہ اب بھی ہے، اور شاید وہ ناقصہ ہمارے اعتبار سے تامہ ہی ہو۔

حال: اب حضرت والا کا وجود مقدّم بن گیا ہے۔

تحقیق: مقدّم کا کیا مطلب؟

حال: اس سے قبل جو عرصہ گذرا وہ اس اصول سے متصادم تھا کہ افادہ کے لئے تو بس ایک ہی ذات ہونی چاہیئے جو بلا شرکت غیرے ہو۔ یہ بات بڑی دیر کے بعد سمجھ میں آئی ہے۔

تحقیق: اگر اب بھی سمجھ میں آگئی ہو تو یہ دیر بھی سویر ہے۔

حال: حاصل یہ کہ اسوقت جو کمی رہی اسکا باعث حضرت صاحب ثانی (مرشداول) کی یاد اور اُدھر ہی کا التفات تھا۔

اگر میری یہ بصیرت واقعی بصیرت ہے تو حضرت والا اس پر صاد فرما کر ممنون فرمادیں اور اگر کوئی اور امر باعث تھا (یعنی اب تک کے عدم نفع کا) تو حضرت والا مطلع فرما کر مشکور فرمادیں۔

(حضرت والاؒ کا جواب باصواب)

آپ نے اس خط میں اپنی بصیرتِ عظیم کا ذکر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ چیز حضرت والا سے اکتساب فیض کے سلسلہ میں سخت مانع بن گئی اس کے متعلق کہتا ہوں کہ آپکو مجھ سے نفع ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مجھکو تو آپ سے نفع ہوا اور وہ یہ کہ بہت بہت دنوں تک تعلق رکھنے کے بعد بھی ہو سکتا ہے کہ انسان میں خلوص نہ پیدا ہوا ہو۔ اور تعلق واخلاص واعتقاد (جو ظاہر کیا گیا ہے) محض رسمی اور ظاہری رہا ہو۔ آپ نے مجھے کیسے کیسے خطوط لکھے اور میری کیسی کیسی تعریفیں کیں جو مجھے یاد ہیں لیکن اتنے دنوں کے بعد اب معلوم ہوا کہ صرف ظاہری تعلق مجھ سے تھا اور دل کسی اور سے متعلق تھا۔ اس کا نام تو طریق نہیں ہے۔ آپ فیض مجھ سے حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اسکی جو شرط اول ہے وہی غائب! حصول فیض کا یہ طریقہ کب رہا ہے؟ اسی کو کہہ رہا ہوں کہ آپ سے مجھکو فائدہ ہوا وہ یہ کہ اس کا اندازہ ہو گیا کہ کسی کے محض ظاہری تعلق اور مدح سے عقیدت قلبی کا ہونا ضروری نہیں۔

آپ کو غالباً اپنے طلب ہی کی کمی کیوجہ سے یہ بھی نہیں معلوم کہ طریق میں "وحدت مطلب" حضرات صوفیاء کے یہاں کا ایک اہم مسئلہ ہے یعنی جائے طلب ایک ہونا چاہیئے۔ اور جس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے کہ ساری خدائی میں کوئی اسکا شریک نہیں اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو کہ اس کا طریق ہیں) ایک ہیں۔ کسی زوجہ کا شوہر ایک ہوتا ہے اسی طرح سے مشائخ لکھتے ہیں کہ مرید کا پیر بھی ایک ہونا چاہیئے۔

تعجب ہے کہ آپ نے اتنے دنوں سے اس امر کو مخفی رکھا اور اپنا وقت ضائع کیا۔ بزرگوں کے پاس بھی رہے اور آداب طریق سے بھی واقف نہ ہو سکے۔ اسکے متعلق اب اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

(اس سلسلہ میں اُن مولوی صاحب کو یہ تحریر لکھی گئی)

(آپ کے خط کا جو جواب گیا ہے وہ میرا ذاتی عندیہ نہیں تھا بلکہ آپ ہی کے خط سے آپ کا جو عندیہ مفہوم ہوا اسکا جواب تھا۔ چنانچہ اس خط سے جو مترشح ہوا اسکا وہی جواب متعین تھا جو یہاں سے گیا۔

اب آپ اپنی اس تحریر پر نظرِ ثانی کر کے خود غور فرمائیں کہ کیا اس سے صاف یہ نہیں معلوم ہو رہا ہے کہ صاحب تحریر خود اپنی اس محبت کو حد سے زیادہ محسوس کر رہا ہے حالانکہ مقصود ہی اسکی وجہ سے مستور ہو کر رہ گیا ہے! پھر جب یہ حال ہو تو کیا مصلح پر یہ لازم نہیں کہ اسکو اسکی گمراہی پر مطلع کرے اور یہ کہدے کہ بیشک عدم نفع کا یہی سرچشمہ ہے۔

آپ نہیں بتا سکتے کہ میں نے اس سے قبل کبھی آپ کو اس قسم کی تحریر لکھی ہو۔ مجھے ان سب فروعات سے سروکار کیا؟ آپ کو اپنے شیخ اول یا ثانی سے محبت ہو تو ہو لیکن آپ کیلئے یہ کب زیبا ہے کہ اسکا اسطرح ذکر آپ مجھ سے کریں؟ جس کا صاف مطلب یہ ہوتا ہے کہ تم سے اتنی محبت نہیں ہے۔

کسی عورت کا نکاحِ ثانی ہوا ہو تو اگر وہ زوجِ ثانی سے ہمیشہ یہی کہتی رہے کہ میرا پہلا شوہر ایسا تھا ایسا تھا تو آپ سے پوچھتا ہوں کہ انصاف سے بتائیے کہ اس شوہر پر اسکے سوا کیا کچھ اور اثر بھی پڑ سکتا ہے کہ اچھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورت مجھکو اتنا بھی نہیں مانتی جتنا اپنے پہلے شوہر کو مانتی تھی اور اسکے قلب پر کچھ برا اثر پڑے گا یا نہیں؟

بس یہی حال یہاں بھی سمجھئے کہ مشائخ کو بھی غیرت ہوتی ہے اور وہ مرید کے حق میں مضر سمجھکر اس پر سخت مواخذہ فرماتے ہیں۔

محبت کسی کی دل میں ہو تو رکھیئے مگر اسکے لئے یہ کیا ضرور کہ آپ اسطرح سے اسکا اظہار کرتے رہیں (بالخصوص اپنے شیخ ہی سے اسکی آخر کیا ضرورت ہے؟)۔

راقم عرض کرتا ہے کہ الحمد للہ حضرت والاؒ کے اس ارشاد سے ایک بڑی ضیق

رفع ہوئی وہ یہی کہ بسا اوقات انسان کو اپنے شیخ اول سے ایسی عقیدت اور اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ واقعی قلب سے اسکا ازالہ دشوار ہی ہوتا ہے۔ اب انسان شیخ ثانی سے تعلق کرنے کے بعد کس طرح سے خود کو قطعی یکسو کرلے اور کیونکر اسکو اپنے سے بالکلیہ زائل کردے، اگر طریق میں یہ لازم ہے تو اسمیں شک نہیں کہ یہ تو تکلیف مالا یطاق کے قبیل کی شئے ہوئی جاتی ہے

حضرت مصلح الامۃؒ کے ارشاد بالا سے معلوم ہوا کہ محبت کسی کی بھی ہو تو ہو سکتی ہے اور یہ مضر بھی نہیں ہے بس یہ کہ اسکے اندر انہماک نہ ہو اور سالک کو اسے ہر ایک سے ہر وقت گاتے نہیں پھرنا چاہئے بالخصوص اپنے شیخ کے سامنے تو کسی دوسرے شیخ کے تعلق کو ظاہر ہی نہیں کرنا چاہیئے چہ جائیکہ اسکا اسطرح سے ذکر کرنا جس سے یہ معلوم ہو کہ اس غیر کا تعلق غالب ہے اور جس کو شیخ بنایا ہے یا بنانا چاہتا ہے اسکا تعلق مغلوب ہے یہ تو شرک فی الطریق ہی ہے اور اگر کہیں کوئی طالب ایسے الفاظ لکھدے جس سے کسی دوسرے شیخ سے عقیدت و محبت کا تو ثبوت ہو رہا ہو اور جس سے بظاہر طالب فیض ہو رہا ہے اس سے تعلق محبت و عقیدت ان سب کا انکار مفہوم ہوتا ہو تو اسکی شناعت اور قباحت کا اندازہ خود ہی فرما لیجئے ــــ مذکورہ بالا سالک کے عریضہ سے تو شرک فی الطریق ہی کا حال معلوم ہوا، لیکن ان اعظمی مولوی صاحب کے خط میں آخری شق یعنی حضرتؒ سے اعتقاد کا بالکل ہی انکار صراحۃً مذکور ہے جیسا کہ ناظرین کرام اگلی ملاحظہ فرمائیں گے ــــ بہر حال اس مکاتبت کا خلاصہ یہ سمجھ میں آیا کہ :-

۱۔ کسی بزرگ سے محبت کا ہونا اور چیز ہے اور اس سے عقیدت کا ہونا اور بات ہے اور سلوک کے لئے قلبی عقیدت اور دلی مناسبت کی ضرورت ہے نری محبت کافی نہیں۔

۲۔ جب تک کامل توجہ کسی ایک بزرگ کے ساتھ نہ وابستہ کیجائے سالک کو طریق میں نفع تام نہیں حاصل ہوتا (اسی کو ان سالک صاحب نے خود بھی "عظیم بصیرت" کے عنوان سے تعبیر فرمایا ہے۔) اور اسی بات کو مولانا مفتی محمود حسن صاحب مدظلہ نے بھی اپنے خط میں "وحدت مطلب" سے تعبیر کیا تھا اور اسی کو ہمارے حضرت مصلح الامۃؒ نے فرمایا ہے کہ "وحدت مطلب" حضرات صوفیاء کے یہاں کا ایک اہم مسئلہ ہے یعنی جا طلب ایک ہونی چاہیئے اور جسطرح اللہ تعالیٰ ایک ہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں، بیوی کا شوہر ایک ہوتا ہے اسی طرح سے مرید کا پیر بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔

اب آپ سے کیا عرض کروں! یہ بات جس قدر واضح ہے عجیب معاملہ ہے کہ اسی قدر لوگوں کے گلے کے نیچے مشکل سے اترتی ہے اور یہ کچھ آج ہی نہیں ہر زمانہ میں لوگ عملاً اسکے سمجھنے سے اور اسکے مطابق عمل کرنے سے قاصر رہے۔ مگر حضرات مشائخ بھی قولاً ہمیشہ انکو سمجھاتے ہی رہے ہیں چنانچہ اسی مسئلہ کی مزید وضاحت زمانۂ حال کے ایک نقشبندی بزرگ حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ پھولپوری (پرتاپگڈھی) کے الفاظ میں سنیئے! سالک کے لئے یکسوئی اور اطاعتِ شیخ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"مولانا خالد کردیؒ شام سے جب شاہ غلام علی صاحبؒ کی خدمت میں کسب فیض کیلئے دلی آئے تو گو وہ بڑے آدمی تھے مگر شاہ غلام علی صاحبؒ نے انھیں خلوت میں رہنے کا حکم دیا۔ وہ شیخ کے حکم کی بنا پر خلوت نشین ہوگئے اور درس و تدریس اور تلاوت کا سلسلہ بالکل بند کردیا۔ صرف نماز کے وقت نکلتے تھے۔

جب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب (محدث دہلویؒ) کو انکی آمد کا علم ہوا تو انکے علم وفضل کی بنا پر اُن سے ملنے آئے اور اطلاع دی لیکن خالد کردی نے ملاقات سے معذرت کردی اور یہ کہہ دیا کہ جب اس کام کی تکمیل سے فارغ ہوجاؤں گا جسکے لئے حاضر ہوا ہوں تو خود ہی حاضر خدمت ہونگا۔"

یہ واقعہ سنا کر مولانا (پرتاپگڈھی مدظلہ) نے فرمایا کہ اب کوئی ظاہر پرست اگر اس پر اعتراض کرے کہ شاہ صاحبؒ اتنے بڑے آدمی تھے اور ان سے وہ (یعنی خالد کردی) ملے نہیں (تصوف میں اسی قسم کے اخلاق کی تعلیم دی جاتی ہے کیا؟) تو (اسکا جواب یہ ہے کہ) اصل بات یہ ہے کہ صوفیہ کے یہاں ایک چیز ہوتی ہے "توحید مطلب" یعنی جب تک سلوک کی تکمیل نہ ہوجائے اسوقت تک ایک شیخ سے تعلق رکھنا ضروری ہے اگر ایسا نہیں ہوگا تو وہ ڈانواڈول ہوگا اور یہ چیز تکمیل میں مضر ہوگی۔ تکمیل کے بعد وہ جس سے چاہے ملے اور جس کی خدمت میں چاہے جائے۔ (شاہ

عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ) بھی بڑے آدمی تھے مولانا خالد کردی انکو پہلے سے جانتے تھے اسلئے انھوں نے سوچا کہ اگر اسوقت ملوں گا تو ممکن ہے کہ شاہ صاحب کی طرف میلان ہو جائے تو پھر جس شیخ سے استفادہ کے لئے اتنی دور سے آئے ہیں ان سے فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے انھوں نے معذرت کر دی۔ (انتہی کلامہ)۔

راقم عرض کرتا ہے کہ دیکھئے ہر زمانہ میں ہر سلسلہ کے بزرگ ایک ہی بات کرتے آئے ہیں اور کیوں نہ فرمائیں حق تعالےٰ کے طریق کا اصول سب کے لئے ایک ہی ہے۔ اور یہ "وحدت مطلب" بھی طریق کی ایک بڑی اصل ہے۔ بہرحال عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ جب لوگوں میں کام طریقہ سے کرنے کا رواج تھا تو انکو نفع بھی ویسا ہی ہوتا تھا اور آج یہ حال ہے کہ جو چیز کہ طریق کی اہم ترین شرط شمار کیجاتی تھی یعنی ہر مرید کے لئے تقریباً لازم سی تھی وہ آج اس شخص کی بدخلقی کی علامت اور کج روی کی نشانی قرار دی جاتی ہے اگر یقین نہ ہو تو اس زمانہ میں اپنے شیخ کی جانب ذرا یکسو ہو کر یعنی "وحدت مطلب" پر عمل کر کے دیکھ لیجئے کہ قوم کے کچھ جاہل اور ان پڑھ نہیں بلکہ پڑھے لکھوں کی جانب سے کن کن خطابات سے آپ کو نوازا جاتا ہے۔ یقین نہ ہو تو تجربہ کر لیجئے۔

الغرض آپ اس خلاصہ کو پیش نظر رکھئے اور ان اعظمی صاحب کا مفصل خط جو انھوں نے حضرت اقدسؒ کو لکھا تھا اسے بھی ملاحظہ فرمایئے (وہ خط آگے آرہا ہے) پھر اسکے بعد حضرت مصلح الامۃؒ کے جواب کو سامنے رکھکر خوب تولئے تو انشاءاللہ آپ کو اسمیں اُس قسم کی ذرا بھی الجھن پیش نہیں آئیگی جیسی کہ ان محشی صاحب کو پیش آئی۔ اور وجہ اسکی یہی معلوم ہوتی ہے کہ محشی نے اس مکتوب کا جو شان نزول بیان فرمایا ہے وہ نہایت ہی ناتمام ہے اب نہیں کہا جاسکتا کہ آیا انکو اتنا ہی معلوم تھا یا طوالت کے خوف سے یہاں باقی حصے کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن حضرت اقدس مصلح الامۃؒ کا جواب ان مولوی صاحب کے جس حصۂ تحریر سے متعلق تھا اسکا تو بہرحال سامنے لانا ضروری ہی تھا کیونکہ جب تک اصل بات سامنے نہ ہو دوسروں کے لئے جواب کا انطباق بھلا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ پھر اسکی وجہ سے وہ جس غلط فہمی میں نہ پڑ جائے کم ہے۔ قرین قیاس تھا کہ اگر سائل کی پوری بات سامنے ہوتی تو شاید اس غلط فہمی کی نوبت ہی نہ آتی اس موقع پر سوائے اسکے اور کیا عرض کروں کہ ؎

وَاِن کُنتَ لاتَدرِی فَتِلکَ مصیبۃٌ — وَاِن کُنتَ تَدرِی فالمصیبۃ اعظم

یعنی اگر آپ کو اصل واقعہ کا علم ہی نہیں تھا تو ستم ہی کیا کہ بدون علم حاصل کئے ہوئے اتنی سخت بات کہدی اور ایسا سخت حکم لگا دیا اور اگر علم تھا تب تو معاملہ کی نوعیت اور سنگین ہو جاتی ہے کہ جان بوجھکر ایسا کیوں کیا ۔؟ اپنے حضرت مصلح الامۃؒ سے سنا فرماتے تھے کہ کوئی شخص بالفرض تعظیم وتکریم کا مستحق نہ بھی ہو اور کوئی انسان اسکی تعظیم کرلے تو یہ اتنا بُرا اور مضر نہیں ہے جتنا کہ یہ بُرا ہے کہ کوئی لائق تعظیم وتکریم ہو اور اسکی تعظیم فوت کردی جائے ۔ اللّٰھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہٗ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہٗ ـــــــ اب اس کے بعد ان مولوی اعظمی صاحب کا مفصل خط ملاحظہ فرمایئے :۔

اعظم گڈھ کے اُن مولوی صاحب کا خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام

(مولوی صاحب نے اپنی اس کیفیت سے مولانا مدنی کو بھی مطلع کیا)

زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حضرت مولانا دامت برکاتہم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ ان دنوں یہ کیفیت رہی ہے کہ کئی دفعہ بحالت خواب شب کو حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی دامت برکاتہم کی مجلس میں اپنے کو پایا ٹھیک اسی دن ایسا اتفاق ہوتا تھا کہ حضرت والا کی مجلس میں فتحپور تال نرجا حاضری دیتا تھا اور جب حضرت والا کے قریب ہوتا تو اپنے میں بہت بُعد اور دوری پاتا اور جب گھر آتا تو بہت ہی قریب تر پاتا تھا ۔

الغرض شب میں بحالتِ خواب مولانا مدنی کی مجلس میں اور دن کو بحالت بیداری جناب والا کی مجلس میں پھر قرب میں بُعد اور بُعد میں قریب تر ۔

احقر نے اس کیفیت کو حضرت شیخ استاذ المحترم مولانا حسین احمد صاحب کی خدمت میں بھی لکھکر بھیجا جس کا جواب گرامی یہ ہے :۔

(شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ کا جواب مولوی اعظمی صاحب کے نام)

(حضرت مصلح الامۃؒ کو بھی جس کی اطلاع کی گئی)

والانامہ کاشفِ احوال ہوا جواباً گذارش ہے کہ میں جناب سے دور ہوں مولانا وصی اللہ صاحب آپ سے قریب ہیں لہٰذا جناب انکی خدمت میں حاضری دیا کریں اور اُن سے ہی بیعت ہو جائیں تاکہ منازلِ سلوک کے طے کرنے میں سہولت ہو دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ جناب کے مقاصد پورے فرما دیں۔ دعا میں فراموش نہ فرمائیں۔

(مولانا) حسین احمد (بقلم اصغر علی) دیوبند ۱۴؍۳؍۷۱ھ

راقم عرض کرتا ہے کہ غالب گمان یہ ہے کہ محشی صاحب کی مرادشان نزول سے یہی تفصیل رہی ہوگی جو ان مولوی صاحب نے حضرت والاؒ کو لکھی یہی انھوں نے ان سے بھی بیان کیا ہوگا لیکن روایت کا اختلاف ملاحظہ فرمایئے کہ بات کتنی بدل گئی ـــــــــــ محشی صاحب کا ایک جملہ یہ تھا کہ "مولوی اعظمی صاحب خواب میں اپنے کو کبھی شیخ الاسلامؒ کی بارگاہ میں حاضر پاتے اور کبھی مولانا وصی اللہ صاحب کی مجلس میں پاتے" ـــــ اس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ دونوں جگہ کی حاضری گویا خواب ہی میں ہوتی تھی! حالانکہ اوپر مذکور ہوا ہے کہ وہ شب میں بحالتِ خواب مولانا مدنیؒ کی مجلس میں خود کو پاتے اور دن کو بحالت بیداری حضرت مصلح الامۃ کی مجلس میں ہوتے تھے ـــــ اب ان دونوں باتوں میں کتنا فرق ہے؟

دوسرا جملہ محشی صاحب کا یہ تھا کہ ـــــــ "مگر ان دونوں مجلسوں کا اثر یہ ہوتا تھا کہ شیخ الاسلام کی بارگاہ میں قُرب اور مولانا وصی اللہ صاحب سے بُعد کی کیفیت محسوس ہوتی تھی"۔ محشی صاحب نے گویا قُرب کو مولانا مدنیؒ کے ساتھ اور بُعد کو حضرت مصلح الامۃؒ کے ساتھ خاص کر دیا۔ حالانکہ حضرتؒ کے نام والے خط میں مولانا مدنیؒ کے یہاں قُرب کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے بلکہ قرب و بعد دونوں ہی کیفیتوں کو حضرت مصلح الامۃؒ ہی کے یہاں پیش آنے والی اپنی دو حالتوں کے ساتھ انھوں نے بیان کیا ہے۔ یعنی یہ کہ آپ سے جب جسماً قریب ہوتا ہوں تو باطناً اپنے کو دور پاتا ہوں، اور جب

آپ سے قالباً بعید ہوتا ہوں تو قلباً آپ سے خود کو قریب تر پاتا ہوں ـــــــ کہاں وہ بات کہاں یہ بات ! (اب بقیہ خط ملاحظہ فرمائیے) آگے انھوں نے اس سلسلہ میں حضرت مصلح الامۃؒ کو لکھا کہ احقر نے (مولانا مدنی) کو اسکے جواب میں لکھا کہ

(مولوی اعظمی صاحب کا دوسرا خط مولانا مدنیؒ کے نام)

(یہ خط بھی حضرت مصلح الامۃؒ کے نام والے عریضہ کا جزو تھا)

بعد از سلام ۔ رات میں نے ایک پریشان کن خواب دیکھا آنکھ کھل گئی ۔ حیران تھا اور اسی حیرت میں دوکان پہونچا تو حضرت والا کا جواب گرامی ملا ۔ پڑھکر میں تھوڑی دیر سکتہ میں پڑگیا اور دل و دماغ کی پریشانی بڑھ گئی ۔ بایں وجہ کہ اصلاحی سلسلہ میں میں اپنے کو حضرت والا ہی کے سپرد کر چکا تھا ۔ اور عقیدت و ارادت حضرت والا ہی سے ہے ۔ اسی بنا پر قلبی میلان بھی حضرت والا ہی کی طرف ہے ۔ مکتوب گرامی سامنے ہے مگر قلبی میلان کو کیا کروں ؟

(مولانا مدنیؒ کا دوسرا خط مولوی اعظمی صاحب کے نام)

بعد از سلام ۔ والا نامہ پہونچا ۔ احوال معلوم ہوئے ۔ میں عریضۂ سابق میں عرض کر چکا ہوں کہ آپ انکی (یعنی مولانا شاہ وصی اللہ کی طرف) رجوع ہی نہیں بلکہ بیعت ہو جائیں ۔ میں بعید مسافت پر ہوں ۔ دعا میں فراموش نہ فرمائیں ۔ والسلام ۔

(مولانا) حسین احمد مدنی (بقلم اصغر علی) ۲؍۲

راقم عرض کرتا ہے کہ یہ امر واضح رہے کہ مولوی اعظمی صاحب اپنی ان تمام تفاصیل سے حضرت مصلح الامۃؒ کو مطلع فرما رہے ہیں ۔ یعنی مولوی اعظمی صاحب نے اپنا یہ خط جو انھوں نے شیخ الاسلام کو لکھا تھا وہ مصلح الامۃؒ کی نظر سے بھی گذارا ۔ اب آپ بھی ان کی

یہ تحریر بغور پڑھیے اور اسوقت کی صورت حال پیش نظر رکھیے کہ منامی حاضری ایک بزرگ کی خدمت میں ہو رہی ہے اور جسمانی دوسرے بزرگ کے یہاں۔ پھر سے

ظاہر میں کہیں رہتے ہیں، باطن میں کہیں ہیں یہ وصف انھیں میں ہے کہ ہیں اور نہیں ہیں

اسکا بھی مظاہرہ ہو رہا ہے اسطرح سے ایک بڑا تردد ان مولوی صاحب کو انتخاب شیخ میں درپیش ہے۔ نیز حضرت مدنیؒ نے جو کہ ان کے استاد شفیق ہونے کے علاوہ نہایت ہی وسیع الاخلاق بزرگ بھی تھے ملاحظہ فرمایئے انکا یہ مشورہ (کہ جناب والا مولانا وصی اللہ صاحب کیخدمت میں حاضری دیا کریں اور ان سے بیعت ہو جائیں) ان صاحب پر کتنا شاق گذرا کہ جسکی تعبیر خود مولوی صاحب نے یوں فرمائی کہ کچھ دیر کے لئے تو سکتہ میں پڑ گیا۔ دماغ کی پریشانی بڑھ گئی۔ اور اسکی وجہ یہ بیان فرمائی کہ:۔

(۱) میں تو اپنے آپ کو آپ (حضرت مدنی) کے سپرد کر چکا تھا۔

(۲) عقیدت وارادت میری آپ (حضرت مدنی) ہی سے تھی۔

(۳) میلانِ قلب بھی آپ (حضرت مدنی) ہی کی طرف تھا۔

جسکے سبب سے گویا اپنے ارمان اور حضرت مدنیؒ کے فرمان میں سخت مزاحمت پائی۔ اور یہاں اتنا اور سمجھ لیجئے کہ ــــــ انکے مذکورہ تینوں باتوں کو حصر کے ساتھ بیان کرنے نے گویا حضرت مصلح الامۃؒ سے ان سب چیزوں کی نفی بھی کر دی۔ یعنی اس سے حضرت والاؒ سے عقیدت، ارادت، اور حضرت کیجانب میلان کا بھی صراحۃً انکار ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بس حضرت مصلح الامۃؒ نے انکے اسی مرض کو پکڑ لیا، چنانچہ حضرتؒ کے جواب کا تمام تر زور اور منشاء انکا یہی انکار بنا اس سے ناظرین کو اندازہ ہوا ہو گا کہ حضرت مصلح الامۃ کا یہ جواب از روئے طریق سالک کے حال کے عین مطابق تھا۔ اور از روئے غیرتِ طریق یہی جواب متعین بھی تھا۔

اب اگر ان مولوی صاحب کو حضرت مدنی سے والہانہ عقیدت تھی تو یہ تو کوئی بری بات نہ تھی اس سے انکو فائدہ اٹھانا چاہیئے تھا اور بالفرض اگر کسی دوسرے شیخ کے یہاں آمد و رفت بھی شروع کر دی تھی تو شیخ اول کی عقیدت و محبت کے نکال پھینکنے کا انسان مکلف بھی نہیں ہے ان میں سے کوئی چیز غلط نہیں تھی۔ غلطی جو ان سے ہوئی وہ یہ کہ ایک شیخ کے پاس عرض حال

کیا جا رہا ہے اور بظاہر اسکو ملجا و ماوی بھی قرار دیا جا رہا ہے لیکن حال یہ ہے کہ اس سے عقیدت و ارادت تک بھی نہیں ہے۔ یہ چیز بدنما ہو گئی اور واقعی ہے بھی یہ طریق میں مضر چنانچہ ان مولوی اعظمی صاحب نے یہ سب باتیں حضرت مصلح الامۃؒ کو لکھکر خط کے آخر میں لکھا کہ

(بقیہ خط مولوی اعظمی صاحب بنام حضرت مصلح الامۃؒ)

بوجہ پریشانی اور قلبی اضطراب کے حضرت مولانا مدنی دامت برکاتہم کو اس مکتوبؒ کا جواب نہیں دے سکا اور نہ کوئی بات ہی سمجھ میں آتی ہے کیا کروں؟ ان پریشانیوں میں ہوں۔ اس لئے حضرت والا (یعنی حضرت مصلح الامۃؒ) سے استدعا ہے کہ میرے اوپر رحم وکرم فرمائیں۔ امداد کا محتاج ہوں۔ امداد فرمائیں۔ میرے مناسب حال کچھ تحریر فرمائیں۔ یہ ہیں حالات جواب کا سخت انتظار ہے۔ حضرت کے جواب کے بعد ہی استاذنا مولانا مدنی کو جواب دینے کا ارادہ ہے۔ والسلام

(...... ۔ ۴ر جنوری ۱۹۵۱ء)

خط کے آخری جملے ملاحظہ فرمائیے ان سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ ایک پریشان حال طالب ایک بزرگ کے سامنے جن سے انکو بظاہر عقیدت بھی ہے عرض حال کر کے ان سے مدد اور مداوا کا خواہشمند ہے لیکن اسی نے اپنا دوسرا خط جو دوسرے بزرگ کو لکھا ہے تو اس انداز کا کہ جیسے ان پہلے بزرگ کا انکار، ان سے عقیدت اور ارادت کا انکار اور انکی جانب میلان قلبی سے انکار مصرح ہے۔ اب کسی کا ظاہر ایسا ہو اور باطن ویسا ہو تو آپ خود خیال فرمائیے کہ شیخ پر اسکے اس تخالف ظاہر و باطن کا کیا اثر پڑے گا۔

طریق میں انکار نہایت ہی سخت چیز ہے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس طریق میں زنا کی کھیت ہے، چوری کی کھیت ہے مگر انکار کی کھیت نہیں ہے۔ "اگر آنجا انکار بود حرمان عظیم باشد کہ منکر جز مخذول و مطرود نبود"۔

چنانچہ یہی مرض ترقی کر کے جب اصل دین میں پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ و رسول کے ساتھ بھی معاملہ کرنے میں انسان آ پڑتا ہے تو اسی کا نام نفاق ہو جاتا ہے اور مشائخ اپنے معاملہ میں اسکو انکار

سے تعبیر فرماتے ہیں اسکا علاج یہی اخراج ہی ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پہ خطبہ فرما رہے تھے کہ اثنار خطبہ ہی میں آپ نے فرمایا کہ قم یا فلاں فَاخْرُجْ فَاِنَّكَ منافق فلانے تم اٹھو اور نکلو تم منافق ہو۔ اور تم بھی اٹھو اے فلانے تم بھی منافق ہو۔ اس طرح سے آپ نے چھتیس آدمیوں کو نام لے لیکر نکال دیا اور انکو علی الاعلان رسوا فرما دیا۔

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ خلق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاملہ کی بابت کیا فرمائیے گا؟ میرا تو ایمان ہے کہ آپ کا یہ معاملہ سراپا حق، عین لطف وکرم اور بالکل عدل واعتدال کے مطابق تھا۔ بات یہ ہے کہ دوا کی تیزی اور کڑواہٹ سے طبیب کے اخلاق اور عدم شفقت پر استدلال کرنا ہی عقل کی بات نہیں ہے۔ ہاں اس سے یہ ضرور معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اللہ اکبر یہ ایسا شدید مرض لیکر آیا تھا جو ایسے شفیق اور خلیق طبیب کو بھی ایسی دوا استعمال کرنا پڑی۔

بہرحال جس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک لہولہان ہونے کے باوجود اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ فرمانا آپ کا خلق عظیم تھا اسی طرح سے ان منافقین کو یہ فرمانا بھی کہ اُخْرُجْ یا فلاں فَاِنَّكَ منافق آپ کا سرتاپا لطف وکرم ہی ہے۔ اسی طرح اس بزرگ کو بھی متبع سنت ہی کہا جائے گا جو لوگوں کے ساتھ دونوں ہی نوع کے معاملات روا رکھے۔ باقی یہ کہ انکو کس کے ساتھ کیا کرنا چاہیئے تو اس کے لئے وہ ہمارے مشورے کے محتاج نہیں ہیں۔ یہ حضرات اپنے طریق کار میں مجتہد اور اپنی رائے پر مستبد ہوتے ہیں، خدا سے ڈرنے والے ہوتے ہیں، حق تعالے کی جانب سے انکی نصرت فرمائی جاتی ہے اور ہر شخص کے ساتھ معاملہ کی نوعیت ان حضرات کے قلب پر القار ہوتی رہتی ہے کسی غیر کو اسمیں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے ؎

تو نہ دیدی گہے سلیماں را
چہ شناسی زبانِ مرغاں را

ان حضرات کا مزاج معاذاللہ ہم اہل نفس جیسا تھوڑا ہی ہوتا ہے کہ اپنے نفس کیخلاف کچھ ہوا اور انتقام لے لیا۔ توبہ توبہ یہ حضرات نفس سے چھوٹ چکے ہوتے ہیں تب جاکر یہ منصب انھیں ملتا ہے اور اسوقت جو بھی معاملہ فرماتے ہیں نرم یا گرم اس سے مقصود اصلاح و نصح خلق ہی ہوتا ہے جسکو یوں سمجھ لیجئے کہ ان حضرات کا اخراج بھی شرائط داخلہ پر عمل کرانے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ راہِ حق سے ہٹانے اور دین حق سے متوحش کرنے کے لئے۔ اب اس راز کو جو سمجھ لیتا ہے کامیاب ہوجاتا ہے اور جو نہیں سمجھ سکتا اسکو کون سمجھا سکتا ہے ؎

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی — بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

مشائخ کے اسی قسم کے معاملات کے متعلق کسی عاشق نے کہا ہے ؎

وہ اول تیغ کی زد سے ہر اک کو دور کرتے ہیں — مگر جب وار کرتے ہیں تو پھر بھرپور کرتے ہیں
وہ پہلے غم دیا کرتے ہیں پھر مسرور کرتے ہیں — تسلی ہم تری اے خاطرِ رنجور کرتے ہیں
ستم ایجاد ہیں، بھنا وہاں کچھ کھیل ہے لے دل — مقررنت نئی شرطیں، نئے دستور کرتے ہیں
لگا دیتے ہیں ایسی اور اتنی وصل میں شرطیں — کہ وہ منظور کرنے پر بھی نامنظور کرتے ہیں
عجب سرکار ہے انکی ستم ہی میں کرم دیکھا — وہی مقبول ہوتا ہے جسے وہ دور کرتے ہیں

اسی کو احقر نے عرض کیا تھا کہ جس نے اس راز کو سمجھ لیا وہ کامیاب ہوگیا اور جس نے ان حضرات کے ستم کو ستم سمجھا اسکے کرم پھوٹے کیونکہ یہی حضرات یہ بھی فرماتے ہیں کہ

تو بیک زخمے گریزانی زعشق — تو بجز نامے چہ می دانی ز عشق

جب تم ایک ہی چرکے میں عشق سے بھاگ نکلتے ہو تو تم صرف عشق کا نام ہی جانتے ہو اور سے زیادہ تمھیں اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو نام کا عاشق بھی کوئی عاشق ہے؟

ایک بزرگ غالباً حضرت شبلیؒ نے اپنے پیچھے ایک جماعت کو آتے ہوئے دیکھا، دریافت فرمایا یہ کیسے لوگ ہیں؟ کسی نے کہدیا حضرت یہ سب لوگ آپ کے محب ہیں۔ آپ نے پتھر اٹھاکر سب کو مارنا شروع کردیا۔ بس پھر کیا تھا ایک ایک کرکے سب بھاگ گئے۔ پھر دیکھا تو پیچھے کوئی نہیں تھا۔

دریافت کیا کہ وہ سب لوگ کیا ہوئے؟ کہا گیا کہ حضرت نے جب پتھر مارے تو بھاگ گئے۔ فرمایا کہ یہی لوگ میرے محب بنتے تھے؟ لوکانوا احبائی لصبروا علی بلائی اگر یہ لوگ حقیقتًا میرے محب ہوتے تو میری آزمائش اور امتحان پر صبر کرتے نہ کہ اس طرح سے بھاگ جاتے۔

الغرض جس طرح محبوب سے جسمانی طور پر بھاگنا عشق میں معیوب ہے اسی طرح سے شیخ سے قلبًا بُعد کا ہونا دل میں انکار اور عدم اعتقاد کا ہونا طریق میں خاصا نقص ہے۔ چنانچہ مولوی اعظمی صاحب کے خط میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ یہی منزل انکے لئے مزلۃ الاقدام ثابت ہوئی اور واقعی سمجھ میں نہیں آتا کہ انتخاب شیخ کے بارے میں انکیں ایسا کیا تردد درپیش ہوگیا کہ ایک نہیں تین تین خط میں حضرت مدنیؒ اپنی رائے تحریر فرما رہے ہیں اور نہایت محبت و شفقت کے ساتھ تحریر فرما رہے ہیں مگر نہ اسی پر عمل ہوا اور نہ یہی کیا گیا کہ دوسری جانب سے یکسو ہوکر حضرت مدنیؒ کو لکھدیتے کہ حضرت مجھے ارادت چونکہ آپ ہی سے ہے، عقیدت آپ ہی سے ہے اور میلان قلبی بھی آپ ہی کی جانب ہے لہٰذا بس آپ ہی کو اپنا مربی مصلح اور شیخ تجویز کر رہا ہوں اور اب میں نے یہ طے کر لیا ہے یہی کر لیتے۔ اللہ اللہ خیر سلّا۔ یہ بھی نہیں ہوا بلکہ اسکے متعلق مشورہ ایک ایسی ذات سے لیا جا رہا ہے اور رحم و کرم کا واسطہ ایک ایسے کو دیا جا رہا ہے جس سے نہ عقیدت ہے نہ ارادت ہے نہ اسکی جانب میلان قلبی ہے ایسے موقع پر بس یہی پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

میرؔ کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جسکے سبب — اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

اب آپ خود خیال فرمائیے کہ ایک ایسا شیخ جو غیرت طریق بھی رکھتا ہو اسکو جب لکھا جائے گا کہ مجھکو فلاں دوسرے بزرگ سے عقیدت ہے اور ان سے ارادت ہے اور انہی کی جانب میرا میلان قلبی بھی ہے، اسکے بعد اسکو یہ لکھا جائے کہ باوجود اسکے حضرت والا سے یہ استدعا ہے کہ آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ میں کیا کروں؟ اور للہ حضرت میرے اوپر رحم و کرم فرمائیں۔ امداد کا محتاج ہوں، امداد فرمائیں اور میرے مناسب حال کچھ تجویز فرمائیں ـــــ بہ نظر انصاف آپ ہی فیصلہ فرمائیے کہ آخر اس درخواست پر ایک شیخ کو کچھ غیرت آسکتی ہے یا نہیں اور اسکو اس بدعقیدگی پر کچھ تغیر ہوگا یا نہیں ظاہر ہے کہ ضرور ہوگا اور ہر احساس والے کو ہونا چاہیئے۔ پھر اگر اسکے جواب میں وہ یہ لکھدے کہ ؎

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہوجا — سراسر موم ہو یا سنگ ہوجا

تو اس نے کیا بیجا کیا؟ اور اس جواب کے سوا دوسرا جواب ہو ہی کیا سکتا ہے؟ کیونکہ حاصل جواب کا یہی ہوا کہ آپ کو ساری الجھنیں اور پریشانیاں جو درپیش ہیں وہ دراصل دونا ؤ پر قدم رکھنے کی وجہ سے ہیں جب تک اس سے آپ اپنے کو یکسو نہیں کریں گے اس مخمصہ سے نجات نہیں ملے گی لہٰذا مختصر یہ کہ جناب (بقول خود) چونکہ اپنے کو ایک بزرگ کے حوالہ کرنے کا ارادہ ہی نہیں رکھتے بلکہ کر چکے ہیں لہٰذا اب آپ کو استفادہ کا حق انھیں سے ہے (اور چونکہ اس قسم کے مریض اکثر خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور مشائخ کو بھی پریشان ہی کرتے ہیں اور نفع انکا یکسوئی کے حاصل کرنے میں ہے لہٰذا آپ سے کہتا ہوں کہ) آپ کو نہ اب یہاں تشریف لانے کی اجازت (کہ بدون اعتقاد کے نفع نہیں ہوتا اور وہی غائب ہے لہٰذا تکلیف فرمائی فعل عبث ہے) اور نہ خط و کتابت ہی کی ضرورت (کہ بلا وجہ تضیع اوقات ہے اب جو کام کرنے کا ہے وہ یہ کہ جس سے آپ کی عقیدت و ارادت مسلّم ہے وہی ذات تعلق اور استفادہ کے لئے متعین ہے) والسلام۔

اب آپ سے کیا عرض کروں اور ہائے اپنی اس بدمذاقی کے علاج کے لئے کہاں جاؤں اور کس سے رجوع کروں ع گیا وہ قبلۂ حاجات روحانی و جسمانی۔ کہ مجھے تو حضرتؒ کے اس جواب پر جب بھی اسکو پڑھتا ہوں ایک کیف و حال سا طاری ہو جاتا ہے کہ واہ رے مصلح الامۃؒ اور بلا شبہ طبیب نفس اگر ہو تو ایسا تو ہو بقول سعدیؒ ؎

درشتی و نرمی بہم در بہ است کہ فصاد رگ زن و مرہم نہ است

مولوی اعظمی صاحب موصوف جس عقبہ میں گرفتار تھے اسکا وہی حل متعین تھا جو حضرت مصلح الامۃؒ نے انکے لئے تجویز فرمایا۔ باقی انکا جو مرض تھا جسکی جانب ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے وہ کچھ ہماری تجویز نہیں تھی بلکہ خود حضرت مصلح الامۃؒ نے ایک موقع پر اسکی تصریح فرمائی ہے اس طور پر کہ ایک عالم صاحب نے مولوی اعظمی صاحب کے اس واقعہ سے متاثر ہو کر اپنا تاسف اور دبے لفظوں میں کچھ انکی جانب سے معذرت اور کچھ اپنی جانب سے انکے لئے سفارش کا ایک خط حضرت مصلح الامۃؒ کو لکھا۔ ان مولوی صاحب کا خط اور حضرت والاؒ کا جواب ملاحظہ ہو:-

(ایک عالم صاحب کا سفارشی خط حضرت مصلح الامۃؒ کے نام)

حال ــــــ عرض ہے کہ جب کہ ان مولوی صاحب کو (یعنی یہی مولوی اعظمی صاحب کو) وہاں

(یعنی حضرت مدنی سے) عقیدت تھی تو حضرت والا سے رجوع کرنے کی کیا ضرورت؟ مگر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ انکا طبعی رجحان بوجہ تلمذ کے حضرت مدنی ہی طرف تھا۔

تحقیق ——— اب بھی ہے۔

حال ——— مگر اب حضرت والا کے فیض سے قدرے شعور پیدا ہو رہا ہے جس سے یہاں کا نفع محسوس کرنے لگے ہیں۔ اور اسی کشاکش میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اپنی کم فہمی سے حضرت والا ہی سے مشورہ کر رہے ہیں۔

تحقیق ——— بھائی میرا تو دوسرے خط میں صاف انکار ہے کہ (انھوں نے مولانا مدنی کو لکھا ہے کہ) عقیدت وارادت بھی حضرت والا ہی سے ہے۔ ان الفاظ میں میرا انکار صریح اور اور بیّن ہے اور اس سے نفع کا انکار بھی لازم آیا۔ یہ امراض باطنیہ مہلکہ میں سے ہے اہل علم مدعی (اسمیں) مبتلا ہیں۔ (رہا کم فہمی کو جو آپنے لکھا تو) حقیقت تو یہی ہے، مگر آجکل یہ ہوشیاری ہے کہ دوسرے کو بیوقوف بنا کر کام بنا لیا جاوے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ خط دیکھئے حضرت والا خود فرما رہے ہیں کہ بھائی میرا تو خط میں صاف انکار ہے۔ اب بھلا بتائیے جبکی کسی بات سے شیخ کے قلب پر یہ اثر مرتب ہو اسکو شیخ سے خاک نفع پہونچ سکتا ہے باقی نفع کی اب تو یہی صورت ہو سکتی تھی کہ طالب خود کو اسطرح سے پیش کرتا کہ شیخ کے قلب سے تکدر زائل ہو جاتا یعنی اپنی غلطی کی صدق دل سے معافی چاہتا اور انتہائی لجاجت اور عاجزی کے ساتھ اسکی ولی توجہ کو اپنی جانب مبذول کراتا اور اگر کوئی شخص ان حالات میں ذرا بھی اعراض اور استغنا سے کام لیتا ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ حضرات کہیں زیادہ مستغنی ہوتے ہیں اور اسکے مصداق ہوتے ہیں ؎

ہاں وہ نہیں وفا پرست جاؤ وہ بے وفا سہی ‌ ‌ ‌ جسکو ہو جان و دل عزیز اسکی گلی میں جائے کیوں

اب یہ پورا واقعہ اور مولوی صاحب موصوف کا مفصل خط (جسے چاہے تو یوں کہہ لیجئے کہ یہی حضرت مدنیؒ کے اُس خط کا شان نزول ہے جسمیں ہے کہ مولوی وصی اللہ صاحب منقطع الی اللہ ہیں) آپ کے سامنے ہے اب اسکو ملاحظہ فرمائیے اور خود فیصلہ فرمائیے کہ یہ جواب تلخ ہے یا سوال ہی میں کچھ خامی تھی۔ جواب تو ہمیشہ سوال کے تابع ہوا کرتا ہے اور دوا کی تیزی مرض کی شدت کے بقدر ہوا کرتی ہے۔

بہر حال بحث کچھ طویل ضرور ہوگئی تاہم میں نے ان سطور میں حضرت مصلح الامۃ کے دامن سے حاشیۂ مکتوبات کیوجہ سے پڑنے والے دھبہ کے ازالے کی کوشش محض اسلئے کی ہے کہ بعد میں آنے والی نسل کے مطالعہ سے اگر وہ حاشیہ گذرے تو کوئی اللہ کا بندہ اسکو معرفت حق کی جانب کبھی رجوع کر دے کیونکہ اولیاء اللہ کا معاملہ اہم ہوتا ہے اور آداب مشائخ کے سلسلہ میں علماء طریق نے لکھا ہے کہ

وکثیر من النفوس التی یُراد بھا عدم التوفیق اذا رأت من استاذہ شدۃ فی التربیۃ تنفر عنہ وترمیہ بالقبائح والنقائص ما ھو بریٔ ولیحذر الموفق من ذلک۔

اور بہت سے ایسے لوگ جو بے توفیق ہوتے ہیں جب وہ اپنے شیخ سے باب تربیت میں کچھ سختی دیکھتے ہیں تو اسکے یہاں سے بھاگ نکلتے ہیں اور اسکو ایسے ایسے عیوب و نقائص کے ساتھ متصف کرتے ہیں جن سے وہ بری ہوتا ہے چاہئے کہ توفیق والا یہ راہ نہ چلے۔

ومن فتح باب التاویل للمشائخ وا غمض عن احوالھم و وکل امرھم الی اللہ تعالیٰ واعتنیٰ بحال نفسہ وجاھدھا بحسب طاقتہ فانہ یرجیٰ الوصول الی مقاصدہ والظفر بمرادہ فی السر والعلانیہ فی اسرع زمن۔

اور جس نے مشائخ کے لئے تاویل کا دروازہ کھولا اور انکے احوال سے چشم پوشی اختیار کی اور ان کے معاملہ کو خدا کے حوالہ کیا اور اپنی فکر میں لگا اور بقدر طاقت اپنے نفس سے مجاہدہ کیا تو اس کے لئے مقاصد تک پہونچ جانے کی اور ظاہراً باطناً مراد میں کامیاب ہو جانے کی بہت جلد امید کیجا سکتی ہے۔

ومن فتح باب الاعتراض علی المشائخ والنظر فی مقالھم والبحث عنھا فان ذلک علامۃ حرمانہ و سوء خاتمتہ وانہ لایفلح۔

(رسائل ابن عابدین ص۲۸۹ ج۲)

اور برخلاف اس کے جس شخص نے مشائخ پر اعتراض کا دروازہ کھولا اور ان کے اقوال میں تجسس کیا اور ان میں کھود کرید کیا تو یہ (معاذاللہ) اس کی محرومی کی نشانی اور سوء خاتمہ کی علامت ہے اور یہ کہ ایسا شخص فلاح کو کبھی پا ہی نہیں سکتا۔

علماء کے یہ اقوال مشائخ کی شان میں کف لسان کی اہمیت کے لئے کافی و وافی ہیں چنانچہ اسکا مفہوم بدون شرح کے بھی واضح ہے۔

بزرگوں کی جگہیں امراض باطنی کا شفاخانہ ہیں انہیں طرح طرح کے مریض آتے ہیں نوع بنوع کے انکے علاج ہوتے ہیں اب اسکو شیخ کامل خود سمجھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان مولوی صاحب کو اپنی اور اپنے طریق کی محبت و معرفت سے نوازے اور ہم سب کو نفس کے خفیہ کید سے محفوظ رکھے۔ اور اللہ والوں کی محبت اور انکے کامل ادب سے سرفراز کرے۔ آمین۔

ان صفحات میں کہ جن میں اصالۃً تو شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور شیخ وقت حضرت مصلح الامۃؒ کے ہی حالات کا بیان کرنا مقصود تھا مگر ضمناً مولوی اعظمی صاحب سلمہ اللہ کا بھی ذکر آگیا اور خاصا طویل آیا لیکن مقصد چونکہ یہاں صرف حضرت مرشدیؒ کے کمالات اور تعلیمات کا اجاگر کرنا تھا اسلئے امید ہے کہ بہت کچھ اختلافی مباحث آجانے کے باوجود بھی یہ بیان کسی کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ دلخراش نہ ہوا ہوگا۔ آخر میں ایک بات اور عرض کردوں وہ یہ کہ اس مکاتبت کے بعد اگرچہ مولوی صاحب موصوف کا تعلق حضرت مصلح الامۃؒ سے نہ ہوسکا خیر یہ تو مقدر کی بات تھی جسکا حصہ جہاں سے لکھا ہوتا ہے منجانب اللہ اسکے ویسے ہی اسباب سامنے آجاتے ہیں، لیکن جسقدر ناگواری اور برہمی ان محشی صاحب کو حضرت اقدسؒ کے جواب پر ہوئی خود صاحب واقعہ یعنی مولوی اعظمی صاحب کو بھی اتنی نہیں ہوئی مدعی سست اور گواہ چست اسکو کہا جاتا ہے چنانچہ محشی صاحب نے اسکے بعد مولوی صاحب کو بہت کچھ سمجھایا اور جھنجھوڑا بھی کہ مولانا فتحپوریؒ کے یہاں کہاں جاکر وہ پھنس گئے ملاحظہ ہو اپنے اسی حاشیہ میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

تعجب ہے کہ مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ اعظمی صاحب شیخ الاسلام مدظلہ سے شرف تلمذ بھی رکھتے ہیں اور ارادت وعقیدت بھی باوجود اسکے پھر یہ حال لوگوں کی دیکھا دیکھی ہوجائے بقول غالب ؎

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ   پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

یعنی محشی صاحب نے ہر چند تلقین فرمائی کہ وہ (مولوی اعظمی) صاحب حضرت فتحپوریؒ کو رہبر ہی نہ جانیں مگر مولوی صاحب موصوف بھی حضرت مصلح الامۃ کی محبت میں کچھ ایسے سرشار تھے کہ زبان حال سے گویا اسکے جواب میں یہ کہتے تھے۔

تو ہو کے ترش رو مجھے گالی ہزار دے   یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

چنانچہ حضرت مصلح الامۃؒ کا ادب اور حضرتؒ کی عظمت ان اعظمی مولوی صاحب کے قلب میں آخر آخر تک رہی جس پر خود انکا وہ خط شاہد ہے جسے حضرتؒ کے وصال کے بعد الخفوں بطور تعزیت حضرت مخدومی و محترمی قاری محمد مبین صاحب مدظلہٗ جانشین حضرت مصلح الامۃؒ کے نام مدینہ منورہ ارسال فرمایا۔ وہو ہٰذا۔

محترم المقام جناب قاری محمد مبین صاحب۔ زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔ داعی الخیر مع الخیر ۲۶ نومبر کی صبح کو حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال کی وحشت ناک اطلاع ملی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کل نفس ذائقۃ الموت کے تحت مقام رضا بالقضاء والقدر صبر وشکر ہے۔ جسکے ہم سبھی مکلف ہیں بعون اللہ عزوجل وفقنا اللہ وایاکم۔ میری طرف سے حضرت مرحوم نور اللہ مرقدہ کے بچوں کو ہدیۂ سلام مسنون کے بعد انکیں کلمات تعزیت میں صبر وشکر کی تلقین فرما دیجئے۔ اللہ رب العزت مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور درجات علیہ نصیب فرمائے۔ اور تا ابد فیض جاری رکھے۔ آمین۔

مقام دکھ وافسوس یہ ہے کہ آج ہر خاص وعام تہذیب جدید کا شکار ہو کر اپنے دین ومذہب سے بیزار ہو رہے ہیں اور اس نازک پر فتن دور میں ایک مسلم عالم دین کا دار بقا کی طرف چل دینا اور انکے ظل گراں مایہ سے مخلوق کا محروم ہو جانا فی الحقیقۃ ایک حادثۂ عظیمہ ہے جسکی تلافی کی بجز اسکے کوئی شکل نہیں کہ خدام مرحوم کا نمونہ بنکر انکے مسلک ومشن کو لوجہ اللہ جاری وباقی رکھیں تاکہ حضرت مرحوم کے روحانی فیوض وبرکات کا سلسلہ ان خدام کے واسطہ سے ابد الآباد تک جاری و باقی رہ سکے۔

محترم یہ شرف معیت تا دم حیات آپ کے لئے باعث سعادت ہے جس قدر آپ نفلی طواف شیخ ومرشد کی طرف سے کرسکیں کرتے رہیں تاکہ باطنی وروحانی تعلق میں اضافہ مستقلہ ہو۔ دعوات صالحہ میں اس ناچیز وراقم السطور کو فراموش نہ فرمائیں۔ دربار رسالت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدیۂ صلوٰۃ وسلام مسنون پیش فرمائیں۔ کرم ہوگا۔ بچوں کو بہت بہت سلام۔ خداوند کریم جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشیں اور ہم سبھی کو اپنی رضا واتباع شریعت نبویہ کی بھی توفیق مرحمت فرما دیں فقط والسلام۔

مولانا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ یکم رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ

ملاحظہ فرمایا آپ نے مولوی اعظمی صاحب کا تعزیت نامہ۔ گو یہ صحیح ہے کہ کسی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد لوگ اسکی تعریف ہی کرتے ہیں، مگر مولوی صاحب موصوف کا یہ فرمانا کہ:-

"اللہ رب العزۃ حضرت کا تا ابد فیض جاری رکھے" ــــــــ "اور اس نازک اور پرفتن دور میں ایک عالم دین کا دار بقا کی طرف چل دینا ایک حادثہ عظیمہ ہے اور اب اسکی تلافی کی بجز اسکے کوئی شکل نہیں کہ خدام والا مرحوم کا نمونہ بن کر انکے مسلک اور مشن کو لوجہ اللہ جاری و باقی رکھیں تاکہ حضرتؒ کے روحانی فیوض و برکات کا سلسلہ ان خدام کے واسطہ سے ابدالآباد تک جاری و باقی رہ سکے۔"

یہ سب کچھ ایسے کلمات نہیں ہیں جنکو صرف رسم پر محمول کیا جاسکے اور نہ بارگاہِ شیخ الاسلام سے فیض حاصل کئے ہوئے ایک عالم دین سے ہم اسکی توقع کر سکتے ہیں کہ اس نے جو کچھ کہا محض رسماً کہا۔ حاشا کلا ایسا نہیں ہے۔ بلاشبہ یہ مولوی صاحب موصوف کے اس قلبی محبت اور عظمت کی ترجمانی ہے جو ان کو حضرت مصلح الامتؒ سے تھی۔ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب کا بھلا کرے کہ انھوں نے اپنے آخری چند کلمات کے ذریعہ حضرت اقدسؒ کے خدام کو ابھار ہی دیا کہ وہ حضرت اقدسؒ کا عملی نمونہ بنکر ان کے مسلک اور مشن کو جاری کریں۔ اور دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے مسلک اور مشن کو ابدالآباد تک جاری و باقی رکھے۔ یہ سب الفاظ بدون کسی لگاؤ کے کیونکر وقوع میں آسکتے ہیں؟

خدا کرے ان سطور میں سالکین اور طالبین کے لئے کوئی عبرت، کوئی نصیحت اور انکے لئے کوئی کام کی بات بیان ہوگئی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ناظرین کو اس سے نفع بخشیں۔ آمین۔

اس جگہ پہونچکر حضرت شیخ الاسلامؒ اور شیخ الوقتؒ حضرت مصلح الامتؒ کے حالات کا سلسلہ ختم ہوا اللہ تعالیٰ اپنے ان دونوں بزرگوں کی برکات سے ہم سب کو نوازے۔ آمین۔

گذارش احقر: احباب کا بھی اصرار ہے اور خود اپنا بھی جی چاہتا ہے کہ اس سلسلہ کے حالات کو یہیں ختم کر کے اب حضرت مصلح الامتؒ کے ابتدائی حالات کا بیان شروع کر دیا جائے۔ ناظرین کرام سے توفیق کی اور ارتفاع موانع کی دعا کی درخواست ہے۔

والسلام۔ جامی